ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا

صد سالہ عرس رضوی نمبر

ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا صد سالہ عرس رضوی نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار مجدد دین و ملت امام اہلسنت شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا سرکار اعلیحضرت عظیم البرکت

جلد نمبر ۵۸
شمارہ نمبر ۱۱-۱۲
جلد نمبر ۵۹
شمارہ نمبر ۱

بفیض رحانی
حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ
محمد حامد رضا قادری
علیہ الرحمہ

سرپرست روحانی
احسن العلماء حضرت علامہ
سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں
علیہ الرحمہ
مارہرہ شریف

بفیض کرم
مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ
محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری
علیہ الرحمہ

صفر المظفر تا ربیع الآخر
۱۴۴۰ھ
نومبر/دسمبر ۲۰۱۸ء
جنوری ۲۰۱۹ء
Nov. - Dec. 2018
Jan- 2019

بانی رسالہ
مفسر اعظم حضرت علامہ
محمد ابراہیم رضا قادری
"جیلانی میاں" علیہ الرحمہ

زیر سایہ کرم
ریحان ملت حضرت علامہ شاہ
محمد ریحان رضا قادری
علیہ الرحمہ

ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا

صد سالہ عرس رضوی نمبر

پیشکش
نبیرۂ اعلیٰ حضرت (مولانا)
محمد احسن رضا قادری
سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت، صدر تحریک تحفظ سنیت بریلی شریف

زیر اہتمام و سرپرستی
نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادہ ریحان ملت پیر طریقت حضرت مولانا الحاج الشاہ
محمد سبحان رضا خاں قادری سبحانی میاں
خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف مدظلہ النورانی

فہرست مضامین

امام احمد رضا کا علمی مقام ومرتبہ

از۔ امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری زیب سجادہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ

دنیائے اسلام میں امام احمد رضا کی ذات محتاج تعارف نہیں امام احمد رضا کا دور (۱۲۷۲تا۱۳۴۰ھ/ ۱۸۵۶تا۱۹۲۱ء) ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں ایک الگ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب آزادی کی شمع روشن ہو چکی تھی اور ملک کو آزاد کرانے اور انگریزوں کے تسلط سے نجات پانے کی کوششیں ہندوستانی مسلمان شروع کر چکے تھے اس دور میں خطۂ روہیل کھنڈ میں وہ بچہ پیدا ہوا جو چودھویں صدی کے مجدد کے منصب پر فائز ہوا۔ اہلسنت والجماعت کا ہر شخص اس ذات کا احسان مند ہے جس نے اسلام وسنیت کے دفاع میں تقریباً پچپن برس جہاد بالقلم کیا اور تمام دشمنان اسلام وسنیت کو لا جواب کر دیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی شخصیت کو مسخ کرنے کی بہت سی کوششیں کی گئیں۔ ان پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے کہ وہ کفر ساز مشین ہیں، اپنے مخالف کو کافر بنا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، ان کی قرآن فہمی مشکوک ہے وغیرہ وغیرہ لغو الزامات ان پر لگائے گئے۔ لیکن اللہ رب العزت جن کو اپنی رضا سے اپنے پیارے محبوب کے دین کی خدمت پر معمور کر دے پھر ان کے سامنے باطل کی طاقت کیا معنی رکھے گی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے قلم سے تمام باطل اور گمراہ فرقوں کا مقابلہ کیا اور ان کے تمام باطل عقائد کا دنداں شکن جواب دیا۔

حضرت فاضل بریلوی کو رب العزت نے بڑی خوبیوں سے نوازا اور خوب دین کا کام لیا۔ وہ بیک وقت ایک عبقری فقیہ، عظیم محدث، کہنہ مشق شاعر، ماہر علم نجوم و ریاضی غرضیکہ علوم وفنون کا عطر مجموعہ، جدھر دیکھئے اپنے بے مثال صفات کے آئینہ میں وہ یکتا نظر آئیں گے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے تمام علوم مروجہ قرآن، حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، تاریخ، منطق وفلسفہ، نجوم، فلکیات وغیرہ میں اپنے تبحر علمی کا لوہا منوایا۔ حضرت امام رضا نے نہ صرف مذہبی علوم میں قلم اٹھایا بلکہ علوم جدیدہ پر ایسی فاضلانہ تحقیقات زمانہ کے سامنے پیش فرمائیں کہ اگر ان کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرا دیا جائے تو بڑے بڑے سائنس داں امام احمد رضا کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کریں اور ان کی یہی بے مثال علمی صلاحتیں اور کاوشیں ان کی ذات کو اوروں سے منفرد اور ممتاز کر دیتی ہیں۔ حضرت رضا نے علم جفر، ریاضی، فلکیات، فلسفہ، جغرافیہ، علم حیوانات ونباتات وغیرہ سمیت تقریبا پچاس سے زائد علوم وفنون میں تصانیف کا خزانہ دنیا کو عطا فرمایا۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن ''کنز الایمان'' اپنے آپ میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔حضرت فاضلِ بریلوی کے ترجمہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے ملک شیر محمد خاں رقمطراز ہیں کہ''ترجمہ کا طریقہ یہ ہے کہ امام احمد رضا زبانی طور پر آیت کا ترجمہ بولتے جاتے اور حضرت صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہ آیات کے معنی سوچتے پھر ترجمہ کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوتِ حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانی سے پڑھتا جاتا ہے۔''اور شاید یہی وجہ تھی کہ کنز الایمان ایک سادہ اسلوب اور عام فہم انداز میں سامنے ابھر کر آیا۔

اسی طرح امام احمد رضا کی حدیث دانی کا کوئی جواب نہ تھا۔ان کے علم حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا محمود احمد رضوی رقمطراز ہیں کہ''علم حدیث میں بھی وہ اپنا ہمسر نہ رکھتے تھے۔علم رجال میں ان کو وہ دسترس حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوک زبان پر تھے۔معنیٔ حدیث، ناسخ و منسوخ کی تمیز، جمع بین الصلاتین کی بحث میں آپ کی ایک نفیس و جلیل تصنیف''**حاجز البحرین عن جمع بین الصلاتین**'' قابلِ دید ہے جس میں مولوی نذیر حسین دہلوی پیشوائے غیر مقلدین کا رد فرمایا ہے۔اگر محدثانہ شان امام احمد رضا کی دیکھنی ہو تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کیا جائے۔''

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی فقہی بصیرت پر ان کو بھی کوئی شک نہیں ہے جو ان کے حلقۂ محبت میں نہیں ہیں۔فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہوں گے کہ امام احمد رضا نے گیارہ ہزار صفحات پر مشتمل فتاویٰ رضویہ لکھ کر ہم سنیوں پر کتنا بڑا احسان کیا ہے، جس سے ان کی مجتہدانہ بصیرت، علمی استدلال اور فکر کی گہرائی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور فتاویٰ کا مطالعہ کرنے والوں میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو بعض معاملات میں ان کے شدید مخالف ہیں لیکن ان کی علمی صلاحیتوں کے معترف بھی۔ بقول ابوالحسن علی ندوی''فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو۔اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی تصنیف''**فقہ الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم**'' شاہد اور اسی سلسلہ کو مزید تقویت بخشتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کہا''امام احمد رضا بے حد ذہین اور باریک بیں عالم دین تھے۔فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرور تھے اور پاک و ہند میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ہی ملے گا''اس کو کہتے ہیں حقیقت جو سر چڑھ کر بولتی ہے۔

فاضل بریلوی قدس سرہ کی فقاہت پر حضرت صدر الافاضل نے جو کلام فرمایا ہے اسے ملاحظہ فرمائیے۔فرماتے

ہیں: ''علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم، مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ تفصیل تو ان کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا وہی تمام بد مذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالف کو بھی تسلیم ہے فقہ میں ان کا نظیر آنکھوں نے نہ دیکھا۔''

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شاعری کی بات کی جائے تو وہ بیک وقت اردو، عربی، فارسی کے قادر الکلام شعراء کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے۔ انھوں نے اس اعلیٰ درجہ کی شاعری کی ہے کہ ملک کی مایہ ناز علمی درسگاہیں امام احمد رضا کی شاعری پر تحقیقی کام کروا رہی ہیں۔ حدائق بخشش کا مطالعہ کرنے والے اہل علم و اہل ادب و سخن جانتے ہیں کہ امام احمد رضا نے نعتیہ شاعری میں جو خوشگوار اضافے کئے وہ اوروں کے لئے عنقا ہیں۔ ان کا مشہور زمانہ سلام ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' قصیدۂ معراجیہ، قصیدۂ نور، قصیدۂ چراغ انس، عربی قصائد فارسی مناقب شاہکار تخلیقات کا درجہ رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جتنا بھی کام کیا، تحقیق و تصنیف، تراجم و تفسیر کا وہ تو سب مسلم ہے لیکن ان کی زندگی کا بنیادی مقصد عشقِ رسولِ اکرم تھا، ان کا نصب العین تعظیمِ رسول تھا، ان کی ہر ہر ادا عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار تھی۔ ان کا ہر ہر قدم مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اور محبت کے لئے وقف تھا اور یہی وہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے مولانا احمد رضا خاں اعلیٰ حضرت بن کر سنی مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ رسول کی تعظیم کرنے والوں، اولیائے کرام سے عقیدت رکھنے والوں کو کل بھی اعلیٰ حضرت اچھے لگتے تھے اور آج بھی وہ ان کی پہلی چاہت ہیں اور یہ سب صدقہ ہے عشق رسول کا، یہ انعام ہے ناموس رسالت پر خود کو قربان کرنے کا۔ اور یہ سب کیوں اور کیسے ہے جب یہ سوال امام احمد رضا سے کرو تو وہ مسروراً یہ جواب دیتے ہیں کہ

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے مری سرکاروں کی

اور یہ سرکارِ مارہرہ کی بڑی سرکار تھی جن میں بڑے حضرت صاحب حضور سید شاہ آلِ رسول کے دست حق پرست پر امام احمد رضا نے اپنی جان و مال کا سودا کر کے اپنا ہاتھ سرکار غوث اعظم کے ہاتھ میں دیا تھا۔

اس مختصر مضمون میں راقم الحروف اعلیٰ حضرت اور خاندانِ برکاتیہ سے متعلق ان واقعات کو بیان کرے گا جو خاندانی روایات پر مشتمل ہیں جن کا بیان مجھ سے والد ماجد حضور سید احسن العلماء عم مکرم حضور سید العلماء اور دادا صاحب حضرت سید آل عبا قادری نوری نے فرمایا۔ ایک صدی سے زیادہ گزری، ۱۲۹۴ھ میں ایک نوجوان صاحبزادے مع والد بزرگوار مارہرہ کی خانقاہ

برکاتیہ میں تشریف لائے ۔سجادۂ غوثیہ برکاتیہ پر خاتم الاکابر حضرت سید آلِ رسول احمدی قدس سرہ اور ان کے ساتھ حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ کے پیر و مرشد یعنی جد مکرم اکابر ہند سید شاہ ابوالحسین احمد نوری الملقب میاں صاحب قدس سرہ اور میرے پردادا حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی میاں رحمۃ اللہ علیہ جو خاتم الاکابر شاہِ آل رسول احمدی قدس سرہ کے حقیقی نواسے اور بڑے محبوب خلیفہ تھے،تشریف فرما تھے ۔ان دونوں حضرات بریلی کو بیعت فرما کر خلافت سے نوازا گیا۔نوری دادا نے پوچھا کہ حضور آپ کے خاندان میں تو خلافت بڑی ریاضت اور مجاہدے کے بعد دی جاتی ہے اوران دونوں حضرات کو آپ نے فوراً خلافت عطا فرمادی۔حضرت سید شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میاں صاحب لوگ گندے دل اور میلے نفس لیکر آتے ہیں ان کی صفائی کی جاتی ہے پھر خلافت سے نوازا جاتا ہے مگر یہ دونوں حضرات پاکیزگئی نفس کے ساتھ آئے تھے صرف ''نسبت'' کی ضرورت تھی،وہ ہم نے عطا کردی۔

قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ دونوں حضرات کون تھے یہ نوجوان صاحبزادے چودہویں صدی کے ہونے والے مجدد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت عبد المصطفیٰ امام احمد رضا خاں ، اور دوسرے صاحب تھے اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان ۔اسی مجلس میں اعلیٰ حضرت کے مرشد سیدی آلِ رسول قدس سرہ نے ارشاد فرمایا: میاں صاحب!ایک فکر عرصہ سے پریشان کئے ہوئے تھی بحمد اللہ آج وہ دور ہوگئی۔قیامت میں جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آلِ رسول ہمارے لئے کیا لایا تو میں اپنے مولوی احمد رضا خاں کو پیش کردوں گا۔حضرت صاحب نے اسی محفل میں اعلیٰ حضرت کو وہ تمام اعمال واشغال عطا فرمادیئے جو خانوادۂ برکاتیہ میں سینہ بسینہ چلے آرہے تھے۔مرشد برحق کے فیض روحانی کا یہ عالم تھا کہ جب اعلیٰ حضرت حویلی سجادگی سے باہر تشریف لائے تو ایسا محسوس ہوا گویا جوانی کے دور کے حضور سید آلِ رسول تشریف لا رہے ہیں،حویلی سے باہر جو فقراء اور درویش حاضر تھے انہوں نے حسب دستور قدیم اسم جلالت 'اللہ' کا نعرہ بلند کیا،چند لمحات کے بعد اعلیٰ حضرت اپنی شکل میں آگئے۔

بحمد اللہ ایک صدی بیت جانے کے بعد لکڑی کی وہ چوکی اور مسند جس پر صدی کے مجدد نے پیر و مرشد کے دست حق پرست پر جان و مال کا سودا کیا تھا،''برکاتی حویلی سجادگی'' میں موجود ہے ۔اعلیٰ حضرت مرشدان عظام کا اس درجہ ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ مارہرہ کے اسٹیشن سے خانقاہ برکاتیہ تک برہنہ پا تشریف لاتے تھے اور مارہرہ سے جب حجام خط یا پیام لیکر بریلی جاتا تو 'حجام شریف' کہہ کر مخاطب فرماتے اور اس کے لئے کھانے کا خوان اپنے سر اقدس پر رکھ کر لایا کرتے تھے۔

نوری دادا نے اعلیٰ حضرت کو ،چشم و چراغ خاندان برکات ،فرمایا اور کہا کہ اس دور میں سنیت کی کسوٹی مولانا احمد

رضا خاں صاحب ہیں ۔اعلیٰ حضرت اور خاندان برکاتیہ کے تعلقات مثالی ہیں ۔نوری دادا، میرے مرشد برحق تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عم محترم حضور سید العلماء نے اپنی پوری زندگی مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کے لئے وقف فرمادی۔خاندان برکاتیہ کا بچہ بچہ اعلیٰ حضرت کا شیدائی ہے۔ہماری نجی مجالس ہوں یوعوامی جلسے ہر جگہ مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ و اشاعت ہی ہم لوگوں کو نصب العین اور مطمح نظر ہوا کرتا ہے ۔اس ضمن میں اپنے عم محترم حضور سید العلماء قدس سرہ کا یہ شعر مجھے بار بار یاد آ رہا ہے۔

حفظ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے
یا الٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد

اعلیٰ حضرت کو خانوادۂ برکاتیہ سے جو عقیدت و محبت تھی شاید ہی اس کی نظیر موجودہ دور کی پیری مریدی میں دیکھنے کو ملے۔ اپنے آقا اور آقا زادوں سے ایسے مراسمِ عقیدت و رغبت، کہ دیکھنے والے رشک کریں ۔سادات کرام کا جو احترام اعلیٰ حضرت کے یہاں تھا وہ بے مثل و بے نظیر ہے جس کے ثبوت میں ہزاروں واقعات زینت قرطاس ہو سکتے ہیں ۔حقیقت تو یہ ہے کہ شریعت مصطفیٰ اور محبت مصطفیٰ دونوں کا بیک وقت پاس رکھنے والا عمل صرف اور صرف امام احمد رضا کا حصہ تھا ۔فرمایا اگر سادات کرام پر حکم شریعت لگانے کا وقت آ جائے تب بھی دل میں یہ نیت ہونی چاہیے کہ شہزادے کے دامن پر گندگی لگی ہے اس کو صاف کیا جا رہا ہے ۔سبحان اللہ یہ ہے دین کے سچے خادم کی شان اور آلِ مصطفیٰ سے وفاداری ۔اور یہی وہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے امام احمد رضا کو ان کے پیر خانے نے چشم و چراغ خاندانِ برکات کہا، اپنا روحانی فرزند بنایا۔اعلیٰ حضرت کو خاندان برکات سے جو عقیدت تھی اس کا عکس ان کے فرزند حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی ذات میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے اور کیوں نہ ملتا کہ اعلیٰ حضرت کے مرشد زادے سرکار نوری میاں قدس سرہ نے مفتی اعظم کو اپنا روحانی فرزند بنایا اور یہ واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے کہ اعلیٰ حضرت مارہرہ مطہرہ میں حاضر ہیں فجر کی نماز کے بعد سرکار نوری نے اعلیٰ حضرت کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا کہ مولانا آپ کے گھر ایک فرزند تشریف لائے ہیں میں ان کا نام آل الرحمٰن ابو البرکات محی الدین جیلانی تجویز کرتا ہوں انشاء اللہ بہت جلد بریلی آ کر اس بچہ کو دیکھوں گا ۔جب مفتی اعظم ۶ رمہینہ کے ہوئے تب سرکار نوری بریلی تشریف لے گئے اور سرکار مفتی اعظم کو بیعت فرمایا، تمام سلاسل کی خلافتیں عطا فرمائیں اور نوری دعاؤں سے نوازا ۔ولی ہونے کی بشارت عطا فرمائی ۔نوری دعاؤں کو شرف قبولیت عطا ہوئی اور وہی بچہ بڑا ہو کر روحانیت کا تاجدار ہوتا ہوا نظر آیا اور مفتی اعظم بنا۔

ذکر رضا اور فکر رضا کو عام کرنے والوں نیز رضویات کو فروغ دینے والوں کے لیے

ہدیۂ تشکر

اداریہ:- (مولانا) محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں، درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

مؤرخہ ۲۵ر صفر المظفر ۱۴۴۰ھ / ۵ر نومبر ۲۰۱۸ء میں جد امجد، مجدد دین وملت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے وصال کو پورے ۱۰۰ر سال ہو رہے ہیں۔ دنیائے سنیت کے ہر خطہ میں اعلیٰ حضرت سے محبت وعقیدت رکھنے والے حضرات ''صد سالہ عرس رضوی'' کے حوالے سے مختلف انداز میں تقریبات، محافل، اجلاس اور کانفرنسوں کا انعقاد کر رہے ہیں۔تصنیف وتالیف سے دلچسپی رکھنے والے اہل قلم، اعلیٰ حضرت کے حوالے سے اپنی تحقیقات و نگارشات منظر عام پر لا رہے ہیں۔ رسائل و جرائد خصوصی شمارے نکال رہے ہیں۔سنی مکتبے اور اشاعتی ادارے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات وتالیفات کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے کثیر تعداد میں شائع کر رہے ہیں۔ہم ان تمام حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ ان تمام حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ہمارے ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی طرف سے بھی صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر ''صد سالہ عرس رضوی نمبر'' شائع ہو رہا ہے۔اس نمبر کو لائق اشاعت بنانے کے لیے ہمارے جن قلمکار حضرات نے حصہ لیا ہم ان سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت ان سب کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

۱۰۰ر سال گزر جانے کے باوجود ابھی بھی اعلیٰ حضرت کی حیات وخدمات اور ان کی تصنیفات وتالیفات کے حوالے سے بہت سا کام کرنے کو باقی ہے۔ہمیں اس بات کا شدت کے ساتھ احساس بھی ہے، افسوس بھی ہے اور شرمساری بھی کہ جد امجد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی ساری تصنیفات مبارکہ اب تک منظر عام پر نہ آ سکیں۔یہ ہم سب کے اوپر امام اہل سنت کا ایسا قرض ہے کہ جس کی ادائے گی ہم سب کو مل کر ہی کرنا ہے۔

رضویات پر کام کرنے والے محققین خلوص وللّٰہیت اور لگن کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی کتابوں اور قلمی خزانے کی تلاش وجستجو

میں جٹے ہوئے ہیں۔سبھی اپنے اپنے طور پر تلاش کرنے میں سر گرداں ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سب محققین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد ان ۱۰۰؍سالوں میں اعلیٰ حضرت کے شہزادگان، اعلیٰ حضرت کے خلفاء و تلامذہ اور ان حضرات کے خلفا و تلامذہ نے نہایت اخلاص کے ساتھ ''ذکر رضا'' اور ''فکر رضا'' کو دنیا بھر میں عام کرنے کے لیے بے شمار قربانیاں پیش کیں۔ان حضرات کے ''دامن علم و فضل'' اور ''دبستان معرفت و روحانیت'' سے وابستہ حضرات آج بھی اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ذکر رضا اور فکر رضا کو عام کرنے نیز رضویات کو فروغ دینے میں سرگرم عمل ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا فضل نازل فرمائے ،ان کے علم و عمل اور عمروں میں بے شمار برکتیں نازل فرمائے۔

''دبستان رضا'' سے وابستہ حضرات نے اعلیٰ حضرت کی کتابوں پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ رضویات پر کام کرنے والے مخلص اور جاں باز سپاہیوں کی ایک فوج بھی تیار کی جس نے ماضی قریب میں جماعت اہل سنت کو استحکام بخشنے میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔کسی نے تصنیف و تالیف کے میدان میں تو کسی نے بیعت و ارشاد کے میدان میں، کسی نے صحافتی سطح پر تو کسی نے افق خطابت پر، کسی نے عالمی پیمانے پر دعوت و تبلیغ کے ذریعہ تو کسی نے جگہ جگہ تعلیمی ادارے قائم کر کے۔کسی نے محراب و منبر سے تو کسی نے زمینی سطح پر، کسی نے حکمت و موعظت کی راہ اپنا کر تو کسی نے ردّ ابطال کی وادی کو چن کر۔کسی نے تصوف و سلوک اور معرفت و روحانیت کے گلستاں کا انتخاب کر کے تو کسی نے نقوش و تعویذات کا منبع و سرچشمہ بن کر۔

غرض کہ جس سے جیسے ہوسکا اس نے اپنے اپنے دائرۂ کار میں عقائد اہل سنت ،معمولات اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ میں لائق تبریک اور نا قابل فراموش کارنامے انجام دیئے۔اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی ان مخلصانہ کوششوں کو قبول فرمائے اور ان سب کو بہترین صلہ عطا فرمائے۔

ہمارے بزرگوں نے بے سروسامانی کے عالم میں مذہب و مسلک کے فروغ میں بے انتہاء کوششیں کی ہیں۔ مشکلات کا سامنا کیا ہے۔مصائب و آلام بھی برداشت کیے ہیں مگر ان کے قدم کبھی متزلزل نہ ہوئے اور نہ ہی وہ کبھی ہراساں ہوئے۔کیونکہ وہ یہ سارا کام اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی کے لیے کیا کرتے تھے۔دنیوی طمع اور حب مال کا ان کے یہاں دور دور تک گزر نہ تھا۔وہ خود بھی کام کرتے تھے اور کام کے افراد بھی پیدا کرتے تھے۔مگر افسوس کہ آج ہمارے یہ مخلص اکابر علماء یکے بعد دیگرے اس دار فانی سے کوچ کرتے جا رہے ہیں۔دوسری

طرف ہم جیسے لوگ ہیں کہ ہمارے اندر اخلاص وللّٰہیت کا تیزی سے فقدان ہوتا جا رہا ہے۔ مذہب و مسلک کی محبت کے بجائے حب دنیا اور حرص مال کی تڑپ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ مذہبی، مسلکی، مشربی اور جماعتی مفاد کی جگہ ذاتی مفاد کا رجحان سرعت انگیزی کے ساتھ پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے بزرگوں کا سا اخلاص عطا فرمائے۔

آج ذمہ داریاں زیادہ ہیں اور کام کے مخلص افراد کم۔ ایسے میں ہمارے جو بھی مخلص بزرگ اور اکابر اپنے بابرکت اور حسّی وجود کے ساتھ اس وقت اپنے اخلاص وللّٰہیت کی خوشبو بکھیر رہے ہیں ان کے کاندھوں پر دیگر اہم ذمہ داریوں میں سے ایک بڑی اور سب سے اہم ذمہ داری یہ بھی عائد ہوگئی ہے کہ ایسے حضرات نئی نسل کے علماء کی عمدہ انداز میں تربیت کریں۔ انہیں کام کا تو بنائیں ہی مگر اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان کے اندر خلوص وللّٰہیت کی خوبیاں بھی پیدا کریں۔ اُن کے اندر ذاتی مفاد کے جراثیم پیدا نہ ہونے دیں۔ جماعتی مفاد کو ہر مفاد سے بالاتر رکھنے کا اُن کے اندر جذبہ پیدا کریں۔ لگن پیدا کریں، تڑپ پیدا کریں۔ ان کے ذہن و دماغ میں اپنے اکابر و اسلاف کے مخلصانہ کاموں کی خوشبو کو اس طرح رچا بسا دیں کہ جس کے ہوتے ہوئے کوئی فاسد گرد و غبار اُن کے ذہن و دماغ پر مسلط نہ ہو سکے۔

اعلیٰ حضرت کی ایک اہم خوبی یہ بھی تھی کہ وہ ''افراد سازی'' اور ''شخصیت سازی'' کا فن جانتے تھے۔ انہوں نے مذہب و مسلک کا کام کرنے والے بے شمار مخلص افراد اہل سنت و جماعت کو عطا فرمائے۔ اس لیے ہم اہل علم سے پھر اپیل کرتے ہیں کہ آپ حضرات کام کرنے والے مخلص افراد تیار کریں۔ مذہب و مسلک کی ترویج و اشاعت کے ساتھ اپنے اکابر خاص کر اعلیٰ حضرت کی دینی و علمی خدمات کے حوالے سے کام کرنے کے لئے نوخیز علماء کو ترغیب دلائیں۔ ہر طبقہ تک اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کو پہنچانے کی سبیل پیدا کریں۔ سرمایہ دار حضرات کو رغبت دلائیں کہ وہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں کی نشر و اشاعت میں حصہ لیں۔ جو ادارے اعلیٰ حضرت کی کتابوں کو چھاپ رہے ہیں ان کی مدد کریں، جو کتابیں چھپ چکی ہیں انہیں خرید کر ملک و بیرون ملک اور یونیورسٹیز کی لائبریریوں میں رکھوائیں۔ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف سے صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر شائع ہونے والا ۱۶۰ر جلدوں پر مشتمل رضویات کا پورا سیٹ ملکی سطح کی قومی و عوامی، مدارس اسلامیہ کی اور عصری دانش کدوں کی لائبریریوں میں رکھوانے کا مالداروں کے اندر رجحان پیدا کریں۔ اگر ہم نے ایسا کر لیا تو یقین جانیں کہ ہم نے صحیح طور پر اعلیٰ حضرت کے جشن صد

سالہ کا حق ادا کر دیا۔

ہمیں صدسالہ عرس رضوی پر یہ بھی عہد کرنا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مشن کو پورا کرنے کے لیے ہم ہر طرح تیار رہیں گے۔تحفظ ناموس رسالت کی جو تڑپ ہمارے بزرگوں میں تھی اس کی خوشبو ہم اپنے اندر ضرور اتاریں گے۔مذہب و مسلک کے فروغ کے لیے اعلیٰ حضرت نے بے حد مشکلات کا سامنا کیا مگر ان کے پایۂ استقلال میں کوئی لغزش نہ آپائی اسی طرح ہم بھی اس راہ میں آنے والی مشکلات سے نہ گھبرائیں گے۔اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم بھی اعلیٰ حضرت کے چھوڑے ہوئے مشن پر کام کرنے کے لیے حتی الامکان مخلصانہ کوششیں کریں گے۔

کسی بھی شخصیت کے عرس منانے ،جشن منانے یا صد سالہ منانے کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس کی خدمات کو یاد کیا جائے ،اس کا ذکر کیا جائے ،اس کے کارناموں کا تذکرہ کیا جائے اور پھر اُس کی بے مثال زندگی کے نقوش کو اپنے ذہن ودماغ میں جاگزیں کر کے اپنے لیے مشعل راہ بنایا جائے ، اس کی سیرت کو اپنایا جائے ،اس کی خوبیوں کی روشنی سے اپنے آپ کو منور کیا جائے ،اس کے کارناموں کی دل کشی سے اپنے وجود کو آراستہ و پیراستہ کیا جائے۔یہی ہے اصل جشن ،یہی ہے حقیقی عرس اور یہی ہے سچا جشن صدسالہ۔

ہمارے ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا تقریباً ۴۰۰رصفحات پر مشتمل یہ خصوصی شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔جو ادارہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی طرف سے امام اہل سنت کی بارگاہ میں بطور خراج عقیدت نذر کیا جارہا ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اللہ رب العزت اس خصوصی شمارے کے مرتب عزیزم مفتی محمد سلیم بریلوی۔زید مجدہ۔کے علم وفضل میں خوب خوب اضافہ فرمائے کہ جنہوں نے شب وروز کی محنت کے بعد محض ۶ر روز میں یہ ضخیم خصوصی شمارہ مرتب کر کے پریس کے حوالہ کر دیا۔فقیر قادری کی خواہش پر انہوں نے ان ۶ر دنوں کے اندر خود ہی مضامین بھی اکٹھا کیے اور خود ہی انہیں مرتب بھی کیا۔رات و دن کمپیوٹر پر بیٹھ کر عزیزم مرزا توحید بیگ رضوی سلمہ سے کمپوز بھی کرائے ،تصحیح بھی کی ،تزئین بھی کی اور پھر خود ہی پریس وغیرہ کے چکر لگا کر اسے طباعتی مراحل سے گزارا۔موصوف نہایت ہی محنتی اور جفاکش طبیعت کے انسان واقع ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں حاسدین کے حسد و کینہ ،بدنظر اور بغض و عداوت سے محفوظ فرمائے نیز اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ مذہب ومسلک کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

خاندان اعلیٰ حضرت کی زرّیں تاریخ

از:-(مولانا) محمد احسن رضا قادری، سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عظیم، بے مثال، علمی و روحانی اور شاہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں کہ جس کا نسلی تعلق افغانستان کے مشہور ومعروف حکمراں قبیلے ''قبیلۂ بڑھیچ'' سے ہے۔ یہ وہی قبیلۂ بڑھیچ ہے کہ جس کے مستند شجرے کی تفصیل مجاہد جنگ آزادی اور والیٔ روہیلکھنڈ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں صاحب نے اپنی مشہور تصنیف ''خلاصۃ الانساب'' میں بیان کرتے ہوئے اس شجرے میں متعدد اولیائے کرام کے ساتھ حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ کو ذکر فرمایا ہے۔ نواب حافظ رحمت خاں صاحب کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔

☆ یہی وہ مبارک خاندان اعلیٰ حضرت ہے کہ جس کے جدامجد کا نام قیس عبدالرشید ''بتان'' ہے اور جنہیں صحابی رسول ہونے کا شرف حاصل ہے۔

☆ یہی وہ مبارک ومسعود خاندان ہے کہ جس کے جد محترم شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں نامی ایک بہادر جنگ جو انسان اور افغانستان کے حکمراں کے شہزادے تھے۔ یہی وہ سعید اللہ خان ہیں جو اس خاندان میں سب سے پہلے نادر شاہ کے زمانے ۱۷۳۹ء میں ہندوستان تشریف لائے اور جن کے جنگی کارناموں کی بنیاد پر محمد شاہ بادشاہ دہلی نے انہیں منصب شش ہزاری، خطاب ''شجاعت جنگ'' اور لاہور کا شیش محل عنایت فرمایا۔ جنہوں نے روہیلکھنڈ کے باغیوں کی کامیابی کے ساتھ جنگ ان کی سرکوبی کی۔ جس کی وجہ سے بادشاہ دہلی نے انہیں بریلی کا گورنر بنادیا۔

☆ یہی وہ متبرک گھرانہ ہے جس میں حضرت مولانا محمد اعظم خاں اور مولانا حافظ کاظم علی خاں جیسے صوفی بزرگ پیدا ہوئے۔

☆ یہی وہ متبرک خانوادہ ہے جس میں امام العلماء مفتی رضا علی خاں علیہ الرحمہ نے ۱۲۲۴ھ سے ۱۲۸۶ھ کے درمیان قوم وملت کی دینی، مسلکی، سیاسی اور سماجی قیادت فرمائی۔ اعلیٰ حضرت کے یہی وہ نامور دادا ہیں کہ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کرنے کے ساتھ مجاہدین جنگ آزادی کی ہر طرح امداد فرمائی۔ جس کی وجہ سے ''جنرل ہڈسن'' نے آپ کا سر قلم کرنے پر انعام رکھ دیا۔

☆ یہی وہ دینی وعلمی خاندان ہے جس میں اعلیٰ حضرت کے والد محترم امام المتکلمین حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے جنم

لیا اور ۱۸۳۰ء سے لے کر ۱۸۸۰ء تک پوری زندگی فتویٰ نویسی، دعوت وتبلیغ، تحریر وتقریر اور اپنی گراں قدر تصانیف کے ذریعہ اہل سنت کی خدمت کرتے رہے۔

☆ یہی وہ اعلیٰ وارفع خاندان ہے کہ جس کی عظمت ورفعت میں سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہ کی علمی اور عبقری شخصیت نے نہ صرف یہ کہ چار چاند لگا دیئے بلکہ اسے تا قیامت زندہ وجاوید کر دیا۔ جنہوں نے ۱۸۵۶ء سے لے کر ۱۹۲۱ء تک اپنے بے مثال فتاویٰ اور ۱۰۴ر علوم وفنون پر ۱۰۰۰ر سے زائد کتابیں لکھ کر دنیائے سنیت کی بہترین قیادت فرمائی۔

☆ یہی وہ خانوادۂ رضویہ ہے کہ جس کی عظمت ورفعت میں سرکار اعلیٰ حضرت کے بڑے شہزادے حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء تک اپنی دینی وعلمی خدمات کے ذریعہ بے مثال اضافہ فرمایا اور اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد مرکز اہل سنت کی عظمت ورفعت کو استحکام بخشا۔

☆ یہی وہ خانوادۂ رضویہ ہے کہ جس کی علمی خدمات کے زرّیں کارناموں کی کرنوں کو تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند نے ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء تک اپنی بے شمار اور گو نا گوں کوششوں اور خدمات سے ملک کے گوشہ گوشہ تک پہنچا دیا۔ آپ کے زمانہ میں مرکز اہل سنت کو خوب سے خوب تر تقویت حاصل رہی۔ آپ نے علم وفضل اور معرفت وروحانیت سے اہل سنت کو خوب مستفیض فرمایا۔ خاندان اعلیٰ حضرت کی آن بان شان کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ اس میں بے مثال اضافہ بھی فرمایا۔

☆ یہی وہ خانقاہ رضویہ حامدیہ ہے کہ جس کی مسند سجادگی پر سرکار مفسر اعظم ہند نے ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں رونق افروز ہو کر اس کے اقبال کو اپنی مخلصانہ دینی ومسلکی خدمات، دعوت و تبلیغ، بیعت وارشاد، تصنیف و تالیف، تحریر و تقریر اور صحافتی کوششوں سے بلند وبالا فرمایا۔

☆ یہی وہ مرکز اہل سنت ہے کہ جس کی مسند سجادگی پر سرکار ریحان ملت نے ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں بیٹھنے کے بعد ہندوستان کے تمام خطوں کے ساتھ پاکستان، بنگلہ دیش، ماریشس، افریقی ممالک اور یو- کے وغیرہ بیرون ملک کے دورے کر کے مذہب اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو خوب خوب فروغ بخشا۔

☆ یہی وہ خاندان اعلیٰ حضرت ہے کہ حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے جس کی علمی وروحانی قیادت سنبھال کر خانوادۂ رضویہ کے بزرگوں کی میراث کی حفاظت بھی فرمائی، مرکز اہل سنت کو علمی استحکام بھی عطا فرمایا اور خانوادۂ رضویہ کی شان برقرار رکھتے ہوئے عالمی سطح پر اہل سنت وجماعت کو طاقت وقوت بھی عطا فرمائی۔

اللہ رب العزت نبی اکرم ﷺ کے صدقہ وطفیل، ہمارے اجداد کرام اور مشائخ سلسلہ کے واسطے خاندان اعلیٰ حضرت کی عظمت ورفعت کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ مرکز اہل سنت کو استحکام بخشے۔ آمین

ابوحنیفۂ ہند، امام احمد رضا، بریلوی

عکسِ حیات وخدمات

از: علامہ یٰسین اختر مصباحی، دارالقلم دہلی

''قَیس'' سا پھر کوئی، اُٹھّا، نہ ''بَنِی عَامِر'' میں
فخر ہوتا ہے، گھرانے کا ، سَدا ، ایک ہی شخص

متحدہ ہندوستان کا خطۂ پنجاب، صدیوں تک خطۂ ہند کا ''**بازُوے شمشیر زَن**'' رہا ہے اور اِس گنج بخشِ بیش بَہا اور سرزمینِ فیض بخش واقبال مند کی زَرخیزی ومَردُم خیزی بھی کشت زارِ حیات کی فصلِ بہار کے نمونے، پیش کرتی رہی ہے۔ اس کی خاک سے اُبھرنے والے شجاع وبہادر مَردانِ حُر واَہلِ حَرب وضَرب اوراس کی آغوشِ شفقت آگیں وگہوارۂ فیض بار میں تعلیم وتربیت پانے والے جلیلُ القَدر عُلما ومشائخ اورارَبابِ فَضل وکمال نے صرف، لاہور تا دہلی نہیں، بلکہ وسیع وعریض خِطۂ ہند پہ اپنی قوت وشجاعت، اپنی شوکت وعظمت، اپنے علم وفن اوراپنی روحانی برکات وحسنات کے روشن نقوش، ثَبت کیے ہیں اور ''**پنج آبِ رحمت**'' کے فیضان نے بے شماراَہلِ ہند کے شکست خوردہ حوصلوں کوتاب وتَوانائی اوران کے پژمردہ دِلوں کوسَیرابی وشادابی، عطا کی ہے۔

پنجاب کے پنج آب (خطۂ پنجاب کے **پانچ مشہور دریا**) کی رَوانی وسَیرابی اوراس کی حقیقت کیا؟ اور **دِجلہ ونیل وفُرات** کا فیضان اوران کا سَیلِ رَواں بھی کیا؟ جب کہ، روحِ مومن، مضطرب اورمتوجّہ ہو، اُس آبِ زمزم کی طرف، جس سے کروڑوں مسلمانانِ عالَم، صدیوں سے اپنی پیاس بجھا کرسکونِ قلب، حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔ اورکوثر وتسنیم وسلسبیل سے بھی اپنی پیاس بجھانے کی سَرمَدی سعادت، انہیں رحمتِ الٰہی سے ضرور، میسَّر آئے گی۔ اِنْ شاءَ الله۔

زمزم وکوثر وتسنیم وسلسبیل کے مقدس ومتبرک آبِ رَواں کا ہر قطرہ، قلب وروحِ مومن کے لئے باعِثِ صد ہزار فَرحت وسُرور ہے۔ لیکن پھر بھی آرزو ہے، تمنا ہے، تلاش ہے، جستجو ہے۔ گو، اب، اس کے حصول کی بظاہر، کوئی امید نہیں۔ مگر نگاہیں، مَحوِ نظارۂ جمال ہیں۔ چشمِ تصور کے سامنے، وہ خوش نُما اور دل کش وروح پرور منظر ہے، جب ساقیِ کونَین سلطانِ دارَین، (صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ سَلّم) کے گرد، پیاسوں کا ہجوم ہے۔ اور وہ، انہیں سَیراب کررہے ہیں ایسے پانی سے، جو محض اِعجازِ نبوی ہے۔ اور یہ ایمان افروز منظر، چشمِ فلک نے اس سے پہلے کبھی

دیکھا اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھ پائے گی۔ کیوں کہ، یہ نصیبہ، محض اُن کا ہے جو **شرفِ صحابیت** سے مشرَّف اور دربارِ رسالت کے حاضر باش ہیں۔

انہوں نے جس پانی سے اپنی پیاس بجھائی، وہ پانی، اب کس کے نصیب میں ہے؟ اور جس دریائے کرم کا وہ پانی ہے، درحقیقت، وہی اصل، سَحابِ کرم و پنجابِ رحمت اور بحرِ اَلطاف وعنایاتِ کریمانہ ہے۔ اور اسی کی، یہ تحسین وآفرین، زیبا ہے کہ:

اُنگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندّیاں، ''پنجابِ رحمت'' کی ہیں جاری، واہ واہ

''سب سے اعلیٰ، سب سے افضل، دونوں جہان کے سب پانیوں سے افضل، زمزم سے افضل، کوثر سے افضل، وہ مبارک پانی ہے کہ:

''بارہا، براہِ اِعجاز، حضورِ اَنور، سیدِ اَطہر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کی **اُنگشتانِ مبارک** سے، دریا کی طرح، بہا۔ اور ہزاروں نے پانی پیا اور وضو کیا۔ عُلما، تَصریح فرماتے ہیں کہ وہ پانی، زمزم وکوثر، سب سے افضل۔ مگر اب، وہ کہاں نصیب؟''

(ص ۴۵۲۔ **فتاویٰ رضویہ مترجَم**۔ جلدِ دوم، مطبوعہ پاک و ہند)

پنجاب سے کچھ ملتی جلتی ہی تاریخ، شمالی ہند کے **خطّۂ روہیل کھنڈ** کی بھی ہے جو آج کل مغربی صوبۂ اُتَّر پردیش (انڈیا) کا اہم ترین حصہ ہے۔

خطّۂ روہیل کھنڈ: سَہسوان، بدایوں، آنوْلہ، بریلی، سنبھل، مرادآباد، پیلی بھیت، رام پور، اَمروہہ، نجیب آباد، بجنور، شاہجہاں پور، جیسے اَضلاع اور شہروں پر مشتمل ہے۔

روہیل کھنڈ کے جیالوں کا جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں سب سے نمایاں کردار ہے۔ اِسی سرزمین کے انقلابی مجاہدوں کے سالارِ اعظم، جنرل بخت خاں اور خان بہادر خاں، روہیلہ (نبیرۂ حافظ رحمت خاں، روہیلہ) کی شجاعت اور جنگی مہارت، تاریخِ انقلابِ ۱۸۵۷ء کی وہ مسلَّمہ حقیقت ہے جس سے ہر مؤرخ، بخوبی، واقف ہے۔

اور اس سے پہلے، حافظُ الْمُلک، حافظ رحمت خاں، روہیلہ (والیِ روہیل کھنڈ) کی شجاعت وعِلم پروری، تاریخِ روہیل کھنڈ کا ایک، درخشاں باب ہے جس کی عظمت کا اِعتراف، ہر اِنصاف پسند مؤرِّخ کو ہے۔

خطّۂ روہیل کھنڈ کے عُلما ومشائخ اور اصحابِ فضل وکمال بھی، وہ ہیں جن کے وجود پر تاریخِ ہند کو، ناز ہے۔ مثلاً:

قاضی سعیدُ الدّین عثمانی، بدایونی، قاضی شیخ حمیدُ الدّین عثمانی، بدایونی، مفتی محمد درویش عثمانی، بدایونی، مفتی عبد الغنی عثمانی، بدایونی، مولانا ابوالْمَعَالی عثمانی، بدایونی، مفتی محمد شفیع عثمانی، بدایونی، مولانا محمد عطیف عثمانی، بدایونی، مولانا محمد سعید عثمانی، بدایونی، مولانا سید نور محمد، نقشبندی مجدّدی، بدایونی علّامہ محمد علی عثمانی، بدایونی، مولانا شاہ عبد الْحَمید، عثمانی، قادری برکاتی،

بدایونی، مولانا شاہ عینُ الحق عبدالمجید عثمانی ،قادری برکاتی ، بدایونی،مولانا حَسَن علی صدیقی ، بدایونی،مولانا سناءُالدّ ین عثمانی بدایونی،مولانا نوراحمدعثمانی، بدایونی،مولانافضلِ رسول عثمانی، بدایونی،مولانافیض احمدعثمانی ، بدایونی مولانا عبدالسّلام عباسی ، بدایونی، مولانا قاضی شمس الاسلام عباسی ، بدایونی ، مولانا عبدالقادرعثمانی قادری برکاتی ، بدایونی،مولانا سلامتُ اللہ، کشفی، صدیقی ،قادری برکاتی ، بدایونی ثمَّ کان پوری وَغیــــرُھُــم۔ **رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالیٰ عَلَیۡھِمۡ اَجۡمَعِین۔**

اوران سب سے شہرۂ آفاق بابرکت وصاحبِ فضیلت وعظمت ذاتِ گرامی ،سلطانُ المَشائخ،محبوبِ اِلٰہی ،**خواجہ سیدنظامُ الدّ ین اولیاچشتی،بدایونی ثمَّ دہلوی** (وصال ۷۲۵ھ) رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنۡـہُ کی ہےجن کے **چشتی نظامی فیضان** سے آج بھی ہندوپاک اور بنگلہ دیش کاہر خطہ سَیر اب اورسرسبزوشاداب ہے۔

محبوبِ اِلٰہی ،حضرت خواجہ نِظامُ الدّ ین اَولیا کے دادا،حضرت **سید علی بخاری**،اورنانا،حضرت **سیدعرب بخاری**،بعہدِ سلطان،شمسُ الدّ ین اَلتمش(تخت نشینی ۶۰۷ھ)،بدایوں آکرسکونت پذیر ہوئے تھے۔

عہدِ غزنوی میں،**سالارمسعود غازی** (ولادت ۴۰۴ھ۔شہادت ۴۲۴ھ۔مدفون بہرائچ شریف) کی فوج کے شُہَدَا (در ۴۰۹ھ)حضرت **میراں مُلْہِم شہید، بدایونی** ،حضرت **میر ناصرُ الدّ ین شہید،بدایونی**،اورعہدِ سلطان،شمسُ الدّ ین اَلتمش(تخت نشینی ۶۰۷ھ) میں بدایوں کے پہلے قاضی ،حضرت **سید احمد بخاری، بدایونی** (محبوبِ اِلٰہی ،حضرت خواجہ نظامُ الدّ ین اَولیا وصال ۷۲۵ھ کے والدِ ماجد) بدایوں کے دوسرے قاضی ،**قاضی دانیال قطری** (خانوادۂ عثمانیہ، قادریہ،بدایوں کے مورثِ اعلیٰ) حضرت نظامُ الدّ ین اَولیا کے استاذِمحترم حضرت **مولاناعلاءُ الدّ ین اُصولی، بدایونی** اورچھٹی،ساتویں صدی ہجری کے مشہور اَولیاے بدایوں ،**حضرت شیخ بدرُ الدّ ین ،موئے تاب، بدایونی، حضرت شیخ شاہی ،موئے تاب، بدایونی** اورحضرت **شیخ ابوبکر، موئے تاب، بدایونی**،**وَغیـرُھُـم رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالیٰ عَلَیۡھِم اَجۡمَعِین**،کی پسندیدہ آرام گاہ بھی،یہی شہرِ بدایوں ہے۔

امامُ الحکمۃِ و الکلام ،**قائدِ جنگِ آزادی ، علاَّمہ فضلِ حق، خیرآبادی** کےجدِّ اَمجد،**قاضی ارشدہرگامی** بھی اَصلاً، بدایوں کے ہی رہنے والے ہیں۔

تاریخی رِوایات کےمطابق،کسی خطۂ ایران سے خانوادۂ فاروقی کے دو بزرگ عُلما ،**بہاءُالدّ ین فاروقی وشمسُ الدّ ین فاروقی** ، فرزندانِ شیرُ المُلک فاروقی ،وارِدِ ہندوستان،ہوئے تھے۔

شمسُ الدّ ین فاروقی ،رُہتک ،پنجاب کےمفتی ،مقرَّر ہوئے۔ انھیں کی اولاد سے سِراجُ الھِند **شاہ عبدالعزیز،محدِّث دہلوی** ،خَلفِ اکبر،حضرت شاہ ولی اللہ،فاروقی ،محدِّث دہلوی ہیں۔

دوسرے بھائی ،بہاءُ الدّ ین فاروقی ،بدایوں کےمفتی، مقرَّر ہوئے۔ان کی اولاد سے **شیخ اَرزانی ،فاروقی، بدایونی**، نامور

بزرگ اور اعلیٰ درجہ کے مفتی ہوئے۔

شیخ ارزانی فاروقی، بدایونی کے صاحب زادے، **شیخ عمادُ الدّین فاروقی، بدایونی** تحصیلِ علم کی خاطر، ہرگام، اَوَدھ (ہرگام، موجودہ ضلع سیتاپور۔ یوپی) پہنچے۔ جہاں آپ کی شادی بھی ہوگئی اور مستقل قیام بھی ہوگیا۔ انھیں کی نَسل سے **قاضی محمد ارشد، ہرگامی** ہوئے۔ جو کسی وقت، ہرگام سے خیرآباد، اَوَدھ (خیرآباد، موجودہ ضلع سیتاپور) منتقل ہوگئے۔

یہی قاضی ارشد ہرگامی، **علّامہ فضلِ امام، فاروقی، خیرآبادی** کے والدِ محترم ہیں۔

جن کے شہرۂ آفاق فرزند، امامُ الحکمۃِ والکلام، قائدِ جنگِ آزادی، **علّامہ فضلِ حق، فاروقی خیرآبادی** ہیں۔ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالیٰ عَلَیْھِم اَجْمَعِین۔

خطّۂ ہُمایوں، شہرِ بدایوں کے دو (۲) بَرکاتی مُریدین وخُلَفا کا واقعۂ بیعت، تاریخی حیثیت کا حامل اور نہایت سبق آموز و ہدایت آمیز ہے۔

ان میں سے ایک، حضرت **شاہ محمد رفعت، معروف بہ، بےفکر شاہ، بدایونی** ہیں جو حضرت مفتی عبد الغنی، عثمانی، بدایونی (وصال رمضان ۱۲۰۹ھ/اپریل ۱۷۹۵ء) تلمیذِ علّامہ محمد علی، عثمانی بدایونی (وصال ربیعُ الآخر ۱۱۹۷ھ/ مارچ ۱۷۸۳ء) وخلیفۂ حضرت سرور اَقطاب، مولانا سید محمد سعید، جعفری، بدایونی (وصال جمادیٰ الاولیٰ ۱۱۶۲ھ/اپریل ۱۷۵۰ء) کے خادمِ خاص تھے۔

اِس بزرگ شخصیت، حضرت میاں بےفکر شاہ، بدایونی کا واقعۂ بیعت و اِجازت، مولانا طفیل احمد متولّی صدیقی، قادری برکاتی، بدایونی (متوفی ۱۹۴۴ء) جن کے پَردادا، حضرت شیخ عبدالصَّمَد، متولّی صدیقی، قادری برکاتی، بدایونی، حضرت ابوالفضل، **سید شاہ آلِ احمد، اچھے میاں، قادری برکاتی مارہروی** (وصال ربیعُ الاوّل ۱۲۳۵ھ/جنوری ۱۸۲۰ء) کے مُرید وخلیفہ، اور، یہ خود بھی، حضرت نورُ العارِفین **سید شاہ ابوالحُسَین احمد، نوری، مارہروی** (وصال ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) سے نسبتِ بیعت و اِرادت کے ساتھ، غایت درجہ، عقیدت و نیازمندی سے سرشار تھے، یہی مولانا طفیل احمد، بدایونی (متوفی ۱۹۴۴ء) اپنی کتاب **''بَرکاتِ مارہرہ''** (مطبوعہ، مطبعِ نولکشور، لکھنؤ۔ ۱۹۱۳ء) میں لکھتے ہیں کہ:

''اَوائل میں یہ صاحب، مفتی عبدالغنی صاحب کے خدمت گار تھے۔

ایک مرتبہ، انھیں کے ساتھ، مارہرہ گئے اور حاضرِ حضور ہوئے۔

اُس وقت، اُن کو خیال، پیدا ہوا کہ:

میں بھی، حضرت اچھے میاں صاحب، قُدِّسَ سِرُّہٗ کا مُرید ہو جاتا تو نہایت، مناسب ہوتا۔''

حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ، ان کے اِس خیال پر، بذریعہ کشف کے، مُطَّلع ہوگئے اور حکم دیا کہ:

''اِدھر آؤ۔ میں، تم کو مُرید کروں گا۔''

انھوں نے عرض کیا کہ: **حضور!**

مَیں، مفتی جی کی جوتیاں اُٹھانے والا، مَیں کیا مُرید ہوؤں گا؟''

فرمایا کہ: آج سے **مفتی جی، تمھاری جوتیاں، اُٹھایا کریں گے۔''**
یہ فرما کر حضرت نے ان کو داخلِ سلسلۂ قادریہ کیا اور اُسی وقت، اپنا خرقۂ مبارک پہنا کر کلاہ شریف بھی سر پر رکھ دی اور کہا کہ: ہم **نے تم کو اپنا خلیفہ بھی کیا۔''**
اُس دن سے، یہ حالت ہوئی کہ:
شاہ صاحب، قُدِّسَ سِرُّہ، رات کو سوتے تھے اور مفتی جی، رات رات بھر، ان کی جوتیاں لیے، کھڑے رہتے تھے۔
اور اکثر کہا کرتے تھے کہ:
جو، مزہ، مجھے اِس کفش برداری میں ملتا ہے، وہ کسی بات میں نہیں ملتا۔''
پھر تو شاہ بےفکر صاحب کے وہ مراتب ہوئے کہ بیان سے باہر ہے۔
ایک مرتبہ، درگاہِ حضرت سلطانُ العارِفین، شیخ شاہی، بدایونی قُدِّسَ سِرُّہ میں چشمِ سر سے زیارت، حضرت نبیِ کریم، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کی بھی، کی تھی۔''
(ص ۸۴ و ۸۵۔ ''**برکاتِ مارہرہ**''۔ مؤلّفہ مولانا طفیل احمد، متولّی صدیقی، بدایونی۔ طبعِ جدید، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۳ء۔ طبعِ اول، مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۹۱۳ء)
یہی واقعہ، خلیفۂ شمسِ مارہرہ، مولانا محمد افضل، صدیقی، قادری برکاتی، بدایونی (متوفی ۱۲۵۹ھ) تلمیذِ مولانا عبدالغنی، عثمانی، بدایونی نے اپنی کتاب ''هِدَایَةُ الْمَخْلُوق'' (۱۲۲۷ھ) میں اِس طرح، تحریر فرمایا ہے کہ:

''راویِ ثقہ کا بیان ہے۔ قابلِ اطمینان ہے کہ:
۱۲۰۴ھ میں چودہویں محرم کو ہمراہ، مفتی ابو الحسن صاحب (عثمانی، بدایونی) جناب فیض مآب، **شاہ محمد رفعت، بےفکر شاہ،** حاضرِ حضور ہوئے۔ اس روز، بہت، مُرید ہوئے۔
ان کے دل میں خواہشِ مُریدی، پیدا ہوئی اور چاہا کہ مفتی صاحب سے اپنی خواہش، ظاہر کریں۔ پھر سوچا کہ:
مَیں، ایک ادنیٰ ملازم، مفتی صاحب کا ہوں۔ میری کیا مُریدی ہے۔ نذر کو روپیہ، پاس نہیں ہے۔
یہ سوچ کر، دِلی خواہش، اپنے دل میں رکھی۔
تھوڑی دیر کے بعد، حضور، درگاہ میں تشریف لائے۔
یہ، دروازۂ درگاہ پر کھڑے تھے۔ انھوں نے سلام کیا اور قدم، چومے۔
حضور نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اندر درگاہ کے، لے گئے۔ اور حضرت فَرجدِ اعلیٰ کے سرہانے کھڑا کر کر فرمایا: **رفعت! ہم، تم کو مرید کریں گے۔''**
انھوں نے عرض کیا: حضور! میں مفتی صاحب کا جوتا اُٹھاتا ہوں۔ میں کیا مرید ہوں گا؟
فرمایا: **اب، مفتی صاحب، تمھارا جوتا اُٹھائیں گے۔''**
پھر، ان سے فرمایا: **وضو کر آؤ۔**
یہ، حسبُ الحکم، وضو کر کر حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ سامنے، بتاشے، رکھے ہوئے ہیں۔ حضور نے خود، دوگانہ پڑھا کر اور فاتحہ کر کر،

سرِ بالین (سرہانے) حضرت فَرجدِ اَعلیٰ، ان کو داخلِ سلسلۂ عالیہ قادریہ فرمایا اور اپنا تاج، سر پر رکھ کر فرمایا:
ہم نے تم کو خلافت بھی دی۔ اب، تم، اِسی طرح، اَوروں کو مرید کرو۔''
انھوں نے پھر، وہی عرض کیا: مفتی صاحب کا نَعلین بردار ہوں۔ میرا کون، مرید ہوگا؟
حضور نے پھر، وہی فرمایا کہ: اب، مفتی صاحب، تمھارے نَعلین بردار ہوں گے۔''
اور حضور نے فرمایا کہ: **اب، ہم نے تمھارا نام، ''شاہ بے فکر'' رکھا۔**
ابھی، بیرونِ درگاہ، کسی کو علم نہیں کہ:
شاہ صاحب، مرید اور خلیفہ ہو گئے اور نعمت سے مالا مال ہو کر مالا مال کر دیا۔
جس وقت، شاہ صاحب، تاج برسر، مقبرے سے باہر آئے۔
اول، مفتی ابوالُحسن ہی، قدم پر گر پڑے اور نَعلین، ان کی، اپنے دامن سے صاف کر کر سامنے رکھی۔
اب، بڑے بڑے لوگ، شاہ صاحب کی تعظیم کرنے لگے۔
پھر، شاہ صاحب، بدایوں آئے اور یادِ الٰہی میں مشغول ہوئے۔
جب تک، بعد نمازِ صبح، شاہ صاحب، وظیفہ پڑھتے تھے، مفتی ابو الُحسن، ان کا جوتا گود میں لیے بیٹھے رہتے تھے۔ چوں کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ:
اب، مفتی صاحب، تمھارا جوتا اٹھائیں گے۔
سو، مفتی صاحب نے ان کا جوتا اٹھایا اور اس جوتے کی بدولت، بہت کچھ، مرتبہ پایا۔''
(ص ۸۷۔ **تَنبِیْہُ الْمَخْلُوق** ۔ مؤلّفہ مولانا مجاہدُ الدّین، ذاکر بدایونی (متوفی صفر ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء) مُرید و خلیفۂ حضرت خاتم ُالاکابر، مارہروی۔ مطبوعہ تاجُ الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ محرمُ الحرام ۱۴۳۵ھ/نومبر ۲۰۱۴ء)
دوسرا ہدایت آمیز و ایمان افروز واقعۂ بیعت و اِجازت، عظیم و قدیم خانوادۂ عثمانیہ، بدایوں کے صاحبِ علم و عرفان بزرگ، حضرت **مولانا شاہ عینُ الُحق عبد الُمجید عثمانی، بدایونی** کا ہے، جو، ایک عرصہ سے کسی ایسے پیر و مُرشِد کی تلاش میں تھے جن پر، ان کا دل، اچھی طرح، جَم سکے۔
مولانا طفیل احمد، متوّلی صدیقی، بدایونی (متوفی ۱۹۴۴ء) اپنی مذکورہ کتاب **''برکاتِ مارہرہ''** (طبعِ اول، مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۹۱۳ء) میں لکھتے ہیں کہ:
''کسی نے **حضرت اچھے میاں صاحب قُدِّسَ سِرّہٗ** کا نام، بتا دیا۔
مولوی صاحب، مارہرہ پہنچے اور کچھ دنوں تک، حضرت **قُدِّسَ سِرُّہٗ** کی خدمت میں حاضر، رہے۔ لیکن آخرکار، وہاں بھی وہی مضمون پایا اور دل ہی دل میں کہنے لگے کہ:
یہ سب، کمانے کھانے کے ڈھکوسلے ہیں۔ بندہ، ایسی فقیری کا

قائل نہیں۔''

بالآخر، وہاں سے اپنے وطن، بدایوں کو روانہ ہوئے۔

قریب بدایوں، متصل آستانۂ حضرت سلطانُ العَارِفین، شیخ شاہی حَسَنْ، رَسَنْ تاب قُـدِّسَ سِـرُّہ، پہنچ کر انھوں نے دیکھا کہ:

حضرت غوثُ الاعظم وشیخ شاہی قُدِّسَ سِرُّھُمَا تشریف لائے اور مولوی صاحب سے فرمایا کہ:

''عبدالمُجید! ساری دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈھو گے تب بھی سید آلِ احمد سے اچھا پیر نہ ملے گا۔ ابھی، واپس جاؤ اور سید آلِ احمد کے مُرید ہو۔''

اب، مولوی صاحب، وہیں سے اُلٹے پاؤں، مارہرہ کو گئے اور شرفِ قدم بوسی، حاصل کرنے کے بعد، خواہش، بیعت کی، کی۔

حضرت نے فرمایا:

میاں، تم، مولوی ہو۔ مُرید ہو کر کیا کروگے؟ یہ تو کمانے کھانے کے ڈھکوسلے ہیں۔

مولوی صاحب، قدموں پر گر پڑے اور اپنے قصور کی معافی، چاہی۔

حضرت نے اُسی وقت، مولوی صاحب کو داخلِ سلسلۂ قادریہ، فرمایا اور مثالِ خلافت اور خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز کیا اور فرمایا کہ:

''تم، راستے میں تھے کہ حضرت پیر دستگیر، تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ:

مولوی عبدالمُجید، آتے ہیں۔ تم، اُن کو مُرید کرو اور مثالِ خلافت دو۔''

اس واقعہ کو خود، حضرت اچھے صاحب نے اپنی کتاب ''آئینِ احمدی'' میں لکھا ہے کہ:

''مولوی عبدالمُجید پر، حضرت غوثُ الثَّقلین وحضرت شیخ شاہی، بدایونی کی نظرِ خاص ہے۔

جو اَسرارِ خاندانی، ہمارے سلسلے کے، ایسے ہیں کہ:

کبھی، کسی مخصوص سے مخصوص مُرید اور خلیفہ کو بھی سِوَائے فرزندانِ امین کے تعلیم نہیں دیے گئے، اُن کی نسبت بھی:

حضرت غوثِ پاک کا ارشاد ہوا کہ:

''وہ، سب کے سب، مولوی عبدالمُجید کو تعلیم کرو۔

اور، وہ سب کے سب، میں نے مولوی عبدالمُجید کو تعلیم کر دیے۔''

ایک مرتبہ، حضرت مولانا موصوف (شاہ عینُ الحَق عبدالمُجید) کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اچھے میاں صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:

حضرت نظامُ الدِّین اَولیا محبوبِ اِلٰہی، بدایونی، دہلوی نے فرمایا تھا کہ:

اگر، قیامت کے دن، مجھ سے پوچھا گیا کہ:

نظامُ الدِّین! میرے لئے، دنیا سے کیا لائے ہو؟

تو مَیں، نصیرُ الدِّین چراغ دہلی کو، خدا کے حضور میں پیش کر دوں گا

کہ: اے خدا! تیرے لئے، یہ تحفہ لایا ہوں۔" اِس قدر، ارشاد کرنے کے بعد، حضرت اچھے صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمایا کہ: "اگر، اِسی طرح، آلِ احمد سے بھی سوال ہوا: تو آلِ احمد، مولوی عبد المجید، بدایونی کو خدا کی جناب میں پیش کردے گا۔"

(ص ۸۲۔ برکاتِ مارہرہ، مؤلّفہ مولانا طفیل احمد، صدیقی، بدایونی۔ طبعِ بدایوں۔ ۲۰۱۳ء۔ طبعِ اول لکھنو ۱۹۱۳ء)

مذکورہ حضرات کے علاوہ، اِس سرزمینِ روہیل کھنڈ کی مشاہیر شخصیات میں یہ حضرات، نمایاں ہیں:

شاہ جمالُ اللہ قادری، رام پوری، شاہ درگاہی بغدادی، رام پوری، مفتی ابو الحُسن عثمانی بدایونی بریلوی، مولانا محمد احسن، بدایونی، بریلوی، مولانا محمد حَسَن، بدایونی، بریلوی، مفتی محمد عوض عثمانی، بدایونی، بریلوی، مولانا سلطان حَسَن، بریلوی، مفتی سعدُ اللہ، رام پوری، شاہ ابوسعید، مجدِّدی رام پوری، شاہ احمد سعید، مجدِّدی، رام پوری، شاہ رَؤف احمد، مجدِّدی، رام پوری، مولانا شرفُ الدِّین رام پوری، شاہ وَاصِل پہلوان، شہید بریلوی، مفتی رضا علی، بریلوی، مولانا ہدایت علی، بریلوی، مولانا ہدایتُ اللہ، رام پوری ثُمَّ جون پوری، مولانا عبد العلی، ریاضی داں، رام پوری، مفتی اِرشاد حسین، مجدِّدی رام پوری، مولانا ہدایت رسول، قادری برکاتی، رام پوری ثُمَّ لکھنوی، مولانا نقی علی، قادری برکاتی، بریلوی مولانا سلامتُ اللہ، مجدِّدی، رام پوری، امام احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی مولانا فضلِ حق رام پوری (متولد ۱۸۶۱ء۔ متوفی ۱۹۴۰ء) وَغیرھُم۔

رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعالیٰ عَلَیھِم اَجْمَعِین۔

شجاعت وحکومت کے میدان میں نواب، نجیبُ الدَّولہ، حافظ رحمت خاں، نواب علی محمد خاں، خان بہادر خاں، وغیرھُم کی تگ و تاز، خطۂ روہیل کھنڈ کی تاریخِ حَرب وضَرب کا درخشاں باب ہے۔

ابو حنیفۂ ہند، امام احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی کا شجرۂ نسب، یہ ہے:

مولانا احمد رضا، بریلوی، بن مولانا نقی علی، بریلوی، بن مولانا رضا علی، بریلوی، بن حافظ محمد کاظم علی، بریلوی، بن محمد اعظم خاں، بریلوی، بن سعادت یار خاں، بن سعیدُ اللہ خاں، قندھاری۔

جَدِّ اَعلیٰ، سعید اللہ خاں، قندھار، خطۂ رُوہ کے قبیلۂ بڑھیچ کے ایک نامور فرزند تھے۔

خطۂ رُوہ کے حُدُودِ اَربعہ، کشمیر، ہَرات، کاشغر، بھَکَّر و بلوچستان سے ملتے ہیں۔

جو، قندھار، کابل، پشاور، خیبر، باجوڑ، حَسَن اَبدال اورکوہِ سلیمان وغیرہ پر مشتمل ہے۔

سعادت یار خاں اورآپ کے والد، شجاعت جنگ سعیدُ اللہ خاں، قندھاری، صاحبِ شمشیر وسناں تھے۔ سعیدُ اللہ خاں، منصبِ "شش ہزاری" پر فائز تھے اور لاہور کا "شیش محل" انھیں کے زیرِ استعمال تھا۔ یہ سعیدُ اللہ خاں، مغل دَورِ حکومت میں

لاہور آئے تھے۔

سعادت یار خاں کو مغل عہدِ حکومت میں تسخیرِ روہیل کھنڈ (سابق نام، کٹھیر) کی مُہم، سونپی گئی تھی۔ آپ نے نہایت دور اندیشی و حکمتِ عملی و تدبیرِ حَرب کے ساتھ، تسخیرِ روہیل کھنڈ کی کمان سنبھالی اور اپنی جواں مردی و بہادری سے ہر معرکہ، سَر کرتے ہوئے اِس پورے خطے میں اپنی فتح وظفر مندی کا پرچم، نَصب کر دیا۔

جس کے انعام میں بدایوں کے کچھ مواضعات، بطورِ جاگیر دیے جانے اور بریلی کا صوبہ دار مقرر کیے جانے کا شاہی فرمان، صادر ہوا۔ لیکن، وہ فرمان، آپ کے پاس، ایسے وقت میں پہنچا جب کہ آپ، مرضِ وصال میں مبتلا ہو چکے تھے۔

آپ کے تینوں صاحبزادگان (۱) اعظم خاں (۲) معظّم خاں (۳) مکرّم خاں کو، مناصبِ جلیلہ عطا ہوئے۔

محمد اعظم خاں بن سعادت یار خاں نے بریلی میں ہی مستقل سکونت، اِختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ کا مزاج، چوں کہ مذہبی تھا اِس لئے منصب و مرتبۂ شاہی سے تَرکِ تعلق کر کے عبادت و ریاضت اور زُہد و اِتّقا کی زندگی، اِختیار کر لی۔

بریلی میں ہی آپ کا اِنتقال ہوا۔ وہیں، آپ کی تدفین بھی ہوئی۔

حافظ محمد کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں کو، آٹھ گاؤں جاگیر کے، مغل شاہی دربار سے دَوَامی لاخراجی معافی عطا ہوئے اور شہرِ بدایوں کے تحصیل دار، مقرَّر ہوئے تھے۔ یہ عہدہ، آج کل کی کلکٹری کے برابر تھا۔ دو سو سواروں کی بٹالین، ہمیشہ آپ کی خدمت پر مامور، رہا کرتی تھی۔

آپ کی زندگی اور عادات و اَطوار میں بھی تدیُّن و تقویٰ کا رَنگ، غالب تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ کی بزرگ اور متبحر شخصیت، عارفِ حق، حضرت **مولانا شاہ نورُالحق قادری رَزّاقی، فرنگی محلی** (متوفی ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) تلمیذِ بحرالعلوم، **مولانا عبدالعلی محمد، فرنگی محلی، لکھنوی** (متوفی ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) سے نسبتِ بیعت و اِرادت، قائم کر کے، ان کے دامنِ کرم سے وابستہ ہو گئے اور **سلسلۂ عالیہ قادریہ رَزّاقیہ** کی اِجازت و خلافت سے بھی نوازے گئے۔

خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ کا سلسلہ ''**قادریہ رَزّاقیہ**'' ہے۔ رَزّاقی سلسلے کی نسبت، بانسہ شریف اَوَدھ (موجودہ ضلع بارہ بنکی، اتر پردیش) کے ایک ''**اُمّی صفت عالم و عارِف باِللہ**''، حضرت سید شاہ **عبدالرَّزّاق، قادری، بانسوی** (وصال، ماہِ شوال ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء) کی طرف ہے۔

استاذُ الھند، بانیِ درسِ نظامی، مُلّا نظامُ الدّین محمد، سہالوی، فرنگی محلی، لکھنوی (متوفی ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) **حضرت سید شاہ عبد الرَّزاق قادری، بانسوی کے مُرید و خلیفہ ہیں۔**

حضرت **مولانا مفتی رضا علی، بریلوی** (ولادت ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء وصال ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) بن حافظ محمد کاظم علی، بریلوی، روہیل کھنڈ کے معروف عالم و فاضل اور فقیہ و مفتی تھے۔

لاہور آئے تھے۔

سعادت یار خاں کو مغل عہدِ حکومت میں تسخیرِ روہیل کھنڈ (سابق نام، کٹھیر) کی مُہم، سونپی گئی تھی۔ آپ نے نہایت دور اندیشی و حکمتِ عملی و تدبیرِ حرب کے ساتھ، تسخیرِ روہیل کھنڈ کی کمان سنبھالی اور اپنی جواں مردی و بہادری سے ہر معرکہ، سَر کرتے ہوئے اِس پورے خطے میں اپنی فتح وظفرمندی کا پرچم، نَصب کر دیا۔

جس کے انعام میں بدایوں کے کچھ مواضعات، بطورِ جاگیر دیے جانے اور بریلی کا صوبہ دار مقرر کیے جانے کا شاہی فرمان، صادر ہوا۔ لیکن، وہ فرمان، آپ کے پاس، ایسے وقت میں پہنچا جب کہ آپ، مرضِ وصال میں مبتلا ہو چکے تھے۔

آپ کے تینوں صاحبزادگان (۱) اعظم خاں (۲) معظّم خاں (۳) مکرّم خاں کو، مناصبِ جلیلہ عطا ہوئے۔

محمد اعظم خاں بن سعادت یار خاں نے بریلی میں ہی مستقل سکونت، اِختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ کا مزاج، چوں کہ مذہبی تھا اِس لئے منصب ومرتبۂ شاہی سے تَرکِ تعلق کر کے عبادت وریاضت اور زُہد و اِتّقا کی زندگی، اِختیار کر لی۔

بریلی میں ہی آپ کا اِنتقال ہوا۔ وہیں، آپ کی تدفین بھی ہوئی۔

حافظ محمد کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں کو، آٹھ گاؤں جاگیر کے، مغل شاہی دربار سے دَوَامی لاخراجی معافی عطا ہوئے اور شہرِ بدایوں کے تحصیل دار، مقرّر ہوئے تھے۔ یہ عہدہ، آج کل کی کلکٹری کے برابر تھا۔ دوسو سواروں کی بٹالین، ہمیشہ آپ کی خدمت پر مامور، رہا کرتی تھی۔

آپ کی زندگی اور عادات و اَطوار میں بھی تدیُّن وتقویٰ کا رَنگ، غالب تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ کی بزرگ اور متبحر شخصیت، عارفِ حق، حضرت **مولانا شاہ نورُالحق قادری رَزّاقی، فرنگی محلی** (متوفی ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) تلمیذِ بحرالعلوم، **مولانا عبدالعلی محمد، فرنگی محلی، لکھنوی** (متوفی ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) سے نسبتِ بیعت واِرادت، قائم کر کے، ان کے دامنِ کرم سے وابستہ ہو گئے اور **سلسلۂ عالیہ قادریہ رزّاقیہ** کی اِجازت و خلافت سے بھی نوازے گئے۔

خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ کا سلسلہ ''**قادریہ رزّاقیہ**'' ہے۔ رَزّاقی سلسلے کی نسبت، بانْسہ شریف اَوَدھ (موجودہ ضلع بارہ بنکی، اتر پردیش) کے ایک ''**اُمّی صفت عالم وعارِف باللہ**''، حضرت سید شاہ **عبدالرَّزّاق، قادری، بانْسوِی** (وصال، ماہِ شوال ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء) کی طرف ہے۔

استاذُ الھند، بانیِ درسِ نظامی، مُلاّ نظامُ الدّین محمد، سہالوی، فرنگی محلی، لکھنوی (متوفی ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) **حضرت سید شاہ عبد الرَّزاق قادری، بانسوی کے مُرید وخلیفہ ہیں۔**

حضرت **مولانا مفتی رضا علی، بریلوی** (ولادت ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء وصال ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) بن حافظ محمد کاظم علی، بریلوی، روہیل کھنڈ کے معروف عالم وفاضل اور فقیہ ومفتی تھے۔

ٹونک (راج پوتانہ۔موجودہ صوبہ راجستھان) میں مولانا رضا علی، بریلوی نے مولانا قاضی خلیلُ الرحمٰن ،رام پوری سے تعلیم، حاصل کی۔ جن کے والد ماجد،مولانا عرفان بن عمران ،رام پوری بھی مشہور عالمِ دین اورمندرجہ ذیل، دو مشاہیر عُلما کے شاگرد تھے:

(۱)بحرُ العلوم، **مولانا عبد العلی محمد،فرنگی محلی** لکھنوی (متوفی ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء)

(۲)**مفتی شرفُ الدّین،رام پوری**(متوفی،شعبان۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء) استاذِ شاہ ابوسعید ،مجدّ دی ،رام پوری (متوفی ،شوال ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۵ء)وشاہ احمد سعید،مجدّ دی، دہلوی، مہاجرِ مدنی (متوفی ، ربیعُ الاوّل ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء)۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے ایام میں بریلی کے اندر،مولانا رضا علی خاں، بریلوی نے انقلابیوں کی سرپرستی اوررَہنمائی کی ۔ اور برطانوی سامراج کے خلاف، برسرِ پیکار ہوئے۔

مولانا محمد شکور،مچھلی شہری (متوفی ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء)تلمیذِ مولانا رشیدُ الدّین خاں دہلوی (متوفی ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۸ء) وشاہ عبد العزیز، محدّث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے عالِم و فاضل اورمؤرخ صاحبزادے،**مولانا رحمٰن علی** (متوفی ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء)تلمیذِ مولانا سلامتُ اللہ، قادری برکاتی، کشفی ،بدایونی (متوفی ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء)وخلیفۂ مولانا شاہ محمد حُسین ،چشتی ،الہ آبادی (متوفی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) اپنی معروف سوانحی کتاب

"**تذکرۂ عُلماے ہند**"(فارسی) میں لکھتے ہیں:

"مولوی رضا علی خاں بن محمد کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں بن محمد سعادت یار خاں بریلی (روہیل کھنڈ) کے مشہور عالِم اور بھڑیچ پٹھان تھے۔

ان کے بزرگ ،سلاطینِ دہلی کے یہاں "**شش ہزاری**" وغیرہ مناصبِ جلیلہ پر ممتاز تھے۔

۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی خلیلُ الرحمٰن مرحوم سے ٹونک میں علومِ درسیہ کی تحصیل کی۔اور تئیس (۲۳) سال کی عمر میں علومِ مروَّجہ سے فراغت، حاصل کر لی۔

اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوئے۔خصوصاً علمِ فِقہ میں بڑی مہارت تھی۔ان کا وعظ، تاثیر میں مشہور ہے۔مختصر، یہ کہ سلام و کلام میں ابتدا کرتے تھے۔ زُہد،قناعت،حِلم ،تواضع ،اور تجرید ان کی خصوصیات ہیں۔۲/جمادیٰ الاولیٰ ۱۲۸۲ھ/۶۶۔۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا۔**بھڑیچ ، پٹھانوں کا ایک قبیلہ ہے، جس کو روہیلہ بھی کہتے ہیں۔**"

(ص۱۹۳۔**تذکرۂ عُلماے ہند**۔مؤلّفہ رحمٰن علی ۔اردو ترجمہ، از پروفیسر محمد ایوب قادری۔مطبوعہ "پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی"۔ کراچی ۔۱۹۶۱ء)

امام احمد رضا، بریلوی،قُدِّسَ سِرُّہٗ کے خَلَفِ اکبر، حجۃُ الاسلام، مولانا شاہ محمد حامد رضا، قادری برکاتی ،بریلوی (وصال ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء)کے حوالے سے حضرت مولانا

محمد ظفرالدّین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی (وصال ۱۹؍ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/۱۸؍ نومبر ۱۹۶۲ء) تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت (مولانا رضا علی بریلوی) کا گذر، ایک روز، کوچہ سیتارام (بریلی) کی طرف سے ہوا۔ ہُنود کے تیوہار ''ہُولی'' کا زمانہ تھا۔ ایک ہندونی، بازاری طوائف نے اپنے بالاخانہ سے حضرت پر، رَنگ چھوڑ دیا۔ یہ کیفیت، شارعِ عام پر ایک جوشیلے مسلمان نے دیکھتے ہی، بالاخانہ پر جاکر تشدُّد کرنا چاہا۔ مگر حضرت نے اسے روکا اور فرمایا:

''بھائی! کیوں اِس پر تشدُّد کرتے ہو؟ اِس نے مجھ پر، رَنگ ڈالا ہے، خدا، اِسے رَنگ دے گا۔'' یہ فرمانا تھا کہ وہ طوائف، بے تابانہ آکر قدموں پر گر پڑی۔ معافی مانگی اور اُسی وقت مشرَّف، بہ اسلام ہوئی۔ **حضرت نے وہیں، اُس نوجوان کے ساتھ، اُس کا عَقد، کر دیا۔''**

(ص ۸۵۔ ''**حیاتِ اعلیٰ حضرت**''، حصہ اول۔ مؤلّفہ مولانا محمد ظفرالدین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ طبعِ اول، بہ ترتیبِ جدید، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء)

ایک اور واقعہ، مولانا محمد ظفرالدین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی (وصال، جمادیٰ الآخرہ ۱۳۸۲ھ/ نومبر ۱۹۶۲ء) تلمیذ و خلیفۂ امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی، اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

''فتنۂ ۱۸۵۷ء کے بعد، جب، انگریزوں کا تسلُّط ہوا، اور انھوں نے شدید مظالم کیے، تو لوگ، ڈر کے مارے، پریشان پھرتے تھے۔ بڑے لوگ، اپنے اپنے مکانات، چھوڑ کر، گاؤں وغیرہ، چلے گئے۔ لیکن حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، محلّہ ذخیرہ (بریلی) اپنے مکان میں برابر تشریف رکھتے اور پنج وقتہ نمازیں، مسجد میں جماعت کے ساتھ، ادا کیا کرتے تھے۔ ایک دن، حضرت، مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ادھر سے گوروں (انگریزوں) کا گذر ہوا۔ خیال ہوا کہ شاید، مسجد میں کوئی شخص ہو تو اس کو پکڑ کر پیٹیں۔ مسجد میں گُھسے، اِدھر اُدھر گھوم آئے۔ بولے کہ: **مسجد میں کوئی نہیں ہے۔** حالاں کہ حضرت، مسجد ہی میں تشریف فرما تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اندھا کر دیا کہ حضرت کو دیکھنے سے معذور، رَہے۔''

(ص ۸۷۔ ''**حیاتِ اعلیٰ حضرت**''، حصہ اول۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

''**خُطبۂ علمی**''، جو متحدہ ہندوستان کی بے شمار مساجد میں نمازِ جمعہ سے پہلے، ائمۂ مساجد پڑھا کرتے تھے اور اب بھی اکثر مساجد میں یہ خطبہ، رائج ہے، اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علاّمہ محمد حَسَن صاحب، علمی، جن کا خطبہ، ہندوستان میں ہر جگہ، پھیلا ہوا ہے۔ شہر تو شہر، دیہات تک مساجد میں وہی خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ وہ، حضرت (مولانا رضا علی بریلوی) ہی کے شاگرد و مُرید تھے۔ اور یہ خطبہ، ان کی نظر سے گذرا ہوا ہے۔ اور آج تک جو ''**خُطبۂ علمی**'' چھپتا ہے، اُس کے اَخیر میں مصنِّف (**مؤلِّفِ خطبۂ علمی**، مولانا محمد حَسَن علمی) کی یہ عبارت،

ضرور ہوتی ہے:

''اِس مؤلّفِ عاصی، محمد حَسَنْ علمی کو امید واری ، جناب بارِی عَزَّاِسْمُہٗ سے، یہ ہے کہ: اپنے فضلِ عمیم اور طفیل رسولِ کریم، ملقَّب، بہ'' اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' کے ہم سب مومنین کو، بہ عَفوِ جرائم وعصیان اور فیضانِ توفیق واِحسان کے ،عزت بخشے۔اور ہمارے مُرشد ومولیٰ ،عالمِ علمِ رَبَّانی ، مقبولِ بارگاہِ سُبحانی ،مَخزنِ اَسرارِ معقول ومنقول کاشفِ اَستارِ فروع واُصول، مطلع الْعلوم ، مجمع الفہوم ،عالمِ باعمل ،فاضلِ بے بدل ،منبعُ الاَخلاف منھلُ الاشفاق ،مصدرِ اِحسان ،مظہرِ اِمتنان، مولانا ومخدومنا ،لَوْ ذَعِیِّ زمان ،مولوی رضاعلی خان ،کو ہیچ ، دونوں جہان کے ،رحمتِ خاصہ میں اپنے رکھ کر اَقصیٰ مَرَاتبِ قبولیت کو پہنچائے ۔آمِین یَارَبَّ الْعَالَمِین''۔

(ص ۸۷ وص ۸۸۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''، حصہ اول۔مطبوعہ رضا اکیڈمی ،بمبئی)

مولانا مفتی رضاعلی، بریلوی کونسبتِ بیعت وارادت ،سراجُ الْہِند ،شاہ عبدالْعزیز ،محدِّث دہلوی (وصال، شوال ۱۲۳۹ھ/جون ۱۸۲۴ء) وحضرت مولانا نورُ الْحق ، فرنگی محلی ،لکھنوی (وصال ربیعُ الاوَّل ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) کے تلمیذِ رشید ،اُوَیسِ زمان ،حضرت مولانا شاہ فضلِ رَحمٰن گنج مرادآبادی، (ولادت ۱۲۰۸ھ۔وصال ،ربیعُ الاوَّل ۱۳۱۳ھ/ ستمبر ۱۸۹۵ء))خلیفۂ حضرت شاہ محمد آفاق ،نقشبندی مجدِّدی، دہلوی (وصال ،محرمُ الْحرام ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء) سے حاصل ہوئی۔ اِس طرح ،آپ، ''نقشبندی مجدِّدی'' سلسلے سے وابستہ ہیں۔

امام احمد رضا، بریلوی،قُدِّسَ سِرُّہٗ کے جَدِّ اَمجد ،مولانا رضاعلی ، بریلوی کا وصال ،۲/جمادیٰ الاولیٰ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ءکو، بریلی میں ہوا۔

اپنے جَدِّ اَمجد کے سالِ وصال کا آپ نے اِس آیتِ کریمہ سے اِستخراج کیا ہے:''اَلآاِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ'' (۱۲۸۲ھ)

رَئِیسُ الْمُتَکَلِّمِین ،مولانا نقی علی، قادری برکاتی، بریلوی (ولادت ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء۔ وصال ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) بن مولانا رضاعلی، بریلوی (وصال ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) بھی جیِّد عالمِ دین تھے۔ اپنے والد ماجد، مولانا رضاعلی ،بریلوی سے اِکتسابِ علوم وفنون کیا۔

مولانا نقی علی، بریلوی کے، یہ تین صاحبزادگان ہیں:

(۱) مولانا احمد رضا بریلوی (۲) مولانا حَسَنْ رضا بریلوی (۳) مولانا محمد رضا بریلوی۔

محبِّ رسول، تاجُ الْفحول، مولانا عبدالقادر، عثمانی، قادری برکاتی، بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کے مشورہ اور نشان دِہی کے مطابق ،حضرت مولانا نقی علی، بریلوی وامام احمد رضا، بریلوی اور مولانا مرزا غلام قادر بیگ، بریلوی (وصال ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۷ء۔ مدفون بریلی)، آپ کے ساتھ ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں مارہرہ

مطہّرہ، حاضر ہوئے۔

امام احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی اِس سلسلے میں اپنے جَدّ اَمجد، حضرت مولانا رضا علی، بریلوی کی، بہ حالتِ خواب، زیارت اور بشارت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''میں روتا ہوا، دوپہر میں سوگیا۔ دیکھا کہ: حضرت جَدّ اَمجد، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تشریف لائے اور ایک صندوقچی، عطا فرمائی اور فرمایا: ''عنقریب، آنے والا ہے وہ شخص، جو تمھارے دردِ دل کی دوا کرے گا۔'' دوسرے، یا تیسرے روز، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، تشریف لائے اور اپنے ساتھ، مارہرہ شریف، تشریف لے گئے۔ وہاں جاکر، شرفِ بیعت، حاصل کیا۔''

(ص ٦٣۔ **الملفوظ**، حصہ سوم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

تاجُ الفُحول، مولانا عبد القادر، بدایونی کے علم و فضل کے، امام احمد رضا، بریلوی، قُدِّسَ سِرُّہٗ بے حد، مَدّاح ہونے کے ساتھ، آپ کا غایت درجہ، اِحترام کیا کرتے تھے۔ اپنے ایک فتویٰ میں آپ، لکھتے ہیں کہ:

وَ ذَکَرَ ھٰھُنَا الْمَوْلیٰ الْفَاضِلُ زِینۃُ عَصْرِنا مُحِبُّ الرَّسولِ عبدُ الْقَادر اَلْقَادِری فِی رِسالَتِہٖ **''اَلْمُنَاصَحَۃُ فِی تَحقِیقِ الْمُصَافَحَۃِ''** تَحْقِیقاً جَمِیْلاً یَتَّضِحُ بِہٖ الصَّوَابُ وَ تَوْفِیْقاً اَنِیقاً یَنْدَفِعُ بِہٖ الْاِضْطِرَابُ۔

(ص ٣١٥۔ **فتاویٰ رضویہ**، مترجَم۔ جلد ٢٢۔ مطبوعہ پاک و ہند)

کہاں اور کس شیخِ طریقت و مَردِ کامل سے نسبت بیعت و اِرادت، قائم کرنی چاہیے؟ حضرت مولانا نقی علی بریلوی بھی یہ مشورہ، حضرت مولانا عبدالقادر عثمانی بدایونی سے کر چکے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل تحریر میں صراحت کے ساتھ، اِس کا ذکر ہے:

''حضرت سید شاہ اسمٰعیل حَسَن میاں صاحب (مارہروی) کا بیان ہے کہ:

حضرت تاجُ الفُحول محبّ رسول، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، بدایونی، قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فقیر سے بیان کیا کہ: مولانا نقی علی صاحب، والدِ ماجِد حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے: **اپنی بیعت کے ارادے کا اِظہار فرمایا۔**

اِس سے پہلے، مولانا احمد رضا خاں صاحب، بہ خیالِ بیعت، مولانا فضلِ رحمان صاحب گنج مرادآبادی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے پاس، جا چکے تھے اور وہاں سے بغیر بیعت، واپس آ چکے تھے۔

مولانا بدایونی نے مولانا نقی علی خاں صاحب کو، یہ جواب دیا کہ: آپ، اَمرِ بیعت میں مجھ پر اِعتماد، رکھتے ہیں تو جس جگہ، مناسب سمجھ کر آپ کو بیعت کرادوں، وہاں، منظور کر لیجیے۔''

مولانا (نقی علی) بریلوی کی طرف سے اس پر رضا مند ہونے کے بعد، مولانا (عبد القادر) بدایونی، مولانا نقی علی خاں صاحب، مولانا احمد رضا صاحب اور مرزا غلام قادر بیگ کو ہمراہ لے کر مارہرہ شریف، تشریف لائے۔'' الخ۔

(ص ٦٩٨۔ ''**حیاتِ اعلیٰ حضرت**''، مکمل۔ مؤلّفہ مولانا محمد ظفر الدین

احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی۔ مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

حضرت خاتمُ الاکابر نے پہلے، مولانا نقی علی خاں صاحب، پھر مولانا احمد رضا خاں صاحب، پھر مرزا غلام قادر بیگ صاحب کو داخلِ سلسلۂ عالیہ قادریہ، برکاتیہ جدیدہ، فرمایا۔"الخ۔

(ص۶۹۹۔"حیاتِ اعلیٰ حضرت"، مکمل۔ مکتبۂ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور)

خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہَّرہ، نہایت عظیم وقدیم، قادری خانقاہ ہے جس کے سجادگان وشہزادگان، نجیبُ الطَّرفین ساداتِ کرام ہیں اوران کے آباواَجداد "**بلگرام شریف**" خطۂ اَوَدھ (موجودہ ضلع ہردوئی۔ صوبہ اترپردیش) سے، باِشارہ و تائیدِ غیبی، نقلِ مکانی کرکے "**مارہرہ مطہَّرہ**" (موجودہ ضلع ایٹہ۔صوبہ یوپی) میں مستقل، قیام پذیر ہوئے۔

اِس پہلے سفرِ مارہرہ مطہَّرہ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں مولانا نقی علی، بریلوی (وصال ذوالقعدہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) کے ساتھ، آپ کے بڑے صاحبزادے، مولانا احمد رضا، بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) اور امام احمد رضا، بریلوی کے ابتدائی استاذ، مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی (وصال ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۷ء۔ مدفون بریلی) بھی تھے۔

ان تینوں عُلماے بریلی کو، اُس وقت کے سجادہ نشین، خاتمُ الاکابر، سیدشاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی (وصال، ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ/دسمبر ۱۸۷۹ء) نے (بتاریخ پنجم جمادیٰ الآخرہ ۱۲۹۴ھ) مُرید فرمایا، اورمزید کرم، یہ فرمایا کہ **حضرت مولانا نقی علی، بریلوی اور حضرت مولانا احمد رضا، بریلوی کو اُسی وقت، اِجازت وخلافت سے بھی نوازدیا۔**

حضرت خاتمُ الاَکابر، مارہروی کے پوتے اورآپ کے بعد، خانقاہِ قادریہ برکاتیہ کے ہونے والے سجادہ نشین، نورُ العارفین، سیدشاہ ابوالحُسَین احمد، قادری برکاتی، نوری، مارہروی (وصال ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء) اُس وقت، موجود تھے۔آپ نے اپنے جدِّ اَمجد، حضرت خاتمُ الاَکابر مارہروی سے حیرت واِستعجاب کے ساتھ، عرض کیا کہ:

حضور! آپ نے انھیں، ابھی اتنی جلدی، اپنی اجازت وخلافت، کس طرح، عطا فرمادی؟ یہاں توبڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعدہی کسی کوخلافت، دی جاتی ہے؟ حضرت خاتم الاکابر، مارہروی نے ارشادفرمایا کہ:"اورلوگ، مَیلا کچیلا، زَنگ آلود دِل لے کرآتے ہیں۔اس کے تزکیہ کے لئے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ مُصَفّٰی وَمُزَکّٰی قلب لےکر، یہاں آئے ہیں۔انھیں ریاضت ومجاہدہ کی کیاضرورت تھی؟ صرف، اِتّصالِ نسبت کی حاجت تھی۔اوریہ اِتّصال، بیعت کےساتھ ہی حاصل ہوگیا۔"

حضرت خاتمُ الاکابر، مارہروی نے اس کے بعد، اِرشادفرمایا کہ: مجھے بڑی فکرتھی کہ بروزِحشر، اگراَحکم الحاکمین نےسوال فرمایا کہ آلِ رسول! تومیرے لئے کیالایاہے؟ تومیں کیاپیش کروں گا؟ مگرخدا

کاشکر ہے کہ: آج، وہ فکر، دور ہوگئی۔ اُس وقت ،مَیں ''احمد رضا'' کوپیش کردوں گا۔''

مولانا رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) اپنی مشہور سوانحی کتاب ''تذکرۂ عُلمائے ہند'' (فارسی) میں حضرت مولانا نقی علی، بریلوی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''مولوی نقی علی خاں، بریلوی بن مولوی رضا علی خاں، ساکن بریلی (روہیل کھنڈ) یکم رجب ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد سے تعلیم وتربیت پائی اور انہیں سے درسی علوم، حاصل کیے۔ ذہن اور، رائے، صائب رکھتے تھے۔

حق تعالیٰ نے ان کو اپنے ہم عصروں میں معاش ومعاد میں ممتاز فرمایا تھا۔ فطری شجاعت کے علاوہ، سخاوت، تواضع اور اِستغنا کی صفات سے متصف تھے۔ عمرِ عزیز کو سُنَّت کی اِشاعت اور بدعت کے رَد میں صَرف کیا۔ دینی مناظرہ کا اعلان تاریخی نام'' **اِصلاحِ ذاتِ بین**'' سے، ۲۶/شعبان ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء میں شائع کیا۔ مسئلۂ اِمتناعِ مماثلتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ سَلَّم میں بہت کوشش کی جس کی معلومات، رسالہ'' **تَنْبِیْہُ الْجُھَّال**'' سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں آپ، سید شاہ آلِ رسول، مارہروی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے بیعت کی۔ تمام سلاسلِ جدیدہ قدیمہ کی اجازت وخلافت کا حکم نامہ اور سندِ حدیث، حاصل کی۔ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرَّف ہوئے۔ سید احمد زَین دَحلان (شافعی، مکی) وغیرہ، عُلمائے مکہ سے دوبارہ، علمِ حدیث کی سند، حاصل کی۔ ذی قعدہ کی آخری تاریخ، ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا۔''

(ص ۵۳۰۔ **تذکرۂ عُلمائے ہند**، مؤلّفہ رحمٰن علی۔ مطبوعہ پاکستان، ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء۔ اردو ترجمہ، از پروفیسر محمد ایوب قادری، کراچی)

اس کے بعد، مولانا رحمٰن علی، مؤلّف ''تذکرۂ عُلمائے ہند'' نے حضرت مولانا نقی علی، بریلوی کی پچیس (۲۵) کتب و رسائل کے نام، درج کیے ہیں۔

امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی، جَوَاھِرُ الْبَیَانِ فِی اَسْرَارِ الْاَرْکَان'' مؤلّفہ مولانا نقی علی، بریلوی، مطبوعہ مطبع حَسَنی، محلّہ سوداگران، بریلی میں اپنے والد ماجد، مولانا نقی علی، بریلوی کے مختصر حالات، درج کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

.... بِحَمْدِاللّٰہ، منصب شریف علم کا پایہ، ذُرْوَۂ عُلْیَا کو پہنچا۔ راست می گویم ویزداں، نہ پسندد جُز، راست۔ کہ جو، دِقَّتِ اَنظار وَحِدَّتِ اَفکار وَفَہمِ صائب وَرَائے ثاقب، حضرتِ حق جَلَّ وَعَلَا نے انھیں عطا فرمائی، اِن دیار واَمصار میں اس کی نظیر، نظر نہ آئی۔ فراستِ صادقہ کی، یہ حالت تھی کہ جس معاملے میں جو کچھ فرمایا، وہی ظہور میں آیا۔ عقلِ معاش ومعاد، دونوں کا بَروجہِ کمال، اِجتماع، بہت کم سنا، یہاں آنکھوں سے دیکھا۔ علاوہ بَریں، سخاوت وشجاعت، وعُلُوِّ ہمت وکرم ومُروَّت،

وصدقاتِ خفیّہ ومبرّاتِ جلیّہ وبلندیٔ اِقبال ودَبدبۂ جلال وموالاتِ فُقَرا، اوراَمرِ دینی میں عدمِ مبالات بأغنیا، حُکّام سے عُزلت، رزقِ موروث پر قناعت، وَغیرِ ذالِک، فضائلِ جلیلہ وخصائلِ جمیلہ کا حال وہی کچھ جانتا ہے جس نے اِس جناب کی برکتِ صحبت سے شرف پایا ہے۔ع

این نہ بحریست کہ درکوزۂ تحریر آید

مگر، سب سے بڑھ کر، یہ ہے کہ: اِس ذاتِ گرامی صفات کو، خالق عَزَّ وَجَلَّ نے حضرت سلطانِ رسالت عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلوٰۃِ وَالتَّحِیَّۃِ کی غلامی وخدمت اور حضورِ اَقدس (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے اَعْدَا پر، شِدَّت وغِلْظَتْ کے لئے بنایا تھا۔ بِحَمْدِاللّٰہ، ان کے بازُوے ہمت وطَنطنۂ صَولَتْ نے اِس شہر کو فتنۂ مخالفین سے یکسر، پاک کردیا۔ کوئی اتنا، نہ رہا کہ سر، اٹھائے، یا آنکھ، ملائے۔ یہاں تک کہ ۲۶/شعبان ۱۲۹۳ھ کو مناظرۂ دینی کا اعلان، مسمّٰی بنامِ تاریخی ''اِصـــلاحِ ذاتِ بَیـــن'' (۱۲۹۳ھ) طبع کرایا اور سِوا مُہرِ سکوت، یا عارِ فرار وغَوغاے جُہّال وَعجز واِضطرار کے، کچھ جواب، نہ پایا۔

''فتنۂ شش مثل'' کا شعلہ کہ مدت سے سربہ فلک، کشیدہ تھا اور تمام اَقطارِ ہند میں اہلِ علم، اس کے اِطفا پر عَرق ریز، اِس جناب کی ادنیٰ توجہ میں: بِحَمْدِاللّٰہ، سارے ہندوستان سے ایسا فرو ہوا کہ جب سے کان، ٹھنڈے ہیں۔ اہلِ فتنہ کا بازار، سرد ہے۔ خود، اس کے نام سے جلتے ہیں۔ مصطفیٰ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی یہ خدمت، روزِ اوّل سے اِس جناب کے لئے وَدِیعت تھی۔ جس کی قدرے تفصیل ''تَنْبِیْہُ الْجُھَّالِ بِاِلْھَامِ الْبَاسِطِ الْمُتُعَال'' میں مطبوع ہوئی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَشَآءُ۔ ''تصانیفِ شریفہ، اِس جناب کی، سب علومِ دین میں ہیں۔ نافعِ مُسلمین وَدَافعِ مُفسِدین۔ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِین۔ اَزاں جُملہ:

(۱) اَلْکَلامُ الْاَوْضَحُ فِی تَفْسِیرِ سُورَۃٔ اَلَمْ نَشْرَحْ، کہ مجلّدِ کبیر ہے۔ علومِ کثیرہ پر مشتمل۔

(۲) وَسِیْلَۃُ النِّجَاۃ، جس کا موضوع، ذکرِ سرورِ کائنات (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) ہے۔ مجلّدِ وسیط۔

(۳) سُرُوْرُ الْقُلُوبِ فِی ذِکْرِ الْمَحْبُوب، کہ مطبع نولکشور (لکھنؤ) میں چھپی۔

(۴) جَوَاھِرُ الْبَیَانِ فِی اَسْرَارِ الْاَرْکَان، جس کی خوبی، دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ع

ذَوقِ ایں مئے، نہ شناسی، بخُدا، تا، نہ چشی

فقیر غَفَرَاللّٰہُ تَعَالیٰ لَہٗ نے صرف، اس کے ڈھائی صفحوں کی شرح میں ایک رسالہ، مسمّٰی بہ، زَوَاھِرُ الْبَیَانِ مِنْ جَوَاھِرِ الْبَیَان، مُلقّب، بہ نامِ تاریخی: ''سَلْطَنَۃُ الْمُصْطَفیٰ فِی مَلَکُوتِ کُلِّ الْوَرٰی'' تالیف کیا۔

(۵) اُصُوْلُ الرَّشَادِ لِقَمْعِ مَبَانِی الْفَسَادِ، جس میں وہ قواعد، اِیضاح واِثبات فرمائے جن کے بعد، نہیں مگر سُنَّت

کوقوت اور بدعتِ نجدیہ کو موت حسرت۔

(٦)ھِدَایَۃُ الْبَرِیَّۃِ اِلیٰ الشَّرِیْعَۃِ الْاَحْمَدِیَّۃ، کہ دس (١٠) فرقوں کا رَد ہے۔

یہ کتابیں، مطبع صبحِ صادق، سیتاپور (اَوَدھ) میں مطبوع ہوئیں۔

(٧)اِذَاقَۃُ الْاَثَامِ لِمَانِعِ عَمَلِ الْمَوْلِدِ وَالْقِیَام، کہ اپنی شان میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔اور، اِنْ شَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ، عنقریب، شائع ہوگی۔

(٨)فَضْلُ الْعِلْمِ وَالْعُلَمَاء، ایک مختصر رسالہ کہ بریلی میں طبع ہوا۔

(٩)اِزالۃُ الْاَوْھَام، رَدِّ نجدیہ۔

(١٠)تَزْکِیَۃُ الْاِیْقَان، رَدِّ تقویۃُ الایمان۔

کہ یہ عَشْرَ ۃٌ کاملہ، زمانۂ حضرت مصنّف قُدِّسَ سِرُّہٗ میں تبییض پاچکا۔

(١١)اَلْکَوَاکِبُ الزَّھْرَاء فِی فَضَائِلِ الْعُلَمَاءِ وَآدَابِ الْعُلَمَاء۔

جس کی تخریجِ اَحادیث میں فقیر غَفَرَ لَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے رسالہ: ''اَلنُّجُومُ الثَّوَاقِبِ فِی تَخْرِیْجِ اَحَادِیْثِ الْکَوَاکِب'' لکھا۔

(١٢)اَلرِّوَایَۃَ الرَّوِیَّۃُ فِی الْاَخْلَاقِ النَّبَوِیّۃ۔

(١٣)اَلنَّقَاوَۃُ النَّقَوِیَّۃُ فِی الْخَصَائِصِ النَّبَوِیّۃ۔

(١٤)لَمْعَۃُ النِّبْرَاسِ فِی آدَابِ الْاَکْلِ وَاللِّبَاس۔

(١٥)اَلتَّمَکُّنُ فِی تَحْقِیْقِ مَسَائِلِ التَّزَیُّن۔

(١٦)اَحْسَنُ الْوِعَاءِ لِآدَابِ الدُّعَاء۔

(١٧)خَیْرُ الْمُخَاطَبَۃِ فِی الْمُحَاسَبَۃِ وَالْمُرَاقَبَۃِ۔

(١٨)ھِدَایَۃُ الْمُشْتَاقِ اِلیٰ سَیْرِ الْاَنْفُسِ وَالْآفَاق۔

(١٩)اِرْشَادُ الْاَحْبَابِ اِلیٰ آدَابِ الْاِحْتِسَاب۔

(٢٠)اَجْمَلُ الْفِکرِ فِی مَبَاحِثِ الذِّکر۔

(٢١)عَیْنُ الْمُشَاھَدَۃِ لِحُسْنِ الْمُجَاھَدَۃ۔

(٢٢)تَشَوُّقُ الْاَوَّاہُ اِلیٰ طَرِیْقِ مَحَبَّۃِ اللّٰہ۔

(٢٣)نِھَایَۃُ السَّعَادَۃِ فِی تَحْقِیْقِ الْھِمَّۃِ وَالْاِرَادَۃ۔

(٢٤)اَقْوَیٰ الذَّرِیْعَۃِ اِلیٰ تَحْقِیْقِ الطَّرِیْقَۃِ وَالشَّرِیْعَۃِ۔

(٢٥)تَرْوِیْحُ الْاَرْوَاحِ فِی تَفْسِیْرِ سُوْرَۃِ الْاِنْشِرَاح۔

اِن پندرہ (١٥) رسائل، مابین وَجیز ووَسیط کے مسوَّدات، موجود ہیں۔جن کی تبییض کی فرصت، حضرت مصنّف قُدِّسَ سِرُّہٗ نے، نہ پائی۔فقیر غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ کا قصد ہے کہ انھیں صاف کر کے ایک مجلّد میں طبع کرائے۔اِنْ شَاءَ اللّٰہُ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالیٰ۔ع

کہ حلوا بہ تنہا، نہ بایَست خورد۔

اِن کے سِوا، اور تصانیفِ شریفہ کے مسوَّدے، بَستوں میں ملتے ہیں۔مگر منتشر، جن کے اَجزا، اول یا آخر یا وَسط سے گُم ہیں۔ان کے بارے میں حسرت ومجبوری ہے۔

غرض، عُمر اِس جناب کی، تَروِیجِ دین وحمایتِ مسلمین ونِکایَتِ اَعدا وحمایتِ مصطفیٰ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) میں گذری۔

جَزَاہُ اللّٰہُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِینَ خَیْرَالْجَزَاءِ۔

(تحریر امام احمد رضا، بریلوی۔مشمولہ، درجَوَاھِرُ الْبَیَانِ فِی

اَسْـرَارِ الْاَرْکَـان، مؤلّفہ مفتی محمد نقی علی، بریلوی۔ مطبوعہ بریلی وکراچی و بمبئی ومبارک پور۔ منقول از طبعِ پنجم ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۷ء۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی۔ انڈیا۔ وص ۸۹ تا ص ۹۲ حیاتِ اعلیٰ حضرت حصہ اول۔ مؤلّفہ مولانا محمد ظفر الدّین احمد، قادری رضوی، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء)

اس سے آگے، آپ نے سفرِ مارہرہ مطہّرہ وسفرِ حج وزیارت اور مختصراً بیانِ وصالِ والدِ ماجد اور آخر میں چند تواریخِ ولادت ووصال، درج کی ہیں۔ خلاصۂ تحریر، یہ ہے کہ:

''پنجم، جمادیٰ الاولیٰ ۱۲۹۴ھ کو مارہرہ مطہّرہ میں حضور سَیِّدُنَـا وَمُرْشِدُنَا، مَولانَا وَمَاْوَانَا سید شاہ آلِ رسول، احمدی، تاجدارِ مَسندِ مارہرہ، رَضِـیَ الـلّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے دستِ حق پرست پر بیعت فرمایا۔ حضور پیرومُرشدِ برحق نے مثالِ خلافت واجازتِ جمیع سلاسل وسندِ حدیث عطا فرمائی۔ یہ غلام بھی اسی نشست میں اس جناب کے طفیل، ان برکات سے شرف یاب ہوا۔ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعالَمِین''۔

اس کے بعد، تحریر فرماتے ہیں کہ:

''۲۶ رشوال ۱۲۹۵ھ کو باوجود، شِدَّتِ علالت وضعف، خود حضورِ اَقدس، سیّدِ عالم صَـلَّیـاللهُ عَـلَیْهِ وَسَلَّم کے خاص طور پر بُلانے سے کہ ''مَـنْ رَآنِـی فِـی الْـمَـنَامِ فَقَدْ رَآنِی (رَوَاهُ الْاِمام اَحْـمَدُوَالْبُخارِی وَالتِّرْمِذِی عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ) عزمِ زیارت وحج فرمایا۔ یہ غلام، اور چند اصحاب وخُدَّام، ہمراہِ رِکاب تھے۔ ہر چند، اَحباب نے عرض کی کہ علالت کی، یہ حالت ہے۔ آئندہ سال پر ملتوی فرمایئے۔ ارشاد فرمایا کہ ''مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم، دروازہ سے باہر رکھ لوں، پھر چاہے روح، اُسی وقت پرواز کر جائے۔''

(ص ۹۳۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''، حصہ اول، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

''اِس سفرِ حج وزیارت ۱۲۹۵ھ میں شیخُ الحَرم، مولانا وسیدنا احمد بن زَینی دَحلان وغیرہ عُلماے مکّہ معظّمہ سے مکرّر، سندِ حدیث حاصل کی۔ روزِ وصال، جس وقت، روح پُرفتوح نے جدائی، اِختیار کی، فقیر، سرہانے، حاضر تھا۔ وَاللّٰهِ الْعَظِیم! ایک نورِ ملیح، عَلانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اُٹھ کر برقِ تابندہ کی طرح، چہرہ پر چمکا اور جس طرح، لَمعانِ خورشید، آئینہ میں جنبش کرتا ہے، یہ حالت ہوکر، غائب ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی روح، بدن میں، نہ تھی۔ پچھلا کلمہ کہ زبانِ فیض ترجمان سے نکلا، لفظ ''اَلـلّٰـه'' تھا۔ وَبَس۔ اور اَخیر تحریر کہ دستِ مبارک سے ہوئی ''بِسْـمِ الـلّٰـهِ الـرَّحْمٰنِ الرَّحِیم'' تھی کہ انتقال سے، دو روز پہلے، ایک کاغذ پر لکھی تھی۔'' (۹۴۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ بمبئی)

''روزِ پنج شنبہ، وقت ظہر، ذوالقعدہ ۱۲۹۷ھ ہجری کو اِکیاون (۵۱) برس، پانچ (۵) مہینہ کی عمر میں شبِ جمعہ، اپنے والد ماجد (مولانا مفتی رضا علی، بریلوی) کے پہلو میں جگہ پائی۔'' فقیر نے حضور پیرومُرشدِ برحق (سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی) کو خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد،

قُـــدِّسَ سِـــرُّہٗ **کے مَرقد پر تشریف لائے۔ غلام نے عرض کیا: حضور! یہاں کہاں؟ اَولـفـظـاً ھٰـذا مَعناہ ۔فرمایا: آج سے۔ یا فرمایا: اب سے، ہم، یہیں رہا کریں گے۔" رَحِـمَهُـمَا اللّٰهُ تَعالیٰ رَحْمَةً وَاسِعَةً۔"**

(ملخصاً ۔مختصر حالاتِ حضرت مصنّف علاّم ۔ بقلم امام احمد رضا، بریلوی۔ مشمولہ در "جَـوَاهِـرُ الْبَيَـانِ فِـي اَسْـرارِ الْاَرکـان ۔مؤلّفہ مولانا مفتی نقی علی، بریلوی۔ مطبوعہ بریلی وکراچی وبمبئی ومبارک پور۔ وص۹۳ تاص ۹۵۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول ۔مؤلّفہ مولانا ظفرالدین قادری رضوی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

امام احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی نے بالکل ابتدائی کتابیں، ایک مولوی صاحب سے پڑھنے کے بعد، مولانا مرزا غلام قادر بیگ، بریلوی (متوفی ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۷ء۔ مدفون حسین باغ، محلّہ باقر گنج، بریلی) سے میزان ومنشعب وغیرہ پڑھیں۔

جب، عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ چکے تو:

"تمام دینیات کی تکمیل، اپنے والد ماجد، حضرت مولانا نقی علی خاں، قادری برکاتی (متولد ۱۲۴۶ھ۔ متوفی ۱۲۹۷ھ) سے تمام فرمائی۔ اور تیرہ (۱۳) سال، دس (۱۰) ماہ، چار دن کی عمر شریف میں ۱۲۸۶ھ میں تمام درسیات سے فراغ پایا۔" الخ۔

(ص ۹۷۔ **حیاتِ اعلیٰ حضرت**، مکمل۔ مطبوعہ لاہور)

۱۲۸۶ھ ہی میں امام احمد رضا، بریلوی قُـدِّسَ سِـرُّہٗ پر نماز، فرض ہوئی اور اسی سال آپ کو منصبِ اِفتا، عطا ہوا۔

جس کا ذکر، آپ کے اِس ارشادِ مبارک میں صراحت کے ساتھ، ملتا ہے:

"**عرض**! اگر بچے کی ناک میں کسی طرح، دودھ، چڑھ کر حلق میں پہنچ گیا تو کیا حکم ہے؟

ارشاد: منہ، یا ناک سے ۔عورت کا دودھ جو بچے کے جَوف میں پہنچے گا تو حُرمتِ رضاعت، لائے گا۔ **یہ، وہی فتویٰ ہے جو چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو سب سے پہلے، فقیر نے لکھا اور اسی ۱۴/شعبان ۱۲۸۶ھ کو منصبِ اِفتا، عطا ہوا اور، اسی تاریخ کو بِـحَـمْـدِاللّٰهِ تَعَالیٰ، نماز، فرض ہوئی۔...........تو منصبِ اِفتا، ملنے کے وقت، فقیر کی عمر، تیرہ (۱۳) برس، دس (۱۰) مہینہ، چار دن کی تھی۔ جب سے اب تک، برابر، یہی خدمتِ دین، لی جارہی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰه۔"**

(ص ۹ وص ۱۰۔ اَلْملفوظ، حصہ اول۔ مرتّبہ مفتیِ اعظم، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

علمِ رِیاضی وہیئت کے مشہور فاضل، مولانا عبدالعلی، ریاضی داں، رام پوری (متوفی ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء) تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی (متوفی ۱۲/صفر ۱۲۷۸ھ۔ ۲۰/اگست ۱۸۶۱ء درجزیرۂ انڈمان ونکوبار) سے، رام پور میں "**شرحِ چغمینی**" کے کچھ اَسباق، پڑھے۔

مولانا محمد ظفرالدین احمد، قادری رضوی، عظیم

آبادی (متوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) آپ کی تعلیم وتربیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''**اعلیٰ حضرت فرماتے تھے** کہ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرفِ بیعت سے مشرّف ہوا۔ تعلیمِ طریقت، حضور پُرنور پیرومُرشدِ برحق (خاتمُ الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی) سے حاصل کیا۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبلِ وصال، مجھے، حضرت سیدنا، سید شاہ ابوالحُسَین احمد، نوری، اپنے اِبنُ الاِبن، ولی عہد سجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں سے بعض تعلیمِ طریقت وعلمِ تکسیر وعلمِ جفر وغیرہ علوم، میں نے حاصل کیے۔'' اعلیٰ حضرت کے اساتذہ کی فہرست، بہت مختصر ہے۔ حضرت والدِ ماجد، قُدِّسَ سِرُّہٗ کے علاوہ، پنج تن پاک کے عُشّاق، صرف، یہ نفوسِ قدسیہ ہیں:

(۱) اعلیٰ حضرت کے، وہ استاذ، جنھوں نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔

(۲) جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب، بریلوی۔ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔

(۳) جناب مولانا عبدالعلی صاحب، رام پوری۔ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔

(۴) حضرت، **سُلالَۂ خاندانِ برکاتیہ**، سید شاہ ابوالحُسَین احمد، نوری، قُدِّسَ سِرُّہٗ۔ اور (۵) والد ماجد، و (۶) پیرومُرشد قُدِّسَ سِرُّھُمَا کو شامل کرکے، چھ نفوسِ قدسیہ ہوتے ہیں۔ اِن چھ حضرات کے علاوہ، حضور نے کسی کے سامنے زَانُوے اَدب، تہ نہ کیا۔ مگر خداوندِ عالَم نے محض اپنے فضل وکرم سے اور آپ کی محنت وخداداد ذہانت کی وجہ سے اتنے علوم وفنون کا جامع بنایا کہ پچاس (۵۰) فنون میں حضور نے تصنیفات فرمائیں۔'' الخ۔

(ص ۹۹ وص ۱۰۰۔ ''**حیاتِ اعلیٰ حضرت**''، مکمل۔ مطبوعہ لاہور)

خاتمُ الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی کو حاصل شدہ جُملہ اِجازات واَسانیدِ علوم وفنون وسَلاسِلِ طریقت ''**اَلنُّوْرُ وَالْبَھَافِی اَسَانِیدِ الْحَدِیْثِ وَ سَلاسِلِ الْاَوْلِیَا**'' (۱۳۰۷ھ) مؤلّفہ نورُ العَارِفِین، سید شاہ ابوالحُسَین احمد، نوری، مارہروی میں مَسطور ومَنقول ہیں۔ جن کی اجازت، حضرت خاتم الاکابر، مارہروی نے اپنے مُسترشد ومُرید وخلیفہ، حضرت مولانا احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی کو عطا فرمائی۔

متعدّد عُلَما ومشائخِ حرمین شریفین کے لئے امام احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ایک اجازت نامہ کا خلاصہ، اِس طرح ہے:

''**قرآنِ حکیم** واحادیثِ نبوی وتفسیرِ قرآن وشرحِ حدیث و کتبِ اصول وغیرہ جُملہ علوم وفنون جن کی اجازت، مجھے اپنے مشائخِ کرام سے حاصل ہے، ان سب کی اجازت دیتا ہوں۔

اور وہ، یہ ہیں:

(۱) میرے شیخ ومُرشد، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی۔ از شاہ عبدالعزیز، محدِّث دہلوی، از شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(۲) میرے والد، حضرت مولانا نقی علی، قادری برکاتی، بریلوی۔ از حضرت مولانا محمد رضا علی، بریلوی۔ از مولانا خلیلُ الرَّحمٰن

،محمد آبادی (رام پوری) ۔ از مولانا محمد اَعلم سندیلوی۔
از بحرُ العُلوم، مولانا عبدالعلی ،فرنگی محلی لکھنوی ۔اِلیٰ آخِرِہٖ۔
(۳) از شیخ احمد بن زَین دَحلان ،مکّی ۔ از شیخ عثمان ،دمیاطی ۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔
(۴) از شیخ عبدالرحمٰن مکّی ، بن مفتیِ اَحناف مکہ مکرَّمہ، شیخ عبد اللہ سراج ۔ از مفتیِ اَحناف شیخ جمال بن عبداللہ ۔ از شیخ عابد، سندھی، مدنی ۔اِلیٰ آخِرِہٖ۔
(۵) از سید حسین بن صالح جملُ اللَّیل مکی ۔ از شیخ عابد سندھی، مدنی ۔اِلیٰ آخِرِہٖ۔
(۶) از سید شاہ ابوالحُسَین احمد،نوری، مارہروی۔
علاوہ ازیں ،دیگر مَشائخِ کرام سے بھی مجھے رِوایت و اِجازت ، حاصل ہے۔
میں اپنی جُملہ تالیفات کی بھی اِجازت دیتا ہوں۔
مَیں ، اُن تمام سلاسِلِ طریقت کی بھی اجازت دیتا ہوں جن میں مجھے اِجازت وخلافت حاصل ہے۔اور وہ سَلاسِلِ طریقت، یہ ہیں:
(۱) سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ (۲) سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ،قدیمہ (۳) سلسلۂ قادریہ اَہدلیہ (۴) سلسلۂ قادریہ رَزّاقیہ (۵) سلسلۂ قادریہ منوّریہ (۶) سلسلۂ چشتیہ نظامیہ قدیمہ (۷) سلسلۂ چشتیہ جدیدہ (۸) سلسلۂ سہروردیہ وَاحِدیہ (۹) سلسلۂ سہروردیہ فُضَیلیہ (۱۰) سلسلۂ نقشبندیہ علائیہ (۱۱) سلسلۂ بدیعیہ (۱۲) سلسلۂ علویہ مَنامیّہ۔

یہ آخری سلسلۂ بیعت، میرے تمام سلسلوں میں:
رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم سے سب سے زیادہ قریب ہے۔کیوں کہ:
میں نے اپنے شیخ و مُرشد ،سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی کے ہاتھ پر بیعت کی۔
انھوں نے شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔
انھوں نے خواب میں حضرت علی مرتضیٰ کَرَّم اللّٰہُ وَجْھَہٗ کے ہاتھ پر، بیعت کی۔
اور انھوں نے سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔
شاہ عبدالعزیز ،محدّث دہلوی نے اپنے خواب کی شرح میں ایک مختصر رسالہ تحریر کیا ہے۔''
(ملخّصاً۔اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِینۃ لِعُلَمَاءِ بَکَّۃ وَ الْمَدِیْنَۃ۔مطبوعہ بریلی و لاہور)
امام احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کا رِشتۂ تلمُّذ اور شجرۂ علمی، خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ اور خانوادۂ عزیزی ، دہلی ، دونوں سے مربوط و منسلک ہے۔
جس کا ذکر، آپ نے مجموعۂ اِجازات واَسانید وسَلاسِل ،موسوم بہ''اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِینَۃ لِعُلَمَاءِ بَکَّۃ وَالْمَدِیْنَۃ، مطبوعہ بریلی و لاہور وغیرہ میں خود، فرمایا ہے۔
والدِ ماجد، مولانا نقی علی، بریلوی کے توسُّط سے آپ کا فرنگی محلی

سلسلہ، اِس طرح ہے:
مولانا نقی علی، بریلوی از مولانا رضا علی، بریلوی از مولانا خلیلُ الرحمٰن، رام پوری از مُلاَّ محمد اَعلم سندیلوی از مُلاَّ کمالُ الدین، سہالوی، از استاذُ الہند، مُلاَّ نظام الدین محمد، فرنگی محلی، لکھنوَی۔
مولانا نقی علی، بریلوی۔ از مولانا رضا علی، بریلوی۔ از مولانا خلیلُ الرحمٰن، رام پوری۔ تلمیذِ مُلاَّ حَسَن، فرنگی محلی، تلمیذِ استاذُ الھند، مُلاَّ نظامُ الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی لکھنوی۔
اور مُرشدِ طریقت، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی کے ذریعہ، آپ کا فرنگی محلی سلسلہ اِس طرح ہے:
سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی۔ از مولانا نورُ الحق، فرنگی محلی۔ از بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی، لکھنوی۔ از مُلاَّ نظامُ الدِّین محمد، سہالوی، فرنگی محلی۔
فرنگی محل لکھنوَ کی علمی شاخ ''سلسلۂ خیرآباد'' سے بھی آپ کا رِشتۂ تلمُّذ، مَربوط ہے۔ جو، اِس طرح ہے:
از مولانا عبدالعلی، ریاضی داں، رام پوری۔ از علاَّمہ فضلِ حق، خیرآبادی۔ از علاَّمہ فضلِ امام، خیرآبادی۔ از مُلاّ عبدالوَاجد، کرمانی، خیرآبادی۔ از مُلاَّ محمد اَعلم، سندیلوی و مُلاَّ محمد ولی، فرنگی محلی۔ از مُلاَّ کمالُ الدِّین، سہالوی، فتح پوری۔ از استاذُ الھند، مُلاَّ نظامُ الدِّین محمد، سہالوی، فرنگی محلی بانیِ درسِ نظامی۔
فرزند و تلمیذِ مُلاَّ قطبُ الدِّین شہید، سہالوی۔
مُرشدِ طریقت، خاتِمُ الْاَکَابِر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی کا رِشتۂ تلمُّذ، خانوادۂ فرنگی محل، لکھنوَ سے مذکور ہوا اور **خانوادۂ عزیزی، دہلی** سے اِس طرح ہے:
سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی۔ از شاہ عبدالعزیز، محدِّث دہلوی۔ از شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی۔
مُرشدِ طریقت، حضرت خاتمُ الاکابر، مارہروی کے توسُّط سے سلسلۂ حقی (دہلی، منسوب بحضرت شیخ عبدالحق، محدِّث دہلوی) کی بعض اِجازات و اَسانید، حضرت مولانا احمد رضا، حنفی قادری برکاتی، بریلوی کو بھی حاصل تھیں۔ چنانچہ ''**حدیثِ مسلسل بِالْاَوَّلِیَّۃ**'' کی سَنَد، اِس طرح ہے:
شیخ و مُرشدِ طریقت، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی۔ از حضرت سید شاہ آلِ احمد اچھے میاں، مارہروی۔ از حضرت سید شاہ حمزہ، مارہروی بن حضرت سید شاہ آلِ محمد، حسینی، واسطی۔ از حضرت سید طفیل محمد، اترولوی، بلگرامی۔ از سید مبارک فخر الدِّین، بلگرامی۔ از شیخ ابوالرّضا ابن شیخ اسمٰعیل۔ دہلوی (نواسۂ شیخ عبدالحق، محدِّث دہلوی) از اَفضلُ المُحدِّثین، شیخ عبدالحق، محدِّث دہلوی۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔
اور ''**حدیثِ مسلسل بِالاَوَّلِیَّۃ**'' کی ایک سند، یہ بھی ہے:
شیخ و مُرشدِ طریقت، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی۔ از شاہ عبدالعزیز، محدِّث دہلوی۔ از شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔
اور کتب و رسائلِ رضویہ کا وسیع و بنظرِ غائر، مطالعہ کرنے والے عُلمائے کرام، اچھی طرح، واقف ہیں کہ:

طبقۂ عُلماے ہند میں اِمامُ الْمُحَدِّثِین ،بَر کۃُ اللہِ فِی الْھِند ، عاشقِ رسول، حضرت شیخ عبدالحق ،حنفی ، قادری، محدّث دہلوی کا مقام ومرتبہ، حضرت مولانا احمد رضا، بریلوی کی نظر میں کتنا اَرفع و اَعلیٰ اور معتمد ومستند ومسلَّم ہے۔

امام احمد رضا، حنفی ، قادری برکاتی ، بریلوی ، جامعِ علوم وفنون اور حاویِ اُصول وفروع تھے۔ آپ کو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے پناہ ذہانت وفطانت اور بصیرت وفراست سے نوازا تھا۔ آپ کا حافظہ، بے حدقوی تھا اور طبیعت، وَقّادو اَخّاذ تھی۔

اپنے والد ماجد ،حضرت مولانا نقی علی، قادری برکاتی، بریلوی اوراپنے مشائخِ کرام سے آپ نے جوعلوم وفنون حاصل کیے تھے، اُن کے علاوہ، اپنی خداداد صلاحیت سے، متعدد علوم وفنون پر، اَزخود، دَست رَس، حاصل کر لی تھی۔

چنانچہ’’ اَلْاِجَـازَاتُ الْـمَتِینَۃ لِعُلَمَاءِ بَکَّۃ وَالْمَدِینَۃ ‘‘میں ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

’’اپنے والد ماجد، سے میں نے یہ اِکیس (۲۱) علوم وفنون سیکھے۔

(۱) علمِ قرآن (۲) علمِ حدیث (۳) اصولِ حدیث (۴) فقہِ حنفی (۵) فقہِ جُملہ مذاہب (۶) اصولِ فقہ (۷) جَدَلِ مہذَّب (۸) علمِ تفسیر (۹) علمِ عقائد وکلام (۱۰) علمِ نحو (۱۱) علمِ صَرف (۱۲) علمِ مَعانی (۱۳) علمِ بیان (۱۴) علمِ بدیع (۱۵) علمِ منطق (۱۶) علمِ مناظرہ (۱۷) علمِ فلسفہ (۱۸) علمِ تکسیر (۱۹) علمِ ہیئت (۲۰) علمِ حساب (۲۱) علمِ ہندسہ‘‘۔

کسی استاذ کے بغیر، مندرجہ ذیل علوم وفنون کا اَخذ واِکتساب کیا:

(۲۲) قرأت (۲۳) تجوید (۲۴) تصوف (۲۵) سلوک (۲۶) اَخلاق (۲۷) اَسماءُ الرِّجال (۲۸) سِیَر (۲۹) تاریخ (۳۰) لُغت (۳۱) ادب مع جُملہ فنون (۳۲) اَرثماطیقی (۳۳) جبر ومقابلہ (۳۴) حساب سِتّینی (۳۵) لوگارثم (۳۶) توقیت (۳۷) مَناظر ومَرایا (۳۸) علمِ اکر (۳۹) زِیجات (۴۰) مثلّث کُروِی (۴۱) مثلّث مسطَّح (۴۲) ہیئتِ جدیدہ (۴۳) مُربَّعات (۴۴) جَفر (۴۵) زائرچہ (۴۶) نظمِ عربی (۴۷) نظمِ فارسی (۴۸) نظمِ اردو (۴۹) نثرِ عربی (۵۰) نثرِ فارسی (۵۱) نثرِ اردو (۵۲) خطِ نسخ (۵۳) خطِ نستعلیق (۵۴) تلاوت مع تجوید (۵۵) علمِ فرائض۔

(اَلْاِجَـازَاتُ الْمَتِینۃ لِعُلَمَاءِ بَکَّۃ وَالْمَدِینَۃ ۔مطبوعہ بریلی ولاہور وغیرہ)

مذکورہ ،اکثر علوم وفنون میں آپ نے نہایت اہم اورمفید کتب ورسائل لکھے۔جن میں کچھ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں، شامل ہیں۔

اپنی ایک مبارک ومفصَّل سندِ علوم وفنون کے بارے میں اپنے ایک رسالہ’’سُـرورُ الْـعِیْـدِ السَّعِیْـدِ فِـی حِـلِّ الـدُّعَـاءِ بَعدَ صَلوٰۃِ الْعِید ‘‘ (۱۳۳۹ھ) میں امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

(عربی سے ترجمہ)’’عبد المُصطفٰی ،احمد رضا ،محمدی ،سنّی ، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی غَفَرَ اللہُ لَہٗ وَحَقَّقَ اَمَلَہٗ کہتا ہے کہ:

ہمیں، شیخ عبد الرحمٰن سَراج مکی، مفتیِ بَلدِ اللہِ الحرام نے بابِ صَفا (مکہ مکرَّمہ) کے پاس اپنے گھر، ۲۲/ ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ کو اپنی مَرویات کی اجازت دی۔ خواہ، وہ، حدیث کی صورت میں تھیں، یا۔ فقہ کی صورت میں، یا۔ اس کے علاوہ تھیں۔ اُنھیں مَرویات کی اِجازت، حِجتِ زمانہ، جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی نے دی۔ انہیں شیخِ اَجل، عابد سندھی نے، انہیں ان کے چچا، محمد حسین انصاری نے دی۔ انہوں نے کہا: مجھے ان کی اجازت، شیخ عبد الخالق بن علی مزجاجی نے، انہیں شیخ محمد بن علاءُ الدّین مزجاجی نے (قراۃً) دی۔ انہیں احمد نخلی نے، انہیں محمد بابلی نے، انہیں سالم صفوری نے، انہیں نجم غیطی نے انہیں حافظ زَکریا اَنصاری نے، انہیں حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے دی۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔

دوسری سَنَد، جو چار درجہ، عالی ہے، وہ، میرے شیخ، میری برکت، میرے ولیِ نعمت، سَیِّدِی وَ ذُخْرِی وَ سَنَدِی لِیَومِی وَ غَدِی، سیِّدُنا الْاِمامُ الْھُمَامُ الْعَارِفُ الْاَجَلُّ الْعَالِمُ الْاَکْمَلُ السَّیِّد آلُ الرَّسولِ الْاَحْمَدِی الْمَارَھَرَوِی رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ وَ جَعَلَ الْفِردَوْسَ مُتَقَلَّبَہٗ وَ مَثْوَاہ' نے: اپنے آستانۂ مبارکہ، مارہرہ مطہّرہ میں ۵/ جمادیٰ الاولیٰ ۱۲۹۴ھ کو، اُن تمام رِوَایات کی اِجازت، عطا فرمائی، جو، انہیں، اُن کے استاذ، **شاہ عبد العزیز، محدّث دہلوی** سے اور انہیں، اُن کے والد **شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی** سے حاصل تھیں۔ اِلیٰ آخِرِہٖ"۔

(ص ۵۱۲ و ۵۱۳، **فتاویٰ رضویہ**، مترجَم، جلدِ ہشتم، مطبوعہ ہندو پاک۔ وجلدِ سوم، فتاویٰ رضویہ مطبوعہ سنّی دارُالاشاعت، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی)

مارہرہ مطہَّرہ سے اِجازت وخلافت، حاصل ہونے کے باوجود، ایک عرصہ تک، امام احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ، کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ، اِس سلسلے میں مولانا ظفر الدین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی، رقم طراز ہیں:

............"مقرَّبانِ خاص سے مجھے، یہ بھی معلوم ہوا کہ: پہلے، جو، مُرید ہونے کے لئے عرض کرتا تو اُسے **سید شاہ ابو الحسین احمد، نوری میاں** صاحب، مارہروی، قُدِّسَ سِرُّہٗ اور حضرت **تاجُ الفُحول، مولانا شاہ عبد القادر، بدایونی**، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد، عالَمِ رُؤیا میں اپنے شیخِ کامل، خاتَم الاکابر، حضرت سیدنا شاہ آلِ رسول احمدی، قُدِّسَ سِرُّہٗ کی زیارت سے مشرَّف ہوئے اور آپ، ارشاد فرماتے ہیں: **"آپ، سلسلے کا دائرہ، تنگ کیوں کرتے ہیں؟ مُرید کیوں نہیں کرتے؟ اِس بشارت کے بعد آپ نے سلسلۂ بیعت، شروع فرمادیا۔" الخ**

(ص ۱۰۷ و ص ۲۰۷۔ **حیاتِ اعلیٰ حضرت**، مطبوعہ لاہور)

"اگرچہ، اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ، ایک زمانہ تک، براہِ تواضُع وَ اِنکسار، کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب، حضرت سیدنا شاہ ابوالحُسین احمد، نوری میاں صاحب، مارہروی بریلی تشریف

لاتے تو اعلیٰ حضرت، سب لوگوں کو انھیں سے بیعت ہونے کے متعلق، ہدایت فرماتے۔ اس میں فقط اہلِ شہر۔ یا۔ دوسرے ہی حضرات کی خصوصیت، نہ تھی، بلکہ، انھوں نے اپنے اَعِزَّہ وَ اَقارِب، حتّٰی کہ اپنے صاحب زادوں کو بھی حضرت میاں صاحب قبلہ ہی سے بیعت کرایا۔ ہاں! جب، لوگوں کا شوق، غالب ہوا۔ اور بعض حضرت نے اِصرار کیا کہ: مجھے تو حضور ہی سے اِعتقاد ہے۔ میں تو حضور کا ہی، مُرید ہوں گا۔ اور حضرت میاں صاحب نے بھی بہت مجبور کیا کہ:

جب، حضرت پیر و مُرشد نے اجازت و خلافت، عطا فرمائی ہے تو اس کا مقصد، یہی ہے کہ: آپ، سلسلے کو پھیلائیں اور لوگوں کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں منسلک کریں۔'' اُس وقت سے اعلیٰ حضرت نے مجبوراً، بیعت لینی شروع کی۔''

(ص ۶۹۳۔ **حیاتِ اعلیٰ حضرت**۔ مطبوعہ لاہور)

وُسعتِ مطالعہ، دِقَّتِ نظر، اَخْذِ نتائج، اِصابتِ فِکر و فَہم، قوتِ حفظ، جیسے اَعلیٰ اَوصاف سے بَہرہ وَر، اور اِن صفات میں معاصِر عُلمائے کرام کے درمیان، آپ کی ممتاز و منفرد شخصیت تھی۔

قوتِ حفظ کا، یہ عالَم تھا کہ:

جناب سید ایوب علی، رضوی، بریلوی بیان فرماتے ہیں:

'' ایک روز، حضور (امام احمد رضا) نے ارشاد فرمایا کہ: بعض ناواقف، میرے نام کے ساتھ، حافظ لکھ دیا کرتے ہیں۔ حالاں کہ میں اس لقب کا اہل نہیں ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ: اگر کوئی حافظ صاحب، کلام پاک کا کوئی رکوع، ایک بار پڑھ کر مجھے سنا دیں، دوبارہ، مجھ سے سُن لیں۔ بَس، ایک ترتیب، ذہن نشین کر لینا ہے۔

اور اسی روز سے دَور، شروع فرما دیا۔ جس کا وقت، غالبًا، عشا کا وضو فرمانے کے بعد سے جماعت، قائم ہونے تک، مخصوص تھا۔ اس لئے کہ پہلے روز، کاشانۂ اَقدس سے آتے وقت، سورۂ بقرہ شریف، تلاوت میں تھی۔ اور تیسرے روز، تیسرا پارہ، قرأت میں تھا۔ جس سے پتہ چلا کہ روزانہ، ایک پارہ، یاد فرما لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تیسویں روز، تیسواں پارہ، سننے میں آیا۔

چنانچہ، آئندہ اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔ اَلفاظ، اِرشادِ عالی کے، یاد نہیں ہیں۔ مگر کچھ اسی طرح فرمایا کہ: **بِحَمْدِ اللہ!** میں نے کلام پاک، بِالتَّرتیب، بہ کوشش یاد کر لیا۔ اور، یہ اِس لئے کہ:

ان بندگانِ خدا کا کہنا، غلط، نہ ثابت ہو۔''

(ص ۲۵۲۔ **حیاتِ اعلیٰ حضرت**، حصہ اول۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

حضرت مولانا محمد ظفر الدّین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ:

............'' اعلیٰ حضرت، ایک مرتبہ، پیلی بھیت (روہیل کھنڈ) تشریف لے گئے۔ اور حضرت استاذی، مولانا وصی احمد، محدّث سورتی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے مہمان ہوئے۔ اَثنائے گفتگو میں، **عُقُودُ الدُّرِّيَّہ فِي تَنقِيحِ الْفَتَاوىٰ الْحَامِدِيَّہ** کا ذکر نکلا۔

حضرت محدّث سورتی نے فرمایا: **میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔**

اتفاقِ وقت، باوجودے کہ اعلیٰ حضرت کے کتب خانہ میں کتابوں کا،

کافی ذَخیرہ تھا اور ہر سال معقول رَقم کی نئی نئی کتابیں آیا کرتی تھیں مگر اُس وقت تک، عُقُوْدُالدُّرِّیَة منگانے کا اِتفاق، نہ ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: میں نے نہیں دیکھی ہے۔ جاتے وقت، میرے ساتھ کر دیجیے گا۔ حضرت محدّث سورتی نے بخوشی، قبول کیا اور کتاب، لاکر حاضر کر دی۔ مگر، ساتھ ساتھ فرمایا کہ حضرت جب، ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجیے گا۔ اِس لئے کہ آپ کے یہاں تو: بہت کتابیں ہیں۔ میرے پاس، یہی گنتی کی چند کتابیں ہیں جن سے فتویٰ، دیا کرتا ہوں۔''

اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اچھا۔ اعلیٰ حضرت کا قصد، اُسی دن، واپسی کا تھا۔ مگر، اعلیٰ حضرت کے ایک جاں نثار مرید نے حضرت کی دعوت کی۔ اِس وجہ سے رُک جانا پڑا۔ شب کو اعلیٰ حضرت نے عُقُوْدُالدُّرِّیَة کو، جو ایک ضخیم کتاب، دو جلدوں میں تھی، ملاحظہ فرمالیا۔ دوسرے دن، دوپہر کے بعد، ظہر کی نماز پڑھ کر گاڑی کا وقت تھا۔ بریلی شریف کا قصد فرمایا۔ جب، اسباب، درست کیا جانے لگا تو عُقُوْدُالدُّرِّیَة، بجائے سامان میں رکھنے کے، فرمایا کہ:

محدّث صاحب کو دے آؤ۔

مجھے تعجب ہوا کہ:

قصد، لے جانے کا تھا، واپس کیوں فرمارہے ہیں؟

لیکن! کچھ بولنے کی ہمت، نہ ہوئی۔

حضرت محدّث صاحب کی خدمت میں، حاضر کیا۔ وہ، اعلیٰ حضرت سے ملنے اور اسٹیشن تک، ساتھ جانے کے لئے زنانہ مکان سے تشریف لا ہی رہے تھے کہ میں نے اعلیٰ حضرت کا ارشاد فرمایا ہوا جُملہ، عرض کیا۔

فرمایا: تم، کتاب، لیے، میرے ساتھ، واپس چلو۔

مَیں، اس کتاب کو لیے ہوئے، حضرت محدّث (سورتی) صاحب کے ساتھ، واپس ہوا۔

حضرت محدّث صاحب نے (اعلیٰ حضرت سے) فرمایا کہ:

میرے، اِس کہنے کا ''جب، ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجیے گا۔''

یہ ملال ہوا کہ: اس کتاب کو واپس کیا؟

فرمایا: قصد، بریلی، ساتھ لے جانے کا تھا۔ اور اگر، کل ہی جاتا تو اس کتاب کو ساتھ لے جاتا۔ لیکن جب، کل، نہ جانا ہوا تو شب میں اور صبح کے وقت، پوری کتاب دیکھ لی۔ اب، لے جانے کی ضرورت، نہ رہی۔''

حضرت محدّث سورتی صاحب نے فرمایا:

بَس، ایک مرتبہ دیکھ لینا، کافی ہوگیا؟

اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ: دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی، فتاویٰ میں لکھ دوں گا۔ اور مضمون تو اِنْ شَـــاءَ الله، عمر بھر کے لئے محفوظ ہوگیا۔''

(ص ۲۵۷ و ص ۲۵۸۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

علوم وفنونِ اسلامیہ میں عُلو مِ کتاب وسُنّت کو، اوَّ لین حیثیت اور بنیادی اَہمیت، حاصل ہے۔ دیگر سارے علوم فنون کاسَر چشمہ اور پھر، ان سب کا مَرجع و مآب ، یہی دونوں، علوم وفنون ہیں۔

علومِ قرآن وحدیث کی تجلّیات سے امام احمد رضا کے فتاویٰ اورآپ کی تحریرات، اِس طرح روشن ومُنوَّر ہیں کہ آپ، اپنے مُدَّ عا کا اِثبات ،آیاتِ قرآنی واَحادیثِ نبوی سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد، دیگر مَصادِرو مَراجع سے اِستفادہ کرتے ہیں اوراُنھیں اپنی تحقیق کی بنیاد، بناتے ہیں۔

علمِ قرآن میں آپ کے تبحر وجامعیت کا اندازہ، آپ کے ترجمۂ قرآن، مُسمّٰی بہ ''کَنزُ الْاِیمان فِی تَرجَمَۃِ الْقُرْآن'' سے ہر صاحبِ علم وشعور، اچھی طرح کرسکتا ہے۔

اِس اردو ترجمۂ قرآن کی تکمیل، آپ نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں کی۔ جو، اِس وقت، برِصغیر ہندو پاک کا سب سے کثیرُ الاشاعت اور مقبول، ترجمۂ قرآن ہے۔

اس کی مقبولیت کا اندازہ، اِس سے کیا جاسکتا ہے کہ:

صِرف، دہلی کے پچیس (۲۵) سے زیادہ ناشرین، اب تک اس کی طباعت واِشاعت کرچکے ہیں اور ہر ماہِ رمضان میں اِس کی طلب، اتنی زیادہ، بڑھ جاتی ہے کہ دہلی کے کتب خانے، قارئین وشائقین کی طلب، پوری نہیں کر پاتے ہیں۔

ترجمۂ قرآن میں تقدیسِ اُلوہیّت و اِحترامِ نبوت کے ایک، ایک نمونے، ملاحظہ فرمائیں:

ربِّ کائنات ارشاد فرماتا ہے: **وَمَکَرُوْا مَکْراً وَّمَکَرْنَا مَکْراً**۔ (سورۂ نَمل: آیت ۵۰)

''اور انھوں نے اپنا سا مکر کیا۔ اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی۔''

(ترجمۂ رضویہ۔ کنزُ الْاِیْمَان)

''یہ چال، تو وہ چلے۔ پھر، ایک چال، ہم نے چلی۔''

(ترجمۂ مولانا ابوالاَعلیٰ، مودودی)

جنت میں حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلام کے خوشۂ گندم کھانے کے بارے میں اِرشادِ خداوندی ہے:

وَعَصیٰ آدمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی۔ (سورۂ طٰہٰ۔ آیت ۱۲۱)

''اورآدم سے، اپنے رب کے حکم میں لغزش، واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا، اُس کی راہ، نہ پائی۔''

(ترجمۂ رضویہ۔ کنزُ الْاِیْمَان)

''آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گئے۔'' (ترجمۂ مولانا مودودی)

مولانا مودودی کی طرح، اکثر اردو مُترجمینِ قرآن نے بعض آیاتِ قرآن کے تَراجم میں اِسی طرح، ٹھوکر کھائی ہے۔

جذبۂ ادب واحترام اور مذاقِ سلیم، خود، یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ **دونوں تَراجم میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔**

امام احمد رضا کے قلم سے نکلے ہوئے بعض شاہکار تفسیری حواشی بھی ہیں۔

چنانچہ، اَلزُّلَالُ الْاَنقیٰ عَنْ بَحرِ سبقۃِ اَتْقیٰ ۔(عربی)
حاشیۂ تفسیرِ خازن (عربی) حاشیۂ تفسیر بیضاوی (عربی) حاشیۂ اَلدُّرُّ الْمَنْثُور (عربی) حاشیۂ مَعَالِمُ التَّنزِیل (عربی) حاشیہ اَلْاِتْقَان فِی عُلومِ الْقُرآن (عربی) وغیرہ۔

یہ حواشی، آپ کی قرآن فہمی پر شاہدِ عدل ہیں۔

علمِ حدیث میں آپ کے علم ومطالعہ کی وُسعت وجامعیت، آپ کی نہایت معرکۃُ الآرا کتاب ''حَاجِزُ الْبَحرَین الْوَاقِی عَنْ جَمعِ الصَّلاتَین'' (مشمولہ فتاویٰ رضویہ، مترجَم، جلد ۵۔ مطبوعہ پاک و ہند) میں، روزِ روشن کی طرح، عیاں ہے۔

شَیخُ الْکُل، میاں نذیر حسین، بہاری ثمَّ دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) کی معروف کتاب ''مِعیَارُ الْحَق'' کے ایک جُز کی تردید میں، یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ جَمع بَیْنَ صَلوٰتَین کے مسئلہ پر کافی وشافی دَلائل وبراہین سے حَاجِزُ الْبَحْرَین مزیَّن ہے اوراس کے اندر، علمِ حدیث کا ایک دریا، موجیں مار رہا ہے اور لَہریں لے رہا ہے۔

☆ ''اِنْبَاءُ الْحَیِّ'' (حاشیۂ نظرِ خامس، اَلدَّوْلَۃُ الْمَکِّیَّۃ) بھی علمِ حدیث میں آپ کے تَبَحُّر وَدِقَّتِ نظر کا ایک شاہکار ہے۔ جس میں آپ نے بحث وتحقیق کے درمیان، تقریباً، پانچ سو (۵۰۰) احادیثِ نبوی اور کتبِ حدیث کے حوالے سے اپنے موقف کو مدلَّل ومُبرہَن کیا ہے۔

☆ ''جَزَاءُ اللّٰہِ عَدُوَّہٗ بِاِبَائِہٖ خَتْمَ النُّبُوَّۃ'' میں ایک سو تیس (۱۳۰) احادیثِ نبوی سے حضورِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ''خَاتِمُ النَّبِیّن'' ہونا، ثابت کیا ہے۔

☆ ''اَلْاَمْنُ وَالْعُلیٰ لِنَاعِتِی الْمُصْطَفیٰ بِدَافِعِ الْبَلَاءِ'' میں آیاتِ کریمہ کے علاوہ، تین سو (۳۰۰) احادیثِ نبوی سے رسولِ اَکرم، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ''دَافِعُ الْبَلَاء'' ہونا، ثابت کیا ہے۔

☆ ''تَجَلّی الْیَقِین بِاَنَّ نَبِیَّنَا سَیِّدُالْمُرْسَلِین'' میں آیاتِ کریمہ کے ساتھ ایک سو (۱۰۰) احادیثِ نبوی سے ثابت کیا ہے کہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، تمام انبیا ومرسلین عَلَیہِمُ الصَّلوٰۃُ وَالتَّسلیم سے افضل وبرتر ہیں اور آپ کی عظمت وسیادت، مسلَّم ہے۔

☆ ''دَوَامُ الْعَیْشِ فِی الْاَئِمَّۃِ مِنْ قُرَیْش'' میں، پچاس (۵۰) احادیثِ کریمہ سے ثابت کیا ہے کہ خلافتِ شرعیہ کے لئے قرشیت، قطعی اِجماعی ہے۔

☆ ''سُرُورُ الْعِیْدِالسَّعِیْدِ فِی حِلِّ الدُّعاءِ بَعدَصَلوٰۃِ الْعِیْدِ'' میں، اَڑتیس (۳۸) احادیثِ کریمہ سے نمازِ عید کے بعد، دُعا مانگنے کا جواز، ثابت کیا ہے۔

☆ ''حیاۃُ الْمَوَات فِی بَیانِ سَمَاعِ الْاَمْوَات'' میں، ستہتر (۷۷) اَحادیثِ نبوی سے سَماعِ موتٰی، ثابت کیا ہے۔

''رَادُّ الْقَحْطِ وَ الْوَبَاء بِدَعْوَۃِ الجِیْرَانِ وَ مُؤَاسَاۃِ الْفُقَرَاءِ

''میں، ساٹھ (۶۰) احادیثِ نبوی سے فُقرَ اومساکین اور پڑوسیوں کی دعوت وغم گساری کو، باعثِ دَفعِ قحط ووَبا ثابت کیا ہے۔

☆''اَلزُّبْدَۃُ الزَّکِیَّۃُ لِتَحْرِیْمِ سُجُوْدِ التَّحِیَّۃِ'' (۱۳۳۷ھ) میں آیاتِ کریمہ واحادیثِ نبوی اور ڈیڑھ سو (۱۵۰) نُصوصِ فقہیہ سے غیرُ اللہ کے لئے سجدۂ عبادت کا شرک ہونا، اوران کے علاوہ، ستر (۷۰) احادیثِ کریمہ سے، غیر اللہ کے لئے سجدۂ تعظیمی کی حُرمت ثابت کی ہے۔

اورآپ تحریرفرماتے ہیں کہ''حدیث میں چہل حدیث کی بہت فضیلت آئی ہے۔ اَئمہ وعُلما نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں۔ہم، بِتَوْفِیقِہٖ تَعَالیٰ یہاں، غیرِ خدا کوسجدہ (تحیت وتعظیم) حرام ہونے کی چہل حدیثیں لکھتے ہیں۔''الخ۔

(ص۱۰۔**اَلزُّبْدَۃُ الزَّکِیَّۃِ** ۔مطبوعہ بریلی ومیرٹھ وغیرہ۔ومشمولہ **فتاویٰ رضویہ**،مترجَم جلد۲۲۔مطبوعہ ہندوپاک)

اِسی''اَلزُّبْدَۃُ الزَّکِیَّۃ'' پرتبصرہ کرتے ہوئے مولانا ابوالْحَسَن علی، ندوی (متوفی، دسمبر ۱۹۹۹ء) اپنے والد، حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/فروری ۱۹۲۳ء) کی تاریخی کتاب''نُزْھَۃُ الْخَوَاطِر''میں لکھتے ہیں کہ:

وَھِیَ رِسَالَۃٌ جَامِعَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی غَزَارَۃِ عِلْمِہٖ وَقُوَّۃِ اِسْتِدْلَالِہٖ

(ص۴۰۔نُزْھَۃُ الْخَوَاطِر ۔جلدِ ثامن)

(ترجمہ) یہ، ایک نہایت جامع رسالہ ہے جو، اُن کے وُفورِعلم اوران کی قوتِ اِستدلال کا پتہ دیتا ہے۔''

حضرت مولانا محمد حنیف، رضوی، مصباحی، بریلوی (صدرُ المُدرسین جامعہ نُوریہ رضویہ باقر گنج، بریلی۔ و بانیِ امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی) نے بڑی محنت و کَدّ وکاوش کے ساتھ، کتب ورسائلِ رضویہ میں منقول ومَسطور احادیث و آثارِکریمہ کو اپنی گراں قدر کتاب''جَامِعُ الْاَحَادِیث''میں جمع کرکے، شائع کردیا ہے۔جن کی تعداد، ساڑھے چار ہزار سے متجاوز ہے۔یہ''جامِعُ الْاَحَادِیث''دس جلدوں پر مشتمل ہے۔

استاذُالمُحدِّثین، مولانا وصی احمد، محدِّث سورتی، پیلی بھیتی (متوفی ۸/جُمَادَی الْاُوْلیٰ ۱۳۳۴ھ/۱۲/اپریل ۱۹۱۶ء) کے تلمیذ، محدِّثِ اعظم، مولانا سید محمد، محدِّث اشرفی، کچھوچھوی (متوفی ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء) اپنے زمانۂ قیامِ بریلی کا مشاہدہ وتجربہ، بیان کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں کہ:

......''عِلمُ الحدیث کا اندازہ، اِس سے کیجیے کہ: جتنی حدیثیں، فقہِ حنفی کی ماخذ ہیں، ہروقت پیشِ نظر۔اور جن حدیثوں سے فقہِ حنفی پر بظاہر زَد پڑتی ہے، ان کی روایت ودِرایت کی خامیاں، ہروقت اَزْبَر۔

علمِ حدیث میں سب سے نازک شعبہ، علمِ اَسماءُالرِّجال کا ہے۔ اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) کے سامنے، جب کوئی سَند، پڑھی جاتی اورراوِیوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو:

ہررَاوِی کے لئے جَرح وتَعدیل کے جوالفاظ فرمادیتے

تھے، اُٹھا کر دیکھا جاتا تو تَقْرِیب و تَھْذِیب و تَذْھِیب میں وہی الفاظ مِل جاتے تھے۔'' الخ

(خطبۂ صدارت، ناگ پور۔ صوبہ مہاراشٹر۔ ۱۳۷۹ھ۔ مطبوعہ ماہنامہ تجلیات، ناگ پور۔ ۱۹۶۶ء)

علمِ حدیث میں امام احمد رضا حنفی، قادری برکاتی، بریلوی کی وُسعتِ مطالعہ اور تبحُّر و جامعیَّت کا اندازہ، اِس سے کیا جاسکتا ہے کہ احادیثِ نبوی کی مندرجہ ذیل مستند و معتبر کتابیں، آپ کے زیرِ مطالعہ و درس، رہی ہیں۔ جن کا ذکر، آپ خود، اِس طرح فرماتے ہیں:

''مُسندِ امامِ اعظم و مُؤطّا امام محمد و کتابُ الآثار امام محمد و کتابُ الخراج امام ابو یوسف و کتابُ الحج امام محمد و شرحِ معانی الآثار امام طحاوی و مُؤطّا امام مالک و مُسندِ امام شافعی و مُسندِ امام احمد و سُنَنِ دارمی و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و خصائصِ نسائی و مُلتقیٰ ابن جارود و عِلَلِ متناھیہ و مشکوٰۃ و جامعِ صغیر و جامعِ کبیر و ذَیلِ جامعِ صغیر و منتقی ابن تیمیہ و بلوغُ المرام و عملُ الیوم واللَّیلۃ ابن سنی و کتابُ التَّرغیب والتَّرھیب و خصائص کبریٰ و کتابُ الفَرَجِ بعدَ الشِّدۃ و کتابُ الاَسماء والصِّفات وغیرہ، پچاس (۵۰) سے زیادہ کتبِ حدیث، میرے درس و تدریس اور مطالعہ میں رہتی ہیں۔''

(ص ۵۸۷۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت مکمل۔ مطبوعہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

احادیثِ نبوی کے اتنے وسیع علم و مطالعہ کے باوجود، امام احمد رضا، بریلوی، مقلِّد تھے۔ مجتہد، نہ تھے۔ اور مُحدِّث و مُجتہد کے مَراتب و دَرجات کا فرق و اِمتیاز، آپ پر بخوبی، واضح تھا۔ چنانچہ، اِس سلسلے میں آپ، رقم طراز ہیں کہ:

''خدمتِ معانی، ائمۂ مجتہدین، خصوصاً اِمامُ الائمہ ابوحنیفہ کا حصہ تھا۔ محدِّث و مجتہد کی نسبت، عَطّار و طبیب کی مثل ہے۔ عَطّار، دَواشناس ہے۔ اس کی دوکان، عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے۔ مگر تشخیصِ مرض و معرفتِ علاج و طریقِ اِستعمال، طبیب کا کام ہے۔ اگر طبیبِ حاذق کے مدارکِ عالیہ تک نہ پہنچے، معذور ہے۔ خصوصاً، اِمام ائمۂ آفاق، جو ثُریّا سے علم لے آیا۔ جس کی دِقَّتِ مقاصد کو: اکابرِ ائمہ نے، نہ پایا۔ بھلا، امام بخاری تو، نہ تابعین سے ہیں، نہ تبعِ تابعین سے۔ امامِ اعظم کے، پانچویں درجہ میں جا کر، شاگرد ہیں۔ خود، حضرت امام اَجل، سلیمٰن اَعمش کہ اَجِلّۂ تابعین و امام و ائمۂ محدِّثین سے ہیں، حضرت سیدنا اَنس بن مالک انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْہُ، خادمِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے شاگرد، اور ہمارے امامِ اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے استاذ۔ ان (امام اَعمش) سے کچھ مسائل، کسی نے پوچھے۔ اُس وقت، امامِ اعظم، رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْہُ بھی، وہاں تشریف فرما تھے۔ امام اَعمش نے ہمارے امام سے فتویٰ لیا۔ ہمارے امام نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا۔ امام اَعمش نے کہا: **یہ جواب، آپ نے کہاں سے**

پیدا کیے؟ فرمایا: **اُن حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سُنیں اور وہ، احادیث مع اسناد، پڑھ کر بتادیں۔ امام اَعمش نے کہا:** حَسْبُکَ مَاحَدَّثْتُکَ بِہٖ فِی مِأۃِ یومٍ تُحَدِّثُنِی بِہٖ فِی سَاعَۃٍوَّاحِدَۃٍ ۔مَاعَلِمْتُ اَنَّکَ تَعْمَلُ بِھٰذِہٖ الْاَحَادِیث ۔یامَعْشَرَ الْفُقَھَاءِ ! اَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّیَادِلَۃ ۔وَاَنْتَ اَیُّھَا الرَّجُل! اَخَذْتَ بِکِلَاالطَّرَفَین۔
یعنی: بَس کیجیے۔ جو حدیثیں، آپ سے، سو(۱۰۰) دن میں، مَیں نے بیان کیں آپ، گھڑی بھر میں سنائے دیتے ہیں۔
مجھے معلوم، نہ تھا کہ آپ، حدیث میں یہ کام کرتے ہیں۔ **اے مجتہدو! تم، طبیب ہو اور ہم محدِّثین، عطّار۔ اور اے ابوحنیفہ! تم نے، دونوں کنارے، گھیر لیے۔**'' یہ روایت، امام ابنِ حجر مکی شافعی وائمۂ شافعیہ وغیرھُم نے اپنی تصانیف، اَلْخَیْرَاتُ الْحِسَان وغیرھا میں بیان فرمائیں۔ یہ تو یہ، خود ان سے بدرجہا اَجلّ واَعظم، ان کے استاذِ اَکرم واَقدم، امام عامر شعبی، جنھوں نے پانچ سو(۵۰۰) صحابۂ کرام، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمْ کو پایا۔ حضرت، اَمِیْرُالْمُؤْمِنِین، مَوْلیٰ الْمُسْلِمِین، علیِ مرتضیٰ وسعد بن ابی وقاص وسعد بن زید وابوہریرہ وانس بن مالک وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وغیرھُم، بکثرت صحابۂ کرامِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے شاگرد، اور ہمارے امامِ اعظم، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے استاذ، **جن کا پایۂ رفیع، حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں: بیس(۲۰) سال، گذرے ہیں، کسی محدِّث سے کوئی حدیث، میرے کان تک، ایسی نہیں پہنچی جس کا علم، مجھے اس محدِّث سے زائد، نہ ہو**'' ایسے امامِ والا مقام، باآں جلالتِ شان، فرماتے ہیں: اِنَّا لَسْنَا بِالْفُقَھَاءِ ۔وَلٰکِنَّا سَمِعْنَا الْحَدِیْثَ فَرَوَیْنَاہُ الفُقَھَاءَ مَنْ اِذَا عَلِمَ عَمِلَ ۔ **ہم لوگ، فقیہ ومجتہد نہیں۔ ہم نے تو حدیثیں سُن کر، فقیہوں کے آگے، روایت کردی ہیں۔ جو اُن پر مطلع ہو کر، کارروائی کریں گے۔** نَقَلَہٗ فِی تَذْکِرَۃِ الحُفَّاظ''۔
(ص ۴۴۷ و ص ۴۴۸۔ **فتاویٰ رضویہ**، جلدِ چہارم۔ مطبوعہ سنّی دارُالاشاعت، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی، انڈیا)

امام احمد رضا، بریلوی، قُدِّسَ سِرُّہٗ، نہایت خوش نویس اور زود نویس بھی تھے۔ چنانچہ، آپ کی خوش نویسی اور زُود نویسی کے بارے میں آپ کے تلمیذ وخلیفہ، حضرت مولانا محمد ظفر الدین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی تحریر فرماتے ہیں:
........''جس درجہ، علم وفضل میں کمال تھا، اُسی درجہ، نسخ، نستعلیق، شکستہ خطوط بھی نہایت، پاکیزہ تھے۔ حد درجہ گھٹا ہوا، تحریر فرماتے تھے اور بہت ہی زود نویس۔ چار آدمی، نقل کرنے، بیٹھ جاتے اور حضرت، ایک ایک ورق، تصنیف کرکے، انھیں، نقل کرنے کو عنایت فرماتے۔ یہ چاروں، نقل، نہ کرنے پاتے کہ پانچواں وَرق، تیار ہو جاتا۔ چنانچہ، رسالۂ مبارکہ ''فَتَاوِیٰ الْحَرَمَین بِرَجْفِ نَدْوَۃِ الْمَیْن'' عُلماے حرمین شریفین کی تصدیق کے لئے بھیجنا تھا اور وقت، بہت کم تھا کہ حُجاج، جلد جانے والے

تھے۔ اُس وقت، اِس کا تجربہ ہوا کہ: **حضرت، کیسے زود نویس تھے۔** جناب سید ایوب علی (رضوی، بریلوی) صاحب کا بیان ہے کہ: حضور کے مُسوَّدات میں، اس کا بھی مشاہدہ کیا گیا کہ ایک سطر کا مضمون، بظاہر، گنجان نہیں معلوم ہوتا، اگر نقل کیا جائے تو اس کی مساوی سطر میں نہیں آتا تھا۔ بلکہ تجاوُز کر جاتا تھا۔ نیز، تیز رَقم، اِس قدر کہ ناظرین کو دَستِ مبارک میں رَعْشَہ کا گمان ہوتا۔ حالاں کہ ایسا، نہ تھا۔ فقیر نے خود ''**فتاویٰ رضویہ**'' کی قلمی جلد میں ایک رسالے کی، نستعلیق خط میں، زیارت کی ہے۔ جو بغیر، اِمدادِ مسطر، تحریر فرمایا ہے۔ مگر بینَ السُّطور وَ دَوَائر، اِس قدر مُستقیم کہ اگر: **پَرکار سے پیمائش کی جائے تو سَرِمُو، فرق، نہ ہو۔**

جامعِ حالات، فقیر ظفر الدین، قادری، غَفَرَ لَهُ الْمَوْلیٰ الْقَوِی بھی اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس رسالے کا نام ''**مَقَامِعُ الْحَدِیْدِ عَلیٰ خَدِّ الْمَنْطِقِ الْجَدِیْد**'' ہے۔ میری رائے ہے کہ، یہ رسالہ، فوٹو کر کے شائع کیا جائے تو بہت بہتر ہوگا۔''

(ص ۱۷۱ و ص ۱۷۲۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، مکمل۔ مطبوعہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

صحت و بیماری، ہر حال میں اَحکام و مسائلِ دینیہ شرعیہ کے بیان میں آپ کی اتنی دل چسپی اور توجُّہ رہا کرتی تھی کہ اس کی مثال ملنی، مشکل ہے۔ چنانچہ، آپ کے ایک خلیفہ، مولانا محمد حسین، میرٹھی اپنا ایک چشم دید واقعہ، بیان کرتے ہیں کہ

''ایک بار، میرٹھ سے بریلی پہنچا اور وہاں، مجھے آپ کی بیماری کی اطلاع ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں نے آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے اور لکھنے پڑھنے سے بھی منع کیا ہے''۔

بہر حال! مولانا محمد حسین، میرٹھی، خدمتِ اقدس میں پہنچے اور پھر ''دیکھا کہ ایک بڑا مکان ہے اور دو ایک آدمی ہیں۔ نمازِ مغرب پڑھ کر، حضرت اپنے پلنگ پر رونق افروز ہوئے۔ ہم لوگ، کرسیوں پر بیٹھے۔ بعدۂ چار صاحب پہنچے۔ مفتیِ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں، صدرُ الشَّریعہ، جناب مولانا امجد علی صاحب، جناب مولوی حشمت علی خان، ایک اور کوئی صاحب۔ یہ چاروں صاحب، حضرت کے پلنگ کے پاس جو کرسیاں تھیں، اُن پر بیٹھ گئے۔ اعلیٰ حضرت نے ایک گڈّی، خطوط کی، مولانا امجد علی کو دے کر فرمایا آج تیس (۳۰) خط آئے۔ ایک، میں نے کھول لیا ہے۔ یہ، انتیس (۲۹) گن لیجیے۔ انہوں نے انتیس **(۲۹) گن کر ایک لفافہ کھولا جس میں کئی ورق پر چند سوالات تھے۔** وہ سب، سنائے۔ **حضرت نے پہلے سوال کے جواب میں ایک فقرہ فرمایا۔ وہ، لکھنے لگے، اور لکھ کر عرض کی: حضور! حضرت نے آگے کا ایک فقرہ فرما دیا۔ وہ لکھ کر پھر کہتے: حضور! وہ، سلسلہ وَار، اس کے آگے کا فقرہ، فرما دیا کرتے اور دوسرے صاحب نے، حضور کہنے کے درمیان میں اپنا خط سنانا، شروع کر دیا۔ جب یہ حضور کہتے، وہ، رک جاتے۔ اور جب، یہ فقرہ سن کر، لکھنے لگتے تو وہ اپنا خط سنانے لگتے۔ اِس طرح، انہوں نے اپنا خط ختم کیا اور ان کو، ان کے پہلے سوال کے متعلق جو فقرہ مناسب تھا، وہ ارشاد**

فرما دیا۔ اب، دونوں صاحب، اپنا اپنا فقرہ ختم کرنے کے بعد، حضور کہتے اور جواب ملنے پر لکھنا شروع کرتے۔ اسی حالت میں، دو حضور، حضور سے جتنا وقت بچتا، اُس میں تیسرے صاحب نے اپنا خط سنانا، شروع کیا۔ اور اسی طرح ختم کر کے جواب لکھنا، شروع کیا۔ اب، چوتھے صاحب نے، ان تین، حضور، حضور، حضور کے درمیان جو، وقت بچتا، اپنا خط سنانا شروع کیا۔ اور اسی طرح، ختم کر کے جواب لکھنا، شروع کیا۔ یہ دیکھ کر، مجھے حقیقۃً، پسینہ آ گیا اور ایک صاحب جو میرے قریب بیٹھے تھے، اِسی حالت میں کچھ مسئلے پوچھے۔ جنہیں سن کر مجھے بہت ملال اور غصہ ہوا کہ: اِس شخص کو ایسی حالت میں سوال کرنے کا کچھ خیال نہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت نے ذرّہ بھر بھی ملال،، نہ فرمایا اور بہت اطمینان سے ان کو بھی برابر جواب دیے۔ (میں نے اپنی عمر میں ایسے حافظہ کا کوئی شخص نہیں دیکھا) اسی طرح، وہ، انتیس (۲۹) خط، پورے کیے گئے۔ اور معلوم ہوا کہ: ڈاکٹروں کے، کام کرنے اور بات کرنے کے منع کے جواب میں حضرت نے، صرف: یہ، مان لیا تھا کہ شب کو اپنے ہاتھ سے تحریر، نہ فرمائیں گے۔ اس کا، یہ اِہتمام تھا۔ اور، دن بھر، خود تحریر فرمایا کرتے تھے۔ اور اس قدر جلد تحریر فرماتے تھے کہ: کئی کئی شخصوں کو اعلیٰ حضرت کے، ایک دن کے لکھنے کی نقل کرنا، دشوار تھا۔ اور شب کو اسی طرح، کام کیا جاتا تھا۔''

(ص ۱۰۲ و ۱۰۳۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، مکمل۔ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔ و ص ۲۵۲ تا ۲۵۴۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

جنابِ عبدالرحیم خاں صاحب، قادری رضوی، سلطان پوری کا بیان ہے کہ:

''مَیں، جس زمانے میں دہلی میں تھا، حضرت مولانا شاہ کرامتُ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک دن، اعلیٰ حضرت کے ذِکرِ مبارک پر، انھوں نے فرمایا کہ: **مولانا احمد رضا خاں صاحب کی وہ ہستی ہے کہ: عُلماے عرب و عجم، ہر باب میں ان کے محتاج ہیں۔ اِس عِلمی شجر کا کمال، یہ ہے کہ: کوئی کتاب بھی تصنیف فرمائیں اور چار مُنشی، بیک وقت، لکھنے کو بیٹھ جائیں، تو اِس قدر، وہ، تصنیف فرمائیں گے کہ: یہ چاروں حضرات، اَصْلاً، نقل، نہ کر سکیں گے۔''**

(ص ۲۱۷۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ لاہور۔ و ص ۲۵۹۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ بمبئی)

ابوحنیفۂ ہند، امام احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فِرَق و اَحزاب باطلہ کے خلاف، اپنی زبان و قلم کے ذریعہ، مسلسل فِکری و نظری جہاد فرمایا اور تا حیات، **اِحقاقِ حق و اِبطالِ باطِل کا فریضہ، انجام دیتے رہے۔**

☆ رَوَافِض کے خلاف، آپ کے مندرجہ ذیل، رسائل و کتب ہیں:

(۱) غَایۃُ التَّحقیق فِی اِمَامَۃِ الْعَلِیِّ وَالصِّدِّیق (۲) وَجہُ الْمشرق بِجَلوۃِ اَسماءِ الصِّدِّیقِ وَالْفَاروق (۳) مَطْلَعُ

الْقَمَرَین فِی اِبانَةِ سَبقةِالْعُمَرین (۴) لَمعَةُ الشَّمعة لِهَدْیِ شِیعَةِ الشَّنعة (۵) اَلْاَدِلَّةُ الطَّاعِنَةِ فِی اَذانِ الْمَلاعِنة (۶) اَعَالِی الْاِفادة فِی تَعزیةِ الْهندِ وَبیانِ الشَّهادة (۷) رَدُّالرَّفَضَة۔

☆ تفضیلیوں کے خلاف، آپ کے مندرجہ ذیل، رسائل ہیں:

(۱) اَلصَّمْصَامُ الْحَیْدَرِی عَلٰی وَجهِ الْعَیَّارِ الْمُفْتَرِی (۲) اَلْبُشْرٰی الآجِلَة مِنْ تُحَفِ آجِلَة (۳) اَلرَّائِحَةُ الْعَنْبَرِیَّةُ مِنَ الْمِجْمَرَةِ الْحَیْدَرِیَّة (۴) فتح خیبر۔

☆ طائفۂ وَہابیہ وغیرہ کے رَدّ و اِبْطال میں اَلْمُسْتَنَدُالْمُعْتَمَدُ بِنَاء نِجَاةِ الْاَبَد (۱۳۲۰ھ) اور حُسَامُ الْحَرَمَیْنِ عَلٰی مَنْحَرِالْکُفْرِ وَالْمَیْن (۱۳۲۴ھ) کے علاوہ، سُبْحٰنَ السُّبُّوح عَنْ عَیْبِ کِذْبٍ مَقْبُوحٍ (۱۳۰۷ھ) **تمہید ایمان بآیاتِ قرآن** وغیرہ درجنوں کتب و رسائل (جو درحقیقت مختصر و متوسّط و مطوّل فتاویٰ ہی ہیں) اور بے شمار فتاویٰ لکھ کر مسلمانانِ متحدہ ہند کو فرقۂ وہابیہ کے اَفکار و خیالاتِ باطلہ کی قباحتیں وشناعتیں اور اُن کے دینی نقصانات و مضرّ ات سے آگاہ کیا۔ یہاں تک کہ اِس باب میں اپنے معاصر عُلما کے درمیان، آپ کو اِمتیازی حیثیت، حاصل ہوگئی۔

بعض کفری عباتوں پر اطلاع اوران کی تردید و اِبْطال کے تعلق سے، یہ تاریخی حقیقت بھی پیشِ نظر، رہنی چاہیے جس کا ذکر، خود امام احمد رضا، بریلوی، قُدِّسَ سِرُّہ، نے، حضرت مولانا عبد الباری، فرنگی محلی، لکھنوی (وصال، رجب ۱۳۴۴ھ/ جنوری ۱۹۲۶ء) کے نام، اپنے ایک مکتوب (محرَّرَہ، ذوالقعدہ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء) میں اِس طرح کیا ہے:

..........غیر مجتہد مشائخ کے قول وفعل، کوئی چیز نہیں۔ جب تک، مطابقِ کتاب وسنَّت ہونا، نہ ثابت ہو۔ مگر، مَیں کہتا ہوں کہ: آپ کے اَب وجَد، کو دیوبندیوں کے اُن کُفروں پر اطلاع، نہ ہوئی ہوگی، تو اُن کا برتاؤ، بعدِ ظہورِ اَمر، کیا حجت رہا؟ ۱۳۰۷ھ تک کہ میں نے '' سُبْحٰنَ السُّبُّوح '' لکھا، خود مجھے، ان کے کُفروں پر اطلاع، نہ تھی۔ وَ لِهٰذا، جب تک ان پر صرف لزومِ کفر لکھا'' اِلیٰ آخِرِہٖ''۔

(**اَلطَّارِیُّ الدَّارِی**۔ حصہ سوم۔ مرتّبہ مفتیِ اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا نوری، بریلوی، مطبوعہ حَسَنی پریس، بریلی۔ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء)

☆ قادیانیت ومرزائیت کے کفر وارتداد کو، واضح وآشکارا کرنے کے لئے امام احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی نے مندرجہ ذیل کتب ورسائل تحریر فرمائے:

(۱) جَزَاءُ اللّٰہِ عَدُوَّہٗ بِاِبَائِہٖ خَتْمَ النُّبُوَّة (۱۳۱۷ھ) (۲) اَلسُّوْءُ وَالْعِقَابُ عَلَی الْمَسِیْحِ الْکَذَّاب (۱۳۲۰ھ) (۳) اَلْمُبِیْن خَتْمَ النَّبِیین (۱۳۲۶ھ) (۴) اَلْجُرَازُ الدَّیَّانِی عَلَی الْمُرْتَدِّالْقَادِیَانِی (۱۳۴۰ھ) (۵) قَهْرُالدَّیَّان عَلٰی مُرْتَدٍّ بِقَادِیان۔

☆

باسمہ تعالیٰ وتقدس

امام احمد رضا اور خانوادۂ رضویہ کی تصانیف کا اجمالی تعارف

از: علامہ محمد حنیف خاں رضوی بریلوی، بانی و ناظم امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے کتنی کتابیں لکھیں؟ ان کی صحیح تعداد آج تک کوئی نہیں لکھ سکا، البتہ ایک ہزار سے زیادہ۔ یا تقریباً ایک ہزار کی بات عام طور پر بیان کی جاتی ہے، مگر جو فہارسِ تصانیف اب تک دستیاب ہوئیں ان میں تمام کتب وحواشی کے تعداد آٹھ سو یا اس سے کچھ زیادہ تک پہنچ سکی ہے۔ لیکن ایک اہم سوال یہ ہے کہ اس وقت کتنی کتابیں ملتی ہیں؟۔ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ راقم الحروف نے ۲۵/سال سے جو تتبع اور تلاش کے مراحل طے کیے ہیں ان کے نتیجے میں اب تک کی تعداد ساڑھے تین سو سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ باقی کہاں ہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیں جو کتابیں ملیں بحمدہ تعالیٰ ہم نے ان کو ایک سو سے زیادہ جلدوں میں جدید کتابت، ترتیب، تخریج، اور ترجمہ کے ساتھ مکمل سیٹ کی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ یہاں ہم انھیں شائع شدہ کتب ورسائل کا اجمالی تعارف پیش کر رہے ہیں۔ ''فتاویٰ رضویہ کامل'' جواب تک شائع ہونے والے ایڈیشنوں میں سب سے کامل واکمل نسخہ ہے ہمارے ادارے **''امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف''** سے مکمل تحقیق، تخریج، ترتیب جدید اور خوبصورت کمپوزنگ کے ساتھ ۲۲/ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، اسی کی ترتیب کے اعتبار سے پہلے ہر جلد کا نہایت مختصر اور اجمالی تعارف ملاحظہ کریں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱)

سیدنا اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ کی اس جلد میں طہارت کے مسائل کو بیان کیا ہے، اس میں چند مسائل زیر بحث آئے ہیں، یعنی فتویٰ ہمیشہ قول امام پر ہوتا ہے، رخصت کے بعض مقامات کا ذکر، وضو اور غسل کے سینکڑوں مسائل۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۲)

اس جلد میں بھی طہارت ہی کا بیان ہے، اس کے تحت مائے مستعمل کی تعریف، ملاقی اور ملقیٰ کا فرق، پانی دَہ دَردَہ کی مقدار میں کب کہلائے گا، مائے مطلق کسے کہتے ہیں، بچے نے کوئیں یا نل سے پانی بھرا اس کا حکم کیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۳)

اس جلد میں بھی طہارت کا بیان ہے، اس کے تحت تیمّم کا بیان ہے اور پوری تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ کن چیزوں سے تیمّم جائز اور کن سے نہیں۔ نجاستوں کا بیان ہے اور ان سے پاکی حاصل کرنے کے طریقوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۴)

اس جلد میں نماز کا بیان ہے اور اس کے بہت سے شرائط کا تذکرہ ہے، انہی میں وقت اور استقبال قبلہ پر بہت خوب تحقیق پیش کی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۵)

اس جلد میں بھی نماز کا بیان ہے، اور اس کے تحت نماز کے فرائض و دیگر متعلقہ مسائل کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۶)

اس جلد میں بھی نماز کا بیان ہے، خاص طور پر اس میں مسجد کے احکام، اور جمعہ وعیدین کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۷)

اس جلد میں جنائز کا بیان ہے، اس کے تحت کفن کی تفصیل، نماز جنازہ کی دعائیں، نماز جنازہ کی تکرار، غائبانہ نماز جنازہ، اور سماع موتی وغیرہ بہت مسائل پر محققانہ گفتگو ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۸)

اس جلد میں زکاۃ، صوم اور حج کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۹)

یہ پوری جلد نکاح کے مسائل پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۰)

اس جلد میں طلاق، قسم اور حدود و تعزیر کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۱)

یہ جلد سیر کے مسائل پر مشتمل ہے، یعنی ملکی حالات کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب، خلافت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت شخصی احوال یعنی کفر وارتداد وغیرہ کے احکام، موالات و معاملات کی بحثیں، یہ سب کچھ تفصیل سے اس جلد میں موجود ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۲)

اس جلد میں معاملات کی شرکت، وقف کا بیان، اور خرید وفروخت کے مسائل ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۳)

اس میں کفالت، حوالہ، قضاء ودعویٰ، وکالت واقرار، صلح ومضاربت، اور امانت وعاریت کے احکام نہایت تحقیق سے بیان ہوئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۴)

اس جلد میں ہبہ واجارہ، اکراہ وحجر، غصب وشفعہ، قسمت ومضاربت، صید وذبائح، اور اضحیہ وعقیقہ کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۵)

یہ پوری جلد حظر واباحت یعنی اخلاقی مسائل پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۶)

اس میں بھی اخلاقیات موضوع بحث ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۷)

اس میں بقیہ اخلاقیات، مداینات واشربہ، رہن ووصیت، اورمیراث وفرائض کے مسائل زیر بحث آئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۸)

یہ جلد عقائد وکلام کے اہم مسائل پر مشتمل ہے اور آپ نے ہر مسئلہ پر نہایت تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۹)

اس میں مناقب وفضائل کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۲۰)

یہ جلد رد ومناظرہ پر مشتمل ہے، چنانچہ اس میں فرقہ اسماعیلیہ وہابیہ، دیوبندیہ، نیچریہ وغیرہ کا رد ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۲۱)

یہ جلد بھی رد ومناظرہ ہی پر مشتمل ہے، اوراس میں فرقہ روافض وتفضیلیہ کا رد وابطال ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۲۲)

یہ جلد بھی رد ومناظرہ کے تعلق سے ہے، اولاً اس میں قادیانیوں اور فلسفیوں کا رد ہے، اور پھر کچھ مختلف اور منتشر ابواب ہیں جن پر کتاب ختم ہوگئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ کامل ۲۲/ جلدوں کے اس سیٹ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ہر جلد کے شروع میں تمام جلدوں کے رسائل کی فہرست دے دی گئی ہے جس سے بہت آسانی کے ساتھ قارئین تمام جلدوں کے رسائل کسی بھی جلد سے معلوم کر سکتے ہیں۔

اب آپ دیگر کتب ورسائل کا تعارف ملاحظہ کریں۔

۱۔ أجلی الاعلام أن الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام. (۱۳۳۴ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی مفتی کو جائز نہیں کہ وہ امام اعظم کے قول کے خلاف فتوے دے، اس لیے صاحبین یا ان میں سے کسی کے قول پر فتویٰ دینے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، پھر بسا اوقات صاحبین میں سے کسی کے قول پر فتویٰ کیوں دیا جاتا ہے؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے سات مقدمے بیان فرمائے ہیں اور خلاصہ کے طور پر آخری بات یہ سامنے آئی کہ جس قول پر فتویٰ ہوتا ہے وہ در حقیقت قول امام ہی ہے، قول صوری نہ سہی قول ضروری تو ضرور ہوتا ہے۔

۲۔ جلی النص فی أماکن الرخص. (۱۳۳۷ھ)

یہ رسالہ رسم افتا سے متعلق ہے، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کون کون سی صورتیں ہیں کہ آدمی احکام شریعت میں رخصت پاتا ہے حتی کہ حرام چیزیں بھی حلال ہوجاتی ہیں۔

۳۔ الجود الحلو فی أرکان الوضوء. (۱۳۲۴ھ)

اس میں اولاً فرض اعتقادی وعملی اور واجب اعتقادی وعملی کی تعریفات ہیں پھر یہ بتایا گیا ہے کہ وضو میں ان چاروں

میں سے کون کون سے فرض وواجب ہیں اور کون سے نہیں۔

۴. تنویر القندیل فی أوصاف المندیل. (۱۳۲۴ھ)

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ وضو سے فارغ ہو کر اعضائے وضو کو رومال سے خشک کر سکتے ہیں، اس کی ممانعت میں کوئی حدیث نہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، البتہ بعض روایات میں آیا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ حضور نے اس چیز کو پسند نہ فرمایا تو اس کے جوابات آپ نے نہایت شرح وبسط سے دیے ہیں۔

۵. لمع الأحكام أن لا وضوء من الزكام. (۱۳۲۴ھ)

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ زکام سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس لیے کہ یہ واضح اور اجماعی مسئلہ ہے کہ بلغم کی قے خواہ کم ہو یا زیادہ ناقص وضو نہیں، چاہے دماغ سے آئے یا پیٹ سے، اور زکام کی رطوبتیں دماغ سے ہی نازل ہوتی ہیں۔

۶. الطراز المعلم فيما هو حدث من أحوال الدم. (۱۳۲۴ھ)

زخم اور پھوڑا پھنسی وغیرہ سے جو خون اور پیپ ظاہر ہو تے ہیں اور ان میں بہنے کی صلاحیت نہیں تو بالا جماع وہ ناقص وضو نہیں اور مذہب معتمد میں جو حدث نہیں وہ نجس بھی نہیں، لہٰذا جو خون وغیرہ چھلکے یا ابھرے وہ نجس نہیں۔ نجس وہ خون ہے جس میں سیلان پایا جائے۔ اس لیے یہاں تین صورتیں ہیں: چھلکنا۔ ابھرنا۔ بہنا۔ پہلی دونوں میں ناقص وضو نہیں اور تیسری صورت میں بلاشبہ وضو ٹوٹ جائے گا۔

۷. نبه القوم أن الوضوء من أي نوم. (۱۳۲۵ھ)

نیند کب وضو توڑتی ہے اور کب نہیں، اس میں بیان فرمایا کہ نیند دو شرطوں سے ناقض وضو ہوتی ہے، اول یہ کہ دونوں سرین اس وقت خوب جمے نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ ایسی ہیئت پر سویا ہو جو غافل ہو کر نیند آنے کو مانع نہ ہو۔ پھر ان دونوں شرطوں کے عدم تحقق کی بیس صورتیں بیان فرمائیں۔

۸. خلاصة تبيان الوضوء. (۱۳۰۶ھ)

غسل جنابت میں تین فرض ہیں، کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، اور پورے بدن پر پانی بہانا۔ ان تینوں چیزوں کی وضاحت اور ان میں ہونے والی کوتاہیوں پر تنبیہ اور ہدایت ہے۔

۹. الاحكام والعلل في أشكال الاحتلام والبلل۔ (۱۳۲۰ھ)

نیند سے بیدار ہوا اور کپڑے یا بدن پر تری پائی، یا خواب دیکھا اور تری نہ پائی تو نہانا واجب ہے یا نہیں، اس کے جواب میں فرمایا یہ مسئلہ کثیر الوقوع اور ہر شخص کو اس کی ضرورت اور کتابوں میں اختلاف بکثرت ہے، پھر آپ نے چھ صورتیں بیان فرمائیں۔

۱۰ بارق النور في مقادير ماء الطهور. (۱۳۲۷ھ)

وضو اور غسل میں پانی کی مقدار کیا ہونی چاہیے، احادیث میں صاع، مد اور رطل وغیرہ کا ذکر ہے تو آپ نے سب سے پہلے

انھی پیمانوں کی وضاحت فرمائی ہے اور مختصر الفاظ میں بہت سے ناپ تول کی مقداریں متعین فرما دی ہیں۔ جیسے صاع ایک پیمانہ ہے چار مد کا۔ مد کو مَن بھی کہتے ہیں یہ دو رطل کا ہوتا ہے۔ رطل شرعی بیس استار، استار ساڑھے چار مثقال، مثقال ساڑھے چار ماشے۔ اب جدید تول میں دس درہم ۳۳ر گرام ۴۶۶ر ملی گرام ہیں اور دس درہم برابر ۷ر مثقال، تو ایک مثقال ۴ر گرام ۹۰۸ر ملی گرام ہوا۔ وقس علیٰ ھٰذا۔

۱۱۔ برکات السماء فی حکم اسراف الماء. (۱۳۲۷ھ)

طہارت میں بے سبب پانی خرچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے، اس کے بارے میں فرمایا:

ملاحظہ کلمات علما سے اس میں چار قول معلوم ہوتے ہیں، ان میں قوی تر دو ہیں، اور فضل الٰہی سے امید ہے کہ بعد تحقیق وحصول توفیق اختلاف ہی نہ رہے وباللہ التوفیق۔ پھر ان چاروں اقوال کو شمار کرایا۔

۱۲۔ ارتفاع الحجب عن وجوہ قراءۃ الجنب. (۱۳۲۸ھ)

بحالت جنابت قرآن عظیم کی وہ آیات جو ذکر وثنا و مناجات ودعا ہوں اگر چہ پوری آیت ہو جیسے آیۃ الکرسی۔ متعدد آیات کاملہ جیسے سورۂ حشر شریف کی اخیر تین آیتیں، پوری سورۂ الحمد شریف بہ نیت ذکر و دعا بے نیت تلاوت پڑھنا جنب وحائض ونفسا سب کو جائز ہے، اسی لیے کھانے یا سبق کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ سکتے ہیں اگر چہ یہ ایک آیت مستقلہ ہے کہ اس سے مقصود تبرک واستفتاح ہوتا ہے، نہ تلاوت۔

۱۳۔ الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل. (۱۳۲۰ھ)

اس رسالہ میں مائے مستعمل کی تعریف اور پھر اس کی وضاحت ہے، فرماتے ہیں:

مائے مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیرِ نَجاستِ حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا، یعنی انسان کے کسی ایسے پارۂ جسم کو مَس کیا جس کی تطہیر وضو یا غُسل سے بالفعل لازم تھی، یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کارِ ثواب تھا، اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی امرِ ثواب کی نیّت سے استعمال کیا، اور یُوں اِسقاطِ واجب تطہیر یا اِقامتِ قربت کر کے عضو سے جُدا ہوا، اگر چہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ روانی میں ہے۔

۱۴۔ النمیقۃ الأنقیٰ فی فرق الملاقی والملقیٰ۔ ۱۳۲۷ھ

اس رسالہ میں اس سوال کا جواب ہے کہ اگر بے وضو یا جُنب کا ہاتھ یا اُنگلی یا ناخن وغیرہ لوٹے یا گھڑے میں پڑ جائے تو پانی وضو کے قابل رہتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

مکلَّف پر جس عضو کا دھونا کسی نَجاستِ حکمیہ مثلِ حدَث وجَنابت وانقطاعِ حیض ونَفاس کے سبب بالفعل واجب ہے، وہ عضو یا اُس کا کوئی حصہ اگر چہ ناخن یا ناخن کا کنارہ آبِ غیرِ کثیر میں (کہ نہ جاری ہے، نہ دَہ دَردَہ) بے ضرورت پڑ جانا پانی کو قابل وضو وغُسل نہیں رکھتا، یعنی پانی مستعمل ہو جاتا ہے،

کہ خود پاک ہے اور نَجاستِ حکمیہ سے تطہیر نہیں کرسکتا، اگر چہ نَجاستِ حقیقیہ اس سے دھو سکتے ہیں۔

۱۵. الهنيء النمير في الماء المستدير. (۱۳۳۴ھ)

اس رسالہ میں اس چیز کا بیان ہے کہ: کنویں کا دَور کتنے ہاتھ ہونا چاہیے کہ وہ دَہ دَردَہ ہو، اور نَجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوسکے؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ: اس میں چار قول ہیں، ہر ایک بجائے خود وجہ رکھتا ہے، اور تحقیق جُدا ہے۔

۱۶. رحب الساحة في مياه لايستوى وجهها وجوفها في المساحة. (۱۳۳۴ھ)

اس میں اس سوال کا جواب ہے کہ: حَوض نیچے دَہ در دَہ اور اُوپر کم ہے، بھرے ہوئے میں نَجاست پڑی تو سب ناپاک ہوگیا یا صرف اُوپر کا حصّہ جہاں تک سَو ہاتھ سے کم ہے؟

جواب ہے کہ بعض کے نزدیک اَصلاً ناپاک نہ ہوگا؛ کہ مجموع آبِ کثیر ہے۔ اور بعض کے نزدیک کل ناپاک ہوجائے گا۔

۱۷. هبة الحبير في عمق ماء كثير. (۱۳۳۴ھ)

اس رسالہ میں اس سوال کا جواب ہے کہ: آبِ کثیر کے لیے (جو مثلِ جاری نجاست قبول نہ کرے) کتنا عُمق درکار ہے؟ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ "ہاتھ سے پانی لینے میں زمین نہ کُھلے" اِس سے چُلو مراد ہے یا لَپ؟ جواب میں ہے کہ اُس کے عُمق میں گیارہ 11 قول ہیں۔

۱۸. النور والنورق لاسفار الماء المطلق. (۱۳۳۴ھ)

اس رسالہ میں سوال یہ ہے کہ: آبِ مطلق کہ وضو وغسل کے لیے درکار ہے، اُس کی کیا تعریف ہے؟ آبِ مقیّد کسے کہتے ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں: یہ مسئلہ نہایت معرکۃ الآراء ہے، فقیر بتوفیق القدیر اوّل جزئیاتِ منصوصہ ذِکر کرے، (۲) پھر تعریفِ مطلق ومقیّد؛ کہ اَصالۃً ضابطہ جامعہ کلّیہ ہے اور دیگر ضوابط کے لیے معیار، (۳) پھر ضوابطِ جزئیہ متون (۴) پھر ضوابطِ کلیہ متأخرین، (۵) پھر جزئیاتِ جدیدہ کے اَحکام، وما توفيقي الاّ بالله، عليه توكّلتُ واليه أنيب.

اس رسالہ کے تحت دو ضمنی رسالہ بھی ہیں:

۱۹. عطاء النبي لافاضة أحكام ماء الصبي. (۱۳۳۴ھ)

اس رسالہ میں نابالغ بچے کے بھرے ہوئے پانی کا حکم بیان کیا گیا ہے، یعنی بچے کا بھرا ہوا پانی مملوک بھی ہے اور مباح بھی، تو ایسے پانی کی تین قسمیں ہوئیں: ۱۔مباح غیر مملوک۔ جیسے دریاؤں اور نہروں کا پانی۔ ۲۔مملوک غیر مباح۔ جیسے برتنوں کا پانی۔

۳۔مباح مملوک۔ جیسے سبیل یا سقایہ کا پانی۔ نابالغ کا بھرا ہوا پانی اگر چہ مباح ہے مگر مملوک بھی ہونے کی بنا پر اس کلا استعمال جائز نہیں۔ اور اسی مسئلے کی تحقیق وتفصیل میں کثیر صورتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۰. الدقة والتبيان لعلم الرقة والسيلان. (۱۳۳۴ھ)

اس رسالہ میں پانی کی رقت وسیلان کے معانی پر جامع اور محققانہ بحث کی گئی ہے

۲۱۔ حسن التعمم لبیان حد التیمم. (۱۳۳۵ھ)

سوال یہ تھا کہ تیمّم کی شرعی تعریف کیا ہے؟ جواب میں ارشادفرمایا: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ کرام سے چھ تعریفات منقول ہیں۔ پھر ان سب کو نہایت تفصیل سے بیان کیا اور آخر میں تعریف رضوی کے نام سے ایک جامع و مانع تعریف فرمائی جس کا نام تعریف رضوی رکھا۔

۲۲۔ سمح الندریٰ فیما یورث العجز من الماء. (۱۳۳۵ھ)

اس رسالہ میں پانی پر قدرت نہ ہونے کی ۱۷۵ صورتوں میں سے ۸۸ بیان فرمائی ہیں۔ درمیان میں ایک رسالہ:

۲۳۔ الظفر لقول زفر. (۱۳۳۵ھ)

آ گیا ہے جس کی وضاحت میں اعلیٰ حضرت خود فرماتے ہیں: واضح ہو کہ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب کے برخلاف وقت فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمّم کو جائز کہتے ہیں۔ ائمۂ ثلاثہ سے ایک روایت مذہب امام زفر کے موافق بھی آئی ہے، متعدد جزئیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کچھ بزرگوں نے اسے اختیار بھی کیا ہے اور کئی محققین نے ان کی دلیل کو تقویت بھی دی ہے۔

۲۴۔ المطر السعید علی نبت جنس السعید. ۱۳۳۵ھ

سیّدنا امام الائمہ امامِ اعظم کے نزدیک ہر اُس چیز سے کہ جنسِ ارض سے ہو تیمّم رَوا ہے جبکہ غیرِ جنس سے مغلوب نہ ہو اور اُس کے غیر سے ہمارے جمیع ائمہ کے نزدیک رَوا نہیں، لہٰذا جنسِ ارض کی تحدید وتعدید درکار۔ اس میں چار مقام ہیں: پھر ان سب کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ یہ رسالہ آپ کی تحقیقات عالیہ کا شاہ کار ہے۔

۲۵۔ الجد السدید فی نفی الاستعمال عن الصعید. (۱۳۳۵ھ)

جس طرح طہارت سے پانی مستعمل ہوجاتا ہے کہ دوبارہ وضو کے قابل نہیں رہتا تیمّم سے مٹّی بھی یونہی مستعمل ہوجاتی ہے یا نہیں؟ فرماتے ہیں: اقول وباللہ التوفیق: ہم اوپر بیان کرآئے کہ تُراب یعنی جنسِ ارض دو قسم ہے: "حقیقی" جس کا بیان رسالہ "المطر السعید" میں گزرا، اور "حکمی" کہ وہ ہاتھ ہیں کہ بنیّتِ تطہیر جنسِ ارض سے مَس کیے گئے، یہ ترابِ حکمی ضرور بالا جماع مستعمل ہوتی ہے،

۲۶۔ قوانین العلماء فی متیمم علم عند زید ماء. (۱۳۳۵ھ)

شرح تعریفِ رضوی کے اِفادۂ پنجم میں ضمناً اس مسئلہ کا ذِکر آیا کہ "اگر دوسرے کے پاس پانی پایا اور نہ مانگا، اور تیمّم سے پڑھ لی، پھر مانگا اور اُس نے دے دیا، تو نماز نہ ہوئی، نہ دیا تو ہوگئی" اس مسئلہ کی تفصیل وتحقیق وہاں لکھی، کہ بجائے خود ایک رسالہ ہوگئی، طُول کے سبب اسے وہاں سے جُدا کیا، اور رسالہ کا حوالہ دیا، یہ وہ رسالہ ہے، وباللہ التوفیق۔

۲۷۔ الطلبةالبدیعةفی قول صدر الشریعة.(۱۳۳۵ھ)

جوازِ تیمّم کے لیے پانی سے عجز کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ تھی کہ نہانا ہو اور پانی صرف وضو کے قابل ہے، تو فقط تیمّم کرے"، یہاں "شرحِ وِقایہ" امام صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک عبارت نے اِس مسئلہ کو معرکۃ الآرا کر دیا، اُس کے حَواشی کے علاوہ اَور کتب مثل "شرحِ نقایہ" قُہستانی "دُرر" علاّمہ مَولیٰ خسرو و "دُرِّمختار" وغیرہا میں اُس کی طرف توجہ مبذول ہُوئی، اِس بحث کو بھی وہاں سے جُدا کیا کہ یہ رسالہ ہوا، وباللہ التوفیق.

۲۸۔ مجلی الشمعة لجامع حدث ولمعة.(۱۳۳۶ھ)

رسالہ الطلبة البدیعة میں ''مسئلہ لمعہ'' کا ذکر آیا اور اس میں تفاصیل کثیرہ ہیں کہ غیر میں نہ ملیں گی۔ان کے بیان میں یہ رسالہ ہے کہ جنب نے بدن کا کچھ حصہ دھویا کچھ باقی رہا کہ پانی نہ رہا، پھر حدث ہوا کہ موجب وضو ہے، اب جو پانی ملے اسے وضو ورفع حدث میں صرف کرے یا بقیہ جنابت کے دھونے میں یا کیا، یہ مسئلہ لمعہ ہے، لمعہ بالضم یہاں وہ حصۂ بدن ہے جو بعد جنابت سیلان آب سے رہ گیا۔ پھر تین تقسیمیں فرما کر احتمالات اور اقسام بیان فرمائے ہیں۔

۲۹۔ سلب الثلب عن القائلین بطھارة الکلب.(۱۳۱۲ھ)

سوال یہ ہے کہ کتا طاہر العین ہے یا نجس العین؟ اس کے جواب میں فرمایا: ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ جانور سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر، یہی مذہب ہے صحیح واصح ومعتمد ومؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار وماخوذ للفتوی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔

۳۰۔ الاحلیٰ من السکر لطلبة سکر روسر.(۱۳۰۳ھ)

شاہ جہاں پور میں شکر کا ایک کارخانہ بنام روسر لگایا گیا تھا جس میں جانوروں کی ہڈیاں جلا کر اس کے کوئلوں سے شکر صاف کی جاتی تھی، ان ہڈیوں میں یہ کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا کہ یہ حلال جانوروں کی ہیں یا حرام، اس فیکٹری کی شکر کے بارے میں سوال ہوا کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا اور اس کا حکم بیان کرنے سے پہلے دس ضابطے تحریر فرمائے جن کی روشنی میں حکم مسئلہ کو بیان فرما کر صرف اسی مسئلہ میں نہیں بلکہ سیکڑوں مسائل کی گتھیاں سلجھا دیں اور واضح کر دیا کہ ہماری شریعت نہ اس طرح کے اوہام وخیالات پر بنائے کار رکھتی ہے نہ ان کا اعتبار۔

۳۱۔ جمان التاج فی بیان الصلاة قبل المعراج.(۱۳۱۶ھ)

سوال یہ ہے کہ شب معراج سے قبل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون سی نماز پڑھتے تھے؟ جواب میں فرماتے ہیں: پیش اَز اِسرا دو وقت یعنی قبل طلوعِ شمس وقبل غروب کے نمازیں مقرّر ہونے میں علماء کو خلاف ہے، اور اَصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیامِ لیل کی فرضیّت ثابت، باقی پر کوئی دلیلِ صریح قائم نہیں، تاہم اس قدر یقیناً معلوم کہ معراج مبارک سے پہلے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نمازیں پڑھتے، نمازِ شب کی فرضیّت تو خود سورۂ مزمّل شریف سے ثابت، اور اُس کے سِوا اَور اوقات میں بھی نماز پڑھنا وارد، عام ازیں کہ فرض ہو یا نفل۔

۳۲۔ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین. (۱۳۱۳ھ)

ظہرَ ینِ عرَفہ وعشائَینِ مُزدَلفہ کے سِوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا، سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں، یہ رسالہ آپ کی تحقیقات عالیہ کا گنجینہ اور معارف حدیث کا خزینہ ہے۔ دراصل غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے اپنی کتاب ''معیار الحق'' میں اس مسئلہ جمع بین الصلاتین پر کلام کرتے ہوئے احناف کے مسلک کی اس سلسلہ میں تضعیف وتغلیط کی تھی، اور اپنی حدیث دانی کے زعم فاسد میں علم حدیث سے متعلق ایسے گل کھلائے تھے جن کو علم حدیث کا مبتدی طالب علم بھی نہیں بیان کرسکتا، امام احمد رضا قدس سرہ نے ملاجی کے دعوئ محدثی کی اس میں خوب خبر لی ہے۔

۳۳۔ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین. (۱۳۰۱ھ)

سوال یہ تھا کہ: اذان میں کلمہ اَشھد اَنّ محمّداً رسولُ اللہ سُن کر انگوٹھے چُومنا، آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: حضور پُرنور شفیعِ یوم النشور صاحبِ لَولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سُنتے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چُوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز، جس کے جواز پر مقامِ تبرُّع میں دلائلِ کثیرہ قائم، اور خود اگر کوئی دلیلِ خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہونا ہی جواز کے لیے دلیلِ کافی، جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اُس کے ذمّہ ہے؛ کہ قائلِ جواز متمسّک باصل ہے، اور متمسّک باصل محتاجِ دلیل نہیں، پھر یہاں تو حدیث وفقہ وارشادِ علما وعملِ قدیم سلَفِ صلحاء سب کچھ موجود۔

۳۴۔ نہج السلامۃ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ. (۱۳۳۳ھ)

انگوٹھے چومنے کے سلسلہ میں حضرت مولانا احمد مختار صاحب قادری رضوی صدّیقی میرٹھی نے ۲۶/ جُمادی الآخرۃ ۱۳۳۳ھ کو ایک فتویٰ "فتاویٰ اِمدادیہ" معروف بہ "فتاویٰ اشرفیہ" جلد چہارُم سے نقل کرکے بھیجا جس میں سائل نے پوچھا تھا کہ اقامت میں انگوٹھے چومنا جائز ہے یا ناجائز ؟ فتاویٰ اشرفیہ میں جواب میں کہا گیا تھا کہ: اوّل تو اذان ہی میں انگوٹھے چُومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے وہ محقّقین کے نزدیک ثابت نہیں، اور اقامت کے بارے میں لکھ دیا کہ: مگر اِقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں، پس اِقامت میں انگوٹھے چُومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت وبے اصل ہے، اسی واسطے فقہا نے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا اور مسئلہ کی خوب خوب وضاحت فرمائی۔

۳۵۔ ایذان الاجر فی اذان القبر. (۱۳۰۷ھ)

اس رسالہ میں سوال ہے کہ بعد دفن قبر پر اذان کا کیا حکم ہے؟ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: بعض علمائے دِین نے میّت کو قبر میں اُتارتے وقت اذان کہنے کو سنّت فرمایا، حق یہ ہے کہ اذانِ مذکور فی السّوال کا جواز یقینی ہے، ہرگز شرعِ مطہّر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں، اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا، قائلانِ جواز کے لیے اسی قدر کافی، جو مدّعیِ ممانعت ہو دلائلِ شرعیہ سے اپنا دعویٰ ثابت کرے۔

۳۶۔ هداية المتعال فی حد الاستقبال. (۱۳۲۴ھ)

آپ سے سوال ہوا کہ ہندوستان میں قبلہ کی صحیح سمت کیا ہے؟ اور علی گڑھ کی عیدگاہ سے متعلق بے بنیاد اعتراضات کا تذکرہ بھی اس میں تھا۔ آپ نے جواب میں سمت قبلہ کے تعلق سے کچھ تمہیدات اور معترضین کے رد وابطال کے بعد پانچ افادات ذکر کرکے جہت قبلہ کی تعیین وتحدید کے چند طریقے تحریر کیے ہیں۔

۳۷. کشف العلة عن سمت القبلة. (۱۳۲۴ھ)

مسلمان دنیا میں جہاں کہیں ہوں نماز ادا کرنے میں قبلہ کی طرف منھ کرنا صحتِ نماز کے لیے شرط ہے، آپ نے اس کتاب میں پوری دنیا کے لیے سمت قبلہ نکالنے کے دس قاعدے خود ایجاد کیے ہیں، یہ قاعدے نہایت تحقیقی اور نہایت آسان ہیں کہ اتنے تحقیقی اور اتنے آسان قاعدے جو پوری دنیا کے لیے محیط ہوں، دنیا میں موجود ہی نہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ خود فرماتے ہیں: الحمدللہ ہمارے یہ دسوں قاعدے تمام زمین زیر و بالا، بحر و بر، سہل وجبل، آبادی وجنگل سب کو محیط ہوئے کہ جس مقام کا عرض وطول معلوم ہو نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے۔ آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلاً کوئی قاعدہ نہیں۔ اور تحقیق ایسی کہ عرض وطول اگر صحیح ہوں اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے اٹھادیے جائیں تو کعبہ معظّمہ کو خاص رو برو پائیں۔ پہلے لوگ امریکہ میں مخالف سمت کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے، اسی کتاب کے قواعد کے ذریعہ وہاں سمت قبلہ درست کی جاسکی ہے۔

۳۸۔ نعم الزاد لروم الضاد. (۱۳۱۵ھ)

۳۹۔ الجام الصاد عن سنن الضاد. (۱۳۱۷ھ)

ان دونوں رسالوں کا موضوع ضاد کا صحیح مخرج بتانا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ مخارج کے اعتبار سے ہر حرف دوسرے سے جدا ہے اور قراءت قرآن میں ان مخارج کا لحاظ اور حروف کی صفات لازمہ کا اعتبار ضروری ہے تاکہ قرآن کی تلاوت صحیح طریقہ پر ہو، اور جیسا قرآن نازل ہوتھا ویسا ہی پڑھا جائے۔ ان رسالوں میں تجوید وقراءت کے احکام وقواعد پر جامع انداز میں بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ قرآن بے تجوید پڑھنا لحن ہے اور لحن سب کے نزدیک حرام۔

۴۰۔ النهی الأكيد عن الصلاة وراء عِدَى التقليد. (۱۳۰۵ھ)

اس رسالہ کا موضوع ہے کہ غیر مقلد کے پیچھے نماز جائز نہیں، اگر کبھی مجبوری میں پڑھ لی گئی ہو تو اس کو دوبارہ پڑھے اگر چہ وقت گزر چکا ہو۔ اس رسالہ کے مقدمہ میں غیر مقلدین کی بدعات وخرافات کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز ان کے مظالم وفتنہ اور ان کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی اور بتایا گیا ہے کہ یہ فرقہ گمراہ اور گمراہ گر ہے، ائمہ وفقہا کا دشمن ہے بلکہ گستاخ رسول بھی ہے اور ان کا شجرۂ نامسعود محمد ابن عبدالوہاب نجدی سے ملتا ہے۔

۴۱۔ القلادة المرصعة في نحر الأجوبة الأربعة. (۱۳۱۲ھ)

اس رسالہ میں مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی قاسم علی مرادآبادی کے ان فتوی کا رد ہے جو خود آپس میں ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ادائے تہجد کی خاطر قیلولہ اس طرح کرے کہ ظہر کی جماعت فوت ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے، آپ نے جواب میں فرمایا کہ معذور ہے تو اس سے جماعت ساقط ہے، اور یہ کسی کو اپنے ساتھ شامل کر کے اذان و جماعت سے پہلے ہی اپنی جماعت کر لے تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے، کیونکہ بہر حال جماعت اولیٰ تو اس کے لیے افضل ہے۔ لہٰذا تہجد فوت ہونے کے خوف سے جماعت کا ترک جائز نہیں۔ پھر اس شخص کو ایسی تدابیر بتائیں کہ جن پر عمل سے جماعت بھی فوت نہ ہو اور تہجد کی ادائیگی بھی ہو سکے۔

۴۲۔ القطوف الدانية لمن أحسن الجماعة الثانية. (۱۳۱۳ھ)

اس میں بیان فرمایا کہ جماعت ثانیہ کونسی صورتوں میں جائز ہے اور اس کا کیا طریقہ ہونا چاہیے، چنانچہ بارہ صورتیں جواز جماعت ثانیہ کے لیے ذکر فرمائی ہیں۔

۴۳۔ تيجان الصواب في قيام الامام في المحراب. (۱۳۲۰ھ)

اس رسالہ میں امام کے محراب میں کھڑے ہونے کے تعلق سے بحث ہے، پہلے محراب کے معانی بیان فرمائے ہیں پھر محراب کی دو قسمیں تحریر کی ہیں، ایک حقیقی، دوسری صوری، حقیقی یہ ہے کہ امام مقتدیوں کے وسط میں کھڑا ہو، یہ وسط اور درمیانی مقام ہی محراب حقیقی ہے۔ اور صوری محراب یہی ہے جو آج کل مساجد میں ہوتی ہے، اس کا وجود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد پاک سے لے کر ۸۸/ھ تک نہیں تھا، اس کا آغاز ولید بن عبدالملک کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کیا جب آپ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں فقہا محراب میں کھڑے ہونے کو مسنون فرماتے ہیں اس سے محراب حقیقی مراد ہے، اور جب مکروہ قرار دیتے ہیں تو محراب صوری مراد لیتے ہیں۔

۴۴۔ اجتناب العمال عن فتاویٰ الجہال. (۱۳۱۶ھ)

سوال یہ ہے کہ غلبۂ کفار وفتنہ وفساد اور طاعون ووبا کے وقت نماز فجر میں قنوت پڑھنا جائز ہے یا نہیں، دراصل یہ رسالہ ایک بدعقیدہ شخص کے اشتہار بنام ''ضروری سوال'' کے رد میں ہے جس نے قنوت کو نماز فجر میں صرف فتنہ وفساد اور غلبۂ کفار کے وقت جائز بتایا تھا اور باقی صورتوں میں مثلاً طاعون اور وبا وغیرہ

کے وقت ناجائز کہا تھا۔ جواب میں آپ نے فرمایا: تحریرات مذکورہ نظر سے گزریں۔''ضروری سوال'' میں جو حکم اختیار کیا محض خلاف تحقیق ہے ،یعنی متون میں عموماً صراحت ہے کہ وتر کے علاوہ میں قنوت نہیں،اور شروح میں جمہور نے فرمایا کہ ہر موقع پر خواہ فتنہ و غلبۂ کفار ہو یا کوئی بلا و مصیبت فجر میں بھی جائز۔لہٰذا اس بدعقیدہ کا قول غلط ہے جس سے اس کی جہالت واضح ہے۔پھر آپ نے اس کے''ضروری سوال'' کا تیس وجوہ سے جائزہ لیا ہے۔

۴۵۔ أنهار الأنوار فی یم صلاة الأسرار. (۱۳۰۵ھ)

۴۶۔ أزهار الأنوار من صبا صلاة الأسرار. (۱۳۰۵ھ)

یہ دونوں رسالے نماز غوثیہ کے بارے میں ہیں،آپ نے فرمایا کہ فی الواقع یہ مبارک نماز حضرات عالیہ مشائخ کرام قدست اسرارہم العزیز کی معمول،اور قضائے حاجات وحصول مرادات کے لیے عمدہ طریق مرضی و مقبول،اور حضور پرنور غوث الکونین غیاث الثقلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علی جدہ الکریم وعلیہ سے مروی و منقول،اجلۂ علما و اکابر کملا اپنی تصانیف عالیہ میں اسے روایت کرتے اور مقبول و مقرر لکھتے آئے۔پھر آپ نے اس نماز کے جائز و مباح ہونے کا ثبوت فراہم کیا اور طریقہ بتایا ہے۔دونوں رسائل اسی مسئلہ سے متعلق ہیں۔

۴۷۔ وصاف الرجیح فی بسملة التراویح. (۱۳۱۲ھ)

یہ رسالہ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کے اس فتوے کے جواب میں ہے جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ تراویح میں سورۂ براءت کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ شریف قراءت قرآن کے وقت بلند آواز سے پڑھی جائے ورنہ جن قراء کے نزدیک بسم اللہ سورتوں کا جز ہے ان کے مذہب کے اعتبار سے ۱۱۳/آیات کم ہو جائیں گیں۔اس فتوے کی مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی تائید کردی، چنانچہ اعلیٰ حضرت نے یہ رسالہ تحریر فرمایا اور ثابت کر دیا کہ بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں صرف ایک آیت ہے کہ سورتوں میں فصل کے لیے اتاری گئی نہ وہ فاتحہ کی جز ہے اور نہ کسی اور سورت کی۔تو قرآن عظیم نام ہے ایک سو چودہ سورتوں اور ایک آیت کا کہ وہ بسم اللہ شریف ہے۔

۴۸۔ التبصیر المنجد بأن صحن المسجد مسجد.(۱۳۰۷ھ)

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ مسجد کا صحن بھی مسجد ہی ہوتا ہے، جہاں فقہا مسجد صیفی لکھتے ہیں اس سے یہی صحن مراد ہوتا ہے، دراصل مسجد اس زمین اور جگہ کا نام ہے جس کو نماز پنج گانہ کی ادائیگی کے لیے وقف کیا گیا ہو،اور یہ تعریف بلا شبہ مسجد کے صحن کو بھی شامل ہے،مسجد کے لیے عمارت ہونا شرط نہیں، یونہی کوئی چبوترہ یا محدود میدان نماز کے لیے وقف کر دیں تو قطعاً مسجد ہو جائے گا۔

۴۹۔ مرقاة الجمان فی الهبوط عن المنبر لمدح السلطان. (۱۳۲۰ھ)

سوال یہ تھا کہ خطیب جمعہ کے لیے خطبۂ ثانیہ میں منبر

سے ایک سیڑھی اترے اور پھر چڑھ جائے، یہ درست ہے یا نہیں۔ یہ سوال پہلے مولوی محمد عیسی کے یہاں پیش ہوا تو انہوں نے ناجائز و بدعت شنیعہ کہا، پھر اس کا جواب مولوی عبد الرحیم صاحب نے جواز میں دیا۔ یہ دونوں فتوے اعلیٰ حضرت کے پاس آئے تو آپ نے تفصیل سے جواب عنایت فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی فعل مسلمین کو بدعت شنیعہ اور ناجائز کہنا ایک حکم اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لگانا ہے اور ایک حکم مسلمانوں پر۔ کہ اللہ ورسول نے تو اس کو منع نہیں فرمایا۔ پھر کوئی مسلمان اس کو اپنا کرنا جائز کام کا مرتکب کیسے ہوا۔ پھر اس کے بعد اس سیڑھی اترنے کی وجہ اور اس کی توجیہ ارشاد فرمائی۔

۵۰۔ رعاية المذهبين فى الدعاء بين الخطبتين۔(۱۳۱۰ھ)

آپ سے سوال تھا کہ بعض لوگ دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ میں خطیب کو ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو مکروہ وحرام قرار دیتے ہیں، اس کے بارے میں آپ نے جواب فرمایا: امام کے لیے تو اس دعا کے جواز میں اصلاً کلام نہیں جس کے لیے نہی شارع نہ ہونا ہی سند کافی، ممنوع وہی ہے جسے خدا ورسول منع فرمائیں۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور دو خطبوں کے درمیان اگر مقتدی دل میں دعا مانگیں کہ زبان کو حرکت نہ ہو اور ہاتھ نہ اٹھائیں تو بلاشبہ جائز ہے۔

۵۱۔ شمائم العنبر فى أدب النداء أمام المنبر۔(۱۳۳۳ھ)

۵۲۔ أوفى اللمعة فى أذان يوم الجمعة.(۱۳۲۰ھ)

ان دونوں رسائل میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کے تعلق سے تفصیلات ہیں۔ فرماتے ہیں: ہمارے علمائے کرام نے فتاوی قاضی خاں، وفتاویٰ خلاصہ وفتح القدیر ونظم وشرح نقایہ برجندی و بحرالرائق وفتاویٰ ہندیہ وطحطاعی علی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ یعنی اذان منارے پر یا مسجد کے باہر چاہیے۔ مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔ اس میں جمعہ کی اذان ثانی وغیرہا کی تخصیص نہیں ہے۔

۵۳۔ سرور العيد السعيد فى حل الدعاء بعد صلاة العيد.(۱۳۳۹ھ)

عیدین کی نماز وخطبہ کے بعد دعا کے سلسلہ میں مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاوی میں لکھا کہ یہ دعا ثابت نہیں۔ آپ نے عیدین کی مناسبت سے اس دعا کے جواز اور مانعین کے دعوے کی غلطیوں کا بیان دوعیدوں کے عنوان سے کیا۔ اور یہ بتایا کہ مولوی عبدالحی صاحب کے فتوے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عیدین کے بعد دعا کرنا جائز نہیں، وہ صرف عدم ثبوت کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ یہ دعوی بھی غلط ہے۔ بلکہ خود احادیث سے ثابت کہ عیدین کے بعد دعا ہوتی اور اس دعا کی ترغیب خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہاں تک ثابت کہ جو عورتیں نماز کے لائق نہ ہوتیں ان کو بھی دعا میں شرکت کے لیے ہدایات دیتے اور وہ عورتیں بھی نمازیوں سے الگ موجود رہتیں اور دعا میں شریک ہوتیں۔

۵۴۔ وشاح الجید فی تحلیل معانقه العید. (۱۳۱۲ھ)

عیدین کے بعد معانقہ کے سلسلہ میں گنگوہی صاحب کے کسی شاگرد نے انکار کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ یہ بدعت و ناجائز ہے۔البتہ کوئی سفر سے آئے تو اس سے معانقہ جائز ہے۔آپ نے اس کا جواب لکھ دیا،ان صاحب نے رجوع کر لیا۔اس کے بعد پھر کسی شاگرد نے یہ مسئلہ چھیڑا،جب جواب دکھایا تو انہوں نے اپنے استاد کے سامنے پیش کر دیا کہ یا تو تصدیق کر دیں ورنہ جواب لکھ دیں،مدت تک انکار کے بعد فتاویٰ عبدالحی سے ایک فتویٰ اپنے ثبوت میں سمجھ کر اور نشانی رکھ کر دے دیا۔اب آپ نے اس کا تفصیل سے جواب دیا۔اس میں جواز معانقہ کی شرائط بھی مذکور ہیں اور مطلق معانقہ کے ثبوت میں احادیث وروایات ذکر کی ہیں۔

۵۵۔ الحرف الحسن فی الکتابة علی الکفن. (۱۳۰۸ھ)

اس رسالہ میں خاص طور پر یہ بیان فرمایا ہے کہ کفن پر دعائیں لکھنا فی نفسہ جائز ہے۔یہ خیال کہ کفن بوسیدہ ہوگا تو جو کچھ لکھا گیا وہ بھی اس کے ساتھ گل جائے گا اور اس طرح اس کی بےحرمتی ہوگی،یہ محض خیال ہی ہے جو لائق اعتبار نہیں۔اس ضمن میں آپ نے وہ روایات بیان کی ہیں جن میں ذکر ہے کہ معظمات دینیہ میں کفن دیا گیا یا بدن سے متصل رکھی گئیں اور ان کو خلاف تعظیم نہ جانا گیا۔پھر آپ نے وہ دعائیں تحریر فرمائی ہیں جن کو کفن پر لکھا جانا چاہیے،میت کو اس سے سکون و اطمینان حاصل ہوگا،نکیرین کے جواب پر اعانت ہوگی۔

۵۶۔ المنة الممتازة فی دعوات الجنازة. (۱۳۱۸ھ)

اس رسالہ میں جنازہ پر پڑھی جانے والی دعائیں احادیث کریمہ سے اخذ کر کے تحریر فرمائی ہیں،یہ تیرہ دعائیں ہیں اور چودہویں دعا کا اضافہ آپ نے خود کیا ہے اور سائل حضرت سید عبدالکریم صاحب سے گزارش کی ہے کہ یہ دعائیں حفظ کر لیں اور مسلمانوں کے جنازے پر پڑھا کریں،ساتھ ہی یہ وصیت بھی فرمائی ہے کہ سید صاحب آپ اگر میرا جنازہ پائیں تو نماز خود ہی پڑھائیں اور یہ سب دعائیں اپنے خالص قادری قلب کے ساتھ خضوع وخشوع سے پڑھیں اور قبر فقیر محتاج پر تلقین کریں۔

۵۷۔ بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلاة الجنائز۔(۱۳۱۱ھ)

اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ اموات مسلمین کے لیے دعا کرنا محبوب عمل ہے خواہ نماز جنازہ سے قبل ہو یا بعد۔دفن سے پہلے ہو یا بعد،بہر حال یہ اچھا طریقہ ہے،اس کی ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہیں،اور ممنوع نہ ہونا ہی اس کے جواز کے لیے کافی ہے۔مزید برآں یہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میت کے لیے کھڑے ہو کر دعا فرمائی لہٰذا فقہائے کرام نے لکھا کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا سنت ہے۔

۵۸۔ النہی الحاجز عن تکرار صلاة الجنائز. (۱۳۱۵ھ)

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے لہٰذا کسی ایک نے بھی پڑھ لی

تو نماز ادا ہوگئی اب اس کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں، البتہ جو میت کا ولی ہے اگر نماز جنازہ اس کی اجازت کے بغیر پڑھی گئی تو چونکہ اس کا حق باقی ہے لہٰذا اس کو پڑھنے کا اختیار ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو بے نماز پڑھے دفن کر دیا گیا تو فرض ہے کہ اس کی قبر پر نماز پڑھیں جب تک ظن غالب ہو کہ جسم سلامت ہوگا لہٰذا اس کی حد تین دن بیان کی گئی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ کوئی حد معین نہیں، احوال و آثار سے جب تک ظن غالب رہے۔ بہر حال نماز جنازہ کی بالعموم تکرار جائز نہیں۔

۵۹۔ الهادی الحاجب عن جنازة الغائب . (۱۳۲۶ھ)

نماز جنازہ کی ادائیگی کے لیے ایک خاص شرط یہ ہے کہ جنازہ سامنے ہو، لہٰذا جنازے کے غائب اور غیر موجودہ ہونے کی صورت میں نماز درست نہیں، ائمہ حنفیہ کا اس پر اجماع ہے۔

۶۰۔ اهلاك الوهابيين على توهين قبور المسلمين . (۱۳۲۲ھ)

اس رسالہ میں پرانی قبریں کھود کر مکانات بنانے کے تعلق سے سوال ہوا تو اس کے جواب میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا جس میں قبروں کی توہین وہابیہ کا شعار بتایا۔

۶۱۔ بريق المنار بشموع المزار . (۱۳۳۱ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مزارات پر جو روشنی کی جاتی ہے وہ جب کسی مقصد اور فائدے کے تحت ہو تو قطعاً جائز ہے۔ مثلاً قبر سے متصل مسجد ہے کہ اس کی روشنی سے نمازیوں کو آرام ہوگا۔ یا قبریں برسر راہ ہیں تو روشنی سے گزرنے والوں کو فائدہ ہوگا اور اموات کو بھی نفع پہنچے گا، اگر یہ لوگ ان کے لیے ایصال ثواب کریں گے، اور میت کی قوت زائد ہے تو یہ لوگ اس سے فیض پائیں گے، اور اگر ان کی قوت زیادہ ہے تو میت کو ان کے سبب فائدہ حاصل ہوگا۔ اسی طرح روشنی سے ان کو بھی فائدہ ہوگا جو لوگ قبر کے پاس قرآن دیکھ کر پڑھیں گے۔

۶۲۔ جمل النور فی نهی النساء عن زيارة القبور . (۱۳۳۹ھ)

اس رسالہ کا موضوع ہے کہ عورتوں کی مزارات پر حاضری منع ہے، خاص طور سے اس زمانہ میں جبکہ رقص و مزامیر کا عام دور دورہ ہے، لہٰذا عورتیں روضہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جائیں، وہاں کے سوا کہیں بھی کسی مزار کی زیارت کے لیے ہرگز نہ جائیں۔ کیونکہ جب عورتوں کو مسجدوں، جمعہ اور جماعتوں سے روک دیا گیا تو پھر زیارت قبور کی ممانعت تو لازمی طور پر ہونا چاہیے۔

۶۳۔ الحجة الفائحة لطيب التعيين والفاتحة . (۱۳۰۷ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ آج کل جو فاتحہ کا طریقہ رائج ہے یہ ایصال ثواب کا ایک طریقہ ہے جو بلاشبہ جائز و مستحسن ہے، چونکہ اہل سنت کے نزدیک اموات مسلمین کو ثواب پہنچانا جائز ہے لہٰذا کھانا سامنے رکھ کر اور ہاتھ اٹھا کر ایصال ثواب کرنا بھی جائز ہوا، رہا یہ کہ اس کے لئے دن معین کرنا اور کوئی خاص وقت مقرر کرنا یہ بعض مصالح کی بنا پر ہوتا ہے اور

شریعت نے اس کو منع نہیں کیا تو اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں۔

۶۴۔ اتیان الأرواح لدیارھم بعد الرواح. (۱۳۲۱ھ)

اس رسالہ کا موضوع ہے کہ انتقال کے بعد روحیں اپنے سابقہ گھروں کی طرف آتی ہیں خاص طور سے جمعرات، شب براءت اور عید و عاشورہ کے مواقع پر، وہ یہ آرزو لیے ہوتی ہیں کہ ہمارے گھر والے ہمارے نام سے کچھ ثواب ایصال کریں، اگر گھر والے ان کی آرزو پوری کردیتے ہیں تو وہ خوش وخرم واپس جاتی ہیں ورنہ غمگین حالت میں لوٹتی ہیں۔ ان چیزوں کے ثبوت کے لیے بعض روایات میں ہونا ہی کافی ہے، یہ ضروری نہیں کہ اس کے ثبوت میں دلائل قطعیہ پیش کئے جائیں۔

۶۵۔ جلی الصوت لنھی الدعوۃ امام الموت. (۱۳۰۹ھ)

میت کے دفن کے بعد ایصال ثواب کی جو مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں خواہ وہ تیجہ ہو یا دسواں بیسواں اور چالیسواں، کسی بھی موقع پر اعزہ واقربا، اور دوست واحباب کی دعوت کرنا جائز نہیں، کہ دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے، یہ کوئی دعوت کا موقع نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کو ایصال ثواب کی دعوت دی جائے، پھر جو احباب واعزہ حاضر ہوئے ان کو اس میں سے کھلانا بھی جائز ہوگا کہ یہ کھانے کی دعوت پر نہیں آئے بلکہ صرف ایصال ثواب کے لیے آئے ہیں۔ اسی طرح اس رسالہ میں ان عورتوں کو بھی تنبیہ کی گئی ہے جو چلا کر سر پیٹتی اور روتی ہیں۔

۶۶۔ حیاۃ الموات فی بیان سماع الأموات. (۱۳۰۵ھ)

یہ رسالہ سماع موتی پر ایک تحقیقی دستاویز ہے، مختلف زاویوں سے آپ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اموات کا سننا حق ہے، مرنے کے بعد روحیں اسی طرح سنتی ہیں جس طرح وہ اپنے جسم کے ساتھ رہ کر سنتی تھیں کہ اصل ادراک تو روح کا خاصہ ہے اور یہ کبھی نہیں مرتی بلکہ قفص عنصری سے نکل کر اس کے سننے اور دیکھنے کی قوت بڑھ جاتی ہے، یہ سب کچھ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

۶۷۔ الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین. (۱۳۱۶ھ)

یہ رسالہ دراصل پہلے رسالہ کا تتمہ وضمیمہ ہے، وہ اس طرح کے منکرین سماع موتی نے اپنے استدلال میں یہ پیش کیا تھا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا، پھر مرنے کے بعد اس سے کلام کیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، جب ایسا ہے تو ثابت ہوا کہ مردے نہیں سنتے، اگر سنتے ہوتے تو قسم ٹوٹ جانا ضروری تھی۔ اس استدلال کو غلط ثابت کرنے کے لیے آپ نے فرمایا کہ معترض اہل سنت کا موقف ہی نہیں جانتا۔ ہمارے ائمہ اس بات کو واضح الفاظ میں بیان کرچکے کہ قسم ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مدار عرف پر ہے، کسی سے کلام کرنا عرف میں اسی صورت میں بولا اور سمجھا جاتا ہے جب سامنے والا اس کی بات کو سمجھتا اور جواب دینے کا اختیار رکھتا ہو۔ لہذا یہ استدلال ہی سرے سے غلط ہے اور منکر غلط فہمی میں مبتلا ہے۔

۶۸۔ تجلی المشکاۃ لانارۃ أسئلۃ الزکاۃ.

....

یہ رسالہ زکاۃ سے متعلق سات سوالوں کے جوابات کا مجموعہ ہے۔

۶۹۔ أعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکاۃ۔(۱۳۰۹ھ)

اس رسالہ میں اس بات کا بیان ہے کہ کسی نے زکاۃ تو ادا نہ کی مگر وہ اپنا مال کار خیر میں صرف کرتا رہتا ہے تو کیا ایسے شخص کا نیک کاموں میں خرچ کرنا قبول ہوگا۔ جواب میں فرمایا زکاۃ فرض تھی اور نہ دی اور نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے تو یہ ہرگز مقبول نہیں کہ فرائض کو چھوڑ کر نفل عبادات قبول نہیں ہوتیں۔لہٰذا ایسے لوگوں کو اپنے نیک کاموں میں خرچ کرنے پر ثواب کی امید رکھنا فضول ہے۔اس لیے پہلے زکاۃ ادا کرے بعد میں خیرات وصدقات دے۔

۷۰۔ راد التعسف عن الامام أبو یوسف.(۱۳۱۸ھ)

ہمارے ائمہ مذہب میں امام ابو یوسف کی طرف ایک بے سند روایت منسوب ہے کہ سال گزرنے سے پہلے اپنا تمام مال بیوی کے نام ہبہ کر دیتے اور بیوی کا مال اپنے لیے ہبہ کرا لیتے تاکہ زکاۃ فرض نہ ہو۔اولاً آپ نے اس قول کی تردید فرمائی اور خود امام ابو یوسف کے قول سے ثابت کر دیا کہ وہ اس طرح کے فعل کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔پھر یہ بات اگر مان بھی لی جائے کہ امام ابو یوسف ایسا کرنے کو جائز فرماتے تھے تو اس میں اللہ تعالیٰ کے کون سے حکم کی نافرمانی ہوئی۔جب زکاۃ واجب ہی نہیں ہوئی تو نہ دینے میں کونسا گناہ ہے، کیا انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ جب مالک نصاب ہو جائے تو اس کو پورے سال باقی رکھے۔

۷۱۔ أفصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان.(۱۳۱۸ھ)

اس رسالہ میں ہندوستان کی زرعی زمینوں کے تعلق سے سوال ہوا کہ زمین دار جب اپنی زمین کی مال گزاری حکومت کو دیتے ہیں تو یہ زمینیں خراجی ہیں یا شرعی۔اسی طرح بٹائی پر جو زمینیں دی جاتی ہیں اس کا عشر کس پر ہے؟ جواب میں فرمایا: ہندوستان میں مسلمانوں کی زمینیں خراجی نہیں سمجھی جائیں گی جب تک کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو بلکہ وہ عشری ہیں۔یا نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے۔اور بٹائی کے بارے میں فرمایا: زمین اگر بٹائی پر دی جائے یعنی مزارع سے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف یا ثلث غلہ قرار دیا جائے تو مالک زمین پر صرف بقدر حصہ کا عشر آئے گا۔

۷۲۔ الزہر الباسم فی حرمۃ الزکاۃ علی بنی ہاشم.(۱۳۰۷ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ بنو ہاشم کو زکاۃ لینا جائز نہیں، یہ ان کی عزت وکرامت کی وجہ سے ہے کہ زکاۃ کا مال درحقیقت مال کا میل ہوتا ہے، لہٰذا یہ مائے مستعمل کی طرح ہوا جو گناہوں کی ناپاکی کو دھو کر لایا، لہٰذا یہ مال اس لائق نہیں کہ ان طاہر وطیب اہل بیت کو پہنچے، ان کی شان اس سے بہت ارفع و

اعلیٰ ہے، یہ وجہ خود احادیث کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

۷۳۔ أزكى الهلال بابطال ماأحدث الناس فى أمر الهلال. (۱۳۰۵ھ)

اس رسالہ میں تار کی خبر پر رویت ہلال ثابت نہ ہونے کا بیان ہے، اس سلسلہ میں آپ نے پانچ تنبیہات کے ذریعہ اس کے غیر معتبر ہونے کی وضاحت کی۔

۷۴۔ طرق اثبات ہلال. (۱۳۲۰ھ)

اس رسالہ میں چاند کے ثبوت کے لیے سات طریقوں کو بیان کیا گیا ہے:۱۔چاند دیکھنے کی شہادت۔ ۲۔شہادت پر شہادت۔۳۔قاضی کی قضا پر شہادت۔۴۔قاضی کا کسی دوسرے قاضی کو گواہوں کے ذریعہ خط بھیجنا۔۵۔خبر استفاضہ۔۶۔مہینے کے تیس دن پورے کرنا۔۷۔قاضی کی طرف سے اس کے حدود میں اعلان۔

ان کے علاوہ جو طریقے لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کیے سب غیر معتبر ہیں اوران کی تعداد بھی سات شمار کرائی:

۱۔ حکایت رویت۔۲۔افواہ۔۳۔خطوط و اخبار۔۴۔تارہ اور جنتری۔۵۔قیاسات اور اندازے۔۶۔اختراعی یعنی من گھڑت قاعدہ۔

۷۵۔ قانون رؤیت اہلہ. (۱۳۲۷ھ)

آپ نے یہ کتاب اس موضوع پر تصنیف فرمائی کہ معلوم کیا جا سکے کہ قمری ماہ کی ۲۹؍تاریخ کو ہلال قابل رویت ہے یا نہیں۔علمائے اسلام کو قواعد رویت کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے بعض تقریبی قواعد وضع کیے جو بہت مشکل اور طویل تھے۔لہٰذا اعلیٰ حضرت نے بہت آسان قواعد بیان فرمائے اور بعض آسان قواعد خود بھی ایجاد کیے،مقصد یہ ہے کہ ان قواعد کے ذریعہ اس بات کا اندازہ یا جا سکے کہ ۲۹؍تاریخ کو ہلال قابل رویت ہے یا نہیں ہے اگر چہ اس پر بنا کرتے ہوئے روزۂ رمضان وادائیگی حج وعید وقربانی کرنا درست نہیں۔لیکن اس سے ایک اندازہ ہو جائے گا نیز تاریخ عیسوی سے تاریخ ہجری اور تاریخ ہجری سے تاریخ عیسوی استخراج کرنے میں ان قواعد کی ضرورت پڑتی ہے، مذکورہ اغراض ومقاصد کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

۷۶۔ البدور الأجلة فى أمور الأهلة.

....

۷۷. مع شرح الأدلة للبدور الأجلة

....

۷۸. مع حاشية رفع العلة عن نورالأدلة. (۱۳۰۴ھ)

یہ تینوں کتابیں چاند کے مسئلہ ہی سے متعلق ہیں۔پہلی کتاب متن ہے، پھر دوسری اس کی شرح ہے اور تیسری اس کا حاشیہ۔

ان تینوں میں رویت ہلال سے متعلق مسائل کے لیے پندرہ ہلال۔جن چیزوں کا ہلال کی تحقیق میں کچھ اعتبار نہیں اس کے

لیے بیس قمر ہیں۔ان میں بتایا گیا ہے کہ چاند دیکھنا کب لازم ہے۔اوراہل ہیئت ونجوم کی باتوں کااس سلسلہ میں کچھ اعتبار نہیں۔

۷۹۔ الاعلام بحال البخور فی الصیام. (۱۳۱۵ھ)

مزارات پر لوبان وغیرہ جو سلگائے جاتے ہیں اگر کسی روزدار کے منہ میں بغیر قصد اس کا دھواں چلا جائے تو کیا حکم ہے۔آپ نے فرمایا: متون وشروح وفتاویٰ عامہ کتب مذہب میں جن پر مدار مذہب ہے علی الاطلاق تصریحات روشن ہیں کہ دھواں یا غبار حلق یا دماغ میں آپ چلا جائے کہ روزہ دار نے بالقصد اسے داخل نہ کیا تو روزہ نہ جائے گا اگر چہ اس وقت روزہ ہونا یاد تھا۔ہاں اگر بالقصد داخل کرے گا تو ٹوٹ جائے گا۔

۸۰۔ تفاسیر الأحکام لفدیة الصلاة والصیام. (۱۳۱۶ھ)

اس رسالہ میں روزے اور نماز کے فدیہ کے تعلق سے بارہ سوالات کے جوابات ہیں جن سے فدیہ کے احکام واضح ہیں۔

۸۱۔ هدایة الجنان بأحکام رمضان. (۱۳۲۳ھ)

اس رسالہ میں صبح صادق وصبح کاذب اور سحر وافطار کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔دراصل یہ رسالہ ایک ایسے اشتہار کے پس منظر میں لکھا گیا ہے جس میں مسائل ماہ رمضان کا بیان تھا،آپ نے اس اشتہار کی غلطیاں شمار کراتے ہوئے علم توقیت کے ذریعہ صبح صادق اور صبح کاذب کی صحیح معرفت کرائی ہے اور سات نقشوں کے ذریعہ اس کو واضح کیا ہے جس کے ضمن میں پانچ طریقے بیان فرمائے ہیں اور ۳۰ روجوہ سے اشتہار کے مندرجات پر گرفت کی ہے۔

۸۲۔ درء القبح عن درك وقت الصبح. (۱۳۲۶ھ)

سائل نے صبح صادق کے بارے میں معلوم کیا تھا کہ کیا شریعت میں اس کا کوئی قاعدہ کلیہ ہے جس کے ذریعہ معلوم کیا جاسکے یا آنکھوں سے دیکھنے پر ہی انحصار ہے۔آپ نے اس سلسلہ میں نہایت تفصیل وتحقیق سے کام لیا ہے اور بتایا ہے کہ طلوع وغیرہ میں رویت ومشاہدہ ہی اصل ہے۔پھر بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ جن کا مدار محض رویت ہی پر ہے اور وہ ہلال ہے کہ آج تک اس کا ضابطہ بار بار کی رویت سے بھی نہیں بن سکا۔اور بعض وہ ہیں کہ ان میں اگر چہ اصل تو رویت ومشاہدہ ہی ہے مگر بار بار کے تجربہ سے ضوابط بنائے گئے اور ان کی روشنی میں اوقات متعین کئے گئے۔تفصیل کے لئے رسالہ کا مطالعہ کیجیے کہ پڑھ کر خراج تحسین پیش کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

۸۳۔ العروس المعطار فی زمن دعوة الافطار. (۱۳۱۲ھ)

اس رسالہ میں دعائے افطار کے تعلق سے سوال کا جواب ہے کہ دعائے افطار میں انسب واحوط یہی ہے کہ بعد افطار پڑھی جائے،اس کے ثبوت میں آپ نے احادیث مبارکہ نقل فرمائی ہیں اور الفاظ حدیث سے واضح کیا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ کو یہی پسند ہے اور پھر اپنی تحقیق انیق کے بارے میں لکھا ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ تحقیق وتفصیل اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی۔

۸۴۔ صيقل الرين عن أحكام مجاورة الحرمين. (۱۳۰۵ھ)

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے کہ سوال بھی عربی ہی میں تھا، رسالہ کا موضوع حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا وتعظیما میں مستقل سکونت اختیار کرنے سے متعلق ہے، آپ نے فقہائے کرام کے ارشادات سے ثابت کیا کہ ان دونوں عظمت والے مقامات کو وطن بنانا محمود و پسندیدہ نہیں کہ ان کا ادب و احترام کما حقہ ادا نہ ہو سکے گا، اگر چہ بعض فقہائے کرام اس کی بلا کراہت اجازت دیتے ہیں مگر آپ نے احتیاطاً امام اعظم کے فرمان کو ترجیح دی ہے۔

۸۵۔ أنوار البشارة فی مسائل الحج والزيارة. (۱۳۲۹ھ)

اس رسالہ میں آپ نے حج و زیارت کے مسائل و آداب تحریر فرمائے ہیں، اس میں چھ فصول قائم فرمائی ہیں اور آخر میں ایک وصل ہے۔

۸۶۔ النيرة الوضية شرح الجوهرة المضية

۸۷۔ حاشية الطرة الرضية. (۱۲۹۵ھ)

سیدنا اعلیٰ حضرت ۱۲۹۵ھ میں جب اپنے والدین کریمین کے ساتھ حج وزیارت کے لیے حاضر ہوئے تو مکہ مکرمہ کے عالم اجل حضرت مولانا سید حسین بن صالح جمل اللیل فاطمی امام وخطیب شافعیہ مکہ مکرمہ آپ سے نہایت مشفقانہ پیش آئے اور فرمایا: ہماری ایک منظوم کتاب مناسک حج کے تعلق سے ہے تم اس کی شرح لکھ دو تا کہ وہ عام فہم بھی ہو جائے اور ہندوستان سے آنے والے چونکہ اکثر حنفی ہوتے ہیں لہٰذا اس میں مذہب احناف کی وضاحت بھی کردو، آپ نے بسر وچشم قبول کیا اور یہ شرح تحریر فرمائی۔ آپ نے اس واقعہ کو تفصیل سے کتاب کے شروع میں بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کا حاشیہ بھی تحریر فرما دیا۔

۸۸۔ عباب الأنوار أن لانكاح بمجرد الاقرار. (۱۳۰۷ھ)

اس رسالہ میں اقرار نکاح سے ثبوت نکاح اور اس کے انعقاد کا مسئلہ واضح فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مرد وعورت اپنے نکاح کا اقرار کریں تو اب دوسروں کے لیے کیا حکم ہے جبکہ وہ ان کے نکاح ہونے کے واقعہ کو نہیں جانتے۔ فرمایا: اس میں شک نہیں کہ حکم قضا میں نکاح تصادق مرد وزن سے ثابت ہو جاتا ہے یعنی جب وہ دونوں اقرار کریں کہ ہم زوج زوجہ ہیں یا باہم ہمارا نکاح ہو گیا ہے یا اور الفاظ جو اس معنی کو مؤدی ہوں تو بلاشبہ انہیں زوج زوجہ جانیں گے اور قضاءً تمام احکام زوجیت ثابت ہوں گے بلکہ عند الناس اس سے بھی کمتر امر ثبوت نکاح کو کافی ہے، جب مرد وزن کو دیکھے مثل زن وشوہر ایک مکان میں رہتے اور باہم انبساط زن وشوئی رکھتے ہیں تو ان پر بدگمانی حرام، اور ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دینی جائز، اگر چہ عقد نکاح کا معائنہ نہ کیا ہو۔

۸۹۔ ماحية الضلالة فی أنكحة الهند وبنجالة. (۱۳۱۷ھ)

سوال یہ ہے کہ ہندوستان اور بنگال میں نکاح کے تعلق

سے یہ طریقہ رائج ہے کہ جب عورت سے اذن لیا جاتا ہے تو وکیل نکاح قاضی کے نام کی صراحت نہیں کرتا اور پھر نکاح خود نہ پڑھا کر قاضی سے پڑھواتا ہے، کیا یہ نکاح درست ہوتا ہے، آپ نے جواب میں فرمایا ہے مذہب راجح میں یہ نکاح فضولی ہوتا ہے، اور مذہب حنفی میں نکاح فضولی کو باطل محض جاننا جہالت ہے۔ نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اجازت پر موقوف رہتا ہے، پھر اجازت جس طرح قول سے یونہی اس فعل یا حال سے بھی ہوتی ہے جس سے رضا مندی سمجھی جائے، اور ہمارے بلاد میں یہ طریقہ رائج اور معلوم ہے کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا بلکہ دوسرے سے پڑھوائے گا تو کہہ سکتے ہیں کہ اس اذن کے ضمن میں دوسرے کو اذن دینے کا بھی عرفاً اذن مل جانا ثابت ہے، اور وکیل کو جب اذن توکیل ہے تو بے شک اسے اختیار ہے کہ خود پڑھائے یا دوسرے کو اجازت دے۔

۹۰۔ هبة النساء فی تحقیق المصا هرة بالزنا. (۱۳۱۵ھ)

سوال یہ تھا کہ کسی نے اپنی ساس سے زنا کیا تو بیوی کے بارے میں کیا حکم ہے، آپ نے مذہب حنفی کے مطابق حکم بیان فرماتے ہوئے دلائل سے اس کو مؤید کیا اور فرمایا کہ حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور عورت سے متارکہ لازم ہو گا، بغیر متارکہ اس کی بیوی دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکے گی، اور اب وطی حرام ٹھہرے گی زنا نہیں قرار دیا جا سکتا کہ نکاح ختم نہیں ہوا۔ اسی حالت میں اولاد پیدا ہوگئی تو وہ ثابت النسب ہوگی مگر زن و شوہر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔

۹۱۔ ازالة العار بحجر الكرائم عن كلاب النار. (۱۳۱۵ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہابی ہو یا رافضی جو بد مذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے اس سے نکاح باطل محض اور زنائے خالص ہے۔ خواہ عورت عقائد کفریہ رکھتی ہو یا مرد، دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے، اس رسالہ میں ان فرقوں کے بہت سے عقائد کفریہ بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۹۲۔ الجلی الحسن فی حرمة ولدأخی اللبن. (۱۳۳۰ھ)

اس رسالہ میں رضاعت کے ایک مسئلہ کے تعلق سے وضاحت ہے کہ حرمت رضاعت کس کس کے لیے ثابت ہوتی ہے، اس سلسلہ میں فرمایا کہ حرمت رضاعت خاص رضیع کے لیے ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا دودھ پینے والے پر دودھ پلانے والی اپنے تمام فروع و اصول کے ساتھ حرام قرار پاتی ہے، فروع رضیع پر فروع مرضعہ کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

۹۳۔ تجویز الرد عن تزویج الأبعد. (۱۳۱۵ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ولی ابعد ولی اقرب کی غیر موجودگی میں اگر نکاح کر دے تو اجازت پر موقوف رہے گا جب کہ ولی اقرب کی غیبت منقطعہ نہ ہو۔ پھر غیبت منقطعہ کے سلسلہ میں سات اقوال پیش فرما کر قول معتمد بیان کیا ہے کہ جب اس کی رائے معلوم کرنے تک کفو حاضر انتظار نہ کرے اور اس کی اجازت حاصل کرنے تک یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہے خواہ

ولی اقرب دور دراز علاقہ میں ہو یا اپنے ہی شہر میں ایسا روپوش ہے کہ پتہ معلوم نہیں یا اس تک کسی وجہ سے رسائی نہ ہو سکے تو یہ صورت بھی غیبت منقطعہ کی ہے۔ پھر یہ بیان فرمایا کہ ولی ابعد سے مراد وہ ولی ہے جو اقرب سے متصل ہے۔ جیسے والد کی غیر موجودگی میں دادا وغیرہ، وقس علیٰ ھٰذا۔

۹۴۔ البسط المسجل فی امتناع الزوجة بعد الوطی للمعجل. (۱۳۰۵ھ)

اس رسالہ میں مہر معجّل کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ بیوی شوہر سے جب تک مہر معجّل جس قدر بھی ہو پورا نہ وصول کر لے اس وقت تک اس کو اختیار ہے کہ شوہر کو پاس نہ آنے دے۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ وہ سفر میں لے جانا چاہے تو یہ منع کر دے۔ اس صورت میں یہ ناشزہ بھی نہیں کہلائے گی، پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ حکم مطلقاً ہے خواہ اس سے وطی ہو چکی ہو یا نہیں۔ اس کی رضا سے ایک یا چند بار وطی ہو جانے سے اس کا حق منع ختم نہیں ہو جاتا۔

۹۵. أطائب التهانی فی النكاح الثانی. (۱۳۱۲ھ)

اس میں نکاح ثانی کے احکام مذکور ہیں، یعنی اگر کوئی عورت یا اس کے اولیا وغیرہم نکاح ثانی سے شد و مد کے ساتھ انکار کریں یا کوئی اس کو لازم و فرض قرار دے تو یہ دونوں افراط و تفریط کے شکار ہیں۔ نکاح ثانی علی الاطلاق نہ تو حرام محض ہے اور نہ فرض و واجب۔ بلکہ یہ نکاح ثانی بھی مثل نکاح اول کے فرض، واجب، سنت، مباح اور مکروہ و حرام سب کچھ ہے، پھر ان سب کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور غلط نظریات کا رد و ابطال فرمایا ہے۔

۹۶۔ رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق. (۱۳۱۱ھ)

اس میں وہ الفاظ بیان کیے گئے ہیں جن سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا پہلے آپ نے طلاق بائن کی نوعیت بیان کی ہے اور پھر کثیر تعداد میں الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔ فرماتے ہیں: بائن وہ طلاق ہے جس کے سبب عورت فوراً نکاح سے نکل جائے۔ اگر بعد نکاح ابھی وطی و جماع کے نوبت نہ پہنچی اگر چہ خلوت ہو چکی ہو تو طلاق دی جائے، بائن ہی ہوگی کہ طلاق صریح قبل از جماع بائنہ ہی ہوتی ہے۔

۹۷۔ اکد التحقیق بباب التعلیق. (۱۳۲۲ھ)

اس میں تعلیق طلاق کی ایک صورت کا بیان ہے جس میں ایک دیوبندی مفتی کے فتوے کا رد بلیغ ہے۔ صورت مسئلہ یہ تھی کسی نے اپنی بیوی سے مغرب کے وقت میں یہ کہا کہ اگر تو نے عشا کی نماز نہیں پڑھی تو تجھے دو طلاق ہے۔ عورت نے عشا کی نماز تو نہ پڑھی مگر فجر کی نماز ادا کی۔ فجر کے بعد اس نے رجعت کر لی۔ دو سال کے بعد اس نے عورت کو پھر دو طلاقیں دے دیں۔ اب کیا حکم ہے۔ دیوبندی مولوی نے لکھا کہ پہلے نہ اس کی بیوی پر طلاق ہوئی تھی اور نہ رجعت کی ضرورت تھی۔ البتہ یہ بعد کی دو طلاقیں ہو گئیں لہٰذا ان سے رجعت کرے وہ ان کی بیوی ہے۔ آپ نے دلائل قاہرہ سے ثابت فرمایا کہ پہلی صورت میں ہی اس کی بیوی نکاح سے نکل گئی

تھی، رجعت کے بعد اس کو ایک کا اختیار تھا، اب مزید اس نے دو دے دیں تو طلاق مغلظہ ہوگئی بے حلالہ شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔

۹۸۔ الجوهر الثمين فى علل نازلة اليمين. (۱۳۳۰ھ)

کسی نے اپنے لڑکے سے ناراضی کے سبب بیوی سے کہا کہ اگر تو اس کو گھر میں چھوڑے رہے گی تو تجھ پر تین طلاق۔اس کے بعد لڑکے کو بیوی نے بدستور رہنے دیا نہ زبان سے منع کیا اور نہ کسی اور طریقے سے۔آپ نے فرمایا کہ اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ پڑ گئی، اب بغیر حلالہ اس کے لیے جائز نہیں ہوسکتی، پھر امکانی طور پر ہونے والے دس شبہات پیش فرمائے۔

۹۹۔ اعلام الأعلام بأن هندوستان دارا الاسلام. (۱۳۱۲ھ)

ملک اور شہر دونوں دوقسموں میں منقسم ہیں: دار الحرب۔ دارالاسلام۔سوال یہ ہے کہ ہندوستان ان میں سے کیا ہے؟ جواب میں فرمایا: ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ علمائے ثلثہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دار الاسلام ہے ہرگز دارالحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلام کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں، بحمد اللہ یہ بات یہاں قطعاً موجود نہیں، اہل اسلام جمعہ وعیدین و اذان و اقامت ونماز با جماعت وغیرہا شعائر شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے اور وہ دارالحرب قرار دیتے ہیں، مگر تعجب ہے کہ جب دارالحرب ہے تو استطاعت کے باوجود ہجرت کیوں نہیں کرتے کہ دار الحرب سے ہجرت فرض ہے۔لیکن سود کے جواز کے لیے دارالحرب مانتے ہیں۔استغفر الله.

۱۰۰۔ نابغ النور على سوالات جبل فور. (۱۳۳۹ھ)

اس رسالہ کے تعارف میں بحر العلوم فرماتے ہیں:

اس رسالے کا موضوع ہندوستانی سیاست کے چند گرم مسائل ہیں جن کا یہاں کبھی بہت غلغلہ تھا ''خلافت، اماکن مقدسہ کی حفاظت، ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد و وداد'' یہ تحریکیں اگر سیاسی حربہ کے طور پر استعمال ہوتیں، کسی کی کیا ذمہ داری ہوتی، لیکن جمعیۃ العلما کے مفتیوں نے اس کو مسلمانوں میں محبوب ومقبول بنانے کے لیے بالکل مذہبی رنگ دے دیا تھا اور قرآن و حدیث اور احکام شرعیہ میں دیدہ و دانستہ تحریف کے مرتکب ہوئے اور اس حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ جس نے اس سے ذرا بھی اختلاف کیا اس کو اسلام سے خارج قرار دیا اور اس پر کفر کا فتویٰ صادر کیا، گالیاں دی جاتیں اور انگریز کا پٹھو کہا جاتا۔اعلیٰ حضرت اور جمہور علمائے اہل سنت کو ان مسائل کی شرعی حیثیت سے اختلاف تھا۔وہ کہتے تھے ترکی حکومت بلا شبہ

مسلمانوں کی حکومت ہے اور حتی المقدور اس کی مدد و اعانت ہر مسلمان کو کرنا چاہیے لیکن اس حکومت کو ''خلافت اسلامیہ'' قرار دینا اور اس کی حمایت کے نام پر ایسے افعال خود ادا کرنا اور دوسرے سے کروانا جو سراسر کفر دارتداد ہیں، کہاں کی دانشمندی ہے؟

بلا شبہ قرآن وحدیث میں کافروں سے ترک موالات کا حکم آیا ہے لیکن ترک موالات کے نام پر انگریزی حکومت کا جو بائیکاٹ کیا جا رہا ہے وہ ترک موالات ہرگز نہیں۔ یہ تو ترک معاملات ہے جس کی ممانعت قرآن وحدیث میں کہیں نہیں۔

۱۰۱۔ دوام العیش فی الأئمة من قریش. (۱۳۳۹ھ)

خلافت کمیٹی کے مسلم قائدین اس بات پر اصرار کرتے اور اعلان چھاپتے تھے کہ خلافت شرعیہ کے لیے قرشی ہونا شرط نہیں، آپ نے ان کے اس زعم کو باطل قرار دیتے ہوئے یہ کتاب تصنیف فرمائی اور اولاً تاریخ کی روشنی میں واضح فرمایا کہ کبھی کوئی غیر قرشی خلیفہ نہ ہوا، اس سلسلہ میں آپ نے تاریخی تفصیلات بھی پیش کی ہیں۔ پھر احادیث و اجماع صحابہ وتابعین سے شرط قرشیت کے روشن ثبوت دیے ہیں۔ فصل دوم میں مولوی فرنگی محلی صاحب کے خطبہ صدارت اور فصل سوم میں مسٹر ابو الکلام آزاد کے ہذیانات وتلبیسات کی خدمت گزاری ہے۔

۱۰۲۔ المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة. (۱۳۳۹ھ)

تحریک آزادی کے دور میں مسٹر ابوالکلام آزاد اور ان کے ہمنواؤں نے موالات اور معاملات میں فرق نہ کرتے ہوئے دونوں کو ایک سمجھا اور انگریزوں کے خلاف تحریک میں ان سے معاملات بھی حرام قرار دے کر بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ دوسری طرف مشرکین ہند سے موالات اور اتحاد و وداد کا ایسا نعرہ بلند کیا کہ انقیاد تک نوبت پہنچائی۔ آپ نے ایسے پر آشوب دور میں ملت اسلامیہ کی قیادت فرماتے ہوئے پروفیسر حاکم علی لاہور کے سوال کے جواب میں یہ معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی جس میں موالات و معاملات کا واضح فرق بیان فرمایا اور نہایت مستحکم دلائل سے اپنے موقف کو بیان کیا۔

۱۰۳۔ أنفس الفکر فی قربان البقر. (۱۲۹۸ھ)

تحریک آزادی کے موقع پر جن لوگوں نے ہندو مسلم اتحاد کے نعرے لگائے انہیں میں سے کسی نے گاؤکشی کے مسئلہ میں بھی ہنود سے اتفاق کرتے ہوئے گائے کی قربانی پر پابندی لگانے کی کوشش شروع کی۔ آپ نے ایسے ماحول میں دینی رہنمائی کا فریضہ ادا فرمایا اور یہ کتاب لکھ کر واضح فرمایا کہ اگرچہ فی نفسہ گاؤکشی واجب نہیں لیکن اگر کوئی اس سے روکے تو گویا مذہب اسلام میں وہ مداخلت کر رہا ہے، اس لئے اب گائے کی قربانی واجب ہوگی۔

۱۰۴۔ تدبیر فلاح ونجات واصلاح۔ (۱۳۳۱ھ)

اعلیٰ حضرت مصلح قوم وملت تھے، انہیں ہر لمحہ قوم مسلم کو صحیح راہ پر گامزن کرنے کی فکر دامن گیر رہتی تھی، لہٰذا جب بھی بے راہ روی اور افراتفری کا ماحول پیدا ہوتا آپ سچی رہنمائی فرما

تے۔اس رسالہ میں خاص طور پر مسلمانوں کو معاشی اصلاحات کی طرف راغب کیا ہے اور ان کے سرمایہ کو محفوظ رکھنے بلکہ اس میں ترقی کرنے کے نکات سمجھائے ہیں، اگر واقعی ان نکات پر عمل کرلیا گیا ہوتا تو مسلمانوں کے معاشی حالات آج اس قدر مضبوط ہوتے کہ دیگر اقوام عالم ان کی دست نگر ہوتیں۔

۱۰۵۔ الرمز المرصف علی سوال مولانا السید آصف. (۱۳۳۹ھ)

مولانا سید آصف قادری کانپوری کا نام اس رسالہ کا جز ہے کہ انہی کے سوال کے جواب میں رسالہ ہے، رسالہ کا موضوع ترک موالات ہے، یعنی کفار و مشرکین سے موالات ومودت حرام وناجائز ہے خواہ حربی ہو یا غیر حربی، البتہ معاملات جائز ہیں کہ اس میں ان کو رازدار نہیں بنایا جاتا جب کہ ان کو رازدار بنانے کی حرمت وممانعت قرآن کریم کی صریح نص سے ثابت ہے۔

۱۰٦۔ جوال العلو لتبیّن الخلو. (۱۳۳٦ھ)

اس رسالہ میں اجارے کی ایک صورت کا بیان ہے جو ناجائز وباطل ہے، اس کی تحقیق وتنقیح کے سلسلہ میں خود اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: مکان یا دکان یا زمین کا مستاجر اپنا اجارہ ہمیشہ باقی رکھنے کو اس میں اپنے مال سے نہ اپنے لیے بلکہ اسی شئی مستاجر سے الحاق اور اس کی حیثیت بڑھانے، یا اس کے فوائد کی تکمیل کے واسطے کچھ زیادت کرے خواہ متصل باتصال قرار۔ یا بے اس کے جیسے عمارت یا کنواں یا روشنی کا سامان۔ یا پانی کا نل وامثال ذلک۔ یا خود نہ کرے مؤاجر کو اس کے روپے دیدے جو اجرت کے علاوہ ہوں۔اس مال کے مقابل جو اسے ابقائے اجارہ کا حق ملتا ہے اس کا نام خلو ہے۔اور یہ باطل وبے اصل ہے۔

۱۰۷۔ التحریر الجید فی حق المسجد. (۱۳۱۵ھ)

اس رسالہ میں مسجد کی چیزیں فروخت کرنے کے بارے میں سوال کا جواب ہے۔آپ نے اس میں یہ تفصیل بیان فرمائی کہ وہ مسجد کی چیزیں کیا ہیں۔ اجزا، آلات، اوقاف، زوائد۔پھر ان چاروں کے علیحدہ علیحدہ احکام بیان فرمائے۔ اجزا سے مراد زمین اور وہ عمارت جو کھڑی ہے، اس کی خرید و فروخت کسی حال میں ممکن نہیں مگر جب معاذ اللہ ویران مطلق ہو جائے اور آبادی کی کوئی صورت نہ رہے تو اس کا عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کرسکتے ہیں۔اسی طرح مسجد دوبارہ تعمیر ہوئی اور عملہ سے کچھ بچا کہ اب کام کا نہیں تو بھی بیچنا جائز ہے۔

۱۰۸۔ ابانة المتواری فی مصالحة عبد الباری. (۱۳۳۱ھ)

اس میں مسجد کانپور سے متعلق جو مصالحت مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے حکومت سے کی تھی اس میں جو خرابی تھی اس کو آپ نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے اور حکم شرع سنا دیا ہے۔کانپور کی مسجد کا اصل قصہ مختصراً یہ ہے کہ گورنمنٹ کے حکام کا یہ دعویٰ تھا کہ مسجد کا کچھ حصہ مسجد کے ٹرسٹیان نے حکومت کو دے دیا ہے اور اب یہ خارج مسجد ہے، لہٰذا ان حکام نے اس کو منہدم کر دیا۔ چند دن کے بعد کچھ لوگوں نے اس زمین پر برائے مسجد

قبضہ کرکے تعمیر شروع کر دی، پولیس نے روکا، لڑائی ہوئی اور تقریباً تین سو مسلمان قتل ہوئے، کچھ بے قصور وقید ہوئے، گورنمنٹ نے پھر قبضہ کرکے اعلان کر دیا کہ اب قیدی بھی نہیں چھوڑے جائیں گے۔ بعد میں حکومت نے ملکی فوائد کے اعتبار سے یہ پیش کش کی کہ ایسا تصفیہ ہو جائے کہ قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے اور اس جگہ چھت پاٹ کر اوپر کا حصہ مسجد کو دے دیا جائے اور نیچے گزرگاہ رہے۔ مسلمانوں نے اس کو نہ مانا اور اسی طرح ردو قدح رہی۔ اس سلسلہ میں جو مصالحت مولانا موصوف نے کی تھی اس میں کچھ پوشیدہ خامیوں پر آپ نے تنبیہ فرمائی اور حکم شرع سے آگاہ فرمایا، لہٰذا یہ کتاب معرض وجود میں آئی۔

۱۰۹۔ كفل الفقيه الفاهم فى أحكام قرطاس الدراهم. (۱۳۲۴ھ)

۱۱۰۔ كاسر السفيه الواهم فى ابدال قرطاس الدراهم. ملقب بلقب تاريخى: الذيل المنوط لرسالة النوط. (۱۳۲۴ھ)

کفل الفقیہ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نوٹ کی کم و بیش بیع کا جزئیہ قدیم کتب فقہ سے کھوج نکالا ہے۔ پھر اس کو دلائل و براہین سے اس طرح مدلل اور مبرہن فرمایا ہے کہ اسے دیکھ کر علمائے حرم کو بھی وجد طاری ہو گیا۔

سب سے پہلے یہ سوال ۱۲۹۴ھ میں شاہجہاں پور سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں آیا۔ آپ نے جواز کا حکم دیا۔ اس کے خلاف مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کا ایک فتویٰ نظر سے گزرا۔ ۱۳۲۴ھ میں زیارت حرمین شریفین کے سفر میں علمائے حرم میں سے امام حرم حضرت مولانا احمد میرداد اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جدادی نے نوٹ سے متعلق بارہ سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء کیا جس کے جواب میں یہ لاثانی کتاب عالم وجود میں آئی۔ کتاب کی تصویب اور تائید علمائے حرم نے کی جیسے ابوالخیر میرداد، قاضی حنفیہ شیخ صالح کمال، مفتی حنفیہ حضرت عبد اللہ صدیق رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

بعد میں اس مسئلہ میں مولوی عبدالرشید صاحب گنگوہی کے اختلاف پر بھی اطلاع ہوئی۔ تو ایک ذیلی رسالہ "كاسر السفيه الواهم" کے ذریعہ ان کے شبہات کو بھی دفع فرمایا۔ اعلیٰ حضرت کے فتوے کی بنیاد یہ ہے کہ "نوٹ" مال ہے اور ثمن اصطلاحی ہے (جیسے مختلف دھاتوں کے سکّے) اس لیے اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو فقہا نے ثمن اصطلاحی کا قرار دیا ہے۔ اور مانعین کے فتوے کی بنیاد یہ تھی کہ نوٹ ہنڈی اور تمسک کی طرح ہے، مال ہے ہی نہیں کہ اس کی بیع وشراء کا سوال اٹھے۔ اس کے ذریعہ در اصل بیع ان روپیوں کی ہوتی ہے جو اس پر تحریر ہوتے ہیں۔ اس لیے کمی بیشی سود ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس رسالہ میں اصل دعویٰ پر دلائل کا انبار لگا دیا ہے اور مخالفین کے مزعومہ پر کم و بیش ایک سو بیس ایراد قائم فرمائے ہیں۔

۱۱۱۔ أنصح الحكومة فى فصل الخصومة. (۱۳۲۱ھ)

اس میں ایک شرکت اور میراث کے الجھے ہوئے مسئلہ کا اعلیٰ حضرت نے فیصلہ فرمایا ہے۔

۱۱۲۔ الهبة الاحمدية فی ولاية الشرعية والعرفية . (۱۳۳۳ھ)

اس میں دنیوی اور دینی حکومت کی تحقیق فرمائی ہے جس سے مجتہدانہ شان جھلک رہی ہے۔ دراصل اس کتاب میں مفتی محمد عبد اللہ صاحب کا رد ہے جنہوں نے انگریز جج کو قاضی شرعی قرار دیا تھا جبکہ وہ شرعی اصول کے مطابق فیصلہ کرے، آپ نے اس فتوے کو ملاحظہ فرما کر وہ حدیث تحریر فرمائی جس میں اس چیز کا بیان کہ جب امور شریعت نا اہلوں کے سپرد ہوں تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس کے بعد آپ نے جو تحقیق فرمائی تو علوم و معارف کے دریا بہا دیے، سات مقدمات کے ذریعہ اس فتوے کا رد کیا اور پھر زیادت ایضاح کے لیے تیں افادات لکھے جن کے ذریعہ فتوے کی مکمل طور پر تردید واضح کردی۔

۱۱۳۔ فتح المليك فی حكم التمليك. (۱۳۰۸ھ)

سائل نے تملیک و ہبہ میں فرق معلوم کیا تھا آپ نے اس کی تفصیل کا اس طرح آغاز فرمایا، اصل وضع میں تملیک ہبہ سے عام ہے کہ وہ تملیک اعیان و منافع و بعوض و بے عوض و منجز و مضاف للموت سب کو شامل ہے جس کی رو سے بیع و ہبہ و اجارہ و اعارہ و وصایا سب اس کے تحت میں داخل ہیں اور ہبہ خاص تملیک عین بلا عوض کا نام ہے۔ تفصیلات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ جو کلمات علمائے کرام سے منقح ہوا، اور وہ جو زعم کیا جاتا ہے کہ تملیک کوئی عقد خاص جدا گانہ ہبہ سے مباین اور اس کے احکام ہبہ سے علاحدہ ہیں۔ اصلاً قابل تسلیم نہیں کہ قواعد شرع مطہر اس کی مساعدت ہرگز نہیں کرتے۔

۱۱۴۔ أجود القرى لطالب الصحة فی اجارة القرى. (۱۳۰۲ھ)

زمین داروں کے زمانہ میں بعض زمین دار گاؤں ٹھیکہ پر دے دیا کرتے تھے، اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ گاؤں کے کاشتکاروں کے پاس جو زمین ہوتی وہ بدستور ان کے پاس رہتی بس ٹھیکہ دار اس گاؤں کا ٹھیکہ لے کر خود اپنی نگرانی میں پورے گاؤں کا حاصل اپنے طور پر وصول کرتا۔ اس ٹھیکہ کے بارے میں سوال ہوا، آپ نے فرمایا: یہ ٹھیکہ ناجائز ہے، ہرگز اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔ پھر اس ٹھیکہ کے تعلق سے ایک اصل کلی بیان فرمائی جس سے مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہوگئی۔

فرماتے ہیں: اصل کلی یہ ہے کہ جس طرح عقد بیع اعیان پر وارد ہوتی ہے یوں ہی اجارہ ایک عقد ہے کہ خاص منافع پر ورود پاتا ہے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ ذات شی بدستور ملک مالک پر باقی رہے، اور مستاجر اس سے نفع حاصل کرے، جو اجارہ خاص کسی عین وذات کے استہلاک پر وارد ہو، محض باطل ہے (ہاں اگر وہ جس کو شرع نے مستثنیٰ کر دیا جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ) وغیر ذٰلک۔ اسی لیے اگر باغ کو بغرض سکونت اجارہ میں لیا جائز، اور پھل کھانے کے لیے ناجائز، کہ

سکونت منفعت اور ثمر عین، گائے کو لادنے کے لیے اجارہ میں لیا جائز، دودھ پینے کو ناجائز، کہ لادنا منفعت ہے اور دودھ عین ،حوض سنگھاڑے رکھنے کے لیے اجارہ میں لیا جائز، مچھلیاں پکڑنے کو ناجائز، کہ سنگھاڑے بونا منفعت ہے، مچھلیاں عین،

۱۱۵۔ کتاب المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر. (۱۳۱۱ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ منی آرڈر کی جو فیس ادا کی جاتی ہے وہ سود نہیں، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اس فیس کو سود کہا تھا، آپ نے اس کا رد بلیغ فرمایا اور بالکل واضح انداز میں تحریر فرمایا کہ یہ فیس ہرگز سود نہیں، ڈاکخانہ ایک اجیر مشترک کی دوکان ہے جو اجرت حاصل کرنے کے لیے کھولی گئی ہے، یہ فیس روپے کو متعلق شخص تک پہنچانے اور اس کی واپسی رسیدی لانے کی ہے، جس طرح ڈاک ٹکٹ، لفافہ یا کارڈ وغیرہ خریدے جاتے ہیں تو یہ ان کی قیمت بھی ہے اور لانے لے جانے کی اجرت بھی۔ پھر اجارہ و کرایہ کسے کہا جاتا ہے یہی تو ہے۔ پھر آپ نے مزید اور وضاحتیں فرمائی ہیں جن سے گنگوہی صاحب کا مبلغ علم آشکارا ہو گیا ہے۔

۱۱۶۔ سبل الأصفیاء فی حکم الذبح للأولیاء. (۱۳۱۲ھ)

سوال یہ ہے کہ اولیائے کرام کے نام سے جو جانور مشہور کر دیے جائیں ان پر وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو تو یہ ذبیحہ قطعاً جائز ہے، اس لیے حلال جانوروں میں ان کی حلت و حرمت کا دارومدار ذبح کرنے والے کی نیت پر ہے۔ اگر وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے تو حلال رہے گا ورنہ حرام، جیسے کسی مسلمان کا جانور کوئی مجوسی ذبح کر دے تو حرام قرار دیا جائے گا ،اور اگر کسی غیر مسلم کا جانور مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کر دے جائز قرار دیا جائے گا حتی کہ وہ جانور جو غیر مسلم بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں اگر مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کر ڈالے حلال رہے گا اگر چہ نسبت خبیث ہے۔ پھر اولیاء اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور کیوں حرام قرار دیا جاتا ہے۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کا خیال باطل ہے۔

۱۱۷۔ ھادی الأضحیة بالشاة الهندیة. (۱۳۱۴ھ)

اس رسالہ میں قربانی کے جانوروں کی انواع کا بیان ہے اور ایک اشکال کا واضح انداز میں تحقیقی جواب دیا گیا۔

۱۱۸۔ الصافیة الموحیة لحکم جلود الأضحیة. (۱۳۰۷ھ)

اس رسالہ میں قربانی کی کھال کا مصرف بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں وارد احادیث کی بخوبی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

۱۱۹۔ حك العیب فی حرمة تسوید الشیب. (۱۳۰۷ھ)

اس رسالہ کا موضوع سیاہ خضاب کا حکم بیان کرنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سیاہ خضاب حالت جہاد کے سوا مطلقاً حرام ہے اور اس کی حرمت صریح احادیث سے ثابت ہے۔

۱۲۰۔ الطیب الوجیز فی أمتعة الورق والابریز. (۱۳۰۹ھ)

سونے چاندی کا استعمال مرد کو حرام ہے مگر یہ مطلقاً نہیں بلکہ بہت سی صورتوں میں اس کا جواز بھی ہے، ایسی بہت سی

صورتوں کا ذکر اس رسالہ میں ہے۔

۱۲۱۔ الحقوق لطرح العقوق. (۱۳۰۷ھ)

اس میں بندوں کے حقوق کی تفصیلات ہیں، انہی میں ماں باپ کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، اور استاذ کے حقوق بھی خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

۱۲۲۔ مشعلة الارشاد الیٰ حقوق الأولاد. (۱۳۱۰ھ)

اس رسالہ میں اولاد پر جو ماں باپ کے حقوق ہیں ان کو نمبر وار بیان کیا گیا ہے اور خاص طور پر یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یہ بھی والدین کا حق ہے کہ ان کے بعد کوئی گناہ کر کے ان کو ایذا نہ دے، یعنی والدین کا حق یہی نہیں کہ جب تک وہ ہیں ان کی خدمت و اطاعت کرے بلکہ بعد انتقال بھی ان کے حقوق باقی رہتے ہیں۔

۱۲۳۔ النور والضیاء فی أحکام بعض الأسماء. (۱۳۲۰ھ)

اس رسالہ میں بہت سے ایسے ناموں کے بارے میں وضاحت ہے جن کا رکھنا ناجائز و حرام ہے۔ سائل نے ۱۷ر نام پوچھے تھے ان میں دس ناجائز اور ممنوع نکلے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال باطل تھا کہ اگر کسی لفظ سے نام رکھ دیا جائے تو یہ وضع ثانی ہوتی ہے اور اس میں وہ معنی مراد نہیں ہوتے جو اس لفظ کے ہیں، بلکہ اب تو اس لفظ سے مسمی کی ذات مراد ہوتی ہے۔ اس کا آپ نے رد فرمایا۔

۱۲۴۔ أعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد. ۱۳۱۰ھ

اس رسالہ میں حقوق العباد کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ حق عبد کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کے معاف ہونے کی کیا صورتیں ہیں۔

۱۲۵۔ مروج النجاء لخروج النساء. (۱۳۱۵ھ)

عورتوں کو اپنے گھر سے کہاں جانا جائز اور کہاں ناجائز ہے، اس سلسلہ میں ایسے اصول و قوائد بیان فرمائے کہ تمام جزئیات کا احاطہ ہو گیا اور سائل نے ۱۵ر سوال کیے تھے انہی کے ضمن میں سب کا جواب بھی ہو گیا مگر پھر بھی مزید وضاحت کے لیے ہر سوال کا علاحدہ جواب بھی مرحمت فرمایا۔

۱۲۶۔ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین. (۱۳۰۶ھ)

غیر مقلدین کا طریقہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا ہے جس کو یہ حدیث کے مطابق بتاتے اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو خلاف حدیث جانتے اور ناجائز بتاتے ہیں۔ اس رسالہ میں آپ نے اس کا مفصل جواب عنایت فرمایا ہے۔

۱۲۷۔ أبر المقال فی استحسان قُبلة الاجلال. (۱۳۰۸ھ)

اس رسالہ میں غلاف کعبہ کو بوسہ دینے کے سلسلہ میں سوال تھا آپ نے اس کے جواز و استحسان کے بارے میں اشارہ فرمایا۔ اور اس کو بوسۂ تعظیمی قرار دیا۔

۱۲۸۔ الزبدة الزکیةلتحریم سجود التحیة. (۱۳۳۷ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ غیر خدا کے لیے سجدۂ

تحیت حرام اور سجدۂ عبادت کفر ہے۔ بعض متصوفہ سجدۂ تحیت کے قائل تھے لہٰذا ان کے جواب دیے گئے ہیں اور قرآن وحدیث سے اس مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے فقہ کی کتابوں سے ڈیڑھ سو نصوص پیش کی گئی ہیں، یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کی تحقیق سے متأثر ہوکر غیروں نے آپ کی علمی سطوت کی گواہی دی ہے۔

۱۲۹۔ الكشف شافيا حكم فونو جرافيا (عربی). ۱۳۲۸ھ

۱۳۰۔ الكشف شافيا حكم فونو جرافيا (اردو). ۱۳۲۸ھ

یہ دو رسالے ہیں، مگر درحقیقت ایک ہی ہے کہ اردو اور عربی دونوں میں آپ نے علاحدہ علاحدہ مستقل تحریر فرمائے، البتہ دونوں کی عبارتوں میں کچھ کمی اور بیشی ہے۔ ان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فونوگرافی سے جو آواز سنی جاتی ہے وہ بعینہٖ متکلم کی آواز ہوتی ہے، لہٰذا فونو کی آواز پر وہی حکم لگایا جائے گا جو اصل کا حکم ہے۔ اگر اصل کا حکم جواز کا ہے تو اس سے سننا جائز ہوگا مگر یہاں تفصیل یہ ہے کہ فونو کے گلاسوں اور پلیٹوں میں ناپاکی ہے تو پھر بھرنا اور سننا دونوں حرام وناجائز ہوگا۔

۱۳۱. انوار المنان فی توحید القرآن. (۱۳۳۰ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ شی کے کتنے وجود ہوتے ہیں، اور قرآن کا اطلاق کتنے معانی پر ہوتا ہے۔

۱۳۲۔ راد القحط والوباء بدعوة الجيران ومواساة الفقراء. (۱۳۱۲ھ)

دفع بلا کے لیے چندہ کر کے کھانا پکانا اور پھر علما وطلبہ کی دعوت کر کے ان کو کھلانا اور ساتھ ہی خود بھی کھانا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب میں اس عمل کو خوب اور اچھا بتایا اور آٹھ خوبیاں بیان فرمائیں۔ ۱۔ فضیلت صدقہ، ۲۔ خدمت صلحا، ۳۔ صلہ رحم، ۴۔ مواساۃ جار، ۵۔ نیک سلوک سے مسلمانوں خصوصاً غربا کا دل خوش کرنا، ۶۔ ان کی مرغوب چیزیں ان کے لیے مہیا کرنا، ۷۔ مسلمان بھائیوں کو کھانا دینا، ۸۔ مسلمانوں کا کھانے کے لیے مجتمع ہونا۔ پھر ان سب کے ثبوت میں ساٹھ احادیث بیان فرمائیں اور ان سے ۲۵ ر فائدے شمار کیے۔

۱۳۳۔ هادى الناس فى رسوم الأعراس. (۱۳۱۲ھ)

شادیوں میں بعض رسوم جائز اور بعض ناجائز ہوتی ہیں ان کا تفصیلی بیان اس رسالہ میں ہے۔

۱۳۴۔ الاجازاتُ المتينة لِعُلماء بَكةَّ والمدينة. (۱۳۲۵ھ)

یہ مجموعہ ہے ان سندوں کا جو امام احمد رضا نے علمائے حرمین شریفین کو اپنے دوسرے سفر حج کے موقع پر عنایت فرمائیں اور ان سب کو آپ کے خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے ترجمہ وحاشیہ کے ساتھ کو جمع فرمایا۔

۱۳۵۔ لمعة الضحىٰ فى اعفاء اللحىٰ. (۱۳۱۵ھ)

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ داڑھی رکھنا لازم ہے اور منڈانا یا حد شرع سے کم کرانا حرام ہے۔ آخر میں داڑھی نہ رکھنے والوں کی سزاؤں اور وعیدوں کا تفصیلی بیان ہے۔

۱۳۶۔ خير الآمال فى حكم الكسب والسوال. (۱۳۱۸ھ)

یہ رسالہ سمندر کو کوزے میں بھرنے کی مثال ہے، سوال یہ تھا کہ کمانا کب فرض، واجب، مستحب، مکروہ اور حرام ہے اور سوال کرنا کب جائز اور کب ناجائز۔ آپ نے فرمایا: یہ مسئلہ بہت طویل الذیل ہے جس کی تفصیل کو دفتر درکار، یہاں اس کے بعض صور وضوابط پر اقتصار۔

۱۳۷۔ مسائل سماع. (۱۳۲۰ھ)

اس رسالہ میں قوالی اور مزامیر کے سلسلہ میں تفصیلات اور احکام بیان ہوئے ہیں۔ اور مشائخ چشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے کہ قوالی مزامیر کے ساتھ جائز نہیں۔

۱۳۸۔ أعالي الافادة في تعزية الهند وبيان الشهادة. (۱۳۲۱ھ)

اس رسالہ میں تعزیہ داری سے متعلق چند فتاویٰ ہیں جن سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ موجودہ مروجہ تعزیہ داری بدعت وناجائز ہے۔

۱۳۹۔ عطايا القدير في حكم التصوير. (۱۳۳۱ھ)

اس رسالہ کا موضوع بحث ذی روح کی تصویر کے حرام ہونے کا حکم ہے، اس کی اصل وجہ تعظیم ہے، کہ تعظیمِ تصویر کے پیش نظر ہی رحمت کے فرشتے نہیں آتے، ورنہ اگر کوئی تصویر کو موضع اہانت میں رکھے تو پھر جواز کا حکم ہے کہ اس کی علت حرمت تشبہ بھی ہے، اور جب موضع اہانت میں ہے تو تشبہ نہ رہا یعنی مشرکین اور بت پرستوں سے مشابہت کی جو صورت تھی وہ اب مفقود ہوگئی۔

۱۴۰۔ الحق المجتلىٰ في حكم المبتلىٰ. (۱۳۳۴ھ)

اس رسالہ میں اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ جذام کھجلی وغیرہ کوئی بیماری ایک دوسرے کو اڑ کر نہیں لگتی۔ ان بیماریوں میں جو اشخاص مبتلا ہیں ان سے خلط ملط جائز اور ان بیماروں کو جن لوگوں کی تیمارداری کی ضرورت ہے ان پر لازم ہے کہ ان کی خدمت کریں اور ہرگز ان کو اپنے سے علیٰحدہ نہ کریں۔

۱۴۱۔ تيسير الماعون للسكن في الطاعون. (۱۳۲۵ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کے طاعون سے بھاگنا گناہ ہے اور یہ بھاگنے والا ایسے شدید گناہ میں مبتلا ہوتا ہے جیسے جہاد میں پیٹھ دیکر بھاگنے والا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر تندرست لوگ بھاگ جائیں گے تو پھر بیماروں کی دیکھ بھال اور تیمار داری کون کرے گا۔ لہٰذا صبر واستقلال سے اپنے مقام پر ثابت قدم رہے اور تقدیر الٰہی پر بھروسہ کرے۔

۱۴۲۔ کشف حقائق واسرار دقائق. (۱۳۰۸ھ)

۱۴۳۔ نقاء السلافة في أحكام البيعة والخلافة. (۱۳۱۹ھ)

ایک شخص اپنے لیے قرآن وحدیث کو کافی خیال کرکے بیعت کا منکر ہے اور مرشد کی ضرورت نہیں مانتا، سائل نے لکھا کہ اس جاہلانہ خیال کے لیے ایک فقرہ جواب کا لکھ دیجیے تاکہ وسوسہ شیطانی دل سے دور ہوجائے۔

فرماتے ہیں: قرآن وحدیث میں شریعت، طریقت، حقیقت سب کچھ ہے اور ان میں سب سے زیادہ ظاہر وآسان مسائل شریعت ہیں، ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین ان کی شرح نہ فرماتے تو علماء کچھ نہ سمجھتے۔ اور علمائے کرام اقوال ائمۂ مجتہدین کی تشریح وتوضیح نہ کرتے تو ہم لوگ ارشادات ائمہ کے سمجھنے سے بھی عاجز رہتے، اور اب اگر اہل علم عوام کے سامنے مطالب کتب کی تفصیل اور صورت خاصہ پر حکم کی تطبیق نہ کریں تو عام لوگ ہرگز ہرگز کتابوں سے احکام نکال لینے پر قادر نہیں، ہزار جگہ غلطی کریں گے اور کچھ کا کچھ سمجھیں گے، اس لیے یہ سلسلہ مقرر ہے کہ عام آج کل کے اہل علم و دین کا دامن تھامیں اور وہ تصانیف علمائے ماہرین کا اور وہ مشائخ فتویٰ کا اور وہ ائمۂ ہدیٰ کا اور وہ قرآن وحدیث کا، جس شخص نے اس سلسلہ کو توڑا وہ اندھا ہے، جس نے دامن ہادی ہاتھ سے چھوڑا عنقریب کسی عمیق کنویں میں گرا چاہتا ہے۔

جب احکام شریعت میں یہ حال ہے تو صاف روشن کے دقائق سلوک اور حقائق معرفت بے مرشد کامل خود بخود قرآن وحدیث سے نکال لینا کس قدر محال ہے، یہ راہ سخت باریک اور بے شمع مرشد نہایت تاریک ہے، بڑے بڑوں کو شیاطین لعین نے اس راہ میں ایسا مارا کہ تحت الثریٰ تک پہنچا دیا، تیری کیا حقیقت کہ بے رہبر کامل اس میں چلے اور سلامت نکل جانے کا ادعا کرے۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں: آدمی اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم زاہد کامل ہو اس پر واجب ہے کہ ولی عارف کو اپنا مرشد بنائے بغیر اس کے ہرگز چارہ نہیں۔

۱۴۴۔ مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء. (۱۳۲۷ھ)

زید اور عمرو میں مکالمہ ہوا تو عمرو نے کہا شریعت نام ہے چند فرائض و واجبات وسنن ومستحبات و چند مسائل حلال و حرام کا، اور طریقت نام ہے وصول الی اللہ تعالیٰ کا۔ شریعت ایک قطرہ اور طریقت بحر ناپیدا کنار ہے، وغیرہ وغیرہ، آپ نے عمرو کے ایسے ہذیانات کے جواب میں شریعت وطریقت کے تعلق سے جو تحریر فرمایا وہ ایک طویل بحث اور مثالوں کے ذریعہ ایک دلچسپ تعلیمات وتشریحات کا مرقع ہے۔

۱۴۵۔ الیاقوتة الواسطة فی عقد قلب الرابطة. (۱۳۰۹ھ)

کوئی شخص تصور شیخ کرے تو اس کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں، جواب میں فرمایا: تصور شیخ بروجہ رابطہ جسے برزخ بھی کہتے ہیں جس طرح حضرات صوفیہ صافیہ قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم الوافیہ میں خلفاً عن سلفٍ معمول وماثور اور ان کی تصانیف منیفہ و مکتوبات شریفہ وملفوظات لطیفہ میں بتواتر مذکور ومسطور وغیر مستور شرعاً جائز جس کے منع پر شرع سے اصلاً دلیل نہیں، نہ کہ معاذ اللہ شرک وکفر کہنا جیسا کہ زبان زد سفہائے منکرین ہے۔

۱۴۶۔ برکات الامداد لأهل الاستمداد. (۱۳۱۱ھ)

غیر اللہ سے استعانت کے سلسلہ میں وہابیہ علی الاطلاق یہ کہتے ہیں کہ شرک ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ذات

باری تعالیٰ کے حق میں جہاں استعانت کا حصر آیا اس سے استعانت حقیقیہ مراد ہے۔ پھر تفصیل بیان فرمائی۔

۱۴۷۔ بدر الأنوار فی آداب الآثار. (۱۳۲۶ھ)

کسی وہابی نے تبرکات کا انکار کرتے ہوئے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی تبرک اور آپ کے آثار شریفہ سے کوئی چیز اصلاً باقی نہیں اور نہ صحابہ کے پاس حضور کے تبرکات میں سے کچھ تھا۔ اور نہ کسی نبی کے آثار سے کچھ تھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ایسا شخص آیات واحادیث کا منکر اور سخت جاہل خاسر یا کمال گمراہ فاجر ہے، اس پر توبہ فرض ہے، اور بعد اطلاع بھی تائب نہ ہو تو ضرور گمراہ بے دین ہے۔

۱۴۸۔ شفاء الواله فی صور الحبیب ومزاره ونعاله. (۱۳۱۵ھ)

اس رسالہ میں یہ بتا گیا ہے کہ کسی معظم دینی کی تصویر بنا کر بطور تبرک رکھنا بھی حرام و گناہ ہے، یہ شیطان کا دھوکا ہے کہ بسا اوقات نیکیوں کے پردے میں گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔

۱۴۹۔ حقة المرجان لمهم حكم الدخان. (۱۳۰۷ھ)

حقہ کا رواج مسلمانوں میں زمانہ قدیم سے ہے جس میں عوام و خواص حتی کہ حرمین طیبین کے علمائے کرام کے درمیان بھی رائج اور ان کا بھی معمول ہے، لہٰذا معمولی حقہ شرعاً جائز ہے جس کی ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ البتہ بعض جاہل اس میں غلو کرتے ہیں اور خاص طور پر ماہ رمضان میں نشہ کی حد تک استعمال کرتے ہیں تو یہ بلاشبہ ناجائز ہے۔

۱۵۰۔ الفقه التسجيلی فی عجين النارجيلی. (۱۳۱۸ھ)

اس رسالہ میں تاڑی وغیرہ نشہ آور رقیق چیزوں کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان کا قطرہ قطرہ مثل شراب کے حرام ہے، اس تاڑی سے اگر آٹے کا خمیر کیا جائے تو وہ آٹا اور اس کی روٹیاں بھی ناپاک اور ان کا کھانا جائز نہیں، اسی طرح ان کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔

۱۵۱۔ الشرعة البهية فی تحديد الوصية. (۱۳۱۷ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ وصیت صرف تہائی مال میں جاری ہوتی، تہائی تک کوئی وارث نہیں روک سکتا اور تہائی سے زیادہ میں بغیر ورثہ کی اجازت کسی کو اختیار نہیں۔

۱۵۲۔ المقصد النافع فی عصوبة الصنف الرابع. ۱۳۱۵ھ

اس رسالہ میں عصبات کی چاروں قسموں میں سے چوتھی قسم کا بیان ہے۔ اس لیے کہ سائل نے یہ پوچھا تھا کہ عصبہ نسبی کی چوتھی قسم کا ماخذ کیا ہے۔ اور یہ بھی سوال تھا کہ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ میت کا کوئی عصبہ نہ ہو۔ عصبہ کی چار قسمیں ہیں، فروع میت۔ اصول میت۔ میت کے باپ کے فروع۔ میت کے دادا کے فروع۔ لہٰذا آپ نے چند صورتیں وہ بیان کی ہیں کہ جن میں میت کا کوئی نسبی عصبہ نہیں ہوتا۔

۱۵۳۔ طیب الامعان فی تعدد الجهات والأبدان. (۱۳۱۷ھ)

وراثت میں تعدد جہات کا بیان ہے اور اس بات کی

وضاحت کی گئی ہے کہ امام ابو یوسف تعدد جہات کا فروع میں اعتبار فرماتے ہیں اور امام محمد تعدد جہات فروع کو ان کے اصول میں ملحوظ فرماتے ہیں۔

۱۵۴۔ تجلیة السلم فی مسائل من نصف العلم. (۱۳۲۱ھ)

اس رسالہ میں مسائل فرائض کے سلسلہ میں بعض علمائے معاصرین کی غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا ہے۔

۱۵۵. القول النجیح لا حقاق الحق الصریح .

۱۵۶۔ مع حاشیته" السعی المشکور فی ابداء الحق المهجور. (۱۲۹۱ھ)

اس دونوں میں صفات باری کے عین ذات اور غیر ذات ہونے کی بحث ہے۔ پہلا متن ہے اور دوسرا اس کا حاشیہ۔ متن کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اہم کتاب آپ نے طالب علمی کے زمانہ میں لکھی ہے۔ البتہ حاشیہ ۱۲۹۱ھ میں ۱۹/ سال کی عمر میں تحریر فرمایا ہے۔

۱۵۷. الفرق الوجیز بین السنی العزیزوالوهابی الرّجیز. (۱۳۱۸ھ)

اس میں ۲۹/عقائد اہل سنت کا اجمالی بیان ہے۔

۱۵۸۔ اعتقاد الاحباب فی الجمیل المصطفیٰ والآل والاصحاب. (۱۳۱۸ھ)

اس میں اہل سنت کے عقائد تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

۱۵۹۔ باب العقائد والکلام. (۱۳۳۵ھ)

اس رسالہ میں آپ نے یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ اللہ عزوجل کو جاننا بحمدہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔ مگر یہاں ناوقفوں کو ایک شبہہ گزرتا ہے کہ کافروں کے صدہا فرقے اللہ تعالیٰ کو جانتے بلکہ مانتے بھی ہیں، جس کا جواب کتاب میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۱۶۰۔ تمہید ایمان بآیات قرآن. (۱۳۲۶ھ)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ایمان رکھنا لازم ہے، اس کو قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ نے نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔

۱۶۱۔ امور عشرین درعقائد سنیین .

....

آپ نے اس رسالہ میں ایسے بیس امور بیان فرمائے ہیں جن کی تصدیق ہرسنی کے لئے لازم وضروی ہے۔

۱۶۲۔ ثلج الصدر لایمان القدر. (۱۳۲۵ھ)

یہ رسالہ مسئلہ تقدیر سے متعلق ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عقیدۂ اہل سنت وجماعت یہ ہے کہ انسان نہ پتھر کی طرح مجبور محض ہے اور نہ ہی مکمل طور پر مختار، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک حالت ہے جس کی حقیقت خداوند قدوس کا راز ہے جو عمیق دریا ہے جس میں غور وخوض منع ہے، بس یہ عقیدہ رکھا جائے کہ بے ارادۂ الٰہیہ کچھ نہیں ہوتا بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتا ہے۔

۱۶۳۔ التحبیر بباب التدبیر. (۱۳۰۵ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ تقدیر حق ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر محض بے کار ہے۔ بلکہ دنیا عالم اسباب ہے، رب تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے چیزوں اور کاموں کو اسباب ووسائل سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ سبب کے بعد مسبب کا وجود ہوتا ہے، لہٰذا تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار ومشرکین کی خصلت ہے اسی طرح طرح تدبیر کو محض بے کار جاننا کھلی گمراہی اور پاگل پن ہے۔

۱۶۴۔ الهداية المباركة فی خلق الملائكة. (۱۳۱۲ھ)

اس میں فرشتوں کی پیدائش کا بیان ہے کہ روزانہ بے شمار فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔

۱۶۵۔ أنوار الانتباه فی حل نداء یارسول الله. (۱۳۰۴ھ)

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کہنا حق ہے، اس کو شرک و بدعت بتانے والے گمراہ ہیں، اسی طرح یاغوث، یا شیخ عبدالقادر اور دیگر اولیائے کرام کو پکارنا بھی جائز بلکہ مستحسن ہے اور مشائخ سلف سے منقول اور ان کا اس پر عمل رہا ہے، انہوں نے اس کی تعلیم دی ہے، ساتھ ہی استمداد و استعانت کا مسئلہ بھی اسی سے حل ہو جاتا ہے کہ بلاشبہ جائز ہے۔

۱۶۶۔ اسماع الأربعین فی شفاعة سید المحبوبین. (۱۳۰۵ھ)

اس رسالہ میں شفاعت کے تعلق سے چالیس احادیث کا بیان ہے، سائل نے پوچھا تھا کہ شفاعت کا ثبوت کس حدیث سے ہے تو آپ نے اس پر تعجب کا اظہار فرمایا اور تحریر فرمایا کہ مسلمان اور مدعیان سنت، اور ایسے واضح عقائد میں تشکیک کی آفت۔ یہ تو ایسا مسئلہ ہے کہ زنان واطفال بلکہ دہقان وجہال بھی ایسے عقیدے سے خبردار ہیں اور خدا کا دیدار اور محمد کی شفاعت ایک ایک کی زبان پر جاری ہے۔ جل جلاله وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم

۱۶۷۔ منبه المنیة بوصول الحبیب الی العرش والرویة. (۱۳۲۰ھ)

شب معراج حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار الٰہی کے بارے میں سوال تھا۔ آپ نے احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ اور اخبار تابعین سے جواب عطا فرمایا اور عرش اعظم بلکہ اس سے آگے تشریف لے جانے کی تحقیق پیش فرمائی ہے۔

۱۶۸۔ شرح المطالب فی مبحث ابی طالب. (۱۳۱۶ھ)

اس کتاب میں موضوع بحث یہ ہے کہ حضور کے چچا ابو طالب ایمان لائے تھے یا نہیں۔ آپ نے آیات واحادیث سے ثابت فرمایا ہے کہ ابو طالب آخر وقت تک ایمان نہیں لائے اور یونہی بغیر ایمان دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۱۶۹۔ الصمصام علی مشكك فی آية علوم الأرحام. (۱۳۱۵ھ)

ماں کے پیٹ میں کیا ہے، اس سلسلہ میں جو آیات کریمہ آئیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اس رسالہ میں ان کی تفسیر اور ایک پادری کے شبہہ کا مسکت جواب آپ نے قلم بند

فرمایا ہے اور سمندر کو کوزے میں بھرنے کی مثال قائم فرمائی ہے۔

۱۷۰۔ فتاویٰ کرامات غوثیہ.

....

اس مجموعہ میں چند فتاویٰ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر مشتمل ہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی روح شب معراج حاضر ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے کاندھے پر پاؤں اقدس رکھ کر براق پر سوار ہوئے ،اس کے سلسلہ میں بیان فرمایا: اس میں کوئی امر نہ عقلاً اور نہ شرعاً مہجور اور کلمات مشائخ میں ماثور۔

۱۷۱۔ ازاحة العیب بسیف الغیب. (۱۳۳۰ھ)

علم غیب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ میں وہابیہ کی طرف سے چند شبہات پیش کیے گئے تھے، آپ نے ان سب کے جواب میں فرمایا: علم غیب کی نفی میں اگر کوئی دلیل پیش کرے تو اس میں چار باتوں کا لحاظ ضروری ہے: اول آیت قطعی الدلالة ۔ یا حدیث متواتر قطعی الدلالة ہو۔ دوم واقعہ ہو تو نزول قرآن کے مکمل ہونے کے بعد کا ہو۔ سوم دلیل سے راساً عدم حصول علم ثابت ہو۔ چہارم صراحةً نفی علم کرے۔

۱۷۲۔ خالص الاعتقاد مع تمهید رماح القهار علی کفر الکفار. (۱۳۲۸ھ)

اس کتاب میں آپ نے ایک سو بیس دلائل سے علم غیب رسول کو ثابت کیا ہے اور منکرین کے غلط پروپیگنڈے کی حقیقت بیان کرتے ہوئے باطل افتراؤں کا بخوبی رد فرمایا ہے۔

۱۷۳۔ انباء المصطفیٰ بحال سر واخفیٰ. (۱۳۱۸ھ)

علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کے سلسلہ میں اس رسالہ کے شروع میں آپ نے واضح فرمادیا ہے کہ آپ کو ما کان و ما یکون کا علم دیا گیا اور پھر اس کی قدرے تفصیل بیان فرما کر آیات احادیث سے اس کو مؤید کیا ہے۔

۱۷۴۔ ماحیة العیب بعلم الغیب.

....

اس رسالہ میں علم غیب کے منکرین کی خبر گیری ہے جنہوں نے صراحةً حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب کے سلب کلی کا قول کیا تھا، ان میں سرفہرست میاں جی عین القضاۃ ہیں جن کو ایک معنی کے اعتبار سے آپ نے عین القذاۃ فرمایا ہے۔

۱۷۵۔ تجلی الیقین بأن نبینا سید المرسلین. (۱۳۰۵ھ)

اس کتاب میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام مخلوق سے افضل اور سید المرسلین ہونے کے سلسلہ میں دس آیتوں اور ایک سو پچیس احادیث سے بے مثال تحقیق فرمائی ہے اور اس عقیدہ کو قطعی ایمانی یقینی اذعانی اور اجماعی بتایا ہے۔

۱۷۶۔ الأمن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء. (۱۳۱۱ھ)

درود تاج میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دافع البلاء کہا گیا ہے، اس پر وہابیہ کو اعتراض ہے اور وہ شرک

قرار دیتے ہیں تو آپ نے اس کتاب میں ساٹھ آیات اور تقریباً تین سو احادیث سے اس کے جواز کو ثابت فرمایا ہے۔

۱۷۷۔ منية اللبيب أن التشريع بيد الحبيب. (۱۳۱۱ھ)

اس رسالہ میں آپ نے ثابت نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شارع اسلام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے مسائل میں اختیار عطا فرمایا تھا کہ آپ ان کے بارے میں اپنے اختیار سے جس کو چاہیں حرام فرمادیں اور جس کو چاہیں حلال فرمادیں۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف قانون داں ہی نہیں تھے بلکہ قانون ساز بھی تھے۔

۱۷۸۔ شمول الاسلام لأصول الرسول الكرام. (۱۳۱۵ھ)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین مؤمن موحد تھے یا نہیں۔ اسی طرح آپ کے والدین سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک جو وسائط ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے واضح انداز میں ثابت فرمایا کہ آپ کے ابوین کریمین سے لے کر حضرت آدم تک جو انبیائے کرام ہیں ان کے بارے میں تو کیا سوال باقی وہ واسطے جو نبی نہیں تھے وہ بھی سب کے سب کفر و شرک سے منزہ تھے، آیات و احادیث اس پر گواہ ہیں۔

۱۷۹۔ صلات الصفافی نور المصطفیٰ. (۱۳۱۹ھ)

یہ رسالہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کے سلسلہ میں ہے جس میں آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ حضور کا نور ہر مخلوق سے پہلے پیدا ہوا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور سے تمام مخلوق پیدا فرمائی۔

۱۸۰۔ نفي الفيء عمن استنار بنوره كل شيء. (۱۲۹۶ھ)

اس رسالہ میں آپ نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، ائمہ اعلام اور علمائے کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور پھر اس کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔

۱۸۱۔ قمر التمام فی نفی الظل عن سید الأنام. (۱۲۹۶ھ)

اس رسالہ میں بھی آپ نے احادیث اور اقوال ائمہ سے ثبوت پیش کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔

۱۸۲۔ هدى الحيران في نفي الفيء عن سيد الأكوان. (۱۲۹۹ھ)

اس رسالہ میں بھی سایہ کی نفی سے متعلق روایات پر محدثانہ کلام ہے اور ان اصول کی خبر گیری ہے جن کی آڑ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سایہ نہ ماننے والے اپنی بھرپور کوشش کرتے آئے ہیں۔

۱۸۳۔ فقه شهنشاه وأن القلوب بيد المحبوب بعطاء الله. (۱۳۲۶ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہنشاہ کہہ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قلوب انسانی پر تصرف حاصل تھا۔

۱۸۴۔ تنزيه المكانة الحيدرية عن وصمة عهد

الجاھلیة. (۱۳۱۲ھ)

اس رسالہ میں بیان ہوا ہے کہ امیر المومنین مولی المسلمین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا دامن پاک کبھی بتوں کی پوجا سے داغ دار نہیں ہوا، آپ آٹھ دس سال کی عمر میں ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے۔

۱۸۵۔ جمع القرآن وبم عزوہ لعثمان. (۱۳۲۲ھ)

اس رسالہ میں آپ نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن کی اصل جمع وترتیب تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہی ہو گئی تھی مگر یہ یک جا نہ تھا۔ پھر صدیق اکبر کے زمانہ میں باقاعدہ اس کی جمع و تدوین ہوئی۔ پھر اس صحیفہ کی تدوین وترتیب ایک مصحف کی شکل میں حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں ہوئی اور اس کی چند نقلیں کرا کے بلاد اسلام میں اس کو محفوظ کر دیا گیا۔ اس لیے حضرت عثمان غنی کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔

۱۸۶۔ طرد الأفاعی من حمی ھاد رفع الرفاعی. (۱۳۳۶ھ)

اس رسالہ میں ثابت کیا گیا کہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیدنا سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ثابت کرنا بلا دلیل ہے اور واقع کے خلاف ہے لیکن اس کے باوجود سید احمد کبیر رفاعی بلا شبہ اکابر اولیائے کرام سے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کے علاحدہ علاحدہ وقتوں میں آپ دونوں حضرات کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست اقدس روضہ انور سے باہر آیا اور آپ حضرات نے دست بوسی اور مصافحہ کیا۔

۱۸۷۔ اراءة الأدب لفاضل النسب. (۱۳۲۹ھ)

اس رسالہ میں آپ نے بیان فرمایا ہے کہ مدار نجات تقوے پر ہے محض نسب پر نہیں، مگر پھر بھی شریعت مطہرہ نے بہت سے احکام میں نسب کے فرق کو معتبر رکھا ہے اور امامت کبریٰ وخلافت شرعیہ کے لیے تو خاص طور سے قریش کو ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح سادات کرام کو جو فضیلت حاصل ہے وہ بھی نسب کے اعتبار سے ہی ہے۔

۱۸۸۔ الکوکبة الشھابیة فی کفریات أبی الوھابیة. (۱۳۱۲ھ)

اس کتاب میں وہابیہ کے امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کے اقوال کفریہ اس کی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے نقل فرما کر شمار کرائے ہیں جن کی تعداد ستر ہے۔ آخر میں فرمایا: بالجملہ ماہ نیم ماہ ومہر نیم روز کی طرح ظاہر وزاہر کہ اس فرقہ متفرقہ یعنی وہابیہ اسماعیلیہ اور اس کے امام نافرجام پر جزماً وقطعاً یقیناً اجماعاً بوجوہ کفر لازم، اور بلاشبہ جماہیر فقہائے کرام واصحاب فتویٰ اکابر واعلام کی تصریحات واضحہ پر یہ سب کے سب مرتد کافر، باجماع ائمہ ان سب پر اپنے تمام کفریات ملعونہ سے بالتصریح توبہ و رجوع اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھنا فرض و

واجب، اگر چہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ ومختار ومرضی ومناسب، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم.

۱۸۹۔ سل السیوف الھندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ. (۱۳۱۲ھ)

اس رسالہ میں بھی امام الطائفہ دہلوی کے تعلق سے تقویۃ الایمان اور اس کی دوسری کتاب ''صراط مستقیم'' سے سات کفریات گنائے ہیں اوران کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔اور آخر میں تحریر فرمایا: یہ حکم فقہی متعلق بکلمات سفہی تھا مگر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں بے حد برکتیں ہمارے علمائے کرام عظمائے اسلام معظمین کلمہ خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر کہ یہ کچھ دیکھتے وہ کچھ سخت وشدید ایذائیں پاتے اس طائفہ تائفہ کے پیرو پیرو سے ناحق نا روایات پر سچے مسلمانوں خالص سنیوں کی نسبت حکم کفر وشرک سنتے، ایسی ناپاک وغلیظ گالیاں کھاتے ہیں بایں ہمہ نا شدت غضب دامن احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑاتی، نہ ان نالائق ولایعنی خباثتوں پر قوت انتقام حرکت میں آتی ہے، وہ اب تک یہی تحقیق فرمارہے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے جب تک ضعیف ساضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے اس مبحث کا قدر بیان آخر رسالہ ''سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح'' میں کیا اور وہاں بھی باآنکہ اس امام وطائفہ پر صرف ایک مسئلہ امکان کذب میں اٹھتر وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا۔حکم کفر سے کف لسان ہی کیا۔بالجملہ اس طائفہ حائفہ خصوصاً ان کے پیشوا کا حال مثل یزید پلید علیہ ماعلیہ ہے کہ محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا، ہاں یزید مرید اوران کے امام عنید میں اتنا فرق ہے کہ اس خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں اوران حضرات سے یہ سب کلمات کفر اعلیٰ درجۂ تواتر پر ہیں، پھر اگر چہ ہم برائے احتیاط تکفیر سے زبان روکیں ان کے خسار وبوار کو یہ کیا کم ہے کہ جماہیر ائمہ کرام فقہائے اسلام کے نزدیک ان پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم، والعیاذ باللہ القیوم الدائم.

۱۹۰۔ سبحان السبوح عن عیب الکذب المقبوح. (۱۳۰۷ھ)

اس رسالہ کا موضوع باب عقائد کا ایک مسئلہ ''امکان کذب'' ہے، بہت پہلے ابن حزم ظاہری نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنا لڑکا پیدا کرسکتا ہے، کیونکہ وہ اگر ایسا نہ کرسکے تو بندہ کی قدرت خدا سے بڑھ جائے گی کہ بندہ تو ایسا کرسکتا ہے جب کہ خدا مجبور ہے۔بہت دنوں بعد ابن حزم کا یہی پس خوردہ مولوی اسماعیل دہلوی نے یوں نگلا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے، اگر خدا جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہو تو اس کی قدرت بندوں سے گھٹ جائے گی کہ خدا تو جھوٹ نہیں بول سکتا اور بندہ بول سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت سے بھی اس مسئلہ میں سوال ہوا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی سبوحیت وقدوسیت کے سلسلہ میں ایسا تحقیقی بیان قلم بند فرمایا کہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے تمام تر تحقیقات کے ضمن میں ایک اصول ایسا بیان فرمادیا ہے جو سیکڑوں دلائل پر بھاری ہے، فرماتے ہیں: یونہی صفت خلق کا تعلق محال یا واجب سے نہ ہوگا، صرف ممکن سے ہوگا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا کچھ قصور نہیں کہ ان امور سے متعلق نہیں ہوئی، قصور ان امور کا ہی ہے کہ صفت الٰہی کے لائق نہیں۔

اسی طرح جھوٹ اس لائق ہی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بن سکے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفت کا قصور نہیں بلکہ قصور اس جھوٹ کا ہے، لہذا جھوٹ پر قدرت نہ ہونے سے ہرگز یہ لازم نہیں آیا کہ اگر وہ جھوٹ نہ بول سکے تو عاجز ہوگیا۔ عاجز تو جب کہلاتا جب یہ جھوٹ اس کی صفت بننے کی صلاحیت رکھتا۔ لہذا وہابیہ جو یہ مغالطہ دیتے ہیں یہ سراسر ان کا دھوکا ہے۔ اس کتاب میں اعلیٰ حضرت نے اللہ تعالیٰ کے جھوٹ سے پاک ہونے پر دوسو دلائل قائم فرمائے ہیں۔

۱۹۱۔ دامان باغ سبحان السبوح. (۱۳۰۷ھ)

یہ سبحان السبوح کا ایک ذیلی رسالہ ہے۔

۱۹۲۔ القمع المبین لآمال المکذبین. (۱۳۲۹ھ)

اس رسالہ میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی ایک عبارت کو بنائے استدلال بنا کر کہا گیا تھا کہ اگر جھوت بالذات ممتنع ہوتا تو دنیا میں کوئی جھوٹ نہ بول سکتا حالانکہ ایسا نہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ ممتنع بالغیر ہے۔ اور ممتنع بالغیر ممکن بالذات کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے کہ دونوں میں تنافی نہیں۔ لہذا یہ اللہ تعالیٰ کے کمال کے منافی ہونے کے واسطے سے ممتنع ہے تو ممتنع بالغیر ہوا جو امکان ذاتی کے منافی نہ ہوا۔ تو معاذ اللہ باری تعالیٰ کے لیے کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔ آپ نے اس استدلال کی دھجیاں اڑادی ہیں اور علامہ سیالکوٹی کی عبارت کی تشریح بھی نہایت عمدہ پیرائے میں کردی ہے۔

۱۹۳۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین. (۱۳۲۴ھ)

اعلی حضرت نے مرزا غلام احمد قادیانی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی کے اقوال کفریہ قطعیہ التزامیہ متعینہ پر بحث فرمائی اور ان کا کفر صریح وقطعی ہونا ثابت فرما کر ان پر اور ان کے اتباع پر کافر ومرتد ہونے کا حکم شرعی صادر فرمایا۔ اس کی تصدیق علمائے حرمین نے فرمائی، انہی تصدیقاتِ جلیلہ کے مجموعہ کا یہ تاریخی نام ہے۔

۱۹۴۔ فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین۔ (۱۳۱۷ھ)

آپ نے تحریک ندوہ کے مقاصد اور خرابیوں اور گمراہیوں کے سلسلہ میں ایک فتویٰ تحریر فرمایا اور تصدیق کے لیے علمائے حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً کی خدمت میں بھیجا، ان سب حضرات نے اس کی تصدیق کی اور تقاریظ تحریر

فرمائیں۔ یہ انہی تمام مضامین کا مجموعہ ہے۔

۱۹۵۔ الجبل الثانوی علی کِلیة التهانوی. (۱۳۳۷ھ)

اس رسالہ میں مولوی اشرف علی تھانوی کے مرید کا وہ واقعہ سوال میں ہے جس میں اس نے خواب میں کلمہ ''اشرف علی رسول اللہ'' پڑھا اور درود میں بھی اشرف علی کا نام ہی لیا۔ اس پر تھانوی جی نے اس کی مدح کی۔ آپ نے نہایت جامع انداز میں حکم سنایا کہ ایسا شخص کافر ہے اور جو اس کی تائید وتحسین کرے وہ بھی کافر ومرتد ہے۔ کلمہ کفر میں زبان کی لغزش نہیں سنی جاتی، بطور قصد یا بلاقصد جب بھی کلمہ کفر زبان پر جاری ہوگا قائل کو کافر کہا جائے گا اور جو اس سے راضی ہو، اس کی تائید کرے وہ بھی اسی کی طرح کافر ہے۔

۱۹۶۔ دفع زیغ زاغ۔ (رامی زاغیان)، (۱۳۲۰ھ)

۱۹۷۔ نطق الهلال بارخ ولاد الحبيب والوصال. (۱۳۱۷ھ)

اس رسالہ کا موضوع حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ اور وصال اقدس کی تاریخوں کی تحقیق ہے۔ اگر چہ تاریخ، مہینہ اور دن کے بارے میں مختلف اقوال ہیں مگر قول مشہور کے مطابق ولادت مبارکہ ۱۲؍ربیع الاول شریف اور شمسی تاریخ کے اعتبار سے ۲۰؍اپریل ۵۷۱ء ہے۔

۱۹۸۔ اقامة القيامة على طاعن القيام لنبي تهامه. (۱۲۹۸ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مجلس میلاد پاک میں قیام مستحب و مستحسن ہے کہ اس سے تعظیم رسول کا اظہار ہوتا ہے اور اس میلاد میں سلام کے بارے میں علما ومشائخ کا اتفاق بھی ہے اور عمل بھی، جو اس کو بدعت وناجائز کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے، آپ نے اس میں ایسے دلائل وشواہد بیان فرمائے ہیں کہ ان کو ملحوظ خاطر رکھ کر منصف مزاج فیصلہ کرے تو بہت سے اختلافی اور نزاعی امور طے ہو جائیں۔

۱۹۹۔ ابحاث اخیرہ۔ (۱۳۲۸ھ)

یہ وہ رسالہ ہے کہ جس نے وہابیوں، دیوبندیوں کے مناظرہ کی رٹ اور تعلیوں کو خاک میں ملا دیا، خورجہ کے دیوبندیوں نے دعوت مناظرہ دی تھی، بے چارے اپنے طواغیت کی چال بازیوں سے ناواقف تھے دعوت مناظرہ دے بیٹھے، اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مضمون حقائق مشحون بصیغہ رجسٹری ارسال فرما دیا جس کا تاریخی نام ''ابحاث اخیرہ'' ہے، اس کے پہنچتے ہی تھانوی واجودھیا باشی وچاند پوری وغیرہ کو سانپ سونگھ گیا اور آج تک اس کی تابشوں سے دیابنہ ملاعنہ کی آنکھیں خیرہ ہیں اور قیامت تک اس کا جواب ان سے ممکن نہیں۔

۲۰۰۔ الدلائل القاهرة على الكفرة النياشرة. (۱۳۳۵ھ)

کاٹھیاواڑ گجرات کے علاقہ میں ایک مجلس تعلیمی ترقی کے لیے قائم ہوئی جس کے محرک علی گڑھ کالج سے متعلق لوگ تھے، ان میں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد پروفیسر علی گڑھ بھی تھے اور اس میں تمام لوگوں کو بلا رعایت سنی ہر کلمہ گو رافضی، وہابی نیچری،

قادیانی، چکڑالوی وغیرہم کو شریک کیا جا رہا تھا، اس میں سنی مسلمان بھی اپنے مال و دولت سے پیش پیش تھے، سائل نے اس میں شمولت و شرکت سے متعلق استفتا کیا، آپ نے جواب میں فر مایا: ایسی مجلس مقرر کرنا گمراہی اور اس میں شرکت حرام ہے، پھر احادیث اور صحابہ و تابعین کے واقعات سے اپنے موقف کو ثابت فر مایا۔ اس پر کثیر علمائے کرام و مفتیان اسلام کی تصدیقات ہیں۔ ان میں کلکتہ، جبل پور، بہار، کان پور، حیدر آباد، سیتا پور، احمد آباد، آگرہ، کاٹھیاواڑ، سورت، ملتان، مراد آباد، پیلی بھیت، شاہ جہان پور، رام پور، میرٹھ، اور پنجاب کے علمائے کرام کے ناموں کی صراحت ہے۔

۲۰۱۔ رد الرَفَضة. (۱۳۲۰ھ)

اس رسالہ میں روافض زمانہ کے عقائد و احوال کا تذکرہ اور ان سے متعلق شرعی احکام کا ذکر ہے، اس میں ان کے دو واضح کفر بیان کیے ہیں۔ پہلا کفر تو یہ ہے کہ روافض قرآن کو ناقص بتاتے ہیں۔ ان میں کوئی کہتا ہے کہ کچھ سورتیں امیر المؤمنین عثمان غنی ذوالنورین یا دیگر صحابہ یا اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گھٹا دیں۔ بہرحال جو قرآن کریم میں تصرف بشری کا دخل مانے یا اس میں احتمال ہی جانے بالاجماع کافر مرتد ہے کہ صراحۃً قرآن کریم کی تکذیب کر رہا ہے۔ دوسرا کفر یہ ہے کہ ان میں کا ہر متنفس سیدنا امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و دیگر ائمہ طاہرین کو حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم سے افضل بتاتا ہے۔ اور جو ایسا عقیدہ رکھے باجماع مسلمین کافر بے دین ہے۔

۲۰۲۔ الأدلة الطاعنة فی أذان الملاعنة. (۱۳۰۶ھ)

روافض نے اذان میں ایک اضافہ کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو خلیفہ رسول اللہ بلافصل کہنا شروع کیا، سائل نے ان کے اس قول کے بارے میں سوال کیا کہ کیا یہ تبرا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: یہ کلمہ مبغوضہ مغضوبہ خالص تبرا ہے اور اس کا سننا بمنزلہ تبرا سننے کے نہیں بلکہ حقیقۃً تبرا سننا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین. پھر آپ نے اذان کے کلمات خود روافض کی کتابوں سے نقل فرما کر یہ واضح کر دیا کہ یہ کلمہ جو انہوں ائمہ ثلاثہ پر تبرا کرنے کے لیے اذان میں اضافہ کیا خود ان کی کتابوں میں نہیں۔ ان کی کتابیں ''شرائع الاسلام'' اس کی شرح ''مدارک''، ''لمعہ دمشقیہ'' وغیرہا اس بات کی صراحت کر رہی ہیں کہ یہی اذان جو معروف ہے صحیح ہے نہ اس میں کچھ بڑھایا جائے نہ گھٹایا جائے۔

۲۰۳۔ غایة التحقیق فی امامة العلی والصدیق. (۱۳۳۱ھ)

اس میں سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا علی مرتضیٰ کی خلافت و جانشینی کے بارے میں سوال تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس کو اپنا جانشین بنایا۔ جواب میں فرمایا جانشینی دو طرح کی ہے: ایک جزئی مقید، کہ کسی مخصوص جگہ یا خاص کام کے لیے عارضی طور پر متعین کرنا۔ ایسا بہت سے صحابہ کے لیے

واقع ہوا۔ دوسرے کلی مطلق، کہ اپنے بعد کسی کو جانشینی کے لیے خاص کرنا۔ ایسا معین طور پر کسی کو نامزد نہیں فرمایا، ورنہ وصال اقدس کے بعد کسی کے بارے میں صحابہ میں سے کوئی ضرور اس کی شہادت دیتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔

۲۰۴. مطلع القمرین فی ابانة سبقة العمرین. (۱۲۹۷ھ)

یہ کتاب حضرات شیخین سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کے موضوع پر تحریر فرمائی ہے۔ دراصل آپ کی یہ کتاب ایک ضخیم اور تفصیلی کتاب کی تلخیص ہے جو آپ نے غالباً ۲۲، ۲۳، سال کی عمر میں نوے اجزا پر لکھی تھی، اس کا نام ہے ''منتهی التفصيل لمبحث التفضيل'' ۔اس کتاب کی ضخامت کے پیش نظر آپ نے خیال کیا کہ لوگ اس کے مطالعہ سے قاصر رہیں گے لہذا اس کو مختصر کیا۔ اصل کتاب تو آج تک دستیاب نہیں ہوسکی لیکن افسوس یہ ہے کہ تلخیص کا بھی ناقص نسخہ ملا جو ہم نے مرتب کرکے اپنی اکیڈمی سے شائع کردیا ہے۔

۲۰۵. الزلال الأنقیٰ من بحر سبقة الأتقیٰ .(۱۳۰۰ھ)

یہ کتاب سیدنا صدیق اکبر کی افضلیت مطلقہ پر نہایت اہم کتاب ہے جس میں فرقہ تفضیلیہ کے چند شبہات کے جوابات خوب شرح وبسط کے ذریعہ تحریر فرمائے ہیں اور ثابت فرمایا ہے کہ آیت ﴿سیجنبها الا تقیٰ﴾ میں اتقیٰ سے مراد سیدنا صدیق اکبر ہی ہیں۔

۲۰۶۔ قوارع القهار علی المجسمة الفجار. (۱۳۱۸ھ)

اس رسالہ میں ان گمراہوں کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم مانتے ہیں اور وہ تمام لوازم اس کے لیے ثابت قرار دیتے ہیں جو جسم کے لیے ضروری ہیں حالانکہ اللہ رب العزت جسم و جسمانیت سے پاک ہے، لہذا اس کے لیے مکان و جہت، جلوس وقعود وغیرہ ماننا گمراہی و بددینی ہے۔ بظاہر جن آیات سے یہ صفات ثابت ہیں وہ سب آیات متشابہات ہیں جن کے معنیٰ مراد اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہی جانتے ہیں، ہمیں ان کی حقانیت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۰۷۔ الفضل الموهبی فی معنیً اذا صح الحدیث فهو مذهبی. (۱۳۱۳ھ)

جب حدیث صحیح مل جائے اور وہ حنفی مذہب کے کسی مسئلہ کے خلاف ہو تو امام اعظم کا یہ فرمانا کہ وہی میرا مذہب ہے۔ اس قول کا کیا مطلب ہے؟ اس کی وضاحت میں آپ نے محدثین اور فقہا کے درمیان صحت حدیث کا مطلب بیان فرمایا ہے اور پھر قول امام کی صحیح توجیہ بیان فرمائی ہے۔

۲۰۸۔ أطائب الصیب علی أرض الطیب. (۱۳۱۸ھ)

یہ کتاب سیدنا اعلیٰ حضرت کے ان مکاتیب کا مجموعہ ہے جو آپ نے ایک غیر مقلد مولوی طیب مکی کے جواب میں رام پور ارسال فرمائے تھے، طرفین کے خطوط اس میں جمع کردیے گئے ہیں اور مکی صاحب کے خطوط سے ان کی علمی بے بضاعتی

عیاں ہے۔آپ نے تقلید کے موضوع پر نہایت جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے جس سے کسی صاحب کو انکار تھا مگر وہ آپ کے مکاتیب کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

۲۰۹۔ النیر الشہابی علی تدلیس الوھابی۔(۱۳۰۹ھ)

اس رسالہ میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک امام کی تقلید لازم نہیں بلکہ جب چاہے کسی بھی امام کے مسئلہ پر عمل کرسکتا ہے۔آپ نے تقلید شخصی کی لازمیت کا ثبوت دیتے ہوئے ایسے لوگوں کی جہالت فاحشہ کو طشت از بام کردیا ہے۔

۲۱۰۔ السہم الشہابی علی خداع الوھابی۔(۱۳۲۵ھ)

رحیم بخش لاہوری کی کتاب جس کا نام اس نے ''اسلام کی دوسری کتاب'' رکھا ہے اس میں لفظ ''اہل حدیث'' کے تعلق سے ایک وضاحت پیش کی ہے اور غیر مقلدین کو اس لفظ کا مصداق قرار دیا ہے۔آپ نے اس کے رد اور ابطال میں یہ رسالہ لکھا اور فرمایا: ایسا ہرگز نہیں، بلکہ ہمارا ان سے اصول دین میں اختلاف ہے اور یہ ہرگز اہل حدیث نہیں بلکہ کھلے غیر مقلد اورلامذہب ہیں۔

۲۱۱۔ حجب العوار عن مخدوم بھار۔(۱۳۳۹ھ)

یہ رسالہ حضرت مخدوم بہار شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک عبارت سے دفع شبہات کے لیے تصنیف فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں ضمناً روایت اخبار کے قیمتی اصول افادہ فرمائے ہیں۔

۲۱۲۔ المبین ختم النبیین۔(۱۳۲۶ھ)

یہ رسالہ اسلام کے ایک بنیادی عقیدہ ''ختم نبوت'' پر ہے۔واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ میں پوری امت مسلمہ اس عقیدے پر متفق رہی کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا۔قرآن کا یہی فرمان ﴿ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین﴾ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی ارشاد(لا نبی بعدی، وختم بی النبیون) اور اسی معنی پر پوری امت کا اجماع قائم رہا۔

۲۱۳۔ السوء والعقاب علی المسیح الکذاب۔(۱۳۲۰ھ)

اس رسالہ میں مسیح قادیان مسٹر غلام احمد قادیانی کے اقوال وافعال کفریہ اوران کا شرعی حکم بیان کیا ہے۔

۲۱۴۔ قھر الدیان علی مرتد بقادیان۔(۱۳۲۳ھ)

۲۱۵۔ الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی۔(۱۳۲۰ھ)

۲۱۶۔ جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ۔(۱۳۱۶ھ)

یہ تینوں رسائل بھی قادیانی کے رد میں لکھے گئے ہیں، البتہ تیسرا رسالہ ''جزاء اللہ عدوہ'' خاص عقیدہ ختم نبوت پر ایک مبسوط اور مستقل کتاب ہے جس میں سیکڑوں دلائل سے اس عقیدہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

۲۱۷۔ مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید۔(۱۳۰۴ھ)

المنطق الجدید نامی کتاب میں فلاسفہ کے مزعومات و مزخرفات بیان کیے گئے تھے جو سراسر اسلام کے خلاف تھے،ان

کے بارے میں آپ سے سوال ہوا تو یہ کتاب تصنیف فرمائی اور دلائل نقلیہ وعقلیہ سے اس کتاب کے ہذیانات وخرافات کو طشت از بام کیا اور علما وطلبہ کو ہدایت کی کہ بغیر رد وابطال ہرگز اس طرح کے مزعومات نہ پڑھے جائیں اور نہ پڑھائے جائیں۔

۲۱۸۔ نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان۔(۱۳۳۹ھ)

۲۱۹۔ معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین۔(۱۳۳۸ھ)

فلاسفہ قدیم وجدید کی تھیوریاں بیشتر امور میں آپس میں متصادم ہیں۔قدیم فلاسفہ کہتے تھے کہ افلاک نو ہیں اور یہ حرکت میں ہیں، اور زمین ساکن ہے، جدید تحقیقات والے کہنے لگے آسمان کا کوئی وجود نہیں اور زمین حرکت میں ہے، سیدنا اعلیٰ حضرت نے ان دونوں کے مزعومات کو قرآن وحدیث کے خلاف بتایا اور اسلامی نظریہ پیش کیا کہ زمین وآسمان دونوں موجود ہیں اور ساکن ہیں، شمس وقمر اور دیگر سیارے گردش میں ہیں۔دونوں رسالے اسی موضوع پر ہیں۔

۲۲۰۔ فوز مبین در رد حرکت زمین۔(۱۳۳۸ھ)

یہ حرکت زمین کے ردّ میں اعلیٰ حضرت کی عظیم الشان کتاب ہے۔بعض سائنس دانوں کا نظریہ ہے کہ زمین کی حرکت محوری سے دن ورات کا تبادلہ اور حرکت مداری سے موسم کا تبادلہ ہوتا ہے۔چونکہ یہ نظریہ آیات قرآنیہ اور بہت سی احادیث کے خلاف ہے، اس لیے ۱۰۵؍دلائل سے اس نظریہ کا ابطال کیا۔

۲۲۱۔ الكلمة الملهمة فى الحكمة المحكمة لوهاء الفلسفة المشئمة. (۱۳۳۸ھ)

فلسفۂ قدیم کے بہت سے نظریات اسلام کے مخالف بلکہ کفریات پر مشتمل ہیں، اور فلسفہ کی کتابیں مدارس میں اس لیے پڑھائی جاتی ہیں کہ طلبہ فلسفہ کی گمراہیوں سے آگاہ رہیں، اور ان کے فریب پر مشتمل دلائل سے دھوکہ نہ کھائیں۔اس کتاب میں اعلیٰ حضرت نے فلسفہ کے ان گمراہ کن اور کفریات پر مشتمل نظریات کا نہایت مستحکم دلائل وبراہین سے رد بلیغ فرمایا ہے۔اس کتاب کا مطالعہ فلسفہ قدیم کی ضلالتوں سے نجات دلاتا ہے اور اسلامی عقیدے کو استحکام عطا کرتا ہے۔

۲۲۲۔ الزمزمة القمرية فى الذبّ عن الخمرية.

....

قصیدۂ غوثیہ کی عربیت کے سلسلہ میں بعض لوگوں نے کلام کیا اور اس میں ادبی اور فنی غلطیوں کا دعویٰ کیا۔آپ سے مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری نے گزارش کی کہ اس سلسلہ میں مخالفین کا کچھ جواب لکھا جائے تاکہ ہم اس کو قصیدے کی اپنی شرح میں بطور مقدمہ شامل کرلیں۔آپ نے فیض قادریہ سے مستفیض ہوتے ہوئے ایسا جواب لکھا کے وہ ایک رسالہ کی شکل اختیار کر گیا۔

۲۲۳۔ السنية الأنيقة فى فتاوىٰ افريقه. (۱۳۳۶ھ)

یہ آپ کے چند فتاوی کا مجموعہ ہے جن کے سوالات بر اعظم افریقہ سے موصول ہوئے تھے، آپ نے ان سب کے

جوابات عنایت فرمائے اور مجموعہ کا یہ نام رکھا جو" فتاوی افریقہ" کے نام سے مشہور ہے۔

۲۲۴۔ أجلى نجوم الرجم بر ایڈیٹر "النجم"

....

اس کتاب میں حنفی مقتدی کی نماز شافعی امام کے پیچھے کب ہوجائے گی اور کب نہیں ہوگی اس کا تفصیلی بیان ہے، اور مولوی عبدالشکور کاکوروی ایڈیٹر رسالہ "النجم" کی کتاب "علم الفقہ" کا رد ہے کہ اس نے اس مسئلہ میں جمہور کے قول کے خلاف مقتدی کی نماز کے درست ہونے کا مسئلہ لکھا تھا۔

یہاں تک ان رسائل کا اجمالی تعارف ہوا جو" فتاویٰ رضویہ کامل ۲۲/جلدوں" میں ہیں۔فتاویٰ رضویہ کا یہ سیٹ اور تمام رسائل علاحدہ سے پچاس جلدوں میں "امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف" سے شائع ہو چکے ہیں۔

۲۲۵۔ الدولة المكية بالمادة الغيبية. (۱۳۲۴ھ)

یہ وہ عظیم کتاب ہے جس نے عرب وعجم کے علمائے کرام اور مشائخ عظام کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔اس لیے کہ دوسرے حج کے موقع پر ۱۳۲۴ھ میں آپ نے علم غیب کے موضوع پر صرف ۸/ گھنٹے میں کتابوں کی مدد کے بغیر علمائے مکہ مکرمہ کی فرمائش پر اس کتاب کو عربی زبان میں تصنیف فرمایا۔پھر اس کتاب کو شریف مکہ کے دربار میں پڑھا گیا جس کے نتیجے میں وہابیہ منکرین علم غیب کو حرمین شریفین " زادهما الله تعالیٰ شرفاً وتعظيماً" میں ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا جس کی کسک آج تک وہابیہ محسوس کررہے ہیں۔علمائے حرمین اور دیگر علمائے عرب نے اس پر دھوم دھام سے تقریظیں لکھیں جو آج بھی کتاب کی زینت ہیں۔

سیدنا اعلیٰ حضرت نے اس کے بعد ہندوستان واپس تشریف لاکر اس پر قیمتی حواشی تحریر فرمائے، جیسے "الفیوض الملكية" اور "انباء الحی" ان سب کا مجموعہ مع ترجمہ ہماری اکیڈمی سے تحقیق وتخریج اور جدید ترتیب کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

ان تمام کتب ورسائل کے علاوہ بھی تقریباً ۲۵/رسائل اور ۲۵/عربی کتابوں پر تعلیقات وحواشی اکیڈمی سے شائع ہوئے ہیں لیکن ان سب کا تعارف اس وقت صفحات کی تنگ دامانی کے پیش نظر مشکل ہے۔آئندہ کبھی اس موضوع پر مستقل تفصیلات پیش کی جائیں گی، ان شاء الله تعالیٰ.

☆

استاذِ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی

(برادر اوسط اعلیٰ حضرت)

استاذِ زمن کی ولادت ۱۲۷٦ھ/ ۱۹/اکتوبر ۱۸۵۹ء کو بریلی میں ہوئی۔جد محترم حضرت مولانا رضا علی خاں نے ولادت کی خبر سن کر فرمایا تھا: یہ میرا بیٹا مست ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی اپنی نعتیہ شاعری سے آپ خود

بھی مست ہوئے اور دوسروں کو بھی مست و بے خود بنا گئے۔

تعلیم و تربیت والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں اور برادر محترم اعلیٰ حضرت سے حاصل کی۔ خاتم الاکابر حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں سے شرف بیعت پایا۔ منظر اسلام قائم شدہ ۱۳۲۲ھ کی بنا میں شامل تھے۔ تاریخی نام منظر اسلام بھی آپ نے ہی تجویز کیا جس سے ۱۳۲۲ کا عدد نکلتا ہے اور آپ ہی پہلے مہتمم قرار پائے۔ مطبع اہل سنت قائم کیا جس میں اعلیٰ حضرت کی ایک سو کے قریب کتابیں طبع ہوئیں۔

ادبی رسالہ **''گلدستۂ بہار بے خزاں''** اور ہفت روزہ اخبار **''روز افزوں''** آپ ہی کی نگرانی میں شائع ہوتے تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں رد قادیانیت کے لیے ایک ماہنامے کا اجرا کیا جس کا نام **''قہر الدیان علیٰ مرتدٍ بقادیان''** تھا، اس میں آپ کے بہت احباب معین و مددگار رہوئے۔ اس ماہنامے میں شائع ہونے والے اعلیٰ حضرت کے مضامین بعد میں اسی نام سے شائع ہوئے اور یہ ایک رسالے کی شکل میں آج بھی آپ کی تصانیف میں موجود ہے۔

شعری خدمات میں نعتیہ مجموعہ **''ذوق نعت''** اور **''نگارستان لطافت''** ہیں۔ مجموعہ غزل **''ثمر فصاحت''** اور **''ساغر پر کیف''** ہیں۔

آپ اپنے شعری ذوق کے ساتھ فکر انگیز مضامین بھی تحریر فرماتے تھے جو سادگی اور سلاست کے آئینہ دار ہوتے تھے، آپ اپنی تحریروں میں تصنع اور تکلف سے ہمیشہ دور رہے۔

ان تمام علمی اور فنی مصروفیات کے باوجود اپنے برادر اکبر سیدنا اعلیٰ حضرت کی خدمت اور گھریلو کاموں کی ذمہ داری پورے طور پر مثالی انداز میں نبھاتے تھے۔

صرف ۵۰؍ سال کی عمر میں ۲۲؍ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ کو آپ کا وصال پر ملال ہو گیا۔ نماز جنازہ اعلیٰ حضرت نے پڑھائی اور خود قبر میں اتارا۔ سٹی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا۔

تصانیف:

(۱) دین حسن

اس کتاب میں ہنود و نصاریٰ کے اعترافات کا ایسا انتخاب ہے جو مؤمنین کے لیے باعث تقویتِ ایمان اور اسلام کے مخالفین پر ایک حجت ہے۔

(۲) نگارستان لطافت

میلاد مبارک اور معراج شریف کے موضوع پر نہایت ہی ایمان افروز اور روح افزا رسالہ ہے۔

(۳) تزک مرتضوی

افضلیت شیخین پر ہے اور فرقہ تفضیلیہ کا رد ہے۔ ساتھ ہی حضرت علی کے ۱۸؍ خصائص بھی آپ نے بیان فرمائے ہیں۔

(۴) آئینہ قیامت

واقعات کربلا کو نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے

اور ان کو دلائل سے مزین بھی کیا ہے۔اعلیٰ حضرت نے ایک سوال کے جواب میں اس کی صحت کی تصدیق بھی فرمائی ہے۔

(۵) بے موقع فریاد کے مہذب جواب

یہ کتاب پنڈت بشن نارائن کی کتاب ''انگریزوں سے ہندوستانیوں کی فریاد'' کے رد میں لکھی گئی ہے۔

(۶) سوالات حقائق نما برروس ندوۃ العلما

یہ کتاب تحریک ندوہ کے رد میں بنظر خیر خواہی لکھی گئی ہے اور اس میں ۷۰؍سوالات ہیں جو سیدنا اعلیٰ حضرت نے خود اہل ندوہ کی خواہش میں تحریر فرمائے تھے۔

(۷) فتاوی القدوۃ لکشف دفین الندوہ

یہ ردّ ندوہ میں فتاویٰ کا مجموعہ ہے جس میں پچاس سے زیادہ مفتیان کرام کے دست خط ہیں اور حواشی میں ندوہ کی کتبِ روداد سے حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔

(۸) ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ

اس میں ندوہ کے اصلی مقاصد کو واضح کیا گیا ہے اور اس کی روداد سوم کی قلعی کھولی گئی ہے۔

(۹) ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری

رد قادیانی میں یہ کتاب نہایت اہم ہے، مختصر اور اپنی جامعیت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔

(۱۰) اظہار روداد

یہ دارالعلوم منظر اسلام کے پہلے سال کی روداد ہے، اس میں آٹھ عدد فتاویٰ اور مخیرّ حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

(۱۱) کوائف اخراجات

یہ منظر اسلام کے دوسرے سال کی روداد ہے اس میں طلبہ کی تعداد اور زیر درس کتابوں کی نشان دہی ہے۔

(۱۲) باقیات حسن

یہ کتاب آپ کے مقالات ومضامین ،مکاتیب و تقاریظ اور اہم سوالات و اشتہارات کا مجموعہ ہے اور گراں قدر معلومات کا خزانہ ہے۔

(۱۳) ذوق نعت

نعتیہ دیوان جس کے اشعار زباں زد خاص وعام ہیں۔

(۱۴) نگارستان لطافت

یہ بھی نعتوں کا مجموعہ جیسا کہ گزرا۔

(۱۵) ثمر فصاحت

غزلیہ دیوان ،آج کل نایاب ہے،اور اسی کے ساتھ آپ کا دوسرا مجموعہ غزل

(۱۶) ساغر پر کیف بھی ہے۔

☆

حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب (خلف اکبر اعلیٰ حضرت)

آپ کی ولادت باسعادت شہر بریلی میں ماہ ربیع

الاول ۱۲۹۲ھ/مئی ۱۸۷۵ء کو ہوئی۔ خاندانی دستور کے مطابق ''محمد'' نام پر عقیقہ ہوا اور یہی آپ کا تاریخی نام بھی ہو گیا، عرفی نام حامد رضا تجویز ہوا، اور لقب حجۃ الاسلام ہے۔ مکمل تعلیم والد ماجد حاصل کی۔

طالب علمی کا زمانہ میں شب و روز مطالعہ و مذاکرہ جاری رہا۔ ۱۹/ سال کی عمر شریف ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۴ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ جب فارغ ہوئے تو والد ماجد امام احمد رضا نے فرمایا: ان جیسا عالم اودھ میں نہیں۔

زہد و تقوی، توکل و استغنا میں امتیازی شان کے مالک اور اخلاق و کردار کے بادشاہ تھے۔ ہندوستان کے اکابر علما کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ نگاہوں نے حجۃ الاسلام سے زیادہ حسین چہرہ نہیں دیکھا۔ آپ پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے، متواضع اور خلیق اور بلند پایہ کردار رکھتے تھے۔

فراغت کے بعد مسلسل ۱۵/ سال ۱۳۲۶ھ تک والد ماجد کی خدمت میں حاضر رہے اور تصنیف و تالیف، فتوی نویسی اور دیگر مضامین عالیہ سے خدمت دین فرمائی۔

جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں دست گاہ کامل حاصل تھی تھے اور ایک عرصہ تک آپ نے منظر اسلام میں درس دیا، تفسیر و حدیث، فقہ و اصول اور کلام و منطق وغیرہا میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، بالخصوص آپ کا درس بیضاوی، شرح عقائد اور شرح چغمینی بہت مشہور تھا۔

نور الکاملین خلاصۃ الواصلین سیدنا حضرت مولانا الشاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ سے آپ کو خلافت و اجازت حاصل تھی، اور پھر آپ کے حکم سے امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی حجۃ الاسلام کو جملہ علوم، اذکار و اشغال، اوراد و اعمال کی اجازت سے نوازا۔ ۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت کے ساتھ حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔

اعلیٰ حضرت نے اس سفر میں ''الدولۃ المکیہ'' تصنیف فرمائی تو آپ اس علمی شاہکار کے منصۂ شہود پر آنے کا ایک اہم سبب بنے۔ پوری کتاب کا مبیضہ آپ ہی نے کیا اور پھر امام احمد رضا کے حکم سے اس پر تمہید قلم برداشتہ تحریر کی جسے امام احمد رضا نے بہت پسند فرمایا۔ پھر بریلی آکر اس کا ترجمہ بھی آپ نے ہی کیا۔ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء اعلیٰ حضرت جبل پور تشریف لے گئے تو آپ ساتھ تھے۔

آپ ۱۷/ جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۴۳ء بہ عمر ۷۰ سال عین حالت نماز میں دوران تشہد دس بجکر ۳۵ منٹ پر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تصانیف

(۱) مجموعہ فتاوی بنام (فتاویٰ حجۃ الاسلام)

یہ آپ کے بعض اہم فتاویٰ کا مجموعہ جو امام احمد رضا اکیڈمی سے شائع ہو چکا ہے۔

(۲) الصارم الربانی علی اسراف القادیانی (۱۳۱۵ھ)

اس کتاب میں پانچ مقدمے اور پانچ تنبیہات ذکر کی ہیں اور ان کے ضمن میں قادیانیوں کا رد بلیغ فرمایا ہے۔ یہ رسالہ رد قادیانیت پر ایک اہم دستاویز ہے۔

(۳) اجتناب العمال عن فتاوی الجہال

مولوی نور محمد وہابی نے ''ضروری سوال'' کے نام سے ایک چھ ورقی کتابچہ لکھ کر یہ دعویٰ کیا تھا کہ ''نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھنا فتنہ وفساد اور غلبۂ کفار کے ساتھ خاص ہے۔ اور باقی کسی مصیبت و بلا مثلاً طاعون اور وبا وغیرہ کے وقت جائز نہیں''۔ آپ نے کتب حدیث واصول حدیث اور فقہ واصول کی کتابوں سے وہابی کا رد فرماتے ہوئے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ہر مصیبت کے وقت قنوت پڑھنا جائز ہے، اس کو فتنہ وفساد اور غلبۂ کفار کے ساتھ خاص کرنا فضول اور ادعائے محض ہے۔

(۴) نعتیہ دیوان

یہ دیوان عربی میں تھا لیکن ضائع ہو گیا۔ اور بعض روایات کے پیش نظر کسی حاسد نے ضائع کر دیا۔

(۵) تمہید اور ترجمہ الدولۃ المکیۃ (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵)

اس کے بارے میں وضاحت گزر چکی۔

(۶) تمهيد الاجازت المتينه لعلماء بكة و المدينة (۱۳۴۰ھ/۱۹۰۶ء)

(۷) تمہید کفل الفقیہ الفاہم (۱۳۴۰ھ)

یہ دونوں تمہیدات بھی آپ نے غالباً حرمین شریفین زادھما اللہ تعالیٰ شرفاً وتعظیماً میں لکھیں۔

(۸) سد الفرار

(۹) سلامة الله لاهل السنة من سبيل العناد و الفتنة (۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳)

جمعہ کی اذان ثانی سے متعلق جب علمائے بدایوں اور علمائے رام پور سے بحث ومباحثہ چل رہا تھا یہ دونوں کتابیں اسی زمانے کی ہیں اور اسی قضیے سے متعلق ہیں۔

(۱۰) حاشیہ ملا جلال قلمی

(۱۱) کنز المصلی پر حاشیہ (۱۳۳۲ھ/۱۹۰۵)

(۱۲) اجلی انوار رضا (۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء)

☆

حضور مفتی اعظم حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں

(خلف اصغر اعلیٰ حضرت)

مرجع العلماء والفقہاء سیدی حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ کی ولادت باسعادت ۔۲۲ر ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء بروز جمعہ صبح صادق کے وقت بریلی شریف میں ہوئی۔

پیدائشی نام ''محمد'' عرف ''مصطفیٰ رضا'' ہے۔ مرشد

برحق حضرت شاہ ابوالحسین نوری قدس سرہ العزیز نے آل الرحمٰن ابوالبرکات نام تجویز فرمایا اور چھ ماہ کی عمر میں بریلی شریف تشریف لاکر جملہ سلاسل عالیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور ساتھ ہی امام احمد رضا قدس سرہ کو یہ بشارت عظمیٰ سنائی کہ: یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔

آپ نے جملہ علوم وفنون اپنے والد ماجد، برادر اکبر حجۃ الاسلام، استاذ الاساتذہ علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری، شیخ العلماء علامہ سید بشیر احمد علی گڑھی، شمس العلما علامہ ظہور الحسین فاروقی رامپوری سے حاصل کیے اور ۱۸ر سال کی عمر میں تقریباً چالیس علوم وفنون حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف ہی میں مسند تدریس کو رونق بخشی۔ تقریباً تیس سال تک علم و حکمت کے دریا بہائے، برصغیر پاک و ہند کی اکثر درسگاہیں آپ کے تلامذہ ومستفیدین سے مالا مال ہیں۔ پچاس سال سے زیادہ فتویٰ نویسی اس شان سے فرمائی کہ اکابر علما نے بالاتفاق آپ کو مفتی اعظم کے لقب سے یاد کیا۔

آپ نے اس دور پرفتن میں نس بندی کی حرمت کا فتوی صادر فرمایا جبکہ عموماً دینی ادارے خاموش تھے، یا پھر جواز کا فتوی دے چکے تھے۔

۱۳ر محرالحرام ۱۴۰۲ھ/ ۱۱ر نومبر ۱۹۸۱، بدھ کا دن گزار کر شب میں ۱ر بج کر چالیس منٹ پر ۹۲ سال کی عمر شریف میں وصال فرمایا اور جمعہ کی نماز کے بعد لاکھوں افراد نے نماز جنازہ اسلامیہ کالج کے وسیع میدان میں ادا کی اور امام احمد رضا کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

تصانیف:

آپ کی تصانیف علم وتحقیق کا منارۂ ہدایت ہیں، جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں حق تحقیق ادا فرماتے ہیں، آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) المکرمة النبوية فی الفتاوی المصطفويه

(فتاوی مصطفویہ)

یہ فتاویٰ ۷ر جلدوں میں مرتب ہوکر امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف سے شائع ہو چکے ہیں۔

(۲) مقتل کذب وکید (۱۳۳۲ھ)

مولوی عبد الغفار صاحب رامپوری نے مسئلہ اذان ثانی کے تعلق سے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا "حبل اللہ المتین لاعدام آثا رالمبتدعین" مگر اس کتاب کا نام دائرہ میں اس طرح لکھا کہ "حبل اللہ المتین "اوپر، درمیان میں "لاعدام" اور نیچے لائن میں" آثا رالمبتدعین" چونکہ دائرہ میں لکھا جانے والا نام نیچے سے اوپر کو پڑھا جاتا ہے، لہذا اب یہ نام "آثا ر المبتدعین لاعدام حبل الله المتین "ہوگیا، حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد

فرمایا:

دائرہ میں جو نام لکھا جاتا ہے اس میں اکثر قاعدہ یہ ہے کہ مہر کی طرح نیچے سے اوپر کو پڑھا جاتا ہے، خصوصاً جب کہ اخیر میں نام الٰہی ہو کہ اس کی تعظیم کے لیے اسے اوپر رکھا جاتا ہے، مولوی صاحب کا طریقہ ہمیں بہت پسند آیا کہ انھوں نے اپنے رسالہ کا نام دائرہ میں رکھا تو اخیر جز کو جس میں نام الٰہی ہے سطر بالا میں لکھا، حسب قاعدہ نیچے سے شروع کیجیے، پہلے "آثار المبتدعین" ہے، پھر "لاعدام حبل اللہ المتین"۔ لہٰذا صاف نام "آثار المبتدعین لاعدام حبل اللہ المتین" ہے، اور یہی ان کے لائق تھا۔ ع

آن چہ نصیب است بہم می رسد

لہٰذا اب مولوی عبداللہ الغفار صاحب کی اس کتاب کا نام "آثا ر المبتدعین "، ہی مشہور ہوگیا، حضور مفتی اعظم نے یکے بعد دیگرے صرف ایک سال میں یعنی ۱۳۳۲ھ میں پانچ رد لکھے:

(۳) صلیم الدیا ن لتقطیع حبالۃ الشیطا ن (۱۳۳۲ھ)

(۴) سیف القہا ر علی العبید الکفا ر (۱۳۳۲ھ)

یہ دونوں کتابیں راقم الحروف کو تلاش بسیار کے بعد بھی حاصل نہ ہوسکیں۔

(۵) نفی العا رعن معایب المولوی عبد الغفار ۱۳۳۲ھ۔ یہ آثار المبتدعین کا تیسرا رد ہے۔

(۶) مقتل کذب و کید ۱۳۳۲ھ۔ اس میں نہایت تفصیل سے جواب دیا گیا۔

(۷) مقتل اکذب واجھل ۱۳۳۲ھ۔

یہ پانچواں رد ہے۔

ان تینوں تحریروں کا مطالعہ کیجیے اور حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے وفور علم کا مشاہدہ کر کے خراج عقیدت کے گوہر لٹائیے۔

(۸) طرد الشیطا ن عن سبیل الرحمن ۔

اس کا دوسرا نام "عمدۃ البیان فی حرمۃ کو شا ن " بھی ہے، بلکہ بعض علمائے کرام سے اس کا تیسرا نام "القنابل الذریۃ علی اوثان النجدیہ" بھی منقول ہے۔ یہ کتاب نہایت معرکۃ الآراء ہے، نجدی حکومت نے حجاج کرام کے ساتھ ظالمانہ سلوک روا رکھتے ہوئے حج ٹیکس لگایا جو شرعا درست نہیں، حضور مفتی اعظم جب حج و زیارت کے لیے ۱۳۶۵ھ میں حرمین شریفین زاد ھما اللہ تعالیٰ شرفاً وتعظیماً حاضر ہوئے تو آپ سے سوال ہوا، آپ نے خاص مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر اس ٹیکس کے حرام ہونے پر نہایت مدلل فتویٰ فصیح و بلیغ عربی زبان میں تحریر فرمایا جس کو دیکھ کر علمائے حرمین نے فرمایا: " ان ھذا الا الھام "، یہ فتویٰ تو الہامی ہے۔

(۹) تنویر الحجۃ لمن یجوز التواء الحجۃ۔

یہ نجدیوں کے مظالم کی وجہ سے حج کے التوا کا فتویٰ

ہے جو سب سے پہلے ۱۳۴۵ھ میں شائع ہوا، اس پر ہندو پاک کے کثیر مفتیان کرام اور علمائے اسلام کی تصدیقات ہیں۔

(۱۰) شفاء العي في جواب سوال بمبئی (۱۳۵۴ھ)

یہ رسالہ تقلید شخصی کے عنوان پر نہایت وقیع اور دلائل سے مزین ہے، غیر مقلدین کے مزعومات کی دھجیاں اڑا کر واضح کیا گیا ہے کہ کسی مجتہد امام کی پیروی لازم وضروری ہے۔

(۱۱) الرمح الديا ني على رأس وسواس الشيطاني۔ (۱۳۳۱ھ)

اس رسالہ میں ''تفسیر نعمانی'' کے مؤلف پر حکم کفر وارتداد ہے، سیدنا اعلیٰ حضرت اور حضرت صدر الشریعہ علیہما الرحمہ کی اس پر تصدیقات ہیں اور گویا یہ ''حسام الحرمین'' کا خلاصہ ونچوڑ ہے۔

(۱۲) تصحيح يقين برختم نبيين۔:

یہ کتاب قادیانیوں کے رد میں عام فہم انداز میں مختصر رسالہ ہے مگر نہایت جامع۔

(۱۳) علم غیب رسول۔:

یہ علم غیب سے متعلق چند تفصیلی فتاویٰ کا مجموعہ ہے اور غیوب خمسہ پر بھی نہایت واضح انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱۴) وہابیہ کی تقیہ بازی۔:

یہ کتاب بھی چند فتاویٰ کا مجموعہ ہے اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہابیہ کا مذہب تقیہ کرنے میں مثل روافض ہے کہ جب اور جہاں چاہتے ہیں اپنے دھرم کو چھپاتے اور لوگوں کو فریب میں مبتلا کرتے ہیں۔

(۱۵) القول العجيب فی جواز التثويب۔ (۱۳۳۹ھ)

یہ رسالہ اذان کے بعد دوبارہ اعلان نماز یعنی صلاۃ وغیرہ پکارنے کے سلسلہ میں ہے، اس میں بھی متعدد فتاویٰ ہیں۔

(۱۶) نمود ظلم مشرکین گاؤزور۔ (۱۹۳۰ء)

اس کتاب میں مسلمان کہلانے والے کانگریسیوں کا رد ہے جس میں خلافت اور ترک موالات وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب حضرت نے ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں تحریر فرمائی تھی۔ اس کتاب کے آپ نے دو نام اور بھی رکھے ہیں۔ ایک ''موجب رقت کاسہ لیسان کانگریس'' اور دوسرا نام ''کانگریسی پٹھوؤں کی داستان دل ریش'' ان تین ناموں میں پہلے اور تیسرے سے (۱۹۳۰) برآمد ہوتا اور دوسرے سے (۱۳۴۹) اور یہ اس کتاب کا سال تصنیف ہے۔

(۱۷) طرق الهدىٰ والارشاد الى احكام الامارة والجهاد. (۱۳۴۱ھ)

اس رسالہ میں جہاد، خلافت، ترک موالات، نان کوآپریشن، اور قربانی گاؤ وغیرہ کے متعلق چھ سوالات کے جوابات ہیں۔

(۱۸) سیف الجبار علىٰ کفر زمیندار۔

یہ کتاب اخبار ''زمین دار لاہور'' میں شائع ہونے والے چند کفری اشعار کے بارے میں ہے، حضرت نے نہایت تحقیق کے ساتھ ان اشعار کی شرعی حیثیت واضح کی ہے اور حکم کفر لگایا ہے، اس پر ہند و پاک کے بہت سے علمائے کرام اور مفتیان اسلام کے دستخط ہیں۔ اس کا تاریخی نام "القسورة علی ادوار الحمر الکفرة" (۱۳۴۳ھ) ہے، اور دوسرا القبی نام "ظفر علی رمة کفر" ہے جس سے (۱۹۲۵) کا عدد نکلتا ہے اور یہی اس کا سنہ تصنیف ہے۔

(۱۹) وقعات السنا ن الی حلق المسماة بسط البنان: (۱۳۳۰ھ)

یہ کتاب مولوی قاسم نانوتوی دیوبندی کی رسوائے زمانہ کتاب ''تحذیر الناس'' کا رد ہے اور ساتھ ہی مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کی بدنام زمانہ کتاب ''حفظ الایمان'' کی صفائی میں لکھی جانے والی کتاب ''بسط البنان'' کا بھی رد ہے۔

(۲۰) ادخا ل السنان الی الحنك الحلقیٰ بسط البنا ن: (۱۳۳۲ھ)

تھانوی نے اپنی صفائی میں ''بسط البنان'' نامی چار ورقی کتاب لکھی تھی اس کا یہ دوسرا رد ہے۔

(۲۱) نهـــاية السـنـــان: بسط البنان کا تیسرا رد

(۲۲) الموت الأحمر علی کل أنحس أکفر. (۱۳۳۷ھ)

علمائے دیوبند پر جب حکم کفر وارتداد لگایا گیا تو ہر ممکن کوشش کر کے انہوں نے اپنے کفر کو دفع کرنے کی کوشش کی مگر جتنی تاویلیں کی گئیں وہ سب الٹی گلے پڑیں اور حکم کفر نہ اٹھا اور نہ کبھی اٹھ سکے گا۔ چنانچہ تھانوی صاحب نے ایک شخص کو طالب تحقیق بنا کر بریلی شریف بھیجا جس نے یہاں سے بہت کچھ تفصیلات حاصل کر کے بذریعہ خط دو شبہے پیش کیے، ایک یہ کہ ''المعتقد'' میں جب حضورﷺ کے بعد نبوت کے امکان ذاتی ماننے والوں پر حکم کفر نہیں تو نانوتوی صاحب پر کیوں ہے، اور دوسرا یہ کہ اسماعیل دہلوی پر حکمِ کفر فقہی لگایا جب کہ اس کے توابع نانوتوی، تھانوی، گنگوہی اور انبیٹھوی پر کفر کلامی قطعی کا حکم نافذ کیا، یہ فرق کیوں؟ حضرت نے اس کتاب میں نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے کہ فرق اس لیے ہے اور دیوبندیہ کے اعتراضات لایعنی وجاہلانہ ہیں۔

(۲۳) اشـد الـعـذاب عـلـی عـابـد الخناس (۱۳۲۸ھ) تحذیر الناس کا ردّ بلیغ

(۲۴) الحجة الواهرة بوجو ب الحجة الحا ضرة. (۱۳۴۲ھ)

شریف مکہ کے زمانے میں جب کہ حرمین شریفین

زادهما الله تعالیٰ شرفاً وتعظیماً میں امن وامان کا زمانہ تھا، اس وقت بعض لیڈروں نے حج بیت اللہ سے روکنے کی کوشش تھی، اور وجہ یہ بتائی تھی کہ شریف مکہ ظالم ہے اور اس کے ظلم قرامطہ جیسے ہیں، حضرت نے ان تمام الزامات کی تردید فرمائی اور نہایت تحقیق کے ساتھ وہاں کے واقعی حالات سے خبردار کیا اور پھر حج کے فرض ہونے کی وضاحت فرمائی۔

(۲۵) مسائل سماع:

یہ ایک اہم فتویٰ ہے جو قوالی مع مزامیر کے تعلق سے حکم شریعت پر مشتمل ہے۔

(۲۶) وقاية أهل السنة عن مكر ديو بند والفتنة. (۱۳۳۲ھ)

اذان ثانی کے سلسلہ میں سیدنا اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف بیرون مسجد کے سلسلہ میں فقہائے کرام کے اقوال سے ثبوت فراہم کیا تھا، جب بحث آگے بڑھی تو اعلیٰ حضرت نے اپنے دعوی کے ثبوت میں سنن ابوداؤد شریف کی حدیث سے استدلال فرمایا، اس حدیث کو بے اثر اور نا قابل عمل ثابت کرنے کے لیے مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک نیا شوشہ یہ چھوڑا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اپنے ضعف کی وجہ سے قابل استدلال نہیں، وجہ یہ بتائی کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہیں جو کذاب یا متہم بالکذب ہیں۔

تھانوی صاحب کا یہ حملۂ جارحانہ حضور مفتی اعظم سے برداشت نہ ہوسکا، چنانچہ آپ نے قلم اٹھایا اور تھانوی صاحب کے استدلال کی دھجیاں اڑادیں۔

(۲۷) الٰهی ضرب بر اهل حرب. (۱۳۳۲ھ)

اس رسالہ میں تھانوی صاحب کی کچھ مزید خرافات کا جواب ہے اور یہ گویا پہلے رسالہ کا تتمہ ہے۔

(۲۸) النكتة على مراء كلكته. (۱۳۳۲ھ)

کلکتہ کے بعض علما کے شکوک وشبہات کا اس میں جواب دیا گیا ہے۔

(۲۹) ''کشف ضلال دیو بند''

سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ''الاستمداد على اجيال الارتداد'' نام سے تین سو ساٹھ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ اردو زبان میں تحریر فرمایا تھا جس میں دیوبندیوں کے عقائد باطلہ کی نشادہی کی گئی تھی، حضور مفتی اعظم نے اس پر حاشیہ اور شرح تحریر فرمائی۔ اس کا نام ''کشف ضلال دیو بند'' رکھا۔ چناں چہ ہر سنی کو دیوبندی وہابی مسلک جاننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

یہ وہ اہم کتاب ہے جس کے اشعار بچوں کو حفظ کرانے کی ہدایت کی گئی ہے تا کہ آسانی سے دیوبندی مسلک کو جانا جا سکے، اور پھر حواشی اور شرح کے ذریعہ تمام معلومات

ذہن میں محفوظ ہو جائیں۔

(۳۰) الکاوی فی العاوی و الغاوی (۱۳۳۰ھ)

(۳۱) القشم القاصم للداسم القاسم (۱۳۳۰ھ)

(۳۲) نور الفرقان بین جند الاله واحزاب الشیطان (۱۳۳۰ھ)

(۳۳) الطاری الداری لھفوات عبد الباری (۱۳۳۹ھ)

امام احمد رضا اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے درمیان مراسلت کا مجموعہ

(۳۴) الملفوظ، چار حصے (۱۳۳۸ھ)

امام احمد رضا قدس سرہ کے ملفوظات

(۳۵) حاشیہ فتاوی رضویہ اول

(۳۶) حاشیہ فتاوی رضویہ پنجم

(۳۷) نور العرفان

(۳۸) داڑھی کا مسئلہ

(۳۹) سلک مرادآباد پر معترضانہ ریمارک

☆

حکیم الاسلام حضرت مولانا حسنین رضا خاں
(خلف اصغر استاذ زمن)

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں محلّہ سوداگران میں ہوئی۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے: حکیم الاسلام مولانا حسنین رضا خاں بن استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں بن رئیس الاتقیا حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں۔ علیہم الرحمہ

ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی، اس کے بعد منظر اسلام میں داخل ہوئے، تعلیم مکمل کرنے بعد رامپور گئے جہاں معقولات کی منتہی کتابیں شرح اشارات محقق طوسی اور شرح اشارات امام رازی جیسی کتابیں پڑھیں۔

اساتذہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری، مفتی ارشاد حسین رامپوری اور مولانا رحم الٰہی منگلوری سرفہرست ہیں۔

مضبوط قوت حافظہ کے مالک تھے، منظر اسلام میں حضور مفتی اعظم کے شریک درس رہے، فراغت کے بعد منظر اسلام میں مسند تدرس کو رونق بخشی۔ حسنی پریس کے نام سے ایک پریس قائم کیا جس کے ذریعہ اعلیٰ حضرت کی بہت سے تصانیف منظر عام پر آئیں۔ آپ اعلیٰ حضرت کے بھتیجے ہونے کے ساتھ داماد بھی تھے۔

اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بسا اوقات حاضر رہتے اور خوب مستفید ہوتے، غربا پروری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی آپ کا شعار تھا۔ سادگی میں زندگی گزاردی۔ ۵؍صفر ۱۴۰۱ھ/۱۴؍دسمبر ۱۹۸۰ء بروز اتوار انتقال ہوا۔ خانقاہ رضویہ میں

مدفون ہیں۔آپ نے مندرجہ ذیل تصانیف یادگار چھوڑیں۔

تصانیف:

(۱)مسلمانوں کے اسباب زوال

(۲)سیرت اعلیٰ حضرت

یہ کتاب سیدنا اعلیٰ حضرت کی سیرت پر نہایت عمدہ پیرایہ میں لکھی گئی ہے اور اکثر واقعات مصنف کے چشم دید ہیں۔

☆

مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی

(خلف اکبر حجۃ الاسلام)

مفسر اعظم ہند علامہ مفتی ابراہیم رضا خاں بریلوی کی ولادت باسعادت ۱۰؍ربیع الاول ۱۳۲۵ھ میں ہوئی۔امام احمد رضا نے محمد نام رکھا اور والد گرامی نے ابراہیم رضا نام تجویز فرمایا۔اعلیٰ حضرت نے پکارنے کیلئے جیلانی میاں رکھا۔محمد نام پر عقیقہ ہوا۔

دارالعلوم منظر اسلام میں مشاہیر علما سے تعلیم حاصل کی اور مشائخ کی موجودگی میں حجۃ الاسلام نے دستار بندی فرمائی اور اپنی نیابت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

۱۳۷۲ھ میں درس و تدریس کا آغاز فرمایا آپ بالخصوص کافیہ،قدوری،شرح جامی،مسلم شریف،مشکوۃ شریف، شفاء شریف،ترمذی شریف کا درس دیا کرتے تھے،عربی میں کمال درجہ کا عبور حاصل تھا،دوران درس عربی زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے،مسلم شریف اور شفا شریف پڑھاتے وقت وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔

آپ کا وصال ۱۱؍صفر المظفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۲؍جون ۱۹۶۵ء بروز ہفتہ ہوا۔

اب تک کی دریافت کے مطابق آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں :

تصانیف:

(۱)ترجمہ الدرر السنیہ

(تصنیف علامہ زینی دحلان مکی استاذ اعلیٰ حضرت کا اردو ترجمہ)

(۲)تشریح قصیدۂ نعمانیہ(قصیدۂ امام اعظم کا اردو ترجمہ)

(۳)ترجمہ تحفۂ حنفیہ(تصنیف مولانا اشرف علی گلشن آبادی کا ترجمہ)

(۴)ذکر اللہ

(۵)نعمت اللہ

(۶)حجۃ اللہ)

(۷)فضائل درود شریف

(۸)نور الصفا لعبد المصطفیٰ

(۹)تفسیر سورۂ بلد

(۱۰)زیارۃ القبور

(۱۱)معارف القرآن

(۱۲)معارف الحدیث

(۱۳)انتخاب مثنوی

(۱۴) آیات متشابہات

☆

ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں

(خلف اکبر حضرت مفسر اعظم ہند)

پیدائش و تعلیم: ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ کے بڑے شہزادے ہیں، آپ کی ولادت ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء میں ہوئی۔ آپ کو خانقاہ قادریہ رضویہ حامدیہ کا سجادہ نشین حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے اپنی حیات ہی میں نامزد فرما دیا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے جس وقت آپ کو اپنے رجسٹرڈ وقف نامہ اور وصیت نامہ میں سجادہ نشین منتخب فرمایا اس وقت آپ کی عمر محض ۴/سال کی تھی۔ سجادہ نشینی کے انتخاب کے ساتھ حضرت حجۃ الاسلام نے اسی عمر میں حضرت ریحان ملت کو اپنی اجازت وخلافت سے بھی نوازا تھا۔

حضرت حجۃ الاسلام نے مؤرخہ ۳۰/اگست ۱۹۳۸ء کو یہ وقف نامہ اور وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا۔ یہ وقف نامہ مؤرخہ ۲/ستمبر ۱۹۳۸ء کو بریلی تحصیل میں رجسٹرڈ ہوا۔ حضرت جیلانی میاں علیہ الرحمہ، حضرت نعمانی میاں اور حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کی جانشینی سے متعلق اس رجسٹرڈ وصیت نامہ میں جو تصریحات ہیں انہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"**انتظام تولیت خانقاہ شریف:** متولی وسجادہ نشین خانقاہ ہمارے بعد ہمارے دونوں فرزند یکے بعد دیگرے، "اکبر" بعدہ "اصغر" اوران کے بعد ہمارا نبیرہ "ریحان رضا خاں سلمہ" صاحب سجادہ ومتولی ہوگا۔ ہمارے خلف اکبر "ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں"، کو حضور پُر نور "اعلیٰ حضرت" قبلہ قدس سرہ نے اپنا "مجاز وماذون" بشرط علم فرمایا تھا اور خلف اصغر "حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں"، سلمہ کو مجھ مقرِّ اول نے بشرط علم "اجازت وخلافت" دی اور اپنے نبیرہ "ریحان رضا خاں" سلمہ کو بھی "مجاز وماذون" کیا۔" (رجسٹرڈ حامدی وقف نامہ)

سیدی سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ امام النحو حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ سے بھی آپ نے تحصیل علم فرمائی۔ منظر اسلام سے بھی آپ نے تحصیل علم فرمائی۔ حضرت مفسر اعظم ہند کے حکم پر محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد صاحب قبلہ کی خدمت میں رہ کر آپ نے لائل پور پاکستان میں بھی تعلیم حاصل کی۔

تصانیف: فراغت کے بعد حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کے انتقال فرما جانے کی وجہ سے مرکز اہل سنت، خانقاہ رضویہ، منظر اسلام وغیرہ کی ساری ذمہ داریاں آپ ہی کے کاندھوں پر آ گئیں۔ اگر چہ ان تمام ذمہ داریوں کے باوجود آپ باقاعدہ منظر اسلام میں طلبہ کو پڑھاتے، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی ادارتی ذمہ

داریاں بھی سنبھالتے ،فتویٰ نویسی بھی فرماتے لیکن تصنیف و تالیف کے لیے جو پُرسکون ماحول درکار ہوتا ہے وہ آپ کو حاصل نہ ہوسکا۔جس کی وجہ سے با قاعدہ آپ کی تصانیف تو نہیں ملتیں البتہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت کے شماروں میں شائع شدہ آپ کے کئی مقالات اور مضامین کافی اہمیت کے حامل ہیں اگر ان سب کو مرتب کر دیا جائے تو ایک اچھا خاصا مجموعہ تیار ہوسکتا ہے۔ان مضامین کے علاوہ ٹی وی، ویڈیو اور جاندار کی تصویروں کے حکم شرعی پر مشتمل آپ کا ایک مختصر رسالہ بھی ملتا ہے جسے آپ نے ایک سوال کے جواب میں فتویٰ کی صورت میں تحریر فرمایا تھا۔ آپ سے سوال ہوا تھا کہ ویڈیو کیسٹ اور ٹیلی ویژن کا شرعی حکم کیا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں تقریباً ۱۲؍صفحات پر مشتمل آپ نے یہ فتویٰ تحریر فرمایا جو بعد میں کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔اس کی ابتداء یوں ہے: ''**الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب** : ٹیلی ویژن اور ویڈیو کو وہ لوگ بھی جائز نہیں سمجھتے جو ان کا شوق رکھتے ہیں الخ۔''

اس فتویٰ اور رسالہ کا اختتام یوں ہوا ''نئے نئے احتمالات نکال کر ان کے جواز کی صورتیں پیدا کرنا فتنوں کا دروازہ کھولنا اور ابنائے زمانہ کی روش سے غافل ہونے کے مترادف ہے۔''

وصال: حضرت ریحان ملت کا وصال ۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/۱۲؍جون ۱۹۸۵ء کو ہوا۔آپ نے اپنی زندگی میں مرکز اہل سنت کو خوب تقویت عطا فرمائی۔آپ کی ذات سے مرکز و مسلک کو خوب استحکام حاصل ہوا۔آپ نے دنیا کے کئی ممالک کے دورے کیئے۔سلسلہ رضویہ کو بیرون ممالک میں آپ کی ذات سے خوب فروغ حاصل ہوا۔

حضرت ریحان ملت ۱۱؍صفر ۱۳۸۵ھ/۱۲جون ۱۹۶۵ء سے ۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/۸؍جون ۱۹۸۵ء تک خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ کے سجادہ نشین اور تمام اوقاف کے متولی رہے۔

☆

صدر العلما حضرت علامہ تحسین رضا خاں

(نبیرۂ استاذ زمن)

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت ۱۴؍شعبان ۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء میں محلّہ سوداگران میں ہوئی۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے: صدر العلما حضرت مولانا تحسین رضا خاں بن حکیم الاسلام مولانا حسنین رضا خاں بن استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں بن رئیس الاتقیا حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں۔علیہم الرحمہ

ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں ہوئی، درس نظامی کی تعلیم کے لیے دار العلوم منظر اسلام میں داخل ہوئے۔پھر دار العلوم مظہر اسلام میں داخلہ لیا۔محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب کی خصوصی عنایت سے بہرہ مند رہے اور تقسیم ہند کے

بعد انہی کی خدمت میں حاضر ہوکر لائلپور (فیصل آباد) پاکستان میں دورۂ حدیث کیا اور طلبہ میں تاج الطلبہ کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں حضور مفتئ اعظم اور صدر الشریعہ سر فہرست ہیں۔ ۲۵؍صفر ۱۳۸۰ھ میں عرس رضوی کی روحانی مجلس کے موقع پر علما ؤ مشائخ کی موجودگی میں حضور مفتئ اعظم نے آپ کو خلافت اور تمام وظائف کی اجازت سے سرفراز فرمایا۔

فراغت کے بعد مظہر اسلام میں مسند تدریس پر فائز ہوئے، ۱۹۷۵ء میں منظر اسلام کی مسند صدارت کو رونق بخشی اور سات سال تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۸۲ء میں جامعہ نوریہ رضویہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ کو یہاں صدارت اور شیخ الحدیث کا منصب سونپا گیا۔ ۲۳؍سال تک ان مناصب کو رونق بخشنے کے بعد ۲۰۰۵ء میں مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا میں شیخ الحدیث کا منصب سنبھالا، چند سال ہی گزرے تھے کہ حادثۂ فاجعہ پیش آگیا۔ ناگپور سے چندر پور جاتے ہوئے راستہ میں کار پلٹ گئی اور آپ ۱۸؍رجب ۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء کو جاں بحق ہوگئے۔ کانکر ٹولہ پرانا شہر میں مزار پاک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ آپ کی مرقد انور پر تا قیامت رحمت و نور کی بارش فرمائے، آمین

آپ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی اور باقی عمر مبارک درس وتدریس میں بسر فرمائی۔ آپ کی تصنیف کا موضوع ''فضائل مدینہ'' ہے اور ابھی حال ہی میں آپ کے ذخیرۂ کتب سے دست یاب ہوئی ہے۔

تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری

(نبیرۂ اعلیٰ حضرت)

آپ کی ولادت ۱۴؍ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ/۲۳؍نومبر ۱۹۴۲ء بروز منگل ہوئی۔ آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے: تاج الشریعہ مولانا اختر رضا خاں بن مفسر اعظم مولانا محمد ابراہیم رضا خاں بن حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہم الرحمۃ والرضوان۔ آپ کی والدہ ماجدہ نگار فاطمہ عرف سرکار بیگم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی صاحبزادی ہیں، لہٰذا آپ حضرت کے نواسے ہوئے۔

بسم اللہ خوانی کی تقریب کے بعد آپ کی تعلیم گھر پہ ہی شروع ہوئی، ناظرہ قرآن مجید والدہ ماجدہ سے پڑھا اور ابتدائی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، پھر اسلامیہ انٹر کالج میں داخلہ لیا اور یہاں سے انٹر تک تعلیم کے بعد منظر اسلام میں داخل ہوئے اور نصاب مکمل کرکے جامع ازہر مصر روانہ ہوئے اور تعلیم مکمل کرکے بریلی واپس آئے، فتویٰ نویسی کی مشق سیدی سرکار حضور مفتی اعظم سے کی اور چند سال میں ہی حضرت نے اپنی جانشینی کا شرف بخشا۔

درس وتدریس کے ساتھ تقریباً چالیس سال تک فتویٰ نویسی فرمائی، دنیا کے بیشتر ممالک میں تبلیغی دورے فرمائے، آپ کے مریدین ومتوسلین اور عقیدت مند پوری دنیا میں

کروروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ۶؍ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کو بریلی شریف میں انتقال ہوا، لاکھوں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی، محلّہ سوداگران میں خانقاہ رضویہ سے متصل ازہری گیسٹ ہاؤس میں تدفین عمل میں آئی۔

تصنیف و ترجمہ کا مشغلہ پوری زندگی جاری رہا، پچاس سے زیادہ کتابیں آپ نے علمی یادگار چھوڑیں جو حسب ذیل ہیں:

اردو تصانیف:

۱۔ ہجرت رسول

اس کتاب میں ہجرت مدینہ کی خصوصیت اور مدینہ مکرمہ کی مدینہ مکرمہ پر فضیلت بیان فرمائی ہے۔

۲۔ آثار قیامت

۳۔ ٹائی کا مسئلہ

اس کتاب میں ٹائی کے تعلق سے بیان فرمایا ہے کہ یہ نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے۔

۴۔ حضرت ابراہیم کے والد تارخ یا آزر

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے آبائے کرام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ تک سب مؤمن تھے، لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد جو حضور اکرم ﷺ کے نسبی شجرہ میں ہیں وہ آزر نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ بت تراش تھا اور بت پرست مشرک بھی۔ لہٰذا اس کتاب میں آپ نے ثابت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارح تھے آزر نہیں تھا۔

۵۔ ٹی وی اور ویڈیو کا آپریشن مع شرعی حکم

ٹی وہ اور ویڈیو کے استعمال کا مسئلہ ماضی قریب میں خود علمائے اہل سنت کے درمیان مختلف فیہ رہا، آپ نے اس کی تحقیق فرما کر حکم شرعی سے آگاہ کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ ان دونوں کے ذریعہ دینی پروگرام سے متعلق جاندار کی تصاویر ناجائز ہیں۔

۶۔ شرح حدیث نیت

تمام کاموں کا دارومدار نیتوں پر ہے، یہ ایسا مسئلہ ہے جس کو خاص و عام سب جانتے ہی اور یہ حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے اس کے بہت سے گوشے اجاگر کیے ہیں۔

۷۔ سنو چپ رہو

۸۔ دفاع کنز الایمان (۲؍جلد)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ترجمۂ قرآن پر اعتراضات کرنا دیوبندیوں کا شیوہ رہا ہے، اسی روش کو اپناتے ہوئے دیوبندی مولوی امام علی قاسمی رائے پوری نے بھی ایک کتاب ''قرآن پر ظلم'' کے نام سے لکھی۔ آپ نے اس کا نہایت تحقیقی جواب دیا ہے۔

۹۔ الحق المبین

۱۰۔ تین طلاقوں کا شرعی حکم

چاروں امام اس بات پر متفق ہیں کہ ایک مجلس میں اگر تین طلاقیں دیں تو تین ہی شمار ہوں گی۔ غیر مقلدین نے یہ مسئلہ اختراع کیا کہ نہیں بلکہ اس صورت میں صرف ایک ہو گی۔ آپ نے اس کی اجمالاً ایسی تحقیق فرمائی ہے کہ غیر مقلدین اس کے جواب سے عاجز ہیں۔

۱۱۔ کیا دین کی مہم پوری ہو چکی؟

۱۲۔ جشن عید میلاد النبی

۱۳۔ سفینۂ بخشش (نعتیہ دیوان)

۱۴۔ فضیلت نسب

۱۵۔ تصویر کا مسئلہ

اس کتاب میں عکسی تصویر کی حرمت اور متواتر المعنی احدیث سے اس کا اثبات نیز درجنوں کتب فقہیہ سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

۱۶۔ اسمائے سورۃ فاتحہ کی وجہ تسمیہ

۱۷۔ القول الفائق بحکم الاقتداء بالفاسق

۱۸۔ سعودی مظالم کی کہانی اختر رضا کی زبانی

۱۹۔ العطایا الرضویہ فی فتاویٰ الازہریہ المعروف ازہر الفتاویٰ (زیر ترتیب ۵ جلد) (دو جلدیں مطبوعہ)

عربی تصانیف:

۱۔ الحق المبین

۲۔ الصحابۃ نجوم الاھتداء

۳۔ شرح حدیث الاخلاص

۴۔ نبذۃ حیاۃ الامام احمد رضا

۵۔ سد المشارع

۶۔ حاشیہ عصیدۃ الشہدہ شرح القصیدۃ

۷۔ تعلیقاتِ زاہرہ علی صحیح البخاری

۸۔ تحقیق ان ابا سیدنا ابراہیم (تارح) لا (آزر)

۹۔ مرأۃ النجدیہ بجواب البریلویہ (۲ جلد)

۱۰۔ نہایۃ الزین فی التخفیف عن ابی لہب یوم الاثنین

۱۱۔ الفردۃ فی شرح قصیدۃ البردۃ

عربی زبان سے اردو زبان میں اعلیٰ حضرت کی کتابوں کے ترجمے:

۱۔ انوار المنان فی توحید القرآن

۲۔ المعتقد المنتقد مع المعتمد المستمد

۳۔ الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی

تعاریب (یعنی اعلیٰ حضرت کی اردو کتب کا عربی زبان میں ترجمے):

۱۔ برکات الامداد لاہل الاستمداد

۲۔ فقہ شہنشاہ

۳۔ عطایا القدیر فی حکم التصویر

۴۔اہلاک الوہابین علی توہین قبور المسلمین

۵۔تیسیر الماعون لسکن فی الطاعون

۶۔شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام

۷۔قوارع القھار علی المجسمۃ الفجار

۸۔الھاد الکاف فی حکم الضعاف

۹۔الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء

۱۰۔سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح

۱۱۔حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین

ان مشغولیات کے ساتھ ہی آپ نے فتاویٰ رضویہ جلد اول مع رسائل، نیز دیگر رسائل رضویہ کو عربی زبان کے قالب میں ڈھالا جو آپ کا عظیم کارنامہ ہے جس کی عرب دنیا میں پذیرائی ہوئی جب کہ ابھی فتاویٰ رضویہ جلد اول کی اشاعت باقی ہے۔

اسی طرح آپ نے کچھ عربی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا بھی اور کرایا بھی۔ان میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف ''الزلال الانقیٰ'' جو عربی زبان کا شاہکار ہے اس کا ترجمہ۔''انوارالمنان'' کا ترجمہ اور پھر المعتقد کے ساتھ المستند المعتمد کا ترجمہ بھی آپ نے عالمانہ انداز میں فرمایا ہے۔

مندرجہ بالا اکسٹھ کتابوں کی فہرست میں سے بعض کا مختصر تعارف اور بعض کے اجمالی بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ ¤ کی تصنیفی خدمات نمایاں ہیں۔اور ان سب پر آپ کے فتاویٰ مستزاد ہیں جو آٹھ یا نو جلدوں میں از ہر الفتاویٰ کے نام سے شائع ہونے والے ہیں جن کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

منقبت در شان ریحان ملت

از۔مولانا پھول محمد نعمت رضوی، مظفر پور بہار

دیکھ کر ہوں محو حیرت شاہ رحمانی میاں
آپ کی یہ شان و عظمت شاہ حمانی میاں

آ رہی ہیں یہ صدائیں اب بھی ہر تحریر سے
آپ ہیں فخر صحافت شاہ رحمانی میاں

مدرسہ اور ماہنامہ کو ملا ایسا فروغ
واہ رے شانِ ادارت شاہ رحمانی میاں

دین و مسلک کی اشاعت کے لیے بیرون ملک
آپ کا زورِ خطابت شاہ رحمانی میاں

حضرت جیلانی کے دولت کدے میں دھوم تھی
آپ کے وقت ولادت شاہ رحمانی میاں

مظہر اسلام پاکستان بھی پڑھنے گئے
پائی منظر کی نظامت شاہ رحمانی میاں

بارہ سالہ آپ کی تدریسی خدمت ہے گواہ
آپ کی فنی مہارت شاہ رحمانی میاں

تین سالوں تک رہے منظر میں خود شیخ الحدیث
آپ کی وہ قابلیت شاہ رحمانی میاں

کر گئے قائم رضا کے نام پہ برقی پریس
بحر ترویج و اشاعت شاہ رحمانی میاں

اپنے دامن پر نہیں لگنے دیئے دھبّے تلک
آپ نے کی جب سیاست شاہ رحمانی میاں

اپنے دادا حجۃ الاسلام سے حاصل کیا
آپ نے وہ شرفِ بیعت شاہ رحمانی میاں

مفتی اعظم کی ذات محترم نے بھی جناب
آپ کو دی تھی خلافت شاہ رحمانی میاں

مفتی اعظم کے، جیلانی میاں کے فیض سے
ہو گئے ریحانِ ملت شاہ رحمانی میاں

دے کے نعمتؔ قیمتی سرمایہ اپنی قوم کو
چل دیئے ہیں سوئے جنت شاہ رحمانی میاں

امام احمد رضا کا تقویٰ

از: حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، سابق پرنسپل جامعہ اشرفیہ مبارک پور

سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی شریعتِ مصطفیٰ وسنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی پابندی سے آراستہ ہے۔ان کے تقوے کی شان بڑی بلند وبالا ہے۔

تقوے کا اجمالی منظر اس طرح کے بہت سے واقعات سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخِ زندگی سے وابستہ ہیں جن میں ان کا عرفان، خوف خدا اور پرہیز گاری وتقویٰ کا حسن و جمال صاف جھلکتا ہے۔ میں اجمالاً چند واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں جن میں مختلف اصنافِ تقویٰ کے جلوے نظر آئیں گے تقسیم وتنویع سے صرف نظر کرتے ہوئے سبھی کو تقوے کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حقوق العباد کی اہمیت کو امام احمد رضا کا قلب صافی خوب محسوس کرتا ہے۔اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے۔**اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد**۔ رمضان میں بعد افطار صرف پان کھا لیتے اور سحری کے وقت ایک چھوٹے سے پیالے میں کھیر تناول فرماتے۔ زمانۂ اعتکاف میں ایک دن ملازم بچہ دو گھنٹے کی تاخیر سے پان لے کر آیا۔حضرت نے اس ایک چپت مار کر فرمایا۔اتنی دیر میں لایا۔اس کے ایک چپت مارنے پر انہیں رات بھر فکر رہی۔آخر سحر کے وقت اسے بلوایا اور فرمایا کہ رات جو تاخیر ہوئی اس میں تمہارا قصور نہ تھا۔ بھیجنے والے کی کوتاہی تھی۔مجھ سے غلطی ہوئی کہ تمہیں چپت ماری۔اب تم میرے سر پر چپت مارو۔ٹوپی اتار کر اصرار فرماتے رہے۔بچہ دم بخود کانپنے لگا۔ہاتھ جوڑ کر عرض کیا حضور میں نے معاف کیا۔فرمایا تم نابالغ ہو تمہیں معاف کرنے کا حق نہیں چپت مارو۔پھر اپنا بکس منگوا کر مٹھی بھر کر پیسے نکالے اور فرمایا کہ پیسے تم کو دوں گا تم چپت مارو۔آخر خود اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سی چپتیں اپنے سر پر لگائیں اور پھر اسے پیسے دے کر رخصت کیا۔

وقتِ وصال سے کچھ ایام پہلے کا چشم دید واقعہ مولانا جعفر شاہ پھلواری لکھتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد اپنے ضعف ومرض کی حالت میں درد واثر میں بھری ہوئی آواز میں چند وداعی کلمات کچھ اس طرح کہے:

''میری طرف سے تمام اہل سنت مسلمانوں کو سلام پہنچا دو اگر میں نے کسی کا قصور کیا ہے تو میں اس سے بڑی عاجزی سے اس کی معافی مانگتا ہوں۔ مجھے خدا کے لئے معاف کر دو یا مجھ سے کوئی بدلہ لے لو۔

(جہانِ رضا، ص۱۲۴۔مضمون مولانا جعفر شاہ پھلواروی۔ مرتبہ: مرید احمد چشتی، مرکزی مجلس رضا لاہور)

وصایا میں وصال سے چند ماہ قبل کے ایک اجلاس اور خطاب کا ذکر ہے جس کے آخر میں فرمایا گیا:

آپ حضرات نے کبھی مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دی۔ میرے کام آپ لوگوں نے خود کئے مجھے نہ کرنے دئے۔ مجھے آپ سب صاحبوں کو جزائے خیر دے۔ مجھے آپ صاحبوں سے امید ہے کہ قبر میں بھی اپنی جانب سے کسی قسم کی تکلیف کے باعث نہ ہوں گے۔ میں نے تمام اہلسنت سے اپنے حقوق لوجہ اللہ معاف کر دیے ہیں۔ آپ لوگوں سے دست بستہ عرض ہے کہ مجھ سے جو کچھ آپ کے حقوق میں فرو گذاشت ہوئی ہے وہ سب معاف کر دیں اور حاضرین پر فرض ہے کہ جو حضرات موجود نہیں ان سے معافی کرالیں۔

(وصایا شریف، ص ۲۲۔ اشاعت المجمع الاسلامی، مبارک پور ۱۴۰۴ھ)

(۲) گھر میں فوٹو اور تصویریں ہرگز برداشت نہ کرتے۔ وقت وصال روپے پیسے تک بھی نکلوا دیے کہ ملائکۂ رحمت کی تشریف آوری میں کسی طرح کا شبہ بھی نہ رہ جائے۔

(۳) تواضع وانکساری کی یہ حالت تھی کہ ایک بار پیلی بھیت آتے وقت ٹرین میں تاخیر تھی تو اسٹیشن پر آرام کرسی بیٹھنے کو دی گئی۔ فرمایا یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے۔ تشریف رکھی مگر پشت نہ لگائی اور وظائف میں مشغول رہے۔ کسی صاحب کو اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ایک مسلمان حجام کے برابر بیٹھنا پڑا تو آئندہ انھوں نے آنا ہی ترک کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا میں بھی ایسے متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

(۴) اِطاعت والدین میں بھی ان کی مثال پیش کرنی مشکل ہے۔ والدِ گرامی کے وصال کے بعد اپنی پوری باگ ڈور والدہ ماجدہ قدس سرہا کے ہاتھ میں دے رکھی تھی۔ بے اذن حج نفل بھی گوارا نہ کیا۔ جو کچھ رقوم ہوتیں سب والدین کی خدمت میں حاضر کر دیتے۔ ان کی اجازت کے بغیر کتابیں بھی نہ خریدتے۔

مولانا فضل رسول بدایونی قدس سرہ کے عرس میں ایک بار شرکت فرمائی۔ مولوی سراج الدین آنولوی کوئی میلاد خواں واعظ تھے۔ انھوں نے دوران تقریر یہ کہا کہ ''پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں روح ڈالیں گے۔'' چوں کہ اس میں حیات انبیاء علیہم السلام کے مسلمہ اصول سے انکار نکلتا تھا۔ یہ سن کر اعلیٰ حضرت کا چہرہ متغیر ہو گیا اور مولانا عبد القادر علیہ الرحمہ سے فرمایا: آپ اجازت دیں تو میں ان کو منبر سے اتار دوں۔ مولانا علیہ الرحمہ نے ان کو بیان سے روک دیا اور مولانا عبد المقتدر صاحب سے فرمایا کہ: ایسے بے علم لوگوں کو مولانا احمد رضا خاں کے سامنے میلاد شریف پڑھنے نہ بٹھایا کیجئے جن کے سامنے بیان کرنے والے کے لئے علم اور زبان کو بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ ان ہی وجوہ سے آج کل کے واعظین اور میلاد خوانوں کے بیانوں، وعظوں

میں جانا چھوڑ دیا اور حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے متعلق فرمایا کہ حضرت ان میں سے ہیں جن کا بیان خوشی سے سنتا ہوں۔

(حیات اعلیٰ حضرت ص۱۸۴و۱۸۵)

یہ حصہ بھی خاص طور سے قابل غور ہے کہ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ اگر چہ باضابطہ سندی عالم نہ تھے مگر علم باطن نے علم ظاہر میں ایسا پختہ کار بنا دیا تھا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی جیسا محقق اور عالم وعارف ان کا بیان بخوشی سنتا۔اس لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ: کوئی صوفی علم ظاہر سے خالی نہ ہوگا اور جو خالی ہو وہ صوفی نہیں مسخرۂ شیطان ہے۔(مقال عرفا وغیرہ)

(۵) خدمتِ دین پر اپنوں کی مدح اور غیروں کی قدح انسان کو عُجب و کبر اور نفسانی غصہ وانتقام میں مبتلا کر دیا کرتی ہیں۔مگر امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

بخدا میں ان کا بر علماء و اولیاء کی مدح پر نہ اتراتا ہوں نہ ان دشمنانانِ خدا اور رسول کی گالیوں سے غصہ میں آتا ہوں۔خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس ناچیز کو اس قابل بنایا کہ اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ناموس کی حفاظت میں گالیاں سنے۔جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے ہیں اتنی دیر تو میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں۔ان کی ساری زندگی کا نقشہ یہ ہے۔

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش زطعن
نہ مرا گوش بہ مدحے نہ مرا ہوش ذمے

ان کے اخلاق و عادات اور اتباع شرع کا بیان کہاں تک ہو۔ایک عینی مشاہدہ مولانا سید شاہ ابوسلمان محمد عبدالمنان قادری جو ابتدا میں اعلیٰ حضرت کے مخالف تھے انھوں نے یہ تحریری بیان دیا کہ:

''اعلیٰ حضرت اخلاق نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک زندہ مثال ہیں۔آپ کی زیارت نے تمام وکمال فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوتی ہیں وہ کم ہیں''

(۶) احتیاط فی القول کا یہ حال تھا کہ کسی حل یا جواب میں ذرا بھی خامی و غلطی ہوتی تو اسے ''صحیح'' کہنے سے پرہیز کرتے۔

چنانچہ سید ایوب علی صاحب نے رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ کے اوقاتِ نماز پنجگانہ کا نقشہ بنا کر بھیجا،دس پندرہ منٹ کے بعد اصلاح کے ساتھ واپس آیا جہاں جہاں بھی خامی تھی اس پر غلط کا نشان اور جو صحیح تھا اس پر صحیح کا نشان بنا دیا گیا تھا ایک خانہ میں بجائے صحیح کے ''خیر'' لکھا تھا غور کیا تو سکنڈ کے ہزارویں حصے کی غلطی تھی،جس سے اوقات پر کوئی اثر نہیں آتا۔مگر غلطی بہرحال غلطی ہے اس لئے صحیح کا نشان نہ دیا بلکہ خیر لکھا تھا۔

(۷) پیلی بھیت کے مشہور بزرگ شاہ جی محمد شیر میاں علیہ الرحمہ سے ملنے محدث سورتی کے ہمراہ تشریف لے گئے۔دیکھا کہ شاہ صاحب بے حجابانہ عورتوں سے بیعت لے رہے ہیں۔احکام شرع پر کمال غیرت کے باعث اعلیٰ حضرت بغیر ملے

ہوئے واپس تشریف لائے کوئی دوسرا ہوتا تو بگڑ جاتا۔مگر شاہ صاحب کی بے نفسی وحق پسندی کا کمال اس طرح جلوہ گر ہوا کہ شام کو اسٹیشن تک پہنچانے تشریف لائے اور صبح کے واقعہ پر اظہار افسوس کے ساتھ کہا۔مولانا!اب آئندہ میں عورتوں کو پس پردہ بٹھا کر بیعت لیا کروں گا۔اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے ان سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا۔(حیات اعلیٰ حضرت،ص۲۰۶)

(۸)مسجد میں وضو کا مستعمل پانی گرانا جائز نہیں،خواہ وہی پانی ہو جو اعضا پر لگا رہ جاتا ہے۔ایک بار سخت سردی میں شدید بارش ہو رہی تھی۔اعلیٰ حضرت معتکف تھے۔باہر وضو کی صورت نظر نہ آئی۔لحاف کو چارتہ کر کے اس پر وضو کیا ایک قطرہ بھی فرش پر گرنے نہ دیا۔اور پوری رات سردی سے ٹھٹھر کر بسر کر دی۔(حیات اعلیٰ حضرت ص۱۸۰)

(۹)جب مسجد میں داخل ہوتے تو دایاں پاؤں آگے بڑھاتے۔ہر صف کو دایاں قدم بڑھاتے ہوئے عبور کرتے۔اس طرح محراب تک مصلّے پر پہنچ جاتے۔فرض نماز صرف کُرتے اور ٹوپی پر بغیر عمامہ کبھی ادا نہ کی۔

دکھتی آنکھوں سے جو پانی گرے ناقضِ وضو ہے۔ایک بار آشوبِ چشم تھا تو ہر نماز کے بعد کسی سے آنکھ دکھا لیتے کہ پانی حلقۂ چشم سے باہر تو نہیں آیا ورنہ دوبارہ وضو کر کے نماز لوٹانی ہوگی۔

(۱۰)حدیث کے مطابق تہمت کی جگہوں سے بھی پرہیز کرتے۔مٹی کا تیل چوں کہ بدبودار ہوتا اس لئے مسجد میں جلانا ناجائز ہے۔ایک بار حاجی کفایت اللہ صاحب نے لالٹین میں ارنڈی کا تیل بھر کر جلایا۔فرمایا حاجی صاحب!اسے باہر کیجئے۔ورنہ لوگوں کو بتاتے رہیئے کہ اس میں مٹی کا تیل نہیں ارنڈی کا تیل ہے۔راہ چلتے لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ دوسروں کو مسجد میں بدبودار تیل جلانے سے ممانعت کی جاتی ہے اور خود اپنی مسجد میں جلاتے ہیں۔آخر حاجی صاحب نے لالٹین کو باہر کر دیا۔

(۱۱)حامد علی خاں نواب رامپور سے حضرت مہدی میاں کے مراسم تھے۔ایک بار چاہا کہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات کراؤں۔نواب کے ساتھ اسپیشل ٹرین سے سفر میں تھے۔بریلی اسٹیشن سے مدارالمہام کی معرفت ڈیڑھ ہزار کی نذر بھیجی اور پیغام کہلایا کہ میاں نے دیا ہے اور نواب کو ملاقات کا موقع دیا جائے۔جواباً دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے مدارالمہام سے فرمایا:بعد سلام ان سے کہئے یہ الٹی نذر کیسی؟مجھے چاہیئے کہ میاں کی خدمت میں نذر پیش کروں،نہ کہ میاں مجھے نذر دیں۔اس نے کہا حضور ڈیڑھ ہزار ہیں(جو آج کے سکے میں تقریباً ۷۵ ہزار کے برابر ہوں گے)فرمایا جو بھی ہوں واپس لے جایئے۔فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والیٔ ریاست کو بلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔(حیات اعلیٰ حضرت)

(۱۲)ایک صاحب داخل سلسلہ ہو کر کسی وظیفہ کے خواہشمند ہوئے۔ان کی ڈاڑھی حد شرع سے کم تھی۔فرمایا

صاحب! جب ڈاڑھی شرع کے مطابق ہوجائے گی وظیفہ بتایا جائے گا۔ کچھ دنوں بعد پھر درخواست کی۔ فرمایا: کسی التماس کی ضرورت نہیں جب ڈاڑھی شرع کے مطابق ہو جائے گی وظیفہ بتایا جائیگا۔ یعنی نفل پر واجب مقدم ہے۔ کسی کی زندگی معلوم کرنے کے لئے اس کے پڑوسیوں کا بیان خاص طور سے قابل غور ہوتا ہے۔ پڑوسیوں سے کچھ نہ کچھ نزاع ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے بعض ایسے بھی ملتے ہیں کہ اپنے دنیوی نقصان کے باعث اپنے نیک پڑوسیوں کی بھی بے جا شکایت کرتے ہیں۔ مگر امام احمد رضا کے پڑوسی بھی ان کے معترف نظر آتے ہیں۔

(۱۳) محمد شاہ خاں عرف حاجی منتھن خان ایک معزز زمیندار اور اعلیٰ حضرت کے پڑوسی تھے۔ عمر اعلیٰ حضرت سے زیادہ تھی۔ سید ایوب علی صاحب و سید قناعت علی صاحب نے ایک دن دیکھا کہ یہ اپنی زمینداری و سن رسیدگی کے باوجود بڑے ادب سے آستانۂ رضویہ کی جاروب کشی کر رہے تھے۔ سید قناعت علی صاحب کو گوارا نہ ہوا۔ آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے جھاڑو لینا چاہی مگر حاجی صاحب نہ مانے اور فرمانے لگے صاحبزادے! یہ میرا فخر ہے کہ اپنے شیخ کے آستانۂ عالیہ کی جاروب کشی کروں (ان لوگوں کو ابھی معلوم نہ تھا کہ یہ بھی داخل ارادت ہیں) فرمایا۔ میں عمر میں حضور سے بڑا ہوں۔ ان کا بچپن دیکھا، جوانی دیکھی، اور اب بڑھاپا دیکھ رہا ہوں۔ ہر حالت میں یکتائے زمانہ پایا تب ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ بڑھاپے میں تو ہر کوئی بزرگ ہو جاتا ہے۔ انہیں بچپن میں ضرب المثل اور یکتائے روزگار دیکھا۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ص ۲۵)

نذرانۂ خلوص بخدمت حضور سبحانی میاں صاحب قبلہ

از قلم۔ ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، ملنگوا، سرلاہی، نیپال

خاندان اعلیٰ حضرت کی نشانی آپ ہیں
نور چشم حضرت حامد، جیلانی آپ ہیں

گلشنِ ریحاں رضا کے اک شگفتہ پھول آپ
اور نسیم جاں، بہار جاودانی آپ ہیں

منظر اسلام کے بانی امام احمد رضا
بعد ریحاں اس کے وارث خاندانی آپ ہیں

لہلہاتا ہے چمن جو منظر اسلام کا
اس چمن کے باغ بانوں کی نشانی آپ ہیں

لخت دل، نورِ نگاہِ حضرت ریحاں رضا
اعلیٰ حضرت کے مشن کی ترجمانی آپ ہیں

اعلیٰ حضرت کے مشن کو جس نے بخشا ہے عروج
آج بھی خلوت سے کرتے پاسبانی آپ ہیں

اس لئے ہے آپ کے طالب کا حلقہ بھی وصی
خوب کرتے طالبوں پہ مہربانی آپ ہیں

آپ کی اس عہد میں ملتی نہیں کوئی مثال
اک مثالی جینے والے زندگانی آپ ہیں

زندگی میں اپنے احسن کو بنا کر جانشین
اس روایت کے وصیؔ اک زندہ بانی آپ ہیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی امامِ تصنیف وتالیف

از: مفتی محمد عاقل رضوی، صدر المدرسین وشیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشق رسول اکرم ﷺ اور اپنے تجدیدی کارناموں کی وجہ سے شہرۂ آفاق شخصیت کے حامل ہیں۔ اصحاب علم وفضل، عوام وخواص، اپنے بیگانے، سب ان کی عظمت کے قائل اور معترف ہیں۔

پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں ان کی گراں قدر تصانیف سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس عظیم شان کا محقق ومصنف، فقیہ ومحدث صدیوں میں نظر نہیں آتا۔ فقہ وافتاء میں قوتِ استحضار، ندرتِ استدلال، دلائل کی کثرت، فقہاء کے مختلف اقوال میں تطبیق وترجیح ان سب کے ساتھ فضلِ الٰہی و عطائے رسول اکرم ﷺ سے علم وہبی کے دلکش نظاروں نے امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو اصحاب علم وفضل اور عوام سبھی کا مرجع فتاویٰ بنا دیا۔ بلا شبہ وہ اپنے زمانے کے سب سے عظیم محدث وفقیہ ہونے کے ساتھ دیگر تمام علوم میں بھی سب سے فائق اور سب کے امام تھے۔

فقہ وافتاء میں امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرۂ امتیاز یہ رہا کہ وہ مسئلہ کی نزاکت، حال وماحول کی ضرورت کے پیش نظر بہت سارے سوالوں کے جواب میں مسئلہ کی شرح وبسط کے ساتھ اس شان سے وضاحت فرماتے کہ مسئلہ دائرہ کا کوئی بھی گوشہ تشنۂ تحقیق نہ رہتا، نہ اس پر مزید کچھ لکھنے کی گنجائش، نہ مخالف کو مجالِ دم زدن۔ اور وہ سائل کے جواب میں ایک مستقل رسالہ کی تصنیف ہوتی جس کو آپ تاریخی نام کے ساتھ موسوم بھی فرماتے۔

"سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" کو ہی دیکھئے یہ امکانِ کذب الٰہی کے بارے میں ایک استفتاء کا جواب ہے مگر چونکہ علمائے دیوبند وگنگوہ امکان کذب الٰہی کے قائل تھے۔ جیسا کہ انہوں نے براہین قاطعہ میں لکھا اور تقریروں میں بھی ان کا اظہار کرنے لگے تھے ان حالات کے پیش نظر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف مختصر یا متوسط جواب تحریر نہیں فرمایا بلکہ اس جواب کو ایک مقدمہ، چار تنزیہات اور ایک خاتمہ پر مرتب فرمایا اور امکانِ کذب الٰہی کے محال ہونے پر تیس (۳۰) دلیلیں قائم فرمائیں۔ اور فرمایا کہ ان تیس دلیلوں میں پانچ دلیلیں اسلاف سے منقول ہیں، اور پچیس دلیلیں ھادئ اجل عزوجل کے فیضِ ازل سے قلب فقیر پر القا کی گئیں۔

دلیلیں پڑھیئے تو پڑھتے رہ جایئے: سطر سطر میں علم وہبی کی جلوہ گری نمایاں طور پر محسوس ہوگی۔ رسالہ کے آخر میں جو تحریر فرمایا، ناظرین اس پر خاص توجہ فرمائیں۔

للہ الحمد والمنہ! کہ آج اس مبارک رسالے، سنت کے

قبالے، رنگِ صدق جمانے والے، زنگ کذب گُمانے والے، علوم دینیہ میں تصانیف فقیر نے سو کا عدد کامل پایا۔

واضح رہے کہ سوال کے جواب میں لکھے جانے والے رسالے کے تصنیف ہونے کی وضاحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے رسالوں کے آخر میں بھی فرمائی ہے۔ جیسا کہ " الوفاق المتين بين سماع الدفين و جواب اليمين " کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

الحمد للہ آج اس رسالہ سے
تصانیف فقیر کا عدد ایک سو اسی
ہوا۔ اکرم الاکرمین جل جلالہ
قبول فرمائے اور فقیر حقیر اور
اہل سنت کے لئے دارین میں
حجت نجات بنائے آمین۔
حسن اتفاق یہ کہ یہ رسالہ سمع
ارواح کے بارے میں ہے اور
شمار تصنیف میں ایک سو اسی۔
اور اسمائے الٰہیہ میں صفت سمع
پر دال اسم پاک ''سمیع'' اس
کے عدد بھی یہی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ دونوں تحریریں اس بات کی واضح دلیل بلکہ نص جلی ہیں کہ سائل کا جواب اگر مستقل رسالہ کی شکل پر مرتب ہو، اور مجیب اس کو مستقل نام کے ساتھ موسوم کر دے، تو وہ اس کی مستقل تصنیف ہوتی ہے۔ جیسا کہ عوام و خواص سبھی جانتے مانتے ہیں۔ اور خاص بات یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام سوانح نگار، اعلیٰ حضرت کی تصریح کے مطابق ان تمام رسائل کو بھی تصانیف امام احمد رضا میں شمار کرتے آئے ہیں۔ خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مولوی رحمٰن علی صاحب نے فارسی زبان میں جو ''تذکرۂ علمائے ہند'' نامی کتاب ترتیب دی، اس میں اعلیٰ حضرت اور تصانیف اعلیٰ حضرت کا تفصیلی ذکر کیا۔ خاص پہلو یہ ہے کہ انہوں نے تصانیف میں ان کتابوں کو بھی شامل کیا جو کسی سوال کا جواب نہیں اور ان رسالوں کو بھی جو کسی سوال کے جواب میں تحریر کئے گئے۔ مذکورہ بالا اعلیٰ حضرت کی تصریح اور سیرت نگار مؤرخین کی وضاحت کے بعد اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ تصانیف اعلیٰ حضرت کے وسیع دائرے میں دونوں طرح کی تصانیف داخل ہیں، ہاں یہ حقیقت ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف کا ایک اہم حصہ وہ مبارک رسالے ہیں جو سائل کے جواب میں تحریر کئے گئے، اسی حیثیت سے وہ رسائل، فتاویٰ رضویہ، میں شامل ہیں۔ لیکن سائل کا جواب ہونے یا فتاویٰ رضویہ میں شامل ہونے کی وجہ سے ان کی مستقل تصنیف ہونے کی حیثیت ختم نہیں ہو جاتی جیسا کہ مختلف کتابوں کو ایک ساتھ شائع کرنے پر بھی ہر ایک مستقل کتاب، مستقل کتاب، ہی رہتی ہے۔ بلکہ امام احمد رضا

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسائل دلائل و براہین کی کثرت، استدلال کی ندرت کی وجہ سے دوسروں کی ضخیم کتابوں پر فائق اور حاوی نظر آتے ہیں۔

اس لحاظ سے بھی غور کرنا چاہئے کہ عرف فقہاء و مسلمین بھی اس بات کا شاہد ہے کہ فتویٰ کسی خاص نام کے ساتھ موسوم نہیں ہوتا۔ اگر فقیہ و مفتی اپنا مدلل و مفصل جواب لکھ کر کسی مستقل نام کے ساتھ موسوم کردے تو اس کو، اس کی تصنیف ہی کہا جاتا ہے۔

عصر حاضر کے مشہور مفتی، محقق مسائل جدیدہ حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی اکثر کتابیں جیسے۔ عصمت انبیاء، شیئر بازار کے مسائل، انسانی خون سے علاج کا شرعی حکم، تحصیل صدقات پر کمیشن کا حکم، اعضاء کی پیوندکاری، فلیٹوں کی خرید وفروخت کے جدید طریقے، آنکھ اور ناک میں دوا ڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں، نیٹ ورک مارکٹنگ کا شرعی حکم، جدید بینک کاری اور اسلام وغیرہ مجلس شرعی کے سوالات کے جوابات ہیں۔ حالانکہ عوام وخواص سب انہیں مفتی صاحب کی تصنیف اور مفتی صاحب کو ان کا مصنف کہتے ہیں اور وہ بھی انہیں اپنی تصنیف شمار کرتے ہیں۔ وجہ وہی ہے کہ جب اس کو مستقل نام کے ساتھ موسوم کردیا گیا تو وہ تصنیف کہلائے گی اور جواب دینے والا مصنف۔

ہاں یہ سچ ہے کہ اب تک جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف منظر عام پر آئیں ان میں وہ تصانیف زیادہ ہیں جو کسی سوال کے جواب میں تحریر کی گئیں ہیں۔ اگرچہ ان تصانیف کی تعداد بھی کسی طرح کم نہیں جو کسی سوال کے جواب میں نہیں۔ مثلا۔ الفرق الوجیز بین السنی العزیز و الوھابی الرجیز. اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ و الأل و الاصحاب . تمھید ایمان بآیات قرآن . دفعِ زیغ زاغ .ابحاث اخیرہ . قوارع القھار علی المجسمۃ الفجار . برکات السماء فی حکم اسراف الماء . قھر الدیان علی مرتد بقادیان . الزلال الانقیٰ من بحر سبقۃ الاتقیٰ . مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین . اجلی نجوم رجیم بر "ایڈیٹر" النجم. مجلتی العروس و مراد النفوس . القول النجیح لاحقاق الحق الصریح. اطائب الصیّب علی ارض الطیب.قانون رؤیت اھلۃ.فوز مبین در رد حرکت زمین .الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوھاء فلسفۃ المشئمۃ .کشف العلۃ عن سمۃ القبلۃ.جد الممتار . تاج توقیت . البرھان القویم علی العرض و التقویم .رسالۃ فی علم الجفر . اجلی الاعلام انّ الفتوی مطلقا علی قول الامام . انور و النورق لاسفار الماء المطلق . الدقۃ و التبیان لعلم الرقۃ والسیلان . سمع الندریٰ فیما یورث العجز من الماء . الظفر لقول زفر . المطر السعید علی نیت جنس الصعید . عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی. قوانین العلماء فی متیمم عند زَیدِ ماء . الطلبۃ البدیعۃ فی قول صدر الشریعۃ . مجلّی السمعۃ لجامع حدث و لمعۃ . انوار المنان فی

توحید القرآن . انوار البشارة فی مسائل الحج والزیارة . ازهار الانوار من صبا صلاة الاسرار . النیّرة الوضیة شرح الجوهرة المضیة مع حاشیة الطّرة الرضیة. خالص الاعتقاد . منیة اللبیب انّ التشریع بید الحبیب. ماحیة العیب بعلم الغیب . الوفاق المتین بین سماع الدفین و جواب الیمین . هدی الحیران فی نفی الفیٔ عن سید الاکوان . الزمزمة القُمریة فی الذَبّ عن الخمریة وغیرہ یہ وہ تصانیف ہیں جوکسی صریح سوال کے جواب کے طور پر نہیں لکھی گئیں۔

ان شواہد کی روشنی میں تحقیقی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی تصانیف کی تعداد ایک دو یا چند نہیں بلکہ بہت ہے جو دوسرے مصنفین کی زندگی بھر کی تمام تر تصانیف پر بہر اعتبار بھاری ہے اس لئے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے ان تصانیف میں وہ رنگِ تحقیق جمایا جو تصنیف و تالیف میں ان کی امامت وسیادت اجاگر و نمایاں کرنے کے لئے کافی وشافی ہے وہ سیکڑوں رسائل الگ ہیں جو سوال کے جواب میں تحریر کئے گئے۔

یہ بھی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ کی کمالِ شان کا پہلو ہے کہ ہزاروں مدلل فتاویٰ کے ساتھ آپ کی کثیر تصانیف بھی نوع بنوع ہیں اور شروح اور حواشی اس پر مستزاد۔ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ ہوں یا تصانیف یا شروح وحواشی یہ سب اہل سنت کا وہ قابل افتخار سرمایہ ہے جو کسی بھی دوسری جماعت کے پاس نہیں۔

جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مولانا شاہ محرم علی صاحب چشتی، صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور کے ۱۰ر سوالوں کے جواب میں جو تفصیلی تحریر ہے اس کا یہ حصہ موقع کی مناسبت سے نقل کیا جاتا ہے:

''نیازمند کی چار سو تصانیف سے صرف کچھ اوپر سو اب تک مطبوع ہوئیں اور ہزاروں کی تعداد میں بلا معاوضہ تقسیم ہوئیں''۔

اعلیٰ حضرت کی اس تحریر سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اعلیٰ حضرت بلاشبہ امام تصنیف وتالیف اور امام اہل سنت ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تصانیف اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام سے عام تر کیا جائے اور مل جل کر مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترویج و اشاعت کی جائے۔ ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جو جماعتی شیرازہ بندی میں خلل انداز ہو یا ذہنی الجھاؤ اور انتشار کا سبب بنے۔

واضح رہے کہ مذہب اہل سنت، مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کام کرنے والے تمام افراد قابل قدر اور لائق صد افتخار ہیں۔ یاد رہے کہ فتنوں کے اس دور میں ہم سب کا ایک ہی علامتی نشان ہے وہ ہے! مسلک اعلیٰ حضرت ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اللہ رب العزت ہم سب کو اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر قائم رہ کر مذہب اہل سنت، مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترویج واشاعت کا حوصلہ عطا فرمائے۔ اٰمین بجاہ نبیك الكريم عليه افضل التحية و التسليم

امام احمد رضا کی عبقریت کا اعتراف

امام احمد رضا قدس سرہ کی عبقری شخصیت کو تسلیم کرنے والے دانشوران عرب کے تاثرات کو بیان کرتی عمدہ تحریر

از: مولانا سید محمد ارشد اقبال، خطیب و امام مسجد انوار خالد شاہ، بنونی ساؤتھ افریقہ

۱۲۷۲ھ/ ۱۸۶۵ء میں علم و حکمت کے افق پر عشق و عرفان، فضل و کمال اور علوم و فنون کا ایک ایسا سورج طلوع ہوا جس کی کرنوں نے عجم کی وسعتوں کو عبور کر کے عرب کے خطوں تک مومنور و روشن کر ڈالا۔ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے فضل و کمال کا شہرہ جب اہل عرب تک پہونچا تو وہاں کی علمی مجلسوں میں آپ کو ایسی پذیرائی حاصل ہوئی جو اب تک کسی عجمی عالم کو حاصل نہ ہوئی۔

یوں تو عالم اسلام میں امام احمد رضا کا پہلا تعارف اس وقت ہوا جب وہ ۱۲۹۵ھ اور ۱۸۷۸ء میں اپنے والد ماجد علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لئے حرمین شریفین پہلی بار حاضر ہوئے۔ اس موقع پر حرم مکہ مکرمہ کے منصب جلیل ''مفتی شافعیہ'' پر فائز اور وقت کی عظیم شخصیت حضرت مفتی حسین بن صالح جمل اللیل المکی قدس سرہ السامی (م۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ء) نے بغیر کسی سابقہ تعارف کے (مسجد حرام میں بعد فراغت نماز مغرب) امام احمد رضا کا ہاتھ پکڑا اور ان کی پیشانی دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے ''**انی لا جد نور الله من هذاالجبین**'' میں اس (امام احمد رضا) پیشانی میں اللہ کا نور دیکھ رہا ہوں۔

امام احمد رضا کے اس پہلے سفر کے موقع پر آپ کے علمی جاہ و جلال کے دیکھتے ہوئے شیخ حسین بن صالح کے علاوہ مفتی شافعیہ سید احمد بن زینی دحلان مکی (م ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۱) مفتی حنفیہ شیخ عبد الرحمٰن سراج مکی (م ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۳ء) و دیگر بہت سے اکابر و اعاظم علما نے تفسیر، حدیث و فقہ، اصول فقہ وغیرہ کی سندوں سے آپ کو بغیر کسی مطالبہ کے سرفراز فرمایا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی (کراچی) لکھتے ہیں: ''محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی مندرجہ ذیل عربی تصنیف نے علمائے اسلام خصوصاً علمائے حرمین شریفین میں ان کے علمی وقار اور فقہ و حدیث و علوم اسلامیہ میں ان کے بلند مقام کو روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

(۱) فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین، (۱۲۹٤ھ،۱۸۷۱ء)
(۲) المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد، (۱۳۲۰ھ،۱۹۰۲ء)
(۳) الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیۃ، (۱۳۲۳ھ،۱۹۰۵ء)
(٤) الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البھیہ، (۱۳۲٤ھ،۱۹۰۵)
(٥) الاجازۃ المتنیۃ لعلمائے بکۃ والمدینۃ، (۱۳۲٥ھ،۱۹۰٦ء)

(٦) كفل الفقيه الفاهم فى احكام القرطاس الدراهم (١٣٢٤ھ، ١٩٠٦ء)

(٧) الفيو ضات الملكيه بالادلة المكيه، (١٣٢٥ھ، ١٩٠٧ء)

دوسری مرتبہ جب آپ زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے پہلے سفر کے نقوش ہی علمائے عرب کے قلوب واذہان پر اس طرح ثبت تھے کہ آپ کو وہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا چنانچہ اس بار کے سفر کے موقع پر سن ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء میں علم غیب کے موضوع پر **الدولة المكيه** کو حرم کعبہ کے چھاؤں میں صرف آٹھ نو گھنٹے میں امام احمد رضا نے تحریر فرما کر جب علمائے عرب کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے بڑی پذیرائی کی اور علمائے عرب کی ایک کثیر تعداد نے امام احمد رضا کی اس کتاب **الدولة المكيه** (بزبان عربی) کو اپنی تصدیقات وتقریظات سے جس انداز میں سراہا اور داد وتحسین سے نوازا اس کا اندازہ ذیل کے تاثرات سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

(۱) مفتی حنفیہ شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سراج (مکہ مکرمہ): ''بےشک وہ (امام احمد رضا) مشہور علما کے سلطان ہیں کسی تجربے کار نے بہت ٹھیک کہا کہ اگلے حضرات پچھلوں کے لئے بہت چھوڑ گئے میں نے اس میں اپنی نظر دوڑائی تو دیکھا اس میں اسرار معانی جھلک رہے ہیں۔ بیشک اس کے مصنف کھری بات لائے اور انہوں نے رشد وہدایت کا راستہ واضح کردیا۔ ہر جمع کرنے والا مؤلف نہیں اور اِدھر اُدھر سے بہت سی نقلیں لانا والا مصنف نہیں ہوتا۔ یہ تو عطائیں ہیں کہ مولائے کریم جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور اسے اعلیٰ بنادیتا ہے۔ (ص۲۱، **الدولة المكيه** مطبوعہ بریلی)

(۲) شیخ یوسف بن اسمعیل نبہانی (بیروت): مؤلف **جواهر البحار، شواهد الحق، حجة الله على العلمين** '' میں نے اس کا (الدولۃ المکیۃ) شروع سے اخیر تک مطالعہ کیا اور نہایت مفید ونفع بخش پایا۔ اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں جو ایک علامۂ کبیر اور امام اکبر کی طرف سے ظاہر ہوسکتی ہیں۔ اللہ اس رسالہ کے مصنف سے راضی رہے اور انہیں اپنی عنایتوں سے راضی کرے اور ان کی تمام نیک وپاکیزہ امیدوں کو برلائے۔ (آمین) (**الدولة المكيه**، ص۲۷۷)

(۳) شیخ العلما مفتی شافعیہ محمد سعید بن محمد با بصیل، (مکہ مکرمہ): فاضلِ کامل سیدی احمد رضا خاں کے رسالے مسمّٰی بہ ''**الدولة المكية بالمادة الغيبية**'' کا میں نے مطالعہ کیا۔ میرے نزدیک اس رسالہ کی تین وجوہ سے بڑی حیثیت ہے۔

اول: یہ کہ وہ شریعت کے اصول وفروع میں نہایت محقق ومدقق ہیں اور جس سمت رخ کریں ادھر کے سردار ہیں۔

دوم: یہ کہ اسے زمانۂ حج میں بہت قلیل مدت میں لکھا گیا۔

یہ رسالہ علمائے حرمین کے نزدیک بہت مقبول ہوا اور تمام علما نے اس پر تقریظیں لکھیں۔ آپ کی خوب تائید وتحسین کی پھر بھی یہ مصنف کی قدر ومنزلت سے کم ہے۔ (ملخص ص۱۷، **الدولة المكية**)

۲۔ اسی طرح علامہ فضل رسول بدایونی (م۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) کی عربی تصنیف **المعتقد المنتقد**

(۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) پر امام احمد رضا نے **المعتمد المستند** کے نام سے عربی تعلیقات وحواشی کا اضافہ کیا اور ان تعلیقات کا خلاصہ کر کے علمائے عرب کے سامنے جب پیش کیا تو ۔**الدولة المكية** (۱۳۲۳ھ) کی طرح مشائخ عرب اسے دیکھ کر مسرت وشادمانی سے جھوم اٹھے اور انہوں نے امام احمد رضا قدس سرہ کے علمی وفنی فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہوئے دل کھول کر تقریظیں لکھیں جنہیں بعد میں مرتب کر کے **حسام الحرمین** (۱۳۴۲ھ) کے نام سے شائع کیا گیا۔ یہ دیکھیں علمائے عرب نے کس انداز میں آپ کی تحسین فرمائی ہے۔

(۱)**شیخ سید اسمعیل بن خلیل**، (محافظ کتب خانہ حرم مکہ مکرمہ) میں اللہ عزوجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہیں۔منقبت اور فخر والے ہیں۔ اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے ۔ یکتائے زمانہ اپنے وقت کے یگانہ حضرت مولانا احمد رضا خاں بڑے احسان والے۔اللہ انہیں سلامت رکھے۔(آمین) ان (علمائے دیوبند وغیرہ) کی بے ثبات حجتوں کو آیات اور قطعی حدیثوں سے باطل کرنے والے اور کیوں نہ ہو کہ علمائے مکہ ان کے فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں۔اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتے تو علمائے مکہ ان کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے بلکہ میں کہتا ہوں اگر ان کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں تو حق وصحیح ہوگا۔" (ص ۱۴۷، **حسام الحرمین** از: امام احمد رضا مطبوعہ رضوی کتب خانہ بریلی)۔

(۲)**شیخ احمد ابو الخیر بن عبد الله میر داد**، (خطیب مسجد الحرام مکہ مکرمہ): "بیشک وہ علامہ فاضل کہ جو اپنے دیدۂ حق کی روشنی سے مشکل اور دشواریوں کو حل کرتے ہیں۔احمد رضا خاں جو اسم با مسمیٰ ہیں۔ان کے کلام کے موتی اس کے معنی کے جواہر سے مطابقت رکھتے ہیں۔وہ باریکیوں کا خزانہ ہیں محفوظ کنجیوں سے چنے ہوئے۔اور معرفت کے آفتاب ہیں جو ٹھیک دوپہر کو چمکتا ہے۔جو اس کے فضل پر آگاہ ہوا اسے یہ حق ہے کہ کہے اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔

ليس على الله بمستنكر

ان يجمع العالم في واحد

خدا پر یہ کچھ مشکل نہیں کہ وہ ایک شخص میں ساری دنیا جمع فرمادے"۔(ص ۱۵۵، **حسام الحرمین**)

(۳)**سید احمد بن اسمعیل الحسینی البرزنجی** (مفتی شافعیہ مدینہ طیبہ) اے علامہ کامل شہیر ومشہور، صاحب تحقیق وتنقیح، صاحب تدقیق وتزئین، عالم اہل السنّت والجماعت شیخ احمد رضا خاں بریلوی (اللہ ان کی تمناؤں کو پوری فرمائے اور ان کی بلندیوں کو باقی ودائم رکھے) میں نے آپ کی کتاب **المعتمد المستند** کے خلاصہ کا مطالعہ کیا تو میں نے اس کو قوت ونقد کی انتہائی بلندیوں پر پایا۔

(ص ۱۹۹، **حسام الحرمین**، ایضا ص ۱۵۶، ۱۵۷)

مذکورہ بالا تاثرات کسی عام آدمی کے نہیں بلکہ علوم وحکمت کے ایک تاجدار کی بارگاہ میں فن وحکمت کے ان ماہ ونجوم

کا خراج عقیدت اور دیانت دارانہ اعترافات ہیں کہ جن کی ضیاؤں سے پورا عالم اسلام روشنی حاصل کررہا تھا اور جن کی بات پورے عالم اسلام میں سند کا درجہ رکھتی تھی۔یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کی ان اساطین امت کی طرف ملنے والی پذیرائی کو دیکھ کرلوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالکریم مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنئے وہ اپنے ذاتی تاثرات کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں (ترجمہ وتلخیص)''میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں،ہندوستان سے ہزاروں اصحاب علم آتے ہیں۔ان میں علما،صلحا،اتقیا سبھی ہوتے ہیں۔میں نے دیکھا کہ ان میں سے بہت سے حضرات شہر کی گلی کوچوں میں آتے جاتے رہتے ہیں اور کوئی بھی ان کو موڑ کر نہیں دیکھتا۔لیکن مولانا احمد رضا(کی شان عجیب ہے) یہاں کے علما و بزرگ سبھی ان کی طرف جوق در جوق چلے آرہے ہیں اوران کی تعظیم میں بصد تعجیل کوشاں ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔''

(**الاجازات المتنیه**،ص۷،از:مولانا حامد رضا بریلوی مطبوعہ بریلی)

اب تک پیش کئے گئے تاثرات توان علماومشائخ کے تھے کہ جنہوں نے امام احمد رضا قدس سرہ سے بالمشافہ گفتگو کی تھی اور آپ کی حیات میں یہ خراج پیش کیا تھا لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے عصر حاضر کے علمائے عرب بھی حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ اتنی زبردست علمی شخصیت بھی عجم میں زندگی گزار چکی ہے چنانچہ اس وقت متعدد علمائے عرب آپ کی کتب و رسائل کا مطالعہ کر کے ان پر ریسرچ و تحقیق کر رہے ہیں اوران کو عربی زبان میں منتقل کررہے ہیں۔

ہم یہاں جدید علمائے عرب کے خیالات و تاثرات کو پیش کرتے ہین جنہوں نے امام احمد رضا کی بارگاہ میں عقیدتوں کا خراج پیش کیا۔

علامہ تفضل الحق مکی مکہ مکرمہ: امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے وسعت مطالعہ،استحضار علمی دلائل و براہین میں گہرائی و گیرائی اورآپ کی علمی صلاحیتوں کو دیکھ کر فرماتے ہیں

''یہ جوابات بتا رہے ہیں کہ مؤلف عالم، علامہ، فاضل اور فہامہ ہیں اور عمائد میں ایسے ہیں جیسے بدن میں آنکھ۔

(۱۴۸رسائل رضویہ،از:مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری مطبوعہ لاہور)

شیخ یوسف سید ہاشم رفاعی ، سابق وزیر مذہبی امور کویت: جب امام احمد رضا کی علمی شخصیت متعارف ہوئے تو برملا اظہار فرمایا: شیخ احمد رضا نے علوم شرعیہ حاصل کرنے کے بعد تدریس وافتا،تصنیف وارشاد اور اصلاح احوال امت میں پوری عمر گزاری،آپ کو سلسلہ قادریہ کے ساتھ سلسلہ چشتیہ ونقشبندیہ وسہروردیہ کی بھی اجازت وخلافت تھی۔

(ص۵۔**من عقائد اهل السنة** مطبوعہ لاہور ممبئی)

ڈاکٹر حسین مجیب مصری ، قاھر مصر نے تو امام احمد رضا کی علمی خدمات کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اپنے تاثرات یوں پیش کرتے ہیں امام احمد رضا ایک راسخ الاعتقاد سنی عالم دین تھے جن کا مذہب حنفی

اور مشرب قادری تھا جوان کی کتب ورسائل سے عیاں ۔ان کے معاصر علمائے کرام نے ان کے معتقدات کا مطالعہ اوران کا تجزیہ کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ پورے طور پر صحیح الفکر والاعتقاد تھے۔**لاالہ الله محمد رسول الله** پران کا ایمان تھا۔

انہوں نے دین حنیف پر ہونے والے حملوں کا دفاع کیا اور علم سے نابلد مخالفین کے مکر وفریب کا پردہ فاش کیا انہوں نے اس طرح جادۂ مستقیم کوان کے سامنے واضح کیا اوران کے فریب کوان کے سامنے موت کے گھاٹ اتار دیا یہ ان کا بہت بڑا وصف ہے جس سے وہ متصف تھے،اوران کے اس وصف کی شہرت عام بھی ہے۔

(ص ١٥ ،مقدمہ صفوۃ المدیح ،دار الهدایہ مصر ،مطبوعه ١٤٢٢ھ/٢٠٠١ء)

شیخ مفتی محمد محمود استاذ الحدیث بکلیه اصول الدین جامعة الازهر ،قاهره

انہوں نے عقیدۂ ختم نبوت پر تحریر کردہ امام احمد رضا کے جب چند رسائل کا مطالعہ کیا تو بے ساختہ تحریر فرمادیا کہ گمراہ فرقوں کے شبہات واعتراض کا شیخ احمد رضا نے خوب رد وابطال کیا ہے۔ اور حضرت علی یا حضرت فاطمہ یا حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نبوت کے قائل روافض کے شکوک و مذعومات باطلہ کے پرخچے اڑا کر حق کو واضح کر دیا ہے۔آیات کریمہ واحادیث صحیحہ وآثار واخبار سے اپنے موقف کا اثبات کیا ہے اورانہوں نے سلف صالحین کے مسلک اوران کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امام المرسلین خاتم النبیین کی عظمت مقام ومنزلت کو اجاگر کیا ہے۔(ص ۲۰ محمد خاتم النبیین طبع ثانی کراچی ۲۰۰۵ء)

شیخ محمد علاء الدین البکری مدینه منوره: انہوں نے جب امام احمد رضا قدس سرہ کے عشق و عرفان کو دیکھا تو اپنے تاثرات قلبی کا یوں اظہار فرمایا: وہ (امام احمد رضا بریلوی) اہلسنت والجماعت کے اکابر علما میں سے ایک ہیں انہیں کرم ،اخلاق حمیدہ ،علم وفضل ،وعظ وارشاد میں بے شمار فضیلتیں حاصل ہیں ۔وہ صاحب کمال ہیں ۔انہیں دربار نبوی سے خاص محبت اور عشق ہے اس بارے میں ان کا کلام نثر ونظم موتیوں کی لڑی اور عطر وعنبر پر فوقیت رکھتا ہے یقیناً یہ دربار نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے خاص عنایت ہے۔

(پیغامات یوم رضا لاہور ۱۳۹۱ھ)

شیخ عبد الرحمٰن العبیدی ،مدیر مرکز البحوث والدراسات الاسلامیه بغداد: صدام یونیورسٹی بغداد میں زیر تعلیم کچھ ہندوستانی طلبہ کی کوششوں سے جب وہاں کے پروفیسر حضرات امام احمد رضا کی حیات و خدمات اور آپ کی تالیفات و تصنیفات سے متعارف ہوئے تو انہوں نے بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا ان ہیں میں شیخ عبدالرحمان بھی ہیں جنہوں نے آپ کے عربی قصیدہ "**قصیدتان رائعتان**" پر یوں تاثرات پیش فرمائے: علوم و فنون کی متعدد اصناف میں امام احمد رضا بریلوی کی تقریبا ایک ہزار کتب ورسائل کی تعداد سے پتا چلتا ہے کہ امام احمد رضا عالم متبحر تھے اوران کی ذات ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

علمائے اسلام نے اپنے عہد عروج اور تہذیب وتمدن کے زمانہ میں جن علوم،فنون میں درک ومہارت حاصل کی تھی انہیں امام احمد رضا خاں بریلوی نے بھی سیکھا اور ان میں درجۂ کمال کو پہونچے ان کے اسرار و رموز تک رسائی پائی اور ان کے اندر غواصی کی جن کے بے شمار علمی فوائد ایسے ہیں جو دوسرے علما سے لوگوں کو مشکل ہی سے مل پاتے ہیں۔

(ص ۱۷ مقدمہ قصیدتان رائعتان بغداد مطبوعہ ۲۰۰۱ء)

شیخ ضیاء الدین احمد القادری مدینہ منورہ: نے مرکزی مجلس رضا کے نام اپنے مکتوب میں امام احمد رضا کے تجدیدی کارناموں اور آپ کی عبقریت کا یوں اعتراف کرتے ہیں:اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، امام اہلسنت ، مجدد دین وملت وحید عصر ،فرید دہر ،امام ہمام ،علامہ شاہ محمد عبدالمصطفی محمد احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز اس صدی کے مجدد برحق ،حقیقی معنوں میں اسلام کے ستون اور سنت کے محافظ تھے سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اوصاف دینی ،خدمات علمی اور اپنے عظیم الشان تجدیدی کارناموں کے سبب اپنے زمانہ کے منفرد بطل جلیل تھے۔

(مکتوب بنام مرکزی مجلس رضا لاہور مطبوعہ پیغامات یوم رضا لاہور ۱۳۹۱ھ)

ڈاکٹر عماد عبد السلام رئوف بغداد انہوں نے جب اعلیٰ حضرت کی عربی نثر ونظم کی ملاحظہ کیا تو اپنے خیالات کا یوں اظہار فرمایا: شیخ احمد رضا کو عربی زبان پر مہارت تامہ بقدرت کامل حاصل تھی نثر ونظم میں ایسی قدرت تھی کہ انہوں نے بہت سی کتابیں عربی زبان میں تصنیف فرمائیں جو سارے عالم عرب میں پھیل چکی ہیں۔(ص ۱۳/الـلالـی الـمـنتشـرة الجزء الاول تالیف عماد عبدالسلام رؤف بغداد ۲۰۰۳ء)

استاذ حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ جامعہ ازھر قاھرہ: یہ وہ مصری عالم و محقق ہیں کہ جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی حیات وخدمات پر کافی کام کیا،اعلیٰ حضرت کے عربی اشعار کو ''بساتین الغفران'' نام سے جمع فرمایا،سلام رضا کا عربی میں ترجمہ کیا انہوں نے اپنے خیالات یوں پیش فرمائے: شیخ امام احمد رضا حنفی قادری صحیح معنوں میں فقیہ و امام ہیں اور علم اصول دین وعلوم شرعیہ کے عرفان و فیضان سے داعی حق و ہدایت ہیں۔امام کی ایک ہزار کتابیں ہیں جن میں سے اکثر فقہ وفتاویٰ پر مشتمل ہیں۔آپ نے مسلمانان عالم کو پوری استقامت کے ساتھ صحیح ودرست دینی شاہ راہ پر چلانے کا فریضہ انجام دیا۔صحیح وغلط اوامر ونواہی اور محرمات ومکروہات کا فرق وامتیاز اوران کی اصلی حیثیت واضح کی

(ص ٣٤ مقدمه المنظومه السلاميه للدكتور حازم محفوظ ٢٠١١)

ڈاکٹر محمد مجیدالسعید استاذ جامعہ اسلامیہ بغداد اللہ تبارک وتعالی نے تین سال ہوئے کہ مجھے ایک عبقری اسلامی شخصیت کے مطالعہ کا موقع عنایت فرمایا جو اعتقادی وفقہی،علمی وادبی تحقیق ومطالعہ کے باب میں عظیم مقام پر فائز ہے ایسی نادر روزگار شخصیت کہ جس کے اندر بے پناہ اور متنوع وممتاز علمی استعداد اور صلاحیت ولیاقت ہے جس کا

ذہن وذکاوت اور فکر ونظر نہایت صائب وثابت اور بے نظیر ہے یہ شخصیت امام احمد رضا بریلوی قادری برکاتی کی ہے جو ایسے علامہ وفہامہ ہیں کہ زمانہ کم ہی ایسے لوگوں کے وجود مسعود سے سرفراز ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسے جلتے ہوئے چراغ اور ایسی روشنی بکھیرتی ہوئی قندیل اور شعلہ اور شعاع پرنور ہیں جس کا اجالہ کم ہونے اور جس کی روشنی بجھنے کا کبھی نام نہیں لیتی۔

(ص ۱۰ مقدمه شاعر من الهند تاليف الدكتور مجيد السعيد بغداد ۲۰۰۳ء)

شیخ عبد الفتاح ابو غدا پروفیسر کلیة شرعیہ محمد بن سعود یونیور سٹی ریاض: انہوں نے امام احمد رضا کی کتابوں کا بالاستیعاب تو مطالعہ نہیں کیا تھا بلکہ نہایت عجلت میں سرکار اعلیٰ حضرت کا صرف ایک عربی فتویٰ طائرانہ نظر سے دیکھا تھا لیکن اسی ایک فتویٰ کے مطالعہ نے امام احمد رضا کا انہیں یوں شیدا بنادیا کہ فتاویٰ رضویہ کا مطالبہ اعلیٰ حضرت کے حریفوں سے کر بیٹھے جس کی تفصیل یوں ہے۔

آپ (شیخ عبد الفتاح) کی بتاریخ ۲۵ تا ۲۸ شوال ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۵ء میں دار العلوم ندوہ لکھنؤ کے جشن تعلیمی میں شرکت کے دوران قیام امام احمد رضا کی کتاب پر نظر پڑی تو چونک کر معلوم کیا کہ **این مجموعة فتاوی امام الشیخ احمد رضا البریلوی ؟** (شیخ احمد رضا بریلوی کا مجموعہ فتاوی کہاں ہے) ایک ندوی طالب علم نے اس کا تذکرہ حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی سے کیا تو انہوں نے شیخ کی قیام گاہ ہوٹل کلارک اودھ لکھنو میں گفتگو کی اور کہا کہ **سمعت انک تشتاق الی مطالعة مجموعة فتاوی الشیخ الامام احمد رضا البریلوی** (میں نے سنا ہے کہ آپ امام احمد رضا بریلوی کے مجموعہ فتاوی کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اتنا سننا تھا کہ ان کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا مصباحی صاحب نے پھر سوال کیا کہ **کیف عرفت علمه وفضله** آپ ان کے علم وفضل سے کیسے متعارف ہوئے یہ سن کر شیخ عبد الفتاح ابو الغدا نے فرمایا میرے ایک دوست کہیں سفر پر جارہے تھے ان کے پاس فتاوی رضویہ کی ایک جلد موجود تھی۔ میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتوے کا مطالعہ کیا عبارت کی روانی، کتاب وسنت اور اقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران وششدر رہ گیا۔ اور اس ایک ہی فتوی کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ کوئی بڑے عالم اور اپنے وقت کے زبردست فقیہ تھے (ص۱۶۶/ امام احمد رضا ارباب علم دانش کی نظر میں مطبوعہ دار القلم دہلی ۲۰۰۶ء)

امام احمد رضا کو تو دنیا سے گئے آج ۹۴/ویں سال ہو گئے لیکن ان کی علمی ودینی خدمات آج تک ارباب علم ودانش سے خراج وصول کر رہی ہے۔ لوگ اس پھول کی خوشبو کو جتنا دبانا چاہتے ہیں اس کی عطر بیزی میں اور اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے کسی نے کا خوب کہا ہے۔

رب کے کرم سے شاہ مدینہ کے فیض سے
سارے جہاں میں دھوم ہمارے رضا کی ہے

☆

امام احمد رضا قادری

کا قدرت الٰہی واحادیث نبوی پر ایمان ویقین

از: مولانا محمد نفیس احمد مصباحی، استاذ عربی زبان وادب جامعہ اشرفیہ مبارک پور

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی ان علمائے ربانیین، صوفیہ باصفا اور مردان حق آگاہ میں سے تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ولایت کا منصب جلیل عطا فرمایا تھا۔قرآن کریم میں صاف لفظوں میں اولیائے کرام کے بارے میں ارشاد ہوا

''سنو اللہ تعالیٰ کے ولیوں کو نہ تو کوئی خوف ہے اور وہ نہ غم کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے رہے۔(یونس ۶۲/۶۳)اس آیت میں اولیاء اللہ کی یہ پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ ایمان ویقین والے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی اپنی عملی زندگی میں وہ تقویٰ وپرہیز گاری بھی اپناتے ہیں۔ ایمان تو عام مومنوں میں بھی پایا جاتا ہے مگر اولیا اللہ اور مردان خدا کے ایمان ویقین کی شان ہی نرالی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ان کا ایمان جتنا طاقتور اور مستحکم ہوتا ہے اسی کے مطابق انہیں منصب ولایت عطا ہوتا ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کی زندگی کا مطالعہ کیجئے تو جگہ جگہ اس کے شواہد ودلائل ملتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اور سرکار کے اقوال وارشادات پر ان کا ایمان ویقین درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ایمان واذعان کے چند دلائل وشواہد پیش کئے جا رہے ہیں۔

قدرت الٰہی پر یقین و اذعان : رب قدیر کی قدرت کاملہ پر انہیں ہر وقت کامل یقین رہتا۔امام احمد رضا بہت سے علوم وفنون کی طرح علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔عموماً اہل نجوم اپنے ظنی علم پر اتنا اعتماد اور بھروسہ رکھتے تھے کہ اپنے علم وفن کے نشے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بھول جاتے تھے لیکن امام احمد رضا کے یہاں علم وفن کے نتائج اپنی جگہ، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین واعتماد کو سب پر بالا دستی حاصل تھی۔

مولانا حسین بریلوی (موجد طلسمی پریس بریلی) کے والد مولانا غلام علم نجوم میں بڑے ماہر تھے۔ستاروں کی شناخت اور ان کی چال سے نتائج نکالنے میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔عمر میں اعلیٰ حضرت سے بڑے اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی بریلوی علیہ الرحمہ کے ملنے والوں میں تھے۔

یہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت کہ یہاں تشریف لائے۔اعلیٰ حضرت نے دریافت کیا: فرمایئے بارش کا کیا اندازہ ہے؟ کب تک ہوگی؟ انہوں نے ستاروں کی وضع کا زائچہ بنایا اور فرمایا: اس

مہینے میں پانی نہیں، آئندہ ماہ میں بارش ہوگی۔ یہ کہہ کر زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھا دیا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: اللہ کو سب قدرت ہے، چاہے تو آج ہی بارش ہو، انہوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے، کیا ستاروں کی وضع نہیں دیکھتے؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: محترم: ''میں سب دیکھ رہا ہوں اور اس کے ساتھ ان ستاروں کے بنانے والے اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔''

پھر اس مشکل مسئلہ کو بڑی آسانی سے سمجھایا۔ سامنے گھڑی لگی ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے پوچھا: وقت کیا ہے؟ بولے سوا گیارہ بجے ہیں، فرمایا: بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ بولے پون گھنٹہ، فرمایا: اس سے پہلے؟ کہا، ہرگز نہیں، ٹھیک پون گھنٹہ، اعلیٰ حضرت نے بڑی سوئی گھما دی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا: آپ نے کہا تھا ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں باقی ہے۔ وہ بولے: اس کی سوئی کھسکا دی ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹہ بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اسی طرح اللہ رب العزت قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ ایک ہفتہ، ایک دن کیا ابھی بارش ہونے لگے'' اعلیٰ حضرت کی زبان مبارک سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹائیں چھانے لگیں اور فوراً پانی برسنے لگا۔

(حیات اعلیٰ حضرت از مولانا ظفر الدین رضوی بہاری و امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی، ص ۵۱، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور)

کیا قدرت خداوندی پر ایسا اعلیٰ درجہ کا ایمان و یقین کسی ماہر نجوم کے یہاں مل سکتا ہے اور کیا زبان کی ایسی تاثیر کسی عالم ظاہر کے یہاں دستیاب ہو سکتی ہے۔ یہ واقعہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک عالم ربانی، عارف سمدانی، ولی کامل، صوفی زندہ دل اور مستجاب الدعوات مرد خدا تھے یہ تو قدرت الٰہیہ پر ایمان و یقین کی بات ہے جو ہر مومن کے قلب میں ہونا چاہیے۔ اگر یہ بالکل ہی نہ ہو تو مومن ہی کہاں؟ اور اگر اس حد تک نہ ہو تو مومن ضرور ہے مگر عارف اور کامل الایمان ہرگز نہیں۔

ارشادات رسول پر اعتماد و یقین: امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سچے عاشق رسول اور عارف حق تھے انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور ارشادات پر مکمل یقین و اعتماد تھا۔ انہیں ان حدیثوں پر یقین کامل ہوتا جو اخبار آحاد ہوتیں اور جن سے حاصل ہونے والی چیز کو علمائے محدثین ظنی قرار دیتے ہیں، یقینی نہیں مانتے۔ جب ان احادیث کا حکم لکھنے کی باری آتی ہے تو خود اعلیٰ حضرت بھی انہیں ظنی الثبوت لکھتے ہیں لیکن یہ معاملہ احکام شریعت تک ہے اور اس کے کچھ خاص اسباب نتائج ہیں جن میں علمی و فقہی باریکیاں ہیں۔ تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے مجھے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ احادیث جو غیر احکام میں ہوں اور کسی منصوص شرعی کے معارض مخالف نہ ہوں، اگر ان پر کسی مومن کو آج بھی یقین کامل ہو اور وہ اس پر عمل کرے تو جائز ہے اور شرعاً

اسے اس کا حق ہے۔رب کریم فرماتا ہے۔حدیث قدسی ہے: میرا بندہ میرے ساتھ جیسی امید رکھتا ہے اس کے ساتھ میں ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔امام احمد رضا کو اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات پر پورا اعتماد اور اپنے مالک جل وعلا کی رحمت پر پختہ یقین تھا اور یہ صرف زبانی جمع خرچ تک نہ تھا بلکہ ایک عارف کامل، عاشق صادق اور ولی وقت کو جیسا یقین و اذعان ہوتا ہے ویسا ہی تھا۔آپ کی زندگی میں اس کے بہت سے دلائل وشواہد موجود ہیں۔

چنانچہ ایک بار کسی غریب کے یہاں دعوت میں گائے کا گوشت کھانا پڑا۔گائے کا گوشت آپ کو سخت نقصان کرتا تھا، مگر ایک غریب مومن کی دلجوئی کے لئے آپ نے تناول فرمالیا جس کے اثر سے گلٹی نکل آئی۔بولنا، پڑھنا سب موقوف ہوگیا۔ ان دنوں بریلی میں طاعون کا زور تھا۔نہ معلوم کتنے افراد اس مہلک بیماری سے لقمۂ اجل بن چکے تھے۔طبیب نے دیکھ کر کہا:''وہی ہے''اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: میں بول نہ سکتا تھا اس لئے جواب نہ دے سکا۔دل میں بارگاہ رب العزت کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا، خداوند، اپنے حبیب کا قول سچا کر دکھا اور طبیب کا قول جھوٹا، فوراً جیسے کسی نے کان میں ایک تدبیر بتائی ''مسواک اور گول مرچ''لوگ رات میں باری باری میرے لئے جاگتے تھے۔اس وقت جو شخص جاگ رہا تھا میں نے اسے اشارے سے بلایا اور اسے مسواک اور گول مرچ کا اشارہ کیا۔وہ مسواک کو سمجھ گیا۔گول مرچ بڑی مشکل سے سمجھا۔میں نے بڑی دقت سے مسواک کے سہارے تھوڑا منھ کھولا اور دانتوں پر مسواک رکھ کر گول مرچ کا سفوف چھوڑ دیا اور اس طرح پسی ہوئی مرچیں داڑھوں تک پہنچائیں۔تھوڑی دیر میں ایک قئے خالص خون کی آئی، مگر کوئی تکلیف و اذیت محسوس نہ ہوئی، اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی اور بحمداللہ تعالیٰ وہ گلٹیاں جاتی رہیں، منھ کھل گیا۔میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب کو کہلا بھیجا ''طاعون'' بفضلہ تعالیٰ جاتا رہا، دو تین روز میں بخار بھی جاتا رہا۔

اسی واقعہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ مجھے نوعمری میں آشوب چشم اکثر ہوتا اور بوجہ حدت مزاج تکلیف دیتا۔۱۹؍سال کی عمر میں رامپور جاتے ہوئے ایک شخص کو آشوب چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھ لی۔اس وقت سے اب تک آشوب چشم کبھی نہیں ہوا۔مگر مجھے اس موقع پر اس دعا کے پڑھنے کا افسوس ہے کیونکہ سرکار کا ارشاد ہے کہ تین بیماریوں کو نا پسندیدہ نہ جانو(۱)زکام: کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ ختم ہو جاتی ہے۔(۲) کھجلی: کیونکہ اس سے جزام وغیرہ جلدی بیماریوں کا سد باب ہو جاتا ہے (۳) آشوب چشم: کیونکہ یہ نابینائی کو ختم کرتا ہے۔خیر اس دعا کی برکت سے آشوب چشم تو جاتا رہا۔جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ میں ایک اور مرض پیش آیا۔کچھ اہم تصانیف کی سبب ایک مہینہ کامل باریک تحریر کی کتابیں شب و

روز مسلسل دیکھنا ہوا۔ یہ عمر کا ۲۸ رواں سال تھا، اندر کے دلان میں مطالعہ اور تصنیف کا کام ہوتا، گرمی کا موسم تھا، میں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا، ایک دن لکھتے لکھتے گرمی کی شدت کی وجہ سے دوپہر کو غسل کیا۔ سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے دا ہنی آنکھ میں اتر آئی۔ ایک سرورآوردہ ڈاکٹر نے آلات سے بہت دیر تک باغور دیکھا اور کہا کتب بینی کی کثرت کی بنا پر کچھ خشکی آ گئی ہے، پندرہ دن کتاب نہ دیکھو، مجھ سے پندرہ گھڑی بھی صبر نہ ہوا۔ حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر نے فرمایا: مقدمہ نزول آب ہے، بیس برس بعد پانی اتر آئے گا، میں نے کوئی توجہ نہ کی اور نزول آب والے مریض کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک پر مطمئن ہوگیا۔

۱۳۱۶ھ میں ایک اور ماہر حکیم کے سامنے ذکر ہوا، بغور دیکھ کر کہا۔ چار برس بعد پانی اتر آئے گا، ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب کے بالکل موافق آیا، انہوں نے بیس برس کہے تھے۔ انہوں نے سولہ سال بعد چار کہے۔ مجھے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ایسا (کمزور) اعتماد نہ تھا کہ معاذ اللہ حکیموں کے کہنے سے متزلزل ہو جاتا۔ بیس درکنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں وہ حلقہ ذرہ برابر نہ بڑھا، نہ میں نے کتاب بینی میں کبھی کمی کی، نہ انشاء اللہ تعالیٰ کمی کروں گا۔ یہ میں نے اس لئے بیان کر دیا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم کے دائمی و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جا رہے ہیں اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کرتے رہیں گے۔

(حیات اعلیٰ: ج۔۱،ص:۱۷۳،۱۷۰)

امام احمد رضا کے دوسرے سفر حج کا واقعہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت کو بخار تھا، فرماتے ہیں: ''اور آواخر محرم میں بفضلہ تعالیٰ صحت ہوئی، وہاں ایک سلطانی حمام میں نہا کر باہر نکلا ہی تھا کہ ابر دیکھا جو حرم شریف پہنچتے پہنچتے برسنا شروع ہوگیا۔ مجھے حدیث یاد آئی کہ جو بارش کے دوران طواف کرتا ہے وہ رحمت الٰہی میں تیرتا ہے۔ فوراً حجر اسود کو بوسہ لے کر بارش میں ہی سات پھیرے طواف کیا۔ بخار دوبارا آ گیا۔ مولانا سید اسماعیل نے فرمایا: ایک ضعیف حدیث کے لئے تم نے اپنے بدن کی یہ بے احتیاطی کی۔ میں نے کہا: حدیث ضعیف ہے، مگر بحمد اللہ تعالیٰ امید قوی ہے، یہ طواف بحمدہ تعالیٰ بہت مزے کا تھا۔ بارش کے سبب طواف کرنے والوں کی وہ کثرت نہ تھی''۔

(حیات اعلیٰ حضرت: ج۔۱،ص:۴۴۵)

حدیث شریف میں ایک دعا ہے کہ کسی کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھ لی جائے تو کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہے گی۔ امام احمد رضا نے پہلے سفر حج میں جہاز پر سوار ہوتے وقت وہ دعا پڑھ لی تھی، ساتھ میں آپ کے والدین کریمین بھی تھے۔ سمندر میں سخت طوفان آیا۔ لوگوں نے کفن پہن لئے۔ والدہ ماجدہ بہت پریشان ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ان کا اضطراب دیکھ کر بے

ساختہ میری زبان سے نکلا: ''آپ اطمینان رکھیں، خدا کی قسم، یہ جہاز نہ ڈوبے گا، یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ حدیث کے سچے وعدے پر میں مطمئن تھا پھر قسم نکل جانے سے مجھے اندیشہ ہوا تو اللہ عزوجل کی طرف رجوع کیا سرکار رسالت سے مدد مانگی۔ وہ مخالف ہوا جو تین دن سے پورے زور وشور کے ساتھ چل رہی تھی، بحمد اللہ تعالیٰ گھڑی بھر میں موقوف ہوگئی اور جہاز نے نجات پائی۔ (حیات اعلیٰ حضرت)

بہت سی حدیثیں اپنی سندوں کے باعث محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، اہل عرفان اور اولیائے کرام کے نزدیک کشف ومشاہدے کے باعث قوی ہیں۔ امام احمد رضا سرہ نے اپنی کتاب ''منیر العین فی تقبل الابہامین'' میں اس کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے۔ یہ گراں قدر رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں شامل ہے۔

بہر حال امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان ضعیف حدیثوں پر بھر پور اعتماد واذعان ہوتا جو کسی نص شرعی کے مخالف نہ ہوتیں اور فضائل رجال اعمال میں بلا تکلیف ان پر عمل کرتے۔ البتہ موضوع حدیث کو کسی طرح قابل عمل نہ گردانتے کیونکہ وہ حدیث ہی نہیں، کسی خدا ناترس، بدبخت کی من گڑھت ہے۔ ان واقعات وشواہد میں احادیث نبویہ پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا قلبی یقین اور کمال ایمان واذعان پوری طرح نمایاں نظر آتا ہے اور ان کی ولایت وروحانیت اور تصوف وعرفان کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ آرا نظر آتا ہے۔

منقبت

از۔ مولانا سلمان رضا فریدؔی، مسقط عمان

گہوارۂ نجات، سفینہ رضا کا ہے
ایمان کا نصاب، طریقہ رضا کا ہے

اک اک سطر، حمایت حق کے لیے لکھی
ملت کا پاسباں صحیفہ رضا کا ہے

ہر پھول ہے، جمال بصیرت کا شاہکار
مجموعۂ کمال حدیقہ رضا کا ہے

مقبول بارگاہ نبی، ان کی ذات پاک
خوشنودئ رسول، وسیلہ رضا کا ہے

ہوں گے نہ اُن کے جوہر عظمت، کسی سے کم
طیبہ سے مستفیض، ذخیرہ رضا کا ہے

چاروں طرف ہیں فکرِ رضا کی تجلیاں
روشن ہر ایک علمی نگینہ رضا کا ہے

جن سے چمک رہی ہے کمالوں کی کائنات
مثل قمر، ہر ایک خلیفہ رضا کا ہے

افراد اُن کے گھر کے ہیں مہر و مہ و نجوم
یہ کہکشاں ہے یا کہ قبیلہ رضا کا ہے

تقسیم ہو رہے ہیں کمالات کے گہر
سرچشمۂ علوم، خزینہ رضا کا ہے

بڑھتی ہی جا رہی ہیں فریدؔی کی شوکتیں
جب سے دل و زباں پہ قصیدہ رضا کا ہے

امام احمد رضا خاں کے خاندانی حالات

از: ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلوی

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کا نسبی تعلق قبیلہ بڑہیچ سے ہے جس میں نامور علماء، صوفیا، مشائخ ہوئے ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں روہیلکھنڈ کے حکمراں حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کا تعلق بھی قبیلہ بڑہیچ سے ہے۔نواب حافظ رحمت خاں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کا سلسلہ نسب اعلیٰ حضرت کے جد امجد شجاعت جنگ سعید اللہ خاں کی چھٹی پشت میں ایک ہوجاتا ہے۔شجاعت جنگ سعید اللہ خاں سے قبل کے بزرگوں کے حالات ماہنامہ اعلیٰ حضرت کے گزشتہ کسی شمارہ میں راقم بیان کر چکا ہے۔

شجاعت جنگ سعید اللہ خاں: آپ قبیلہ بڑہیچ کے معزز سردار تھے، نادر شاہ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے۔ نادر شاہ نے ہندوستان پر ۱۷۲۹ء میں حملہ کیا اور ہندوستان کو تہس نہس کر واپس چلا گیا لیکن شجاعت جنگ سعید اللہ خاں نے ہندوستان میں ہی سکونت اختیار کر لی۔شاہ نے آپ کو لاہور کا شیش محل بطور جاگیر عطا کیا جس میں آپ قیام فرما ہوئے۔محمد شاہ نے آپ کو دہلی بلاکر منصب شش ہزاری عطا کیا اور شجاعت جنگ کے خطاب سے نوازا اور ریاست رامپور کے بہت سے مواضعات معافی و دوامی عطا فرمائے۔آپ کے فرزند سعادت یار خاں سعادت مند تھے جن کے سن بلوغ کو پہنچنے پر حضرت شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں نے دربار شاہی سے علیحدگی اختیار کر لی اور آخری عمر یاد الٰہی میں متوکلانہ بسر کی۔آپ ہی امام احمد رضا کے جد امجد ہیں جو اس خاندان کو ہندوستان لائے اور آباد کرنے کے بانی ہوئے۔

سعادت یار خاں: شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں کے سعادت مند فرزند سعادت یار خاں محمد شاہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہوکر وزیر مالیات کے منصب پر فائز کئے گئے آپ کو بادشاہ محمد شاہ نے کچھ مواضعات ضلع رامپور میں عطا کئے تھے۔

۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد انگریزوں کی مخالفت کرنے کی پاداش میں انگریزوں نے اس جاگیر کو ضبط کر لیا اور ریاست رامپور میں ضم کر دیا۔علاقہ کٹھیر جو بعد کو روہیلکھنڈ کے نام سے مشہور ہوا سلطنت دہلی کی گرفت اس پر ڈھیلی پڑ گئی تو سلطنت دہلی نے روہیلکھنڈ کے باغیوں کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے لئے فوج کشی کا ارادہ کیا۔اس مہم کو سر کرنے کے لئے قرعہ فال سعادت یار خاں صاحب کے نام نکلا، اس مہم کو سر کرنے کے لئے سعادت یار خاں صاحب نے جبلی شجاعت اور جنگی مہارت کے خوب جوہر دکھائے۔انجام کار جون ۱۷۴۵ء میں روہیلو نے ہتھیار ڈالدیے اور نواب علی محمد خاں بادشاہ کے

روبرو ہاتھ باندھ کر حاضر ہوا۔ اس طرح فتح بریلی کا سہرا انہیں کے سر رہا۔ بادشاہ نے مسرور ہوکر بریلی کا صوبیدار بنانے کے لئے آپ کے نام فرمان جاری کیا لیکن فرمان شاہی ایسے وقت جاری ہوا کہ آپ بستر مرگ پر تھے۔ موت نے مہلت نہ دی۔ نہ بریلی صوبہ بن پایا اور نہ آپ بریلی کے صوبیدار ہوئے۔ سعادت یار خاں صاحب نے اپنے دور وزارت میں دہلی میں دو یادگار نشانیاں چھوڑیں (۱) بازار سعادت گنج (۲) سعادت نہر۔ حوادث روزگار کے دست ستم سے ان میں سے کوئی نشانی نہ بچ سکی۔ اعلیٰ حضرت کے برادر اصغر حضرت حسن رضا خاں کے شہزادے مولانا حسنین رضا خاں کا قول ہے کہ سعادت یار خاں کی مہر وزارت ان کی جوانی کی عمر تک ان کے خاندان میں موجود تھی اور انہوں نے اس مہر کو دیکھا تھا۔

مولانا حسنین رضا خاں ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی جوانی کی عمر چالیس سال مان لی جائے تو اس طرح ۱۹۳۲ء تک سعادت یار خاں صاحب کی مہر وزارت آپ کے خاندان میں موجود تھی۔ اسی دور میں مولوی عبد العزیز خاں عاصی تاریخ روہیلکھنڈ مرتب کر رہے تھے۔ انہوں نے حضور مفتی اعظم ہند سے تاریخ کی ترتیب میں معاونت کی استدعا کی۔ حضرت مفتی اعظم نے اپنے خاندان میں موجود شاہی دور کے سکے اور مہریں ان کو دی تھیں ان میں سے کچھ سکوں کے عکس عاصی بریلوی نے تاریخ روہیلکھنڈ، حضور مفتی اعظم کے حوالے سے شائع بھی کئے۔ وہ مہریں اور سکے عبد العزیز خاں عاصی نے واپس نہیں کئے اور بر بنائے وضعداری حضور مفتی اعظم نے واپس بھی نہیں مانگے۔ آخری عمر میں عاصی مفلوک الحال ہو گئے تھے اور بریلی کے محلّہ کٹگھر میں لب سڑک ایک جھونپڑی میں ان کا انتقال ہوا۔ غالبا یہ سکے اور مہریں عبد العزیز خاں عاصی کے دور غریب الوطنی میں مفلوک الحالی کی بھینٹ چڑھ کر کسی سونار کی بھٹی کی ستم کاری کا شکار بن گئے۔

سعادت یار خاں صاحب کے تین فرزند (۱) شہزادہ محمد اعظم خاں (۲) شہزادہ محمد معظم خاں اور (۳) شہزادہ محمد مکرم خاں تھے۔

مولانا محمد اعظم خاں: سلطان محمد شاہ کے وزیر دولت سعادت یار خاں کے فرزند اکبر محمد اعظم خاں تھے۔ آپ بھی دربار شاہی سے وابستہ تھے۔ آپ کو بھی دربار شاہی سے منصب ملا تھا لیکن آپ کا میلان طبع دربار شاہی سے مطابقت نہ رکھتا تھا۔ اس لئے آپ نے جلد ہی دربار شاہی کے منصب و مراعات سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ چونکہ آپ کی طبیعت مائل بہ زہد تھی اس لئے آپ نے امور دنیا سے سبکدوش ہوکر زہد و ریاضت کی راہ لی۔ ساری عمر یاد الٰہی میں گزاری۔

اعظم خاں صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ زوجہ اولیٰ سے حافظ کاظم علی خاں اور زوجہ ثانیہ سے چار صاحبزادیاں تھیں۔ جن میں سے ایک کا نام فہمیدہ بیگم تھا جن کا عقد ولی محمد خاں رفیع کے ہمراہ ہوا تھا۔ فہمیدہ بیگم کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا۔

محمد اعظم خاں کی رفیقہ حیات سلطان خانم تھیں جن کے نام سے اعظم خاں نے دہلی میں ۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۸ھ کو کٹہرہ خریدا تھا یہ کٹہرا چھتہ جاں نثار خاں، لاہوری دروازہ میں واقع تھا۔ محمد اعظم خاں صاحب کا وصال ۱۸۱۵ء کے آس پاس ہوا۔

اعظم خاں صاحب نے تارک الدنیا ہونے کے بعد دہلی کی سکونت ترک کر دی اور بریلی کے محلّہ معماران کو اپنا مسکن بنایا۔ جس جگہ آپ نے قیام کیا وہ ''شہزادہ کا تکیہ'' کے نام سے مشہور ہوا اور آپ اسی تکیہ کے گوشہ میں مدفون ہوئے۔

مولانا حافظ کاظم علی خاں: سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہوا جس کی وجہ سے حافظ کاظم علی خاں اودھ کی سلطنت سے وابستہ ہوگئے۔ فرض منصبی کی ادائیگی میں اعظم خاں صاحب نے کارہائے نمایاں انجام دئے جس کے صلہ میں آپ کو سلطنت اودھ سے بدایوں میں جاگیر عطا کی گئی اور بدایوں کا نظم ونسق آپ کے سپرد کیا گیا۔ دوسو سواروں کی بٹالین آپ کی خدمت میں رہتی تھی۔ آٹھ گاؤں آپ کو ملے تھے۔ جس میں دو گاؤں آپنے اپنے متعلقین کو عطا کر دیئے۔ بقیہ چھ گاؤں آپ کی جاگیر میں رہے۔ آپ کی جاگیر مندرجہ ذیل گاؤں میں تھی۔

(۱) اسہیت (۲) کہٹور (۳) تقی پور (۴) کرتولی (۵) مرزا پور (۶) نگلا۔ یہ گاؤں معافی و دوامی تھے اور نسلاً بعد نسل آپ کے خاندان کے پاس رہے۔ قانون خاتمہ زمینداری ۱۹۵۲ء کے نفاذ کے بعد ضبط کے گئے۔ سیر کاشت مذکورہ بالا اب تک آپ کے ورثہ کے پاس موجود ہیں۔

مولانا کاظم علی خاں دیندار صحیح العقیدہ اہل سنت وجماعت تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے پیر طریقت حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی کے استاذ حضرت مولانا انوار الحق فرنگی محلی سے سلسلہ رزاقیہ میں بیعت تھے اور آپ کو اپنے مرشد سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔ آپ بڑے عاشق رسول تھے۔ ۱۲؍ ربیع الاول کو محفل میلاد بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد کرتے تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی آپ کی نسل میں برقرار ہے۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد انگریزوں نے تمام اصول وضابطے بالائے طاق رکھ کر اہل ہند پر ظلم و زیادتی کی تو دربار دہلی اور انگریزوں کے درمیان خلیج وسیع ہوگئی۔ آپ بادشاہ دہلی کی وکالت کرنے وائسرائے کے پاس کلکتہ گئے۔ انجام کیا نکلا اس کا حال دریافت نہ ہوسکا۔ قیاس کہتا ہے کہ انگریزوں نے دہلی کے موقف کو تسلیم نہیں کیا شاید اسی لئے آپ اور آپ کے صاحبزادے امام العلماء مولانا رضا علی خاں انگریزوں کے خلاف تھے اور پہلی جنگ آزادی میں انگریزوں کی زبردست مخالفت کی تھی۔

مولانا کاظم علی خاں کی زوجہ اولیٰ سے دو فرزند امام العلماء مولانا رضا علی خاں اور حکیم نقی علی خاں تھے اور ایک دختر زینت بیگم عرف موتی بیگم تھیں۔ زوجۂ ثانیہ سے تین دختران بدر

النساء، قمر النساء، شمس النساء تھیں۔ زوجہ ثالثہ کا نام سلونی بیگم تھا جن کے بطن سے جعفر علی خاں پیدا ہوئے اور لاولد فوت ہوئے۔

حافظ کاظم علی خاں کی نسل آپ کے دونوں فرزندوں امام العلماء مولانا رضا علی خاں اور حکیم نقی علی خاں سے چلی۔ امام العلماء کے ایک ہی فرزند امام الاتقیا مفتی نقی علی خاں تھے۔ امام العلماء کے برادر اصغر حکیم تقی علی خاں کی اولادوں کا ہم مختصراً پہلے ذکر کریں گے۔

حکیم تقی علی خاں: حکیم تقی علی خاں امام العلماء مولانا رضا علی خاں کے برادر اصغر تھے۔ آپ کا عقد جے پور کے حکیم واصل خاں کی بیٹی کے ساتھ ہوا۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے، (۱) حکیم ہادی علی خاں (۲) فدا علی خاں (۳) فتح علی خاں اور (۴) مہدی علی خاں۔

حکیم ہادی علی خاں: حکیم ہادی علی خاں کے دو فرزند تھے (۱) ہدایت علی خاں اور (۲) سردار ولی خاں۔ ہدایت علی خاں کے فرزند ریاست علی خاں تھے۔ ریاست علی خاں کا عقد راقم الحروف کی خالہ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے استاذ مرزا مولوی غلام قادر بیگ کی پوتی اور مرزا مولوی محمد جان کی بیٹی سعیدہ خاتون کے ساتھ ہوا تھا۔ دوسرے فرزند سردار ولی خاں کا عقد امام الاتقیاء علامہ نقی علی خاں (اعلیٰ حضرت کے والد) کی دختر حجاب بیگم کی تیسری دختر کنیز فاطمہ کے ساتھ ہوا تھا۔ سردار ولی خاں کے چار فرزند (۱) مولوی تقدس علی خاں (۲) مولوی اعجاز ولی خاں (۳) عبد العلی خاں اور (۴) مقدس علی خاں ہوئے۔

مولانا سردار ولی خاں کے فرزند اکبر مولانا تقدس علی خاں کا عقد حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں کی دختر کنیز صغریٰ سے ہوا تھا۔ مولانا تقدس علی خاں دار العلوم منظر اسلام کا انتظام بھی دیکھتے تھے اور وہ منظر اسلام کے مہتمم تھے۔ تقسیم وطن کے بعد پاکستان چلے گئے۔ پیر کوٹ سندھ میں قیام کیا اور پیر پگاڑا کے اتالیق مقرر ہوئے۔ کافی عرصہ پیر کوٹ کے چیر مین رہے اور ۲۲ر فروری ۱۹۸۹ء میں انتقال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔ دوسرے فرزند مفتی اعجاز ولی خاں تھے۔ آپ بھی تقسیم وطن کے بعد پاکستان چلے گئے۔ جید عالم اور صاحب فکر وبصیرت مفتی تھے۔ کافی عرصہ ریڈیو پاکستان پر تفسیر قرآن بیان کی۔ صاحب اولاد تھے۔ لاہور میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ تیسرے فرزند عبد العلی خاں اور چوتھے فرزند مقدس علی خاں تھے۔ صاحب اولاد تھے۔ پاکستان میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ کنیز فاطمہ کی دو دختر محبوب فاطمہ اور حبیب فاطمہ تھیں۔

فدا علی خاں: حکیم تقی علی خاں کے دوسرے فرزند فدا علی خاں تھے۔ فدا علی خاں کی دو اولادیں۔ فراست علی خاں اور مصاحب بیگم تھیں۔ مصاحب بیگم کا عقد فرحت علی خاں بن فتح علی خاں بن تقی علی خاں کے ساتھ ہوا تھا۔

فتح علی خاں: رئیس الحکما حکیم تقی علی خاں کے تیسرے فرزند فتح علی خاں تھے۔ فتح علی خاں کے تین پسر اور چار دختران تھیں۔

پسران (۱) فرحت علی خاں (۲) محمد ولی خاں اور (۳) اصغر علی خاں تھے۔

فتح علی خاں کے بڑے صاحبزادے فرحت علی خاں کے بیٹے (۱) محمد ولی خاں (۲) شرافت علی خاں (۳) شہزادے علی خاں اور (۴) فاروق علی خاں تھے۔ محمد ولی خاں کے چار بیٹے اور ایک دختر تھیں۔ شرافت علی خاں کے دو بیٹے اور دو دختران تھیں۔ شہزادے علی خاں کے ایک پسر اور ایک دختر تھیں۔ شہزادے علی خاں کے صاحبزادہ مصطفےٰ علی خاں حیات ہیں۔ صاحب اولاد ہیں۔ اجمیر شریف میں قیام پذیر ہیں۔ بیٹی عارفہ کا انتقال ہوگیا۔ شہزادے علی خاں کا عقد راقم الحروف کی دوسری خالہ جان فہمیدہ خاتون سے ہوا تھا۔ فاروق علی خاں کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ بیگم اور نادرہ۔

مہدی علی خاں:۔ مہدی علی خاں کی ایک دختر صدیقہ بیگم تھیں جو حضور مفتی اعظم کے پاس رہتی تھیں۔ صدیقہ بیگم حضور مفتی اعظم کی پھوپھی بھی تھیں۔

امام العلماء مولانا رضا علی خاں:۔ حافظ کاظم علی خاں کے فرزند اکبر امام العلماء مولانا رضا علی خاں تھے۔ آپ کی ولادت بریلی میں ۱۲۲۴ھ میں ہوئی اور بعمر باسٹھ سال ۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ نزد سٹی ریلوے اسٹیشن قبرستان بریلی واقع بہاری پور سول لائن آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ آپ نے جملہ علوم وفنون کی تکمیل ۱۲۴۷ھ میں مولانا خلیل الرحمٰن صاحب رامپوری ابن ملا عرفان ولایتی رامپوری سے رامپور اور ٹونک میں کی۔ ''تذکرہ علمائے اہل سنت'' میں آپ کی سن ولادت ۱۲۶۴ھ لکھی ہے جو صحیح نہیں ہے۔

فقہ میں آپ کو دسترس خاص حاصل تھی۔ روہیلہ دور کے شاہی خاندان کے آخری چشم و چراغ مفتی محمد عیوض صاحب کے ۱۸۱۶ء میں انگریزوں سے شکست کھاجانے کے بعد مسند افتا خالی تھی ۱۸۱۶ء میں مفتی محمد عیوض بریلی سے ٹونک تشریف لے گئے اور ۱۸۱۸ء میں وہیں فوت ہوئے۔ ایسے نازک دور میں امام العلماء مولانا رضا علی خاں نے مسند افتا کو رونق بخشی۔ آپ اپنے دور میں مرجع فتویٰ تھے۔ آپ کی تقریر بہت پراثر ہوتی تھی۔ محفل خوف خدا اور خشیت الٰہی سے آہ وبکا کر اٹھتی تھی۔ چونکہ خود بڑے تقوی شعار تھے اسی لئے آپ کی نصیحت کا بڑا اثر ہوتا تھا۔ انتہائی منکسر المزاج تھے۔ سلام کرنے میں سبقت فرماتے تھے۔ دنیا سے استغنا آپ کا شیوہ تھا۔ آپ عشق رسول کی دولت سے مالا مال تھے اس لئے آپ ناموس رسالت کے دشمنوں سے انتہائی متنفر رہتے تھے۔

امام العلماء کو اجازت وخلافت اور سند حدیث مولانا خلیل الرحمٰن سے اور ان کو فاضل محمد سندیلوی سے اور ان کو ملک العلماء بحرالعلوم ابوالعباس عبدالعلی لکھنوی سے حاصل تھی۔

امام العلماء نے جمعہ اور عیدین کے لئے عربی زبان میں خطبات تصنیف کئے جن کو آپ کے شاگرد، مولانا محمد حسن

علمی بریلوی نے ترتیب دے کر ''خطبات علمی'' کے نام سے شائع کیا۔ ان خطبات میں اردو کے منظوم خطبات مولانا محمد حسن کے ہیں۔ اسی لئے ''خطبات علمی'' پر مولانا محمد حسن علمی کا نام بحثیت مولف لکھا جاتا ہے۔

امام العلماء مولانا رضا علی خاں جید عالم باعمل اور معروف مفتی وقت ہونے کے ساتھ جلیل القدر مجاہد آزادی بھی تھے۔ امام العلماء نے عملاً خود جنگ آزادی میں حصہ لیا اور اپنی تحریر وتقریر سے عوام اور بالخصوص مسلمانوں کے جذبہ حریت کو بیدار کیا۔ انگریزوں کی بیخ کنی کیلئے جہاد کمیٹی بنائی گئی اس میں امام العلماء سرفہرست تھے۔ علماء کے فتوے جہاد کا پورے ملک میں زبردست اثر ہوا اور مسلمان جذبہ شہادت سے سرشار ہوکر میدان جہاد میں کود پڑے۔

امام الاتقیاء مفتی نقی علی خاں: اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ امام العلماء مولانا رضا علی خاں کے ایک ہی شہزادہ امام الاتقیاء مفتی نقی علی خاں تھے۔ آپ کی شادی مرزا اسفندیار بیگ لکھنوی کی دختر ''حسینی خانم'' کے ساتھ ہوئی تھی۔ مرزا اسفندیار بیگ کا آبائی مکان لکھنو میں تھا مگر انہوں نے مع اہل وعیال بریلی میں سکونت اختیار کرلی تھی اور مسلکاً ایسے سنی حنفی مسلمان تھے کہ جنہیں آج ہم سنی حنفی بریلوی مسلمانوں کے نام سے جانتے ہیں۔ مولانا نقی علی خاں کی مندرجہ ذیل اولادیں یادگار تھیں۔

(۱) احمدی بیگم زوجہ غلام دستگیر خاں عرف محمد شیر خاں خلف محمد عمران خاں۔

(۲) اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خاں۔

(۳) استاذ زمن علامہ مولانا حسن رضا خاں۔

(۴) حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں۔

(۵) مولانا محمد رضا خاں۔

(۶) محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں خلف عطاء اللہ خاں۔

(۱) احمدی بیگم: احمدی بیگم امام احمد رضا فاضل بریلوی سے عمر میں بڑی تھیں۔ آپ کے دو فرزند مولوی احمد علی خاں اور مولوی علی محمد خاں تھے اور ایک دختر محمودی جان تھیں جن کا عقد مولوی حشمت اللہ خاں تلمیذ مولانا نقی علی خاں کے ہمراہ ہوا تھا۔ مولوی حشمت اللہ خاں علی گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور ریٹائر ہونے کے بعد بریلی ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ محمودی جان کے ایک فرزند محمد اسحٰق اللہ خاں عرف پیارے میاں بیرسٹر پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں: مولانا نقی علی خاں کے فرزند اکبر امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی تھے جن کا نکاح شیخ فضل حسین عثمانی کی دختر ''ارشاد بیگم'' کے ہمراہ ہوا تھا۔ شیخ فضل حسین عثمانی کی زوجہ یعقوتی جان تھیں جو غلام فرید خاں کی دختر تھیں۔ غلام فرید خاں، غلام دستگیر خاں کے بیٹے تھے اور غلام دستگیر خاں شہزادہ مکرم خاں کے بیٹے تھے اور شہزادہ مکرم خاں حضرت محمد اعظم خاں کے برادر اصغر تھے۔

امام احمد رضا کے دو فرزند حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں اور دوسرے فرزند مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمد مصطفٰے رضا خاں کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ مولانا حامد رضا خاں کی شادی کنیز عائشہ سے ہوئی تھی جو مولانا نقی علی خاں کی دختر حجاب بیگم کی بیٹی، اعلیٰ حضرت کی بھانجی اور حجۃ الاسلام کی پھوپھی زاد تھیں یعنی حجۃ الاسلام کا عقد اپنی پھوپھی زاد سے ہوا تھا۔ ان کی چھ اولادیں ہوئیں۔

(۱) مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں (۲) مولانا حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں (۳) ام کلثوم (زوجہ ثانیہ حکیم حسین رضا خاں) (۴) کنیز صغریٰ (زوجہ تقدس علی خاں (۵) رابعہ بیگم عرف نوری (زوجہ مشہود علی خاں (۶) سلمیٰ بیگم (زوجہ شاہد علی خاں)

مفتی اعظم ہند حضرت مصطفٰے رضا خاں کا عقد اپنے چچا مولانا محمد رضا خاں کی دختر فاطمہ بیگم سے ہوا تھا۔ جن کے ایک فرزند انور رضا خاں ۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ ہفتہ کے دن ظہر کے آخری وقت میں پیدا ہوئے اور ایک سال آٹھ ماہ تین دن کی عمر میں ۹ / محرم ۱۳۵۲ھ کی شب میں وصال ہوا اور اپنے دادا مفتی نقی علی خاں کے پائتی دفن کئے گئے۔

مفتی اعظم کی سات دختران تھیں جن میں سے ایک صفیہ بیگم یکم ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ کو پیدا ہوئیں اور سات محرم ۱۳۵۲ھ بروز بدھ بوقت ساڑھے بارہ بجے دن میں فوت ہوئیں اور اپنے آبائی قبرستان مین دفن کی گئیں بقیہ چھ دختران کے اسماء اس طرح ہیں۔

(۱) نگار فاطمہ (۲) انوار فاطمہ (۳) برکاتی بیگم (۴) رابعہ بیگم (۵) ہاجرہ بیگم (۶) شاکرہ بیگم

☆

امام احمد رضا خاں کی پانچ دختران (۱) مصطفائی بیگم (۲) کنیز حسن (۳) کنیز حسین (۴) کنیز حسنین (۵) مرتضائی بیگم تھیں۔

(۱) مصطفائی بیگم: مصطفائی بیگم کا عقد حاجی شاہد علی سے ہوا تھا جن کے بطن سے عزو بی بی تھیں۔ جن کا عقد مولوی سردار علی خاں عرف عزو میاں سے ہوا تھا۔ مصطفائی بیگم امام احمد رضا کی حیات میں فوت ہو گئیں۔

(۲) کنیز حسن: کنیز حسن کا عقد حمید اللہ خاں بن احمد اللہ خاں بن حاجی کفایت اللہ خاں رئیس اعظم شہر کہنہ محلّہ روہیلی ٹولہ بریلی کے ساتھ ہوا۔ کنیز حسن کی دو اولادیں تھیں جن میں سے ایک فرزند عتیق اللہ خاں امیدؔ لا ولد فوت ہوئے۔ دختر رفعت بیگم کا عقد خورشید علی خاں ولد جمشید علی خاں ولد نواب احمد اللہ خاں بن حاجی کفایت اللہ خاں سے ہوا۔ رفعت بیگم کی ایک دختر شفقت بیگم ہیں۔

(۳) کنیز حسین: امام احمد رضا کی تیسری دختر کنیز حسین کا عقد مولوی حکیم حسین رضا خاں بن مولانا حسن رضا خاں کے ہمراہ ہوا تھا۔ حکیم حسین رضا خاں کی زندگی کا بیشتر وقت اپنی خاندانی

جائیداد کی دیکھ بھال میں گزرا۔ آپ انتہائی حسین وجمیل شخصیت کے مالک تھے۔ حکیم حسنین رضا خاں کے تین فرزند ہوے۔ (۱) مرتضٰی رضا خاں (۲) ادریس رضا خاں اور (۳) جرجیس رضا خاں۔ سب صاحب اولاد ہیں۔ کنیز حسنین کا انتقال امام احمد ررضا کے وصال کے اکیس دن بعد ہوا۔

(۴) کنیز حسنین: امام احمد رضا کی چوتھی دختر کنیز حسنین کا عقد مولوی حسنین رضا بن مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی کے ہمرا ہوا تھا جن سے ایک دختر شمیم بانو پیدا ہوئیں۔ جن کا عقد جرجیس رضا خاں ابن حکیم حسنین رضا خاں کے ہمراہ ہوا تھا۔

(۵) مرتضائی بیگم: امام احمد رضا خاں کی پانچویں دختر مرتضائی بیگم کا عقد مجید اللہ خاں خلف احمد اللہ خاں خلف حاجی کفایت اللہ خاں رئیس اعظم شہر کہنہ محلّہ روہلی ٹولہ کے ہمرا ہوا۔ جن کے بطن سے تین فرزند رئیس میاں، سعید میاں اور فرید میاں ہوئے اور دو دختران مجتبائی بیگم اور مقتدائی بیگم پیدا ہوئیں جو صاحب اولاد ہیں۔

علامہ حسن رضا خاں حسنؔ: مولانا نقی علی خاں کے فرزند اوسط حضرت مولانا حسن رضا خاں کی شادی اصغری بیگم دختر علیم اللہ خاں خلف شاہ اعظم خاں خلف معظم خاں خلف سعادت یار خاں خلف شجاعت محمد سعید اللہ خاں کے ہمراہ ہوئی تھی۔ آپ کے بطن سے تین فرزند (۱) مولانا حکیم حسین رضا خاں (۲) مولانا حسنین رضا خاں اور (۳) فاروق رضا خاں پیدا ہوئے۔ فاروق رضا خاں لاولد فوت ہوئے۔

(۱) حکیم حسین رضا خاں نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی امام احمد رضا فاضل بریلوی کی دختر کنیز حسنین سے ہوئی جن سے تین فرزند (۱) مرتضٰی رضا خاں (۲) جرجیس رضا خاں اور (۳) ادریس رضا خاں پیدا ہوئے۔ زوجہ ثانیہ ام کلثوم دختر حامد رضا خاں تھیں جن کے بطن سے ایک دختر غوثیہ بیگم اور فرزند یونس رضا خاں پیدا ہوئے۔

(۲) مولانا حسنین رضا خاں نے دو شادیان کی تھیں۔ پہلی شادی امام احمد رضا کی دختر کنیز حسنین سے ہوئی جن سے ایک دختر شمیم بانو پیدا ہوئیں۔ زوجہ اولیٰ کی وفات کے بعد مولانا حسنین رضا خاں کا عقد منوری بیگم بنت عبد الغنی خاں بن غریب شاہ خاں کے ساتھ ہوا۔ جن کے بطن سے تین فرزند اور ایک دختر پیدا ہوئے۔ فرزند اکبر حضرت مولانا حکیم سبطین رضا خاں صاحب، صاحب اولاد ہیں۔ دعوت، رشد وہدایت کے سلسلہ میں چھتیس گڑھ میں مقیم تھے۔ اہل تقویٰ میں شمار کئے جاتے تھے۔ ہم شبیہ مفتی اعظم تھے۔ آپ کو امین شریعت کہا جاتا۔ ۲؍نومبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار وصال ہوا۔ بریلی میں پرانا شہر میں مدفون ہوئے۔ مولانا حسنین رضا خاں کے دوسرے صدر العلماء حضرت علامہ مولانا تحسین رضا خاں صاحب تھے۔ صاحب اولاد تھے۔ اپنی خاندانی روایات کے امین و وارث تھے۔ علم وفضل میں اسلاف کا نمونہ

تھے آپ کے تلامذہ کا سلسلہ دراز ہے۔تبلیغی سفر پر نا گپور سے چندر پور جارہے تھے کہ اسی راستے میں کار حادثہ کا شکار ہوکر مؤرخہ ۱۸/ رجب ۱۴۲۸ھ کو وصال فرما گئے۔ تیسرے فرزند مولانا حبیب رضا خاں ہائی اسکول پاس تھے۔ضروری دینی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ روزمرہ کے ضروری دینی مسائل پر دسترس رکھتے تھے۔ خیر کے زیور سے آراستہ تھے۔ خدمت دینی کا جذبہ رکھتے تھے۔صاحب اولاد ہیں۔مولانا حسنین رضا کی دختر کا عقد تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ سے ہوا۔صاحب اولاد ہیں۔

(۴) حجاب بیگم: مولانا نقی علی خاں کی دوسری بیٹی حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں کے دوفرزند اور تین دختران تھیں۔فرزند اکبر واحد علی خاں تھے جن کی دختر کنیز رسول کا عقد مظفر حسین بھا پوتی سے ہوا تھا۔ دوسرے فرزند سردار علی خاں عرف عزو میاں کی چھ اولادیں ہوئیں (۱) افتخار علی خاں (۲) سرشار علی خاں (۳) رئیسہ بیگم (۴) زاہدہ بیگم (۵) نجمہ بیگم (۶) نامعلوم۔ واحد علی خاں کے فرزند ماجد علی خاں تھے جو بریلی کالج بریلی میں آفس سپرنٹنڈنٹ تھے۔

حجاب بیگم کی دختر اول کنیز خدیجہ تھیں جن کا عقد علی احمد خاں ابن غلام دستگیر خاں عرف شیران خان کے ہمراہ ہوا تھا لاولد فوت ہوئیں۔

حجاب بیگم کی دوسری دختر کنیز عائشہ کا عقد حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خلف امام احمد رضا خاں سے ہوا تھا۔کنیز عائشہ کے دولڑکے حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں اور حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں۔نعمانی میاں پاکستان چلے گئے۔

مفسر اعظم حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں کے پانچ فرزند اور تین دختران تھیں۔(۱) حضرت مولانا ریحان رضا خاں (۲) حضرت تنویر رضا خاں۔مفقود الخبر)(۳) تاج الشریعہ حضرت مفتی محمد اختر رضا خاں (۴) حضرت مولانا محمد قمر رضا خاں (۵) حضرت مولانا منان رضا خاں منانی میاں۔ تین صاحبزادیاں (۱) سرفراز بیگم (۲) سرتاج بیگم (۳) دلشاد بیگم۔

حضور مفسر اعظم کے خلف اکبر حضرت ریحان رضا خاں ریحان ملت کی ۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۴ء بروز جمعہ شہر بریلی کے محلّہ خواجہ قطب میں ولادت ہوئی۔آپ کے جد امجد حضور حجۃ الاسلام نے محض چار سال کی عمر میں آپ کو وصیت نامہ میں ولی عہد،سجادہ نشین،خانقاہ عالیہ رضویہ کا متولی نیز مدرسہ منظر اسلام کا مہتمم نامزد فرمادیا تھا۔ وصیت کرنے والا ایک خدا رسیدہ اور کامل بزرگ تھا جس کی نگاہ بصیرت اور نظر ولایت دیکھ رہی تھی کہ یہ بچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا سچا جانشین ہوگا۔ ۱۸/رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ مطابق ۸/ جون ۱۹۸۵ء کو آپ کا وصال ہوا۔

مفسر اعظم کے دوسرے بیٹے تنویر رضا خاں مفقود الخبر ہیں۔

تیسرے فرزند تاج الشریعہ حضرت مفتی محمد اختر رضا

خاں ازہری میاں آبائی مسند افتا پر فائز تھے۔ آپ کا نام اسماعیل رضا تھا عرفی نام اختر رضا ہے۔ آپ کی ولادت ۲۴؍ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳؍نومبر ۱۹۴۳ء کاشانہ اعلیٰ حضرت، محلّہ سوداگران بریلی میں ہوئی۔ آپ کا عقد علامہ حسنین رضا خاں کی دختر سلیم فاطمہ عرف اچھی بی سے ہوا۔ ۲۰؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز جمعہ بوقت ۷ بجکر ۳۷ منٹ پر اپنے لاکھوں مریدوں، عقیدت مندوں کو سسکتا بلکتا چھوڑ کر اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

مفسر اعظم کے چوتھے فرزند حضرت مولانا قمر رضا خاں تھے۔ آپ نے واجبی دینی تعلیم کے علاوہ عصری تعلیم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور آگرہ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ عقائد اہل سنت کی نشر و اشاعت کے لئے ملک اور بیرون ملک بے شمار اسفار کئے۔ ۲۶؍جون ۲۰۱۲ء کو آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔

مفسر اعظم کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ حضرت مولانا منان رضا خاں منانی میاں ہیں۔ اپریل ۱۹۵۰ء کو خواجہ قطب بریلی شریف میں تولد ہوئے۔ جامعہ نوریہ رضویہ باقر گنج کے مہتمم ہیں اور مولانا حسن رضا خاں کے قدیمی مکان کی بازیافت کے بعد اسی میں مقیم ہیں۔

مولانا ابراہیم رضا خاں صاحب کی تینوں دختران انتقال کر چکی ہیں۔ ان میں سے دو صاحب اولاد ہیں۔

مفسر اعظم حضرت ابراہیم رضا خاں کے خلف اکبر ریحان ملت حضرت ریحان رضا خاں نے سات اولاد یادگار چھوڑی ہیں جن میں پانچ صاحبزادے اور دو دختران ہیں۔

(۱) مخدوم گرامی حضرت مولانا الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں صاحب قادری۔

(۲) حضرت مولانا عثمان رضا خاں عرف انجم میاں صاحب قادری۔

(۳) حضرت مولانا توقیر رضا خاں صاحب قادری۔

(۴) پیر طریقت حضرت علامہ مولانا الحاج محمد توصیف رضا خاں صاحب قادری

(۵) حضرت مولانا قاری محمد تسلیم رضا خاں شیراز نوری اور دو دختران۔ بحمد اللہ تعالیٰ سب حیات ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔

حضرت مولانا الحاج محمد سبحان رضا خاں: نبیرہ اعلیٰ حضرت، مخدوم ملت حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں حضرت ریحان ملت کے شہزادہ اکبر ہیں۔ تعلیمی سند کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت ۲؍جون ۱۹۵۲ء محلّہ خواجہ قطب بریلی شریف میں ہوئی۔ ۱۹۸۵ء میں جامعہ منظر اسلام سے سند فراغت حاصل کی۔ ریحان ملت کے وصال کے بعد آپ کی رجسٹرڈ وصیت کے مطابق آپ کو خانقاہ قادریہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت کا سجادہ نشین، جامعہ منظر اسلام کا مہتمم، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا مدیر اعلیٰ، رضا مسجد اور دیگر اوقاف کا متولی منتخب و مقرر کیا گیا۔ بعدہ خانقاہ مارہرہ مقدسہ کے سجادہ نشین احسن

العلماء حضرت سید حسن میاں علیہ الرحمہ نے بھی آپ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنا پانچواں بیٹا بھی فرمایا۔ جو یقیناً سرکار احسن العلماء کی بے پناہ شفقت و محبت اور فیض روحانی کا بین ثبوت ہے۔

حضرت مولانا سبحان رضا خاں کے دو پسران اور ایک دختر ہیں۔ پسران کے نام (۱) حضرت مولانا احسن رضا خاں (۲) مستحسن رضا خاں نوری میاں۔

حضرت احسن رضا خاں صاحب کی ولادت رضا نگر محلّہ سوداگران میں ہوئی۔ تعلیمی سند کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۷/ مارچ ۱۹۸۳ء ہے۔ آپ کا عقد حضور مفتی اعظم کے حقیقی نواسہ جناب رضاء الرحمٰن خاں عرف جاوید میاں کی شہزادی ارم فاطمہ کے ساتھ ۲۰۰۵ء میں ہوا۔ آپ کی تین شہزادیاں (۱) امم فاطمہ (۲) زمم فاطمہ (۳) زوبیہ فاطمہ ہیں۔ اس وقت آپ خانقاہ عالیہ رضویہ برکاتیہ کے پانچویں سجادہ ہیں۔

حضرت مولانا سبحان رضا خاں سبحانی میاں کے چھوٹے فرزند مستحسن رضا خاں عرف نوری میاں کے تادم تحریر صرف دو فرزند ہیں (۱) محمد احسان رضا خاں جن کی عمر پانچ سال ہے۔ (۲) محمد سلطان رضا خاں جو تقریباً دو سال کے ہیں۔

مفسر اعظم حضرت ابراہیم رضا خاں کے تیسرے فرزند تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا خاں کو اللہ تعالیٰ نے ایک صاحبزادہ اور پانچ دختران سے نوازا۔ سب ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد عسجد رضا خاں، قاضی شہر ہیں۔ آپ کو اپنے والد محترم سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔ آپ کا عقد امین شریعت حضرت مفتی محمد سبطین رضا خاں علیہ الرحمہ کی چھوٹی دختر راشدہ نوری سے ۱۷ فروری ۱۹۹۱ء میں ہوا۔ آپ کے دو صاحبزادے محمد حسام احمد رضا اور محمد ہمام احمد رضا ہیں اور چار صاحبزادیاں اریج فاطمہ، امرہ فاطمہ، جویریہ فاطمہ، اور مزینہ فاطمہ ہیں۔

تاج الشریعہ کی شہزادیوں کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:
(۱) آسیہ فاطمہ (۲) سعدیہ فاطمہ (۳) قدسیہ فاطمہ (۴) عطیہ فاطمہ (۵) ساریہ فاطمہ۔

حجاب بیگم کی تیسری دختر کنیز فاطمہ کا عقد سردار ولی خاں ابن حکیم ہادی علی خاں ابن تقی علی خاں برادر اصغر امام العلماء مولانا رضا علی خاں کے ساتھ ہوا۔ ان کا ذکر حکیم تقی علی خاں کی اولادوں میں آچکا ہے۔

مولانا نقی علی خاں کے فرزند اصغر مولانا محمد رضا خاں عرف ننھے میاں تھے جن کی کم سنی میں ہی مولانا نقی علی خاں کا وصال گیا تھا۔ آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت امام احمد رضا نے کی۔ مولانا محمد رضا خاں کی شادی سکینہ بیگم دختر غلام علی خاں ساکن خواجہ قطب بریلی سے ہوئی۔ مولانا محمد رضا خاں کی ایک دختر فاطمہ بیگم تھیں جن کا عقد مفتی اعظم حضرت مصطفےٰ رضا خاں سے ہوا۔

(۶) محمدی بیگم: مولانا نقی علی خاں کی سب سے چھوٹی بیٹی محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں خلف عطاء اللہ خان تھیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ اور تصوف

از: مفتی سید کفیل احمد ہاشمی، استاذ و مفتی منظر اسلام بریلی شریف

سرکار اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت، رفیع الدرجت، امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیاتِ طیبہ کے لمعات نورانی ملاحظہ کرنے کے بعد یہ بات شمس وامس کی طرح منور و مجلی ہوجاتی ہے کہ امام احمد رضا اپنے وقت کے امام الفقہاء ہونے کے ساتھ ساتھ امام الاصفیاء والاتقیاء، سرخیل عرفاء بھی ہیں۔ شریعت میں امام الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ثانی ہیں اور طریقت میں جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے پرتو اور غوث صمدانی محبوب یزدانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نائب ہیں۔

تصوف، شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ شریعت کو عمل میں لانے کا نام ہے۔

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ اپنی گراں قدر تصنیف لطیف ''مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء'' میں فرماتے ہیں کہ:

'' شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا۔ عموماً کسی منبع سے دریا بہتا ہوتو اسے زمینوں کو سیراب کرنے میں منبع کی حاجت نہیں ہوتی لیکن شریعت وہ منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی حاجت ہے اگر شریعت کے منبع سے طریقت کے دریا کا تعلق ٹوٹ جائے تو صرف یہی نہیں کہ آئندہ کے لئے اس میں پانی نہیں آئے گا بلکہ تعلق ٹوٹتے ہی دریائے طریقت فوراً فنا ہوجائیگا''

پھر مزید ارقام فرماتے ہیں کہ شریعت وطریقت تو منبع و دریا کی مثال سے بھی اعلیٰ ہیں حقیقت یہ ہے کہ شریعت مطہرہ ربانی کا ایک فانوس ہے کہ دین کی دنیا میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں اور اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں اس روشنی کی زیادتی و افزائش چاہنے کا نام طریقت ہے۔ یہ روشنی بڑھ کر صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائق اشیاء کا انکشاف ہوتا ہے اور نور الٰہی تجلی فرماتا ہے یہ مرتبۂ علم میں معرفت اور مرتبۂ تحقیق میں حقیقت ہے۔ درحقیقت شریعت ہی ہے کہ مختلف مراتب کے لحاظ سے اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں'' اور مرقاۃ میں ہے ''**فان الشرعیۃ اقوالی و الطریقۃ افعالی و الحقیقۃ احوالی**'' (ج:۱صفحہ۲۸۲)

بے شک شریعت میرے اقوال ہیں اور طریقت میرے افعال ہیں اور حقیقت میرے احوال ہیں۔ اور عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''**التصوف انما ھو زبدۃ عمل العبد باحکام الشریعۃ**'' تصوف تو بس احکام شریعت پر بندہ کے خلاصۂ عمل کا

نام ہے۔(الطبقات الکبریٰ ج:اصفحہ۴)

مذکورہ اقوال کی روشنی میں یہ کہنا درست ہے کہ تصوف وطریقت کی اصل ،اصل شرع شریف ہی ہے جس پر امام ہمام امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سختی کے ساتھ عمل فرمایا کرتے تھے۔حضرت مولانا عبد السلام جبلپوری علیہ الرحمہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

''ڈھائی سال سے اگر چہ امراض دردک مرومثانہ وسر وغیرہا امراض کا لازم ہوگئے ہیں۔قیام وقعود رکوع وسجود بذریعہ عصا ہے۔مگر الحمد للہ! کہ دین حق پر استقامت عطا فرمائی ہے کثرت اعداء روز افزوں ہے اور حفظ الٰہی تفضیل نا متناہی شامل حال ہے''

اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''ایں ضعف بدن وقوت محن وکثرت فتن۔ بحمد للہ تعالیٰ۔اپنے کاموں سے معطل نہیں۔اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا ظاہری معین ومددگار عنقاء اوران کے سوا کسی کی حاجت بھی کیا ہے؟

(اکرام امام احمد رضا بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف)

امام احمد رضا نے اپنی پوری زندگی شریعت مطہرہ کے مطابق گزاری، ہرفرض وواجب حتیٰ کہ سنن تک کی محافظت فرمائی اوراتباع سنت وشریعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت ہونے نہ دیا۔ **عمل فی الشریعة** کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے لگا سکتے ہیں۔حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔آپ لکھتے ہیں کہ

''امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا۔اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی۔ دوسرے عمر مبارک کا آخری حصہ اور ضعف ومرض کی شدت۔شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور ناتواں مریض کو اجازت ہے کہ قضا کرے لیکن امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتوی اپنے لئے کچھ اور ہی تھا جو درحقیقت فتوی نہیں تقوی تھا۔انہوں نے فرمایا بریلی میں شدت گرما کے سبب میرے لئے روزہ رکھنا ممکن نہیں لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے۔یہاں سے نینی تال قریب ہے۔بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جا سکتا ہے۔میں وہاں جانے پر قادر ہوں لہٰذا وہاں جا کر روزہ رکھنا فرض ہے۔چنانچہ رمضان وہیں گزارا اور پورے روزے رکھے''۔(امام احمد رضا اور تصوف)

دوسرا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ آپ کا وصال ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو ہوتا ہے۔مرض مہینوں سے تھا اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں۔شریعت اجازت دیتی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے مگر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ جماعت کی پابندی کرتے اور چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک پہونچاتے جب تک اس طرح حاضری کی قدرت تھی جماعت میں شریک ہوتے رہے۔بلکہ ایک بار تو ایسا ہوا کہ مسجد لے جانے والا کوئی نہ

تھا۔ جماعت کا وقت ہو گیا طبیعت پریشان ہو گئی ناچار خود ہی گھسٹتے ہوئے حاضر مسجد ہوئے اور با جماعت نماز ادا کی۔

بالجملہ! تصوف و طریقت کی منزل پانے کے لئے شریعت مصطفوی پر عمل پیرا ہونا لازم واشد لازم ہے اس کے بغیر تصوف کا تصور محال ہے۔ امام الواصلین قدوۃ العارفین حضرت سیدنا جنید بغدادی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''ایں راہ کس یابد کہ کتاب اللہ بدست راست گرفتہ باشد وسنت مصطفیٰ ﷺ بردست چپ''

یعنی یہ راہ صرف وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ ﷺ کا دامن ہوتا ہے۔ آج کچھ ناعاقبت اندیشوں نے اس عظیم الشان راہ سلوک کو بدنام کر دیا ہے۔ بھنگ چرس پینے والے ڈھونگی اپنے آپ کو متصوف اور درویش کامل بتاتے ہیں۔ نہ انہیں علوم قرآن حاصل اور نا ہی فقہ وحدیث اور تفسیر کے رموز واسرار سے واقف۔

علامہ ابن جوزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

'' وَمَا كان المتقدمون فى التصوف الا رؤساً فى القرآن والفقه والحديث والتفسير'' پہلے صوفیائے کرام علوم قرآن فقہ، حدیث اور تفسیر میں امام ہوا کرتے تھے۔

لیکن امام احمد رضا کی تصانیف وتحاریر دیکھ کر ہر منصف کہہ اٹھے گا کہ امام احمد رضا فقہ وتصوف دونوں کے امام ہیں ؎

ملک سخن کے شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

تفقہ تصوف کے بغیر اور تصوف تفقہ کے بغیر خطرہ سے خالی نہیں۔ درحقیقت فائز المرام وہی ہے جس نے دونوں کو جمع کر لیا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

''مَن تفقه ولم يتصوف فقد فسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق وجمعه بينهما فقد تحقق''۔

جس نے علوم کو حاصل کیا لیکن اعمال صالحہ سے اپنے سینے کو صاف نہ کیا، مقام تصوف حاصل نہ کیا وہ درجۂ فسق میں ہے۔ جس نے تصوف حاصل کیا یعنی عابد ہوا لیکن عالم نہ ہوا وہ زندیقیت کے خطرہ میں ہے اور جس نے علوم دینیہ اور تصوف دونوں کو حاصل کیا وہی حق راہ کو پانے والا ہوا۔

الحمد للہ! ہمارا امام شریعت وطریقت، تفقہ وتصوف دونوں کا شہسوار ہے۔ آپ کا باطن اتنا مصفی ومزکی تھا کہ آپ کے مرشد گرامی وقار نے بلا ریاضت ومجاہدہ کے بیعت کے ساتھ خلافت واجازت بھی عطا فرما دی۔ حضرت سیدنا ابوالحسین نوری نور اللہ مرقدہ نے عرض کیا، حضور آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد خلافت دی جاتی ہے۔ ان کو ابھی کیسے دے دی گئی؟ فرمایا: ''اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لئے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہے۔ یہ مصفیٰ ومزکیٰ قلب لے کر آئے، انہیں ریاضت ومجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصال نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہو گیا۔''

امام احمد رضا اور علم توقیت و ہیئت

از: مفتی محمد بدر عالم مصباحی استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ مبارکپور

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تحقیق و تدقیق اور علمی اکتشافات کے آئینے میں بلاشبہ ایک نادر روزگار ہستی تھے آپ مختلف علوم وفنون میں یکتائے زمانہ کی حیثیت سے جلوہ گر رہے۔ ارباب علم و دانش نے انہیں بے عدیل و بے مثیل محقق تسلیم کیا متفقہ طور پر آپ کی علمی تحقیق کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ ایک اندازہ کے مطابق امام احمد رضا قدس سرہ نے کم و بیش ستر علوم وفنون میں ہزاروں صفحات پر علم و حکمت کے گرانمایہ موتی بکھیر کر آنے والی نسلوں کے لیے نہایت قیمتی سرمایہ فراہم کر دیا ہے۔ ان میں سے بہت سارے زیور طبع سے آراستہ ہوکر ارباب علم و دانش کی بالیدگی اور پاکیزگی کا سامان بن کر داد تحسین حاصل کر رہے ہیں اور بہت سے علمی اثاثے منتظر طبع ہیں۔ خدا کرے جلد ہی وہ بھی اپنی عطر بیزیاں عام سے عام تر کرنے کے لائق ہوجائیں۔

امام احمد رضا جہاں علم تفسیر و حدیث، فقہ، اصول فقہ اور فتاوٰی پر کامل عبور رکھتے تھے وہیں علم منطق و فلسفہ، توقیت و ہیئت، نجوم و ریاضی تکسیر و جفر میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ بعض علوم مثلاً توقیت و ہیئت تکسیر و جفر جیسے اہم فنون حکمت ضالہ ہو گئے تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے ان کی بازیافت فرمائی، جدید اصول و قواعد ایجاد فرمائے جس کی تفصیل کتب سابقہ میں نایاب ہے متفقہ طور پر علمائے عرب و عجم نے آپ کے تبحر علمی کو سراہا، اپنوں اور بیگانوں نے آپ کی علمی خدمات کو عزت کی نگاہ سے دیکھا۔

علم توقیت و ہیئت : میں نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی علم توقیت و ہیئت پر کچھ لکھنے کی جرأت کی ہے صحیح یہ ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے کسی بھی علمی گوشے پر کچھ لکھنا یا تبصرہ آرائی کرنا اور ان کے علمی نکات سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں بالخصوص علم توقیت و ہیئت پر کچھ لکھنا تو اور بہت مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ امام موصوف کے تحریر کردہ متعدد علمی گوشوں پر کوئی تفصیلی اور تحقیقی مقالہ منظر عام پر نہ آسکا ہے۔

میں نے امام موصوف کے علم توقیت و ہیئت کو عنوان تحریر بنایا ہے تاکہ ہمارے اہل تحقیق علماء اس جانب متوجہ ہوں اور امام احمد رضا قدس سرہ کے اس علمی اہم گوشے کو تفصیل و تحقیق کے ساتھ منظر عام پر لائیں۔ صحیح یہ ہے کہ علم توقیت و ہیئت وہ علوم ہیں جن کے بارے میں علمائے اسلام اور دیگر اہل تحقیق نے بھی کچھ استغناء سے کام لیا ہے اس لیے متقدمین کی بھی ان علوم میں

تصنیفات بہت کم نظر آتی ہیں اور وہ بھی فی زمانہ نایاب ہیں حالانکہ علم توقیت و ہیئت مسلمانوں بالخصوص علمائے اسلام کے لیے جس درجہ ضروری ہے وہ ارباب بست وکشادہ پر روشن ہے۔

نماز روزہ حج اور سمت قبلہ جیسے اہم مسائل میں ان کی شدید ضرورت پڑتی ہے کون ایسا مسلمان ہے جسے نماز روزہ حج کے اوقات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی کون نہیں جانتا کہ ہر فرد مسلم کا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔اس کی سمت معلوم کرنے کے لیے علم ہیئت کی کتنی شدید ضرورت ہے کسی سے پوشیدہ نہیں علم توقیت وہ علم ہے جس کی معرفت سے عرفان الٰہی میں کمال حاصل ہوتا ہے

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

من لم یعرف الهیئة والتشریح فهو عنین فی معرفة الله۔یعنی جو شخص ہیئت اور تشریح نہیں جانتا وہ اللہ کی معرفت میں ناکمل آدمی ہے۔

علم توقیت و ہیئت کا اجمالی تعارف : اس فن کا موجد طالیس لمطی ہے جسے اہل عرب طالیس بھی کہتے ہیں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ سو سال قبل پیدا ہوا اس نے زمین کو مرکز کائنات مانا۔

اس کے بعد مشہور فلسفی فیاغورس نے ۳۵۶ برس قبل مسیح اور افلاطون نے ۴۳۰ ربرس قبل مسیح اس فن کے فروغ وارتقاء میں اہم رول ادا کیا لیکن فیاغورس کے بعد ارسترخوس برخس بطلیموس وغیرہم نے اس فن کو کافی ترقی دی اور اس فن کی کافی اہم اور بنیادی کتابیں بھی تصنیف کیں ارسترخوس کی **الشمس والقمر** بطلیموس کی مجسطی ،ہیئۃ ابن افلع وغیرہ اولین تصنیفات میں شمار ہوتی ہیں۔

علم توقیت ۔وہ علم ہے جس سے اوقات مثلاً نصف النہار، زوال، صبح صادق و کاذب ضحوۂ کبریٰ وغیرہ کے استخراج کی معرفت ہو۔

علم ہیئت : وہ علم ہے جس کے ذریعے سے اجرام فلکیہ اور کرۂ ارض کی گردش اور کشش نیران کی باہمی بعد و مسافت و دیگر احوال و کیفیات جانی جائیں۔

علم توقیت کے کچھ اصطلاحی الفاظ :امام احمد رضا فاضل بریلوی کی علم توقیت میں فنی مہارت کو سمجھنے کے لیے اس فن کی کچھ اصطلاحیں بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہیں۔ ذیل میں چند اصطلاحی الفاظ کی توضیح و تشریح کی جارہی ہے یہ توضیحات فاضل بریلوی کے تلمیذ رشید ملک العلماء فاضل بہاری کی تصنیف توضیح التوقیت سے ماخوذ ہیں۔

توضیح التوقیت بقول ملک العلماء امام احمد رضا کے فن توقیت سے متعلق ارشادات کا مجموعہ ہے۔

سمت الراس :اس قطب کو کہتے ہیں جو افق کے اوپر ہو۔

سمت القدم : اس قطب کو کہتے ہیں جو افق کے نیچے ہو۔

معدل النہار :فلک الافلاک کے دونوں قطبوں کے بیچ سے

پورب پچھّم مفروضہ دائرہ کومعدل النہار کہتے ہیں۔

مدار یومی : فلک الافلاک کے دونوں قطبوں کے اتر دکھن مفروضۂ دائرہ کومدار یومی کہتے ہیں۔

درجه :ایک درجہ چار منٹ کا مانا جاتا ہے یعنی ایک گھنٹے میں کل پندرہ درجے ہوں گے۔

دقیقه : ایک دقیقہ چار سکنڈ کا ہوتا ہے یعنی ایک گھنٹے میں پندرہ دقیقے ہوں گے۔

نصف النہار :اس خط مستقیم کو کہتے ہیں جومعدل النہار کے نقطہ شمالی وجنوبی کے درمیان واقع ہواسی خط پر آفتاب پہونچ کر ڈھلنا شروع ہوجاتا ہےاسی خط پر نہار کی تنصیف ہوتی ہے۔

تعدیل :معدل النہاروہ قوس جو یوم شمسی اور یوم وسطی میں تفاوت ظاہرکردےاس کوتعدیل ایام یاتعدیل وقت بھی کہتے ہیں۔

یوم شمسی :اس مدت کو کہتے ہیں جس میں آفتاب کامرکز کسی خاص دائرہ نصف النہار سے چل کر پھراسی نصف النہار پر پہنچے۔

یوم کوکبی: فلک الافلاک کی ایک گردش کی مدت کو یوم کوبکی کہتے ہیں۔

یوم وسطی :قرص آفتاب کی وہ مدت جس میں وہ دائرہ نصف النہار سے چل کر پھراسی نصف النہار پر پہونچے۔

طول البلاد :دائرہ زمین کے قطب شمالی وجنوبی کے درمیان جوقوس نما خطوط نکلیں وہی طول البلاد کہلاتے ہیں۔

طول البلاد عرض البلد جاننے کا طریقه: ماہرین ہیئت نے زمین کوکل ۳۶۰ رحصوں پر تقسیم کیا ہے۔زمین چونکہ گول ہےاس لیے ایک گیند لے لی جائے اوراس میں ایک مرکز تسلیم کر کےاس کے ہر چہار جانب ۹۰/۹۰ درجہ فرض کئے جائیں پھر قطب شرقی وغربی کے مابین ایک خط کھینچ لیں یہی خطوط عرض البلاد سمجھے جائیں۔قطب شمالی وجنوبی کومرکز مان کر ۱۸۰ رمساوی خطوط پوری گیند پر کھینچ جائیں یہی خطوط طول البلاد کہلائیں گے پھر عرض البلاد طول البلاد دونوں کے خطوط پر نمبر لگائے جائیں اب جس شہر کا طول البلاد اور عرض البلاد دیکھنا ہو اٹلس سے اس کا درجہ نمبر دیکھیں پھر اس کرہ میں اس نمبر کے مطابق عمل کریں طول البلاد اور عرض البلاد نکل آئے گا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح دیگر علوم وفنون میں کامل عبور رکھتے تھے اسی طرح علوم فلکیہ میں بھی اعلیٰ درک رکھتے تھے بلکہ ان فنون میں بھی یکتائے زمانہ تھے جس پر آپ کی فن توقیت و ہیئت میں کم و بیش ۱۸ تصنیفات بین ثبوت ہیں۔

مزید برآں اوقات صلوٰۃ،افطار،سحری اور صبح صادق و کاذب کے تعلق سے بعض سوالات کے تفصیلی جوابات جس تحقیق انیق اور واضح جدول کے ساتھ آپ نے پیش فرمائے وہ آپ ہی کا طرّہ امتیاز معلوم ہوتا ہے ۔فاضل بریلوی ہی کی وہ ممتاز شخصیت ہے جس نے سب سے پہلے متحدہ ہندو پاک میں شمسی سال کے اعتبار سے اوقات نماز کا نقشہ مرتب فرمایا امام موصوف

کی بارگاہ میں موسم سرما و گرما میں کیفیت زوال سے متعلق جب یہ سوال ہوتا ہے کہ موسم سرما و گرما میں بحساب ماہ قمری زوال کس طرح ہوتا ہے تو اس کے جواب میں امام موصوف نے اپنی فلکیاتی مہارتوں اور تجرباتی مشاہدوں کی روشنی میں ماہ شمسی و قمری کی تفصیل تعادیل و دقائق کی صراحت کے ساتھ جو نصف النہار اور زوال کا واضح چارٹ مرتب فرمایا وہ نہ صرف آپ کی علم توقیت و ہیئت دانی بلکہ فنون مذکورہ میں مہارت کاملہ کی عکاسی کرتا ہے۔ بخوف طوالت ہم وہ چارٹ یہاں پیش کرنے سے قاصر ہیں بہر حال اگر آپ وہ چارٹ اپنے سامنے رکھیں اور امام احمد رضا کے ارشادات ملاحظہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ فاضل بریلوی تحقیق و تدقیق کے کس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

ارشاد : دھوپ گھڑی سے تو ایسا ہی ہے کہ زوال ہمیشہ ٹھیک بارہ بجے ہوتا ہے نہ کبھی بیشتر نہ کبھی بعد مگر گھڑیوں کے اعتبار سے وقت بلدی سے صرف دن ۶/اپریل ۱۵/جون یکم ستمبر ۲۵/دسمبر کے سوا کسی دن ٹھیک بارہ بجے زوال نہیں ہوتا گھڑیوں کی چال روزانہ ایک سی ہے اور آفتاب کی چال کبھی ایک سی نہیں۔ اوج ۱۵/جولائی سے حضیض ۳/جنوری تک تیز ہوتی ہے کہ ہر روز پہلے دن سے زیادہ قوس قطع کرتا ہے اور روزانہ زیادت بھی یکساں نہیں بلکہ آئندہ زیادت پہلی زیادتی سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حضیض پر غایت سرعت کے ساتھ پہونچتا ہے پھر حضیض ۴/جنوری سے اوج ۳/جولائی تک چال سست ہو جاتی ہے کہ ہر روز پہلے دن سے کم قوس قطع کرتا ہے اور روزانہ کمی بھی ایک سی نہیں بلکہ ہر آئندہ کمی پہلی کمی سے کم ہوگی یہاں تک کے اوج پر پہونچ کر نہایت ڈھیل، تاخیر ہو جاتی ہے پھر وہی دور آغاز ہوتا ہے اور اس سبب سے کہ ہندوستان میں عام طور پر ریلوے وقت رائج ہے یہ چار دن بھی برابری کے باقی نہ رہے بلکہ بلاد شرقیہ میں بقدر تفاوت رطولیں تمام تعدیلات ناقص ہوں گی اور بلاد غربیہ میں تمام تعدیلات اسی قدر بڑھ جائیں گی مثلاً بریلی کے لیے اگر خاص شہر کا وقت دیا جائے تو بلا شبہ یہی چار دن برابری کے ہوں گے جن میں زوال جیبی گھڑی اور دھوپ گھڑی دونوں میں ٹھیک بارہ بجے ہوگا۔ اور اگر ریلوے وقت سے دیا جائے تو بقدر تفاوت طولیں ۱۲/منٹ ۱۲/سکنڈ ہے تمامی تعدیلات زائد ہو جائیں گی تو اب چار دن برابری کے جن میں دونوں وقتوں سے زوال ٹھیک ۱۲/بجے تھا ۱۲/سکنڈ ۱۲/منٹ ہوگا وعلیٰ ھذا القیاس۔ تعیم قطع کے لیے ایک جدول نصف النہار حقیقی و شرعی وقت ظہر بریلی بحذف سکنڈ کے ایک زمانہ کے لیے کار آمد ہو ریلوے وقت سے دیا جاتا ہے کہ اس وقت یہی رائج ہے ان وقتوں سے اگر بارہ منٹ کم کر دیں تو اصل وقت بریلی کا ہوگا۔

رام پور و دیگر بلاد کے لیے بھی یہ نقشہ بحسب زیادتی یا کمی وقت بریلی موافق نقشہ جات رمضان المبارک کے معدل کر لینے سے ایک زمانہ تک کے لیے ابتدائی وقت ظہر معلوم کرنے میں ایک اعلیٰ درجہ کا آلہ ہوگا نماز ظہر میں گھڑیوں کے

بارہ بجے کا کچھ اعتبار نہیں مگر نصف النہار کے بعد ہی نماز ہوگی اور قبل پڑھنے سے نماز نہ ہوگی ۲۸؍نومبر کو بریلی میں ریلوے ٹائم سے ٹھیک بارہ بجے نصف النہار ہے یہاں تک کہ یکم فروری ۱۲؍بجکر ۲۶؍منٹ پر ہوکر گھٹنا شروع ہوگا حتی ۱۸؍مئی کو ۱۲؍بجکر ۸؍منٹ پر ہوگا پھر گھٹتے گھٹتے ۷؍اکتوبر کو ٹھیک بارہ بجے ہوکر گھٹتا رہا یہاں تک کہ ۱۲؍بجے سے پہلے وقت ہوجائے گا یہاں تک کہ ۲۴؍اکتوبر کو منتہائے نقصان ۱۱ب؍بجکر ۵۶؍منٹ پر آکر بڑھنا شروع ہوگا اور ۲۸؍نومبر کو ٹھیک ۱۲؍بجے زوال ہوگا تو سات اکتوبر سے ۲۸؍نومبر تک جس شخص نے ٹھیک بارہ بجے یا کچھ پہلے نصف النہار کے بعد نماز پڑھ لی نماز ہوگئی جس نے وقت سے پہلے پڑھ لی اس کی نہ ہوگی۔

ناظرین فیصلہ فرمائیں کہ موسم گرما وسرما ماہ وتاریخ کی تفصیل کے ٹائم کا صحیح تعین کر کے زوال اور نصف النہار حقیقی و شرعی کی معرفت اور اسی سے بریلی اور دیگر مقامات کے لیے اس عرض البلاد کے موافق وقت ظہر کا دیگر متعلقات کے لیے اس کے موافق عرض البلاد وقت ظہر کا استخراج کیا کسی ماہر توقیت وہیئت کا کام نہیں۔ واضح ہوا کہ کسی بھی علم وفن میں تفصیلی وضاحت وہی کر سکتا ہے جسے اس فن کا علم ہونے کا ساتھ اس میں ملکہ حاصل ہو۔

عصر حنفی اور شافعی کے اوقات کی پہچان : ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۳۳ھ میں عصر حنفی اور عصر شافعی یعنی مثل اول اور مثل ثانی معلوم کرنے کا طریقہ دریافت کیا تھا جس کے جواب میں امام اہل سنت نے مختلف قواعد تحریر فرمائے جو آپ ہی کے ایجاد کردہ ہیں ان میں سے ایک قاعدہ اعلیٰ حضرت ہی کے الفاظ میں ہدیہ ناظرین ہے۔

''درجہ مطلوبۃ الوقت کا تخمینی وقت لیں جس کا نقشہ بریلی اور اکثر بلاد قریبۃ العرض کا یہ ہے اسی سے تخمینی ہر روز اور ہر درجہ کا معلوم کر سکتے ہیں۔ (وہ جدول یہاں پر نہیں دیا گیا ہے)

نصف النہار معلوم کرنے کا طریقہ : ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے نصف النہار نکالنے کے مختلف طریقے ذکر کئے ہیں جو اعلیٰ حضرت کے اقوال سے موخوذ ہیں ان میں دو بنیادی طریقے ہیں۔

(۱) **عملی**

(۲) **علمی**

پھر عملی اور علمی کے متعدد طریقے ہیں۔

۱۔ علمی میں سب سے آسان طریقہ یہ ہے : طلوع وغروب کے گھنٹوں پر بارہ گھنٹے زیادہ کر کے تنصیف کر لیں نصف النہار کا وقت معلوم ہو جائے گا مثلاً کسی جگہ کا طلوع ۷؍بجکر ۴؍منٹ پر ہے اور غروب ۵؍بجکر ۳۰؍منٹ پر ہے دونوں کے ساتھ بارہ گھنٹے بڑھا کر تنصیف کر لیں۔

تو اب مطلوبہ جگہ کا نصف النہار ۱۲؍بجکر ۱۷؍منٹ پر ہوگا اسی کے فوراً بعد ظہر کا وقت شروع ہوجائے گا۔

نصف النہار حقیقی اور عرفی کا فرق: اعلیٰحضرت سے ۱۳۰۷ھ میں حاجی الہ یار خاں صاحب نے ایک مسئلہ دریافت کیا جسے انہون نے مولوی رشید احمد گنگوہی کے یہاں بھیج کر جواب منگوالیا تھا اب سوال مع جواب اعلیٰحضرت کے یہاں پیش ہوا اعلیٰحضرت نے نہایت محقق و مدلل جواب ارقام فرمایا سوال و جواب کے کچھ اقتباسات ہدیہ ناظرین ہیں جس سے امام موصوف کا انداز تحقیق و ملکہ توقیت وہئیت صاف جھلکتا ہے۔

مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ نفل میں جو نیت کو قبل زوال کرنے کو لکھا ہے اور زوال کے وقت جو نماز مکروہ ہے تو اس وقت سے کیا مراد ہے؟ اور بڑھ سے بڑھ یہ وقت کس قدر ہے۔ بینوا وتو جروا۔

الجواب : یہ سوال مع جواب گنگوہی صاحب کے یہاں پیش ہوا اس میں تین مسئلے ہیں دو کا گنگوہی صاحب نے جواب ہی نہ دیا ایک کا دیا محض غلط کہ نہ دینا ہزار درجہ بہتر تھا۔ وہ مسائل یہ ہیں۔

مسئلہ اول : باب صیام میں وقت زوال جس تک نیت روزہ نفل ہونا چاہیے کیا ہے؟

اقول : فی الواقع روزۂ ماہ مبارک ونذر معین وروزۂ نفل جب کہ ادا ہو قضا نہ ہو تو مذہب یہی صحیح ہے کہ ان کی نیت نصف النہار شرعی سے پہلے ہو جانا چاہئے جسے ضحوۂ کبری کہتے ہیں اس کے بعد بلکہ خاص ضحوۂ کبری کے وقت بھی نیت کافی نہیں۔ درمختار میں ہے "**یصح اداء صوم رمضان والنذر المعین والنفل بینة من اللیل الی الضحوة الکبری لا بعدها ولا عندها اعتبارا لاکثر الیوم**" اور نہار شرعی طلوع فجر صادق سے غروب ہوئی کل قرص شمس تک ہے ردالمحتار میں ہے۔

الیوم الشرعی من طلوع الفجر الی المغرب یہ ہمیشہ نہار عرفی سے کہ طلوع مرئی کنارہ بالائی شمس سے غروب مرئی کل جرم شمس تک ہے بمقدار مدت فجر زیادہ ہوتا ہے۔

جواب مذکور سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نہار شرعی نہار عرفی سے ہمیشہ بڑا ہوتا ہے اب اس لحاظ سے نصف النہار شرعی ہمیشہ نصف النہار عرفی سے پہلے ہی ہو جائے گا اور یہی نصف النہار شرعی کا وقت وقت زوال بھی ہوگا لہذا صحت روزہ کے لئے نیت اس سے پہلے ہی ہو جانا چاہئے اس وقت تک اگر کھایا پیا نہ ہو تو روزہ کی نیت جائز ہے۔

مسئلہ ثانیہ : یہ ہے کہ نماز کا وقت جس میں نماز کی ممانعت ہے وہ کیا ہے اس مسئلہ کی تنقیح فرماتے ہوئے اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ نصف النہار شرعی سے لے کر نصف النہار عرفی کے درمیان کا سارا وقت عدم جواز صلوۃ کا ہے۔ اس کو مثال سے سمجھاتے ہوئے اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ "مثلا فرض کیجئے آج تحویل حمل کا دن ہے آفتاب بریلی اور اس کے قرب مواضع میں جب گھڑی کے ۶ ربجکر ۷ رمنٹ پر چمکا اور ۶ ربجکر ۱۴ رمنٹ پر ڈوبا ۴ ربجکر ۴۸ رمنٹ پر صبح ہوئی تو اس دن نہار شرعی ۱۳ ر گھنٹے

۲۶ منٹ کا ہے جس کا آدھا ۶ گھنٹہ ۴۳ منٹ ہوا اسے ۴ گھنٹے ۴۸ منٹ پر بڑھایا تو ۱۱ بجکر ۳۱ منٹ کا وقت آیا اور نصف النہار شرعی اور عرفی کے درمیان کی مقدار اختلاف موسم سے گھٹتی بڑھتی رہے گی''۔مثال مذکور میں وقت ممانعت نماز ۱۱ بجکر ۳۱ منٹ سے ۱۲ بجکر ۱ منٹ تک ہے لہذا پتہ چلا کہ نہار شرعی کے نصف النہار اور اسی طرح نہار عرفی کے نصف حقیقی اختلاف موسم سے گھٹتے بڑھتے رہیں گے۔

مسئلہ ثالثہ: وہ وقت جس میں نماز مکروہ ہے وہ کس قدر ہے اس مسئلہ میں گنگوہی صاحب نے سکوت اختیار کیا لیکن اعلیحضرت نے غایت درجہ تنقیح فرمائی ہے۔ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا جواب اجمالی یہ ہے کہ ہمارے بلاد میں انتہا درجہ یہ وقت ۴۸ منٹ تک پہونچتا ہے جب کہ آفتاب انقلاب صیفی میں ہوتا ہے یعنی ۲۲ جون کو ٹھیک دوپہر سے اتنے منٹ پیشتر نصف النہار شرعی ہو جاتا ہے اور تحویل حمل ومیزان یعنی ۲۱ مارچ ۲۴ دسمبر کو ۳۹ منٹ پہلے ہوتا ہے نہ اس سے گھٹے اور نہ اس سے بڑھے باقی ایام میں انہیں کے بیچ میں دورہ کرتا ہے۔

امام موصوف نے تجرباتی مشاہدوں کی روشنی میں وقت مذکور کی زیادہ سے زیادہ مقدار (یعنی ۴۸ منٹ) بھی مقرر فرمادی مزید اپنی فلکیاتی مہارتوں سے یہ تفصیل بھی تحریر فرمائی کہ یہ مقدار کب کتنی ہوگی اور کب کتنی ۲۲ جون کو ٹھیک ۴۸ منٹ اس وقت کی مقدار ہوگی اور ۲۱ مارچ و ۲۴ دسمبر ۲۹ منٹ پر یہ جزم کہ نہ اس سے گھٹے اور نہ بڑھے باقی ایام میں انھیں کے بیچ میں دورہ کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس فن میں اتنی تحقیق توقیت و ہیئت کا صاحب ملکہ ہی کرسکتا ہے بلاشبہ امام موصوف کا رہوار قلم میدان تحقیق و تدقیق میں جب جولانیاں دکھاتا ہے تو تحقیق کی اعلیٰ حدوں کو چھو جاتا ہے پھر مزید تحقیق و تدقیق کی گنجائش باقی نہیں رہتی برملا یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسائل کی تحقیق و تدقیق خود آپ کے سامنے صف بستہ کھڑی ہے اعلیحضرت سے ماہ جون، جولائی اور اگست میں نماز ظہر مستحب کے بارے میں سوال ہوتا ہے کہ وہ کتنے بجے سے شروع ہوتا ہے اور کتنے بجے تک رہتا ہے۔

سوال مذکور کا جواب دیتے ہوئے مواسم ثلثہ کی تفصیل بصراحت بروج درج کرنے کے بعد ظہر کے مستحب وقت کی مقدار ایک نقشہ پر مشتمل مرتب فرماتے ہیں اور وہ بھی مسئلہ چونکہ رانی کھیت کا تھا اس لیے خاص رانی کھیت کے طول البلاد اور عرض البلاد کا لحاظ کر کے طلوع وغروب شمس، شروع وقت ظہر، وقت مستحب، وقت عصر حنفی کی مکمل تفصیل بیان فرماتے ہیں جس سے رانی کھیت اور اس کے موافق العرض والطّول مقامات کے لوگ بھی استفادہ کر سکتے ہیں جواب کے چند اقتباسات درج ذیل کر رہا ہوں۔

ہمارے یہاں تقسیم اصول یوں ہے: حرث، حمل، ثور، بہار، جوزا سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقب، خریف، قوس،

جدی، دبو جاڑا، ثور، زمانہ استحباب تاخیر ظہر ۲۲؍مئی سے ۲۴؍اگست تک ہے اوقات نماز وانجام ہر روز بدلتا ہے۔ایک وقت معین کی تعیین ناممکن ہے لہذا ہم صرف ایام تحویلات ثور تا سنبلہ کا حساب بیان کرتے ہیں۔کہ اس سے ایام مابین کا تقریبی قیاس کرسکیں اور زیادہ اوقات کے لئے ان ایام کا طلوع وغروب بھی لکھ دیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی جب تک مسئلہ کو محقق و مزین نہ فرمالیتے ہرگز بیان نہ فرماتے خواہ وہ کسی بھی فن کا مسئلہ ہو دیگر علوم کی طرح علم توقیت وہیئت اور ہندسہ میں بھی تحقیق و تدقیق کا اعلیٰ انداز اختیار فرماتے اس لیے سوال مذکور کا مع نقشہ اوقات محقق جواب تحریر فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔کہ بعض عوام کو اپنی ناواقفی سے وقت ظہر پانچ بجے تک رہنے کا بھی تعجب ہوتا ہے نہ کہ پانچ سے کچھ منٹ زائد تک لہذا ایام خمسہ میں سب سے بڑا وقت کہ ۲۴؍جولائی کا آیا ہے ہم اس کی برہان ہندی سے ذکر کریں کہ آج کل بہت سے مدعیان علم بھی فن توقیت سے ناواقف ہیں انھیں اطمینان ہو کہ یہ بیان جزافی نہیں تحقیقی ہے جو نہ جانتا ہو جاننے والوں کی اتباع کرے اور جو نہ جانے خود اور نہ اتباع کرے اس کا مرض لاعلاج ہے۔

ناظرین کرام! فیصلہ فرمائیں کہ موسم گرما و سرما میں ماہ و تاریخ کی تفصیل کے ساتھ ٹائم کا صحیح تعین کرکے زوال کی معرفت اور اس سے ظہر کے وقت کی صحیح پہچان جس وضاحت کے ساتھ نقشہ مذکور میں موجود ہے کیا یہ کسی ماہر توقیت کا کام نہیں واضح ہو کہ کسی بھی فن کی تفصیلی وضاحت وہی شخص کرسکتا ہے جو اس فن کا علم رکھنے کے ساتھ ساتھ اس میں کامل عبور بھی رکھتا ہو۔

امام احمد رضا بریلوی کی جو خصوصیات انہیں ان کے معاصر علما و محققین اور ان سے پہلے کے بعض صاحبان علم وفضل سے ممتاز کرتی ہیں وہ ان کے علوم وفنون میں جانکاری ہی نہیں بلکہ مہارت تامہ ہے مسائل کی تحقیق وتفصیل پھر ان کے واضح بیان کہ ابہام کا شائبہ تک نہ رہ جائے جس انداز میں ان کے یہاں مل جاتا ہے وہ دوسروں کے یہاں کہاں ہے۔امام احمد رضا بریلوی سے علم توقیت میں مہارت کے بے شمار نظائر ہیں ''مشتے از خروارے'' کے طور پر ایک اور نظیر ھدیہ قارئین ہے فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۶۱۹ میں ہے کہ ایک صاحب نے مسئلہ دریافت کیا کہ رمضان شریف میں رات کے سات حصہ کئے جائیں جب رات کا ایک حصہ باقی رہے کھانا پینا ترک کردے آیا یہ مسئلہ صحیح ہے کہ نہیں؟

الجواب: یہ قاعدہ ہرگز صحیح نہیں بلکہ کبھی رات کا ہنوز چھٹا حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہوجاتی ہے اور کبھی ساتواں آٹھواں، نواں یہاں تک کہ دسواں حصہ تقریباً رہتا ہے اس وقت صبح ہوتی ہے ہم راس بروج کے لئے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں میں ایک ایک تقریبی نقشہ دیتے ہیں جس سے اس اجمال کی تفصیل ظاہر ہوگی افق حقیقی پر انطباق مرکز شمس جانب مغرب ہے اسی پر انطباق مرکز جانب مشرق تک نجومی ہے اور افق حسی بالمعنی الثانی

سے کنارہ اخرین شمس جانب غرب سے اسی افق سے ارتفاع کنارہ اولین جانب شرق تک شب عرفی ہے اس کی تفصیل میں دونوں جانب کے دقائق انکسار بھی شب نجومی سے ساقط کئے جاتے ہیں اور افق حسی مذکور بے تجاوز کنارہ آخرین شمس سے طلوع فجر صادق تک شب عرفی ہے تحصیل فجر میں بھی جانب طلوع شمس کے دقائق انکسار وقت باقی سے مستثنیٰ ہیں یہ نقشہ خود فقیر کا ایجاد کردہ ہے۔ جس کا اجمالی بیان ہوا اور جو شخص اس فن میں کچھ ادراک رکھتا ہے اسے تفصیل بتائی جاسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بخوف طوالت نقشہ شامل مقالہ نہیں ان بیانوں سے واضح ہوا کہ راس السرطان کی صبح جس طرح تمام سال میں سب صبحوں سے باعتبار نسبت بڑی ہے کہ کوئی صبح اپنی رات کا اتنا بڑا حصہ نہیں ہوتی یوں ہی وہ مقدار میں بھی جمیع صبحوں سے زائد ہے کہ اتنی مدت کوئی صبح نہیں پاتی مگر اس کے خلاف راس الجدی کی صبح بآنکہ نسبت میں تمام صبحوں سے کم ہے کہ کوئی صبح اپنی رات کا اتنا چھوٹا حصہ نہیں ہوتی لیکن وہ مقدار میں سب سے کم ہے بلکہ نصف جنوبی میں سب سے زائد مقدار کی فجر ہے سال میں سب سے چھوٹی فجر فجر اعتدالین ہے مگر وہ نسبت میں سب سے کم نہیں بلکہ نصف جنوبی میں سب نسبتوں سے زائد ہے نیز روشن ہوا کہ صبح کا اپنی مقدار چھوٹا بڑا ہونے میں مطلقا تابع روز ہونا کہ جتنا دن گھٹے صبح چھوٹی ہوتی جائے اور جتنا بڑھے ترقی پائے یا مطلقا تابع شب ہونا کہ ہمیشہ اس کی کمی فزونی رات کی کاہش وبیش پر ہے جیسا کہ آج کل کے ناواقف محاسبوں میں سے کسی نے اسے نہار، کسی نے لیل کا ٹکڑا سمجھ کر گمان کیا محض غلط ہے بلکہ صبح اپنی کمی بیشی میں میل شمسی کے تابع ہے اعتدالین پر کہ میل منتفی ہوتا ہے۔ صبح سب سے چھوٹی مقدار پر ہوتی ہے پھر جتنا میل بڑھتا جاتا ہے صبح کی مقدار بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ انقلابین پر اپنی اعظم مفاد پر آجاتی ہے پھر جس قدر میل گھٹتا جاتا ہے صبح چھوٹی ہوتی جاتی ہے حتی کہ اعتدالین پر بھی اپنی انقص مفاد پر آتی ہے اور انقلاب قطب ظاہر کے اعظم مفاد پر انقلاب قطب حقیقی کے اعظم مفاد سے بھی اعظم ہوتی ہے یا عام فہمی کے لئے یوں کہیئے کہ صبح ہر دو نصف شمالی وجنوبی میں بڑے کے تابع ہے نصف شمالی میں دن رات سے بڑا ہوتا ہے صبح اس کی زیادت وقلت کے ساتھ بڑھتی گھٹتی ہے اور نصف جنوبی میں دن رات سے بڑی ہوتی ہے صبح افزاہش وکاہش میں اس کے ساتھ چلتی ہے راس الجمل پر اپنی اقل مقدار تک پہونچ کر دن کے ساتھ بڑھنی شروع ہوتی ہے جب انقلاب جنوبی میں اپنی نہایت زیادت پر آیا صبح بھی غائب از دیا پر پہونچی پھر دن گھٹنا شروع ہوا صبح بھی انہیں قدموں پر رجعت قہقری کرتی ہوئی گھٹتی چلی یہاں تک کہ اعتدال فریقی پر وہ اقل مفاد پر آگئی اب رات کے ساتھ فزونی کرنے لگی جب انقلاب نے شب بلد دکھائی صبح بھی اسی نصف میں اپنی اعظام مفاد پر آئی آگے رات کم ہوتی چلی صبح بھی بدستور الٹے پاؤں پر پلٹی حتی کہ اعتدالین ربیعی پر انقص مقدار ہوگئی۔ ھکذا ماشاءاللہ تعالیٰ۔

ناظرین پر واضح ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی

سے صرف یہ پوچھا گیا تھا کہ رات کے سات حصہ کر کے چھٹے حصہ تک سحری کا وقت سمجھنا کیسا ہے صرف اتنا جواب بھی کافی تھا کہ یہ محض غلط ہے۔فلاں ٹائم تک ختم سحری سمجھنا چاہئے لیکن نہیں بلکہ قول مذکور غلط محض کہہ کر اس کے غلط ہونے کے واضح دلائل اور اس کے ناکافی ہونے کا بین ثبوت بھی پیش کیا ساتھ ہی دو جدولین مرتب فرمادی جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ صبح گھٹتی بڑھتی رہتی ہے یکساں نہیں رہتی کبھی تو رات کا ساتواں حصہ صبح صادق ہو جائے گا تو اس وقت سحری کھانے سے روزہ نہ ہوگا اس لئے کہ عندالشرع صبح صادق نہار میں داخل ہے۔

مثال کے طور پر پہلے جدول پر نظر ڈالیں کہ شب عرفی ۱۱ر گھنٹے ۴۵ر منٹ کی اور صبح ایک گھنٹہ دو منٹ کی، کل ۱۴۷ر منٹ ہوئے اب اگر اس کا ساتواں حصہ نکالا جائے تو ایک سو دو منٹ ہوں گے یعنی ایک گھنٹہ ۴۲ر منٹ طلوع آفتاب میں باقی رہے اور اس وقت کو سحری کا وقت سمجھا جائے تو یہاں پر یہ معاملہ کسی حد تک درست ہوگا

لیکن فروری کے مہینہ میں تو رات ۱۱ر گھنٹہ ۴۵ر منٹ کی ہوتی ہے اور عندالشرع رات ۱۱ر گھنٹہ ۲۳ر منٹ کی ہوتی ہے تو یہاں صبح ایک گھنٹہ ۳۱ر منٹ کی ہوگی اب اگر رات کے سات حصہ کر کے چھٹے حصہ تک سحری کا وقت سمجھا جائے تو اس لحاظ سے سحری کا آخری وقت ۵ر بجے تک رہنا چاہئے حالانکہ صبح صادق ۵ر بجکر ۱۶ر منٹ سے شروع ہوتی ہے تو اگر قاعدۂ مذکورہ کے مطابق کسی نے پانچ بجکر ۵ر منٹ پر سحری کھائی تو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔

منقبتِ اعلیٰ حضرت

نتیجۂ فکر: محمد رمضان مخلصؔ، رمضان پورہ مالیگاؤں

فقیہِ ہند تھے، علم و عمل کی شانِ تابندہ
امام احمد رضا تھے دین کے سلطان تابندہ
فقید المثل تھے وہ آپ اپنی ذات میں یکتا
نہ تھا ثانی کوئی، تھے عہد میں ذیشان تابندہ
تھی ان کے علم میں شامل علومِ شرحِ برہانی
انھیں بخشی تھی رب نے علم کی برہانِ تابندہ
محبت میں نبی کی خامہ فرسائی تھی روز وشب
ہیں لاکھوں دل پہ ان کی نعت کے وجدان تابندہ
علَم بردار حنفی تھے، بڑھائی شانِ حنفیّت
امام اعظم کے پرتَو تھے عظیم الشان تابندہ
جو ابن الوقت تھے مامور غیروں کی غلامی پر
قطع کی ان سے رسم و راہ اور پہچان تابندہ
دلوں سے ختم ہو عشقِ نبی، تھی خواہشِ افرنگ
تھے سازش گر کچھ اہلِ علم دیں نادان تابندہ
جہاں بانی فلک بینی ریاضی داں میں اے مخلصؔ
وہ اہلِ فکر و فن کو کر گئے حیران تابندہ

☆

اعلیٰ حضرت کے رفاہی کارنامے

از۔ مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی صاحب، مدیر اعلیٰ سوادِ اعظم دہلی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز ان نابغہ روزگار شخصیات میں سے تھے جن کو قدرت کسی خاص مقصد کے تحت بندوں کے درمیان مبعوث فرماتی ہے۔ انہیں بندوں کے بارے میں آقائے کریم ﷺ نے یہ بشارت عظمیٰ اپنی امت کو عطا فرمائی ہے:

ان اللہ تعالیٰ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ رأس کل مأۃ سنۃ من یجدد دینھا۔ (رواہ ابو ہریرۃ)

بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی پر ایک ایسے شخص کو قائم کرے گا جو اس کے دین کو از سر نو نیا کردے گا۔

اعلیٰ حضرت انہیں عظیم المرتبت بندگان خدا کی جماعت کا حصہ ہیں جن کو اہل شریعت ''مجدد'' کے خصوصی نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہی وہ جماعت ہے جو خداداد علم وفضل سے دین متین کی تعلیمات پر چھانے والی گردوغبار کو دور کرتی ہے۔ اسی جماعت کے افراد رسوم ورواج کے دبیز پردوں میں چھپ جانے والی سنتوں کو زندہ کرتے ہیں اور اسلامی احکام کے بیان کرنے میں کسی ملامت، ناراضگی، دنیوی نقصان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اس لئے دیکھا گیا ہے کہ انہیں کے زمانوں میں دیگر اہل علم ''رخصت وحکمت'' کے نام پر احکام دین بیان کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں لیکن اسی سخت ماحول میں یہ مجدد وقت تمام خوف وخطر سے بے نیاز ہو کر احیائے دین کا کارنامہ انجام دیتا ہے بھلے ہی لوگ برا کہیں، ملامت کریں یا ان پر شدت پسندی کا الزام لگائیں۔ جب دین پر چھا جانے والے خطرات کے بادل چھنٹ جاتے ہیں، مسموم فضائیں راستہ بدل لیتی ہیں اور موسم دینی چھا جاتا ہے تب سبھی لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ واقعی ''مجدد وقت'' کا عمل ہی ضروری واہم تھا جس نے سخت وقت میں اسلامی فصل کی آبیاری کرکے دین کی نگہداشت فرمائی۔

یوں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی زندگی علم وعمل، ارشاد وسلوک، تقویٰ وطہارت اور بندگان خدا کی اصلاح وخدمت سے عبارت ہے لیکن اس رسالہ میں ہم ان کی مبارک زندگی کے ایک انتہائی اہم باب ''خدمت خلق'' پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے تاکہ آپ کی زندگی کا یہ زریں باب بھی دنیا کے سامنے آسکے۔

امام احمد رضا کے رفاہی کارنامے: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری (ولادت ۱۲۷۲ھ / وصال ۱۳۴۰ھ) اپنے عہد کے ایک متدین عالم دین، افقہ الفقہا، سلطان المحدثین، استاذ المفسرین اور خداوند قدوس کی جانب سے عطا کردہ ایک مخصوص

منصب ''درجہ مجددیت'' پر فائز تھے۔اور اس بات سے عام وخاص سبھی بخوبی واقف ہیں کہ ''مجدد'' مبعوث من اللہ ہونے کی وجہ سے تمام بندوں میں امتیازی شان کے حامل ہوا کرتے ہیں۔ ان کا علم وفضل، زہد وتقویٰ اور اتباع سنت کا جذبہ دوسروں کے مقابل بہت اعلیٰ وارفع ہوا کرتا ہے۔یہی وجہ تھی کہ امام احمد رضا اپنے معاصرین کے مابین جہاں اپنے علم وفضل کی بنیاد پر ''امام'' تسلیم کیے گئے وہیں عمل بالسنہ اور اتباع شریعت کی وجہ سے بھی ''امام'' تسلیم کئے گئے۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی کے جملہ پہلوؤں کو بغور دیکھا جائے تو ہر پہلو حد درجہ پرکشش اور جاذب نظر آتا ہے۔پچھلے سو سال سے اہل قلم مسلسل اعلیٰ حضرت کی تہ دار شخصیت پر تواتر کے ساتھ اپنے قلم کو چلا رہے ہیں مگر ذات رضا کی رعنایائیاں ہیں کہ تا حال احاطہ تحریر میں میں نہیں آسکیں۔

اس موجودہ مقالے میں ہم نے بھی ذات رضا کے ایک ہی پہلو پر خامہ فرسائی شروع کی ہے شاید کہ اس کا حق ادا کر پائیں۔ہمارا موضوع ہے:

''اعلیٰ حضرت کے رفاہی کارنامے''

یہ پورا مقالہ اسی عنوان پر امام احمد رضا کی حیات مبارکہ کے ان چند اوراق پر مشتمل ہے جہاں قدم قدم پر اتباع سنت نبوی کے تحت غربا پروری کے جلوے نظر آتے ہیں، جہاں رسول رحمت ﷺ کی وسلم کی شان کریمی کے خوبصورت مناظر اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ دکھائی پڑتے ہیں۔اس مقالے کے دو حصے ہوں گے پہلے حصے میں غربا پروری اور امداد مسلمین کے بارے میں قرآن وحدیث کے ارشادات بیان کئے جائیں گے،اور اسی دوسرے حصے میں ارشادات قرآن وحدیث کی روشنی میں امام احمد رضا کی حیات کے درخشاں پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی۔

رفاہ وامداد اور خدمت خلق کا مفہوم:

رفاہ وامداد اور خدمت خلق جیسے الفاظ کم وبیش ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں۔اور مذکورہ الفاظ کا معنیٰ مختلف لغات میں یہ کیا جاتا ہے:

سماجی کام،مخلوق خدا کی بہبود،دیکھ بھال کا کام،رفاہ عام کا کام،خدمت خلق اور مخلوق خدا کی بہتری میں لگے رہنا۔

خوشی،آرام،فلاح،وہ کام جس سے لوگوں کو راحت پہنچے،خوش حال۔(اردو لغت بورڈ کراچی)

''خدمت خلق'' کے لغوی معنیٰ ''مخلوق خدا کی خدمت کرنا'' ہے اور اصطلاحاً خدمت خلق کا مفہوم ''اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کی مخلوق خصوصاً انسانوں کے ساتھ جائز امور میں مدد کرنا ہے''۔

خلق خدا کی خدمت کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا کام ہے۔مشہور روایت ہے: **الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الیٰ عیاله.** [الحدیث]

مخلوق خدا اللہ کا [مانند] کنبہ ہے۔تو اللہ کے نزدیک سب سے پیارا وہ ہے جو اس کے کنبے سے محبت رکھے۔

یعنی اللہ کے بندے اس طرح ہیں جس طرح ایک آدمی کی کفالت میں اس کا گھر اور کنبہ ہوا کرتا ہے،جس طرح اپنے کنبے اور گھر کی کفالت کوئی شخص لگا رہتا ہے کہ اس کو اپنے کنبے سے محبت ہوتی ہے،اسی طرح اس دنیا میں بسنے والے تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے کنبے کی مانند ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے بے حد محبت فرماتا ہے۔اور جو بندہ خدا ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت فرماتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہوا کرتا ہے۔

بندگان خدا کی خدمت سے جہاں مولیٰ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے وہیں اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی محبت اپنے دوسرے بندوں کے دلوں میں بھی ڈال دیتا ہے،جس خدمت گار بندوں دیگر بندگان خدا کی نگاہوں میں بڑا محترم ومعظم بن جاتا ہے،اسی مفہوم کو حضرت شیخ سعدی یوں بیان فرماتے ہیں:

''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد''۔

یعنی''جو شخص دوسروں کی خدمت کرتا ہے ایک دن وہ خود مخدوم بن جاتا ہے۔''

مذہب اسلام میں ایک کامل مومن کے لئے جن صفات عالیہ کا ہونا ضروری ہے،ان میں ایک اہم صفت خدمت خلق اور غربا پروری بھی ہے۔ایسے ہی بندوں کو اعلیٰ وافضل انسان قرار دیا گیا ہے۔

رفاہ وامداد پر قرآنی ارشادات:

☆ **لیس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولٰكن البر من آمن بالله واليوم الآخر والملٰئكة والكتاب والنبيين وآتى المال علىٰ حبه ذوى القربىٰ واليتٰمىٰ والمساكينَ وابن السّبيل والسائلين فِى الرقاب۔** (سورۃ البقرہ:۱۷۷)

ترجمہ: کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔ہاں اصلی نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھوڑانے میں۔

☆ **وتعاونوا على البر و التقوىٰ ولاتعاونوا علىٰ الاثم والعدوان.** (سورۃ المائدہ:۲)

ترجمہ: نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔

☆ **ويطعمون الطعام علىٰ حبه مسكينا ويتيما واسيرا.** (سورۃ الدہر:۸)

ترجمہ: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔

رفاہ وامداد احادیث کی روشنی میں:

آج کی اس ترقی یافتہ دنیا میں جب ہم رفاہ وامداد کے لئے بین الاقوامی اداروں کی منصوبہ بندی اوران کے پروجیکٹس کو دیکھتے ہوئے اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کے ارشادات گرامی کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا آج امداد انسانی کے لئے پلاننگ اور ترغیبی کام کررہی ہے جبکہ ہمارے آقا ﷺ نے عہد جاہلیت میں ہی رفاہ وامداد اورغربا پروری کی وہ مثالیں قائم کیں ہیں کہ زمانہ آج تک ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حضور مصطفیٰ جان رحمت نے رفاہی کاموں کو بڑے مضبوط ومنظّم انداز میں اپنی امت کے سامنے پیش کیا،اس کے اغراض و مقاصد کو واضح کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو یوں بیان فرمایا:خیر الناس من ینفع الناس۔

(کنزالعمال،ج:8،حدیث نمبر:42154)

بہترین انسان وہ ہے جوانسانیت کے لئے نفع بخش ہو۔

درج بالاقول رسول ایک ایسا جامع کلمہ ہے کہ جس کے احاطے میں کائنات کا ہر گوشہ شامل ہے۔اپنے کسی بھی عمل سے انسانیت کونفع پہنچانے والاشخص کائنات کاسب سے اچھاانسان ہے۔

شارع اسلام نے خدمت خلق اورغربا پروری کوکس قدرمقدس اورقرار دیا ہے اس کا اندازہ درج حدیث طیبہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

☆ بھائی کے ساتھ حسن سلوک:

کسی ضرورت کے وقت اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنا ہی اصل اخوت ہے۔اس لئے آقائے کریم علیہ السلام نے بوقت ضرورت اپنے بھائی کی مدد کاحکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے،نہ وہ اس پرظلم کرتا ہے،اورنہ اسے بے یارومددگارچھوڑتا ہے،جوشخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پوری فرماتا ہے،اور جوشخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی کوئی دنیاوی مشکل حل کرتا ہے ،اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مشکلات میں سے کوئی مشکل حل فرمائے گا۔اور جوشخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب کو چھپائے گا۔

(بخاری،کتاب المظالم،حدیث:۲۴۴۲،مسلم،کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم،حدیث:۶۹۹۱)

☆ بیواؤں کی امداد:

حضور رحمت عالم ﷺ نے بیواؤں کی بھلائی اورخیرخواہی کی تعلیم دی ہے۔اہل عرب بیوہ خواتین سے نکاح کرنے کومعیوب خیال کرتے تھے جس سے وہ خواتین معاشی اورسماجی عدم تحفظ کا شکار رہتیں۔اس لئے اس ظالمانہ رسم کے خلاف آپ نے خودایک بیوہ خاتون ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرماکراس رسمِ بد کا خاتمہ کیا۔آپ نے بیوہ عورتوں کو معاشرے میں باعزت مقام عطا فرمایا اور ان کے حقوق کی

ادائیگی کی فضیلت کو یوں بیان فرمایا:

''بیوہ اور مسکین کے لیے امدادی کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی مانند جو دن کو ہمیشہ روزہ رکھے اور راتوں کو قیام کرے''۔

(صحیح بخاری، ج:5، حدیث نمبر:5660)

☆ **حاجت مند کا نکاح کرانا:**

نبی کریم ﷺ نے کتنے ہی مردوں اور عورتوں کنواریوں اور بیواؤں کے نکاح کرواتے۔ آپ نے اپنے ارشادات سے نکاح کی ترغیب دی اور اس کے مختلف پہلو بیان فرمائے اور اس کی اہمیت واضح کی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ:

''تین لوگوں کی مدد کرنا اللہ پر ان لوگوں کا حق ہے، (1) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، (2) غلامی اور قرض وغیرہ سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرنے والا۔

(3) اور اپنی عفت محفوظ رکھنے کے لئے نکاح کرنے والا''۔

(سنن ترمذی، کتاب الجہاد، حدیث:1655)

☆ **یتیموں کی امداد:**

آپ نے یتیم کی کفالت کرنے والے کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

'' مَیں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح نزدیک ہوں گے اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملاتے ہوئے یہ بات فرمائی''۔

(صحیح بخاری، ج:5، حدیث نمبر:5659)

نبی رحمت ﷺ نے یہ سارے کام انسانی ہمدردی اور جذہ اخوت کے تحت کرنے کا حکم عطا فرمایا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ امت مسلمہ اپنے نبی کی ان پیاری سنتوں کا احیا کرے اور اللہ کے بندوں کی حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے انفرادی اجتماعی کوششیں کرے تاکہ ایک بار پھر مثالی معاشرے کی تشکیل کی جاسکے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ماضی قریب کی وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی نبی رحمت ﷺ کی پیاری سنتوں کو اپنی زندگی میں عملی طور پر اتار کر ہمارے لئے نمونہ عمل پیش کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے طریقوں کو اپنانے کی کوشش کریں۔

امام احمد رضا اور اتباع قرآن وحدیث:

اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی اتباع قرآن وسنت کی آئینہ دار تھی۔ عشق رسالت کی ان کی رگ وپے میں سمایا تھا اس لئے وہ قرآنی احکام کے مطابق بندگان خدا سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ اور اس ضمن میں آپ کی درخشاں حیات میں ایسے ایسے روشن اوراق موجود ہیں جن کے مطالعے سے ذہن ودل بھی روشن ہوجاتے ہیں۔ گذشتہ سطور میں غربا پروری اور رفاہ وامداد کے حوالے سے قرآن وحدیث کے جو ارشادات نقل کئے گئے ہیں ان کو ترتیب وار درج کیا جاتا ہے تاکہ ان کی روشنی میں ہم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی پیاری سیرت کو دیکھ کر ترغیب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

رفاہ وامداد کی معروف شکلیں:

قرآن واحادیث میں غربا پروری کے حوالے سے جو معروف شکلیں ہمارے سامنے نظر آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

☆محض رضائے مولیٰ کی خاطر اپنا مال رشتہ داروں، دوست واحباب پر خرچ کرنا۔

☆ نیک کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی ایک اعلیٰ رفاہی کام ہے۔

☆ بھوکے شخص کو کھانا کھلانا بھی رب تعالیٰ کو انتہائی مرغوب ہے۔

☆ پڑوسی کے حقوق کی نگہداشت بھی رفاہ وامداد میں شامل ہے۔

☆مسافروں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا نیز ان کی سفری ضرورتوں کی تکمیل۔

☆اپنے بھائیوں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا۔

☆کسی بندہ مومن کی ستر پوشی کرنا بھی ایک بڑا امدادی کام ہے۔

☆وقت ضرورت دوسروں کے کام آنا۔

☆مسکینوں اور ناداروں کی خبر گیری کرنا۔

☆ضرورت مندوں کو کوئی ہنر وغیرہ سکھا کر خود کفیل بنانا۔

☆ بیوہ خواتین کی امداد کرنا۔

☆ کمزور مگر حاجت مند افراد (مرد ہوں خواتین) کے نکاح کا اہتمام کرنا۔

☆ یتیموں کی امداد کرنا۔

☆مذہبی خدمات کرنے والوں کے اہل خانہ کی ضرورتوں کا خیال رکھنا۔

یہ سب وہ رفاہی کارنامے ہیں جن کا بیان قرآن واحادیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔اور مذکورہ تمام شکلیں وہ ہیں جو ایک انسان کی زندگی اور معاشرے کی اہم ضرورتیں تسلیم کی جاتی ہیں۔اس لئے ہر بندہ مومن اور ایک صالح معاشرے کو چاہیے کہ وہ قرآن واحادیث میں مذکور ان طریقوں کے مطابق رفاہی خدمات انجام دے تا کہ کل بروز محشر اپنے رب تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو سکے۔

جب ہم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی زندگی میں یہ ساری باتیں با حسن طریقے پر نظر آتی ہیں۔آئندہ سطور میں ہم بیان کردہ نکات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی زندگی کے کچھ اہم اقتباسات پیش کریں گے تا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ واقعی ''امام عشق ومحبت'' تھے اور اسی لئے ان کی زندگی اتباع نبوی کا پیکر ونمونہ تھی۔

اعلیٰ حضرت اور اسلامی مساوات:

اعلیٰ حضرت اسلامی مساوات کے قائل تھے، کیوں کہ ان کی زندگی قرآنی پیغام انما المومنون اخوة: پر عامل تھی۔جب تک کسی کی نگاہ میں مظلوم وحاجت مند کے تئیں ہمدردی کے جذبات احساس نہ ہوں تب تک وہ کسی کی مدد پر آمادہ نہیں ہوسکتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں کو

رشتہ اخوت میں باندھ دیا تا کہ وہ ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس کر سکیں۔

خود آقائے کریم ﷺ نے بھی ہجرت کے بعد اہل مکہ واصحاب مدینہ کو رشتہ اخوت میں باندھ کر اپنے غلاموں کو یہ درس دیا کہ لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر ہر صاحب ایمان تمہارا بھائی ہے اگر چہ وہ دنیا کے کسی خطے کا رہنے والا ہے۔

اعلیٰ حضرت مکمل قرآنی پیغام کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے اس لئے آپ کی نگاہ میں ہر صاحب ایمان یکساں تھا، چاہے وہ امیر ہو یا غریب، دولت مند ہو یا مزدور!

یہی وجہ تھی کہ آپ دولت وثروت کی بنیاد پر غریبوں سے نفرت کرنے والے مغروروں سے سخت پرہیز کیا کرتے تھے۔ یہاں ہم آپ کی حیات درخشاں کا ایک نظارہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ امام احمد رضا کی زندگی کس درجہ قرآن وحدیث میں رنگی تھی۔

اعلیٰ حضرت اور مساوات اسلامی:

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہا ایک صاحب جن کا مجھے نام یاد نہیں حضور [اعلیٰ حضرت]

کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت بھی کبھی کبھی ان کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ان کے ہاں تشریف فرما تھے کہ ان کے محلے کا ایک بیچارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چارپائی پر جو صحن کے کنارے پڑی تھی، جھجکتے ہوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحب خانہ نے نہایت کڑوے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا، حضور کو صاحب خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ فرمایا نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حضور [اعلیٰ حضرت] کے یہاں آئے، حضور نے اپنی چارپائی پر جگہ دی، وہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں کریم بخش حجام حضور کا خط بنانے کے لئے آئے، وہ اس فکر میں تھے کہ کہاں بیٹھوں؟ حضور نے فرمایا کہ بھائی کریم بخش کیوں کھڑے ہو، مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور ان صاحب کے برابر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، وہ بیٹھ گئے، پھر تو ان صاحب کے غصے کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے، فوراً اٹھ کر چلے گئے پھر کبھی نہ آئے۔ خلاف معمول جب عرصہ گزر گیا تو حضور نے فرمایا کہ اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے پھر خود ہی فرمایا: میں بھی ایسے مغرور ومتکبر شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔

[حیات اعلیٰ حضرت: ج ا ص ۱۰۱، ۱۰۲]

اس واقعہ کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ غریب حجام سے نفرت کرنے والا شخص شہر کا ایک امیر وکبیر شخص تھا، اعلیٰ حضرت کے قریبی ملنے والوں میں سے تھا مگر اس کی مغرورانہ روش اور اسلامی اخوت کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے امام احمد رضا نے اس سے تعلق رکھنا گوارا نہ کیا اور عملی طور پر ایک غریب حجام کو اپنے برابر بٹھا کر یہ درس بھی دیا کہ ہر کلمہ گو صاحب عزت وتکریم ہے۔ کسی کی

غربت وناداری کی وجہ سے نفرت کرنا، اس کے ساتھ غیر اسلامی سلوک کرنا قرآن وسنت کی خلاف ورزی اور پرلے درجے کی جہالت وسفاہت ہے، اسی مفہوم کو ڈاکٹر اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تربیت اسلامی ماحول میں ہوئی تھی، جس کی وجہ سے ایثار وسخاوت آپ کی فطرت کا حصہ تھی۔ اور ایثار وسخاوت کے لئے کسی پہچان یا تعارف کی کوئی ضرورت نہیں تھی بلکہ اصل پہچان صاحب ایمان اور کلمہ گوئی تھی۔ جس کی بنیاد پر آپ کثرت کے ساتھ اہل اسلام کی خبر گیری فرماتے تھے۔

ضرروت مندوں کے مہینے مقرر فرمانا:

اعلیٰ حضرت کو ضرورت مندوں کی حاجت وضرورت کا اتنا خیال تھا کہ آپ نے مختلف مقامات کے افراد کی مالی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ان کے مہینے مقرر فرمادئے تھے اور ہر ماہ بلا ناغہ ان کی ضرورت کے پیسے وقت پر پہنچانا اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ اور یہ سلسلہ صرف اپنے شہر یا ملک تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آپ کی سخاوت کا دائرہ بیرون ہند تک پھیلا ہوا تھا، جیسا کہ علامہ ظفر الدین رضوی بیان فرماتے ہیں:

''...کاشانہ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا، اس کے علاوہ بیوگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکلاً علی اللہ مہینے مقرر تھے۔ اور یہ اعانت فقط مقامی ہی نہ تھی بلکہ بیرون جات میں بذریعہ منی آرڈر رقوم امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔ ....ایک مرتبہ ایک صاحب کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں پچاس روپے روانہ کرنے تھے۔ اتفاق سے اس وقت حضور کے پاس کچھ نہ تھا۔ حضور نے بارگاہ رسالت میں میں رجوع کیا کہ سرکار میں نے کچھ بندگان خدا کے مہینے حضور کے بھروسے پر اپنے ذمے مقرر کر لئے ہیں اگر کل منی آرڈر پچاس روپے کا روانہ ہوجائے گا تو تو ڈاک کے جہاز کے وقت پہنچ جائے گا ورنہ تاخیر ہوجائے گی۔ یہ رات حضور کی اسی کرب وبے چینی میں گزری۔

علی الصباح ایک سیٹھ صاحب حاضر آستانہ ہوئے، اور مبلغ اکاون روپے مولوی حسنین رضا خاں صاحب کے ذریعے مکان میں بطور نذر حاضر خدمت کئے۔ اس وقت حضور پر بہت رقت طاری ہوئی اور مذکورہ بالا ضرورت کا انکشاف فرمایا۔ ارشاد ہوا یہ یقیناً سرکار کا عطیہ ہے اس لئے کہ اکاون روپے ملنے کے کوئی معنیٰ نہیں سوائے اس کے کہ پچاس بھیجنے کے لئے فیس منی آرڈر بھی تو چاہیے۔ چنانچہ اسی وقت منی آرڈر کا فارم بھرا گیا اور ڈاکخانہ کھلتے ہی منی آرڈر روانہ کردیا گیا۔''

[حیات اعلیٰ حضرت: ج ا ص ۱۱۸، ۱۱۹]

اس روایت کو پڑھنے کے بعد ہمیں اعلیٰ حضرت کی زندگی کے یہ اہم معمولات پتا چلتے ہیں:

1۔آپ کا دائرہ سخاوت ملک وبیرون ملک تک وسیع تھا۔
2۔ضرورت مندوں کے لئے ماہواری وظائف مقرر کر رکھے تھے۔
3۔ضرورت مند کی امداد کے لئے ''منی آرڈر'' جیسے پرتکلف ذرائع بھی استعمال فرماتے۔
4۔ضرورت مندوں کے وقت کا خاص خیال فرماتے تھے۔
5۔ان کی ضرورتوں سے اس قدر قلبی تعلق تھا کہ انتظام نہ ہونے سے نیند تک نہیں آتی تھی۔
6۔ضرورت مندوں کے لئے بہت ہی رقیق القلب تھے۔
7۔ان سارے کاموں کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے اپنے آقا ومولیٰ حضور سید عالم ﷺ سے ذات کریمہ پر بے پناہ اعتماد وبھروسہ تھا۔اسی بھروسے کے سہارے وہ ہر ضرورت مند کی امداد کو اپنے ذمہ لے لیا کرتے اوران کے آقا علیہ السلام نے بھی اپنے اس غلام کی ہر موڑ پر امداد وخبر گیری فرمائی،جس پر درج بالا واقعہ شاہد ہے،اورایسا کیوں نہ ہوتا کہ کسی نے کہا ہے:ؔ

یہ دربار محمد ہے یہاں اپنوں کا کیا کہنا
یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

یوں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بارگاہ عزوجل سے سخاوت اور امداد مسلمین کا ایسا جذبہ صادقہ پایا تھا کہ ہر ضرورت مند کی ضرورت کو وہ اپنی ضرورتوں پر ترجیح دیا کرتے تھے لیکن جس ذات کریمہ سے انہیں دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔جس کے بارے میں خود فرماتے ہیںؒ

ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی ذات اورآپ کی نسبت کریمہ سے آپ حددرجہ والہانہ لگاؤ اور احترام کے جذبات رکھتے تھے۔اس لئے سادات کرام کی خدمت ہمیشہ دوسروں سے بڑھ چڑھ کر کیا کرتے تھے۔یہاں بطور شہادت اعلیٰ حضرت کی زندگی کا ایک ورق آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر کرتے ہیں پڑھئے اورامام احمد رضا کے عشق مصطفیٰ کو جانیے۔

بارگاہ رضا میں سادات کی دوگنا اہمیت:

ملک العلماعلامہ ظفرالدین رضوی تحریر فرماتے ہیں:

''..حضور کے یہاں مجلس میلاد مبارک میں سادات کرام کو بہ نسبت اورلوگوں کے دوگنا حصہ بروقت تقسیم شیرنی ملا کرتا تھا۔اور اسی کا اتباع اہل خاندان بھی کرتے ہیں۔ایک سال بموقع بارہویں شریف ماہ ربیع الاول ہجوم میں سید محمود جان صاحب علیہ الرحمہ کو خلاف معمول اکہرا حصہ یعنی دوتشتریاں شیرنی کی بلاقصد پہنچ گئیں۔موصوف خاموشی کے ساتھ حصہ لیکر سیدھے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کیا کہ حضور کے یہاں سے آج مجھے عام حصہ ملا۔فرمایا سید صاحب تشریف رکھیے اور تقسیم کرنے والے کی فوراً طلبی ہوئی اور سخت اظہار ناراضی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:ابھی ایک سینی (خوان)میں جس قدر حصے آسکیں بھر کر لاؤ چنانچہ فوراً تعمیل ہوئی۔سید صاحب نے عرض بھی کیا کہ حضور میرا یہ مقصد نہ تھا ہاں دل کو تکلیف ضرور ہوئی

جسے برداشت نہ کرسکا۔فرمایا سید صاحب یہ شیرنی تو آپ کو قبول کرنا ہوگی ورنہ مجھے سخت تکلیف رہے گی۔اور شیرنی تقسیم کرنے والے سے کہا کہ ایک آدمی سید صاحب کے ساتھ کردو جو اس خوان کو مکان پر پہنچا کر آئے انہوں نے فوراً تعمیل کی۔

[حیات اعلیٰ حضرت: ج اص ۳۰۰]

مذکورہ واقعہ میں ہمیں کئی اہم باتیں نظر آتی ہیں جو ہم ترتیب وار نقل کرتے ہیں:

☆اعلیٰ حضرت کے یہاں عید میلاد شریف کا بڑے اعلیٰ پیمانہ پر اہتمام ہوتا تھا۔آج علما و مشائخ بھی ایسی تقریبات میں خوب شرکت فرماتے ہیں لیکن اپنے گھروں میں اعلیٰ درجے پر ایسی تقریبات کا اہتمام شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ہمیں موجودہ وقت میں اپنے امام کے اس طرز عمل کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

☆اعلیٰ حضرت کی محافل میں سادات کرام کو"منفرد و ممتاز" حیثیت حاصل ہوا کرتی تھی۔

☆تقسیم شیرنی کے وقت جملہ حاضرین کے مقابلے سادات کو دوہرا حصہ دینا اصلاً نسبت مصطفےٰ علیہ السلام کا پاس و لحاظ اور اور بارگاہ سید عالم میں اپنی غلامی کا مظاہرہ تھا۔

☆اعلیٰ حضرت تو عشق مصطفےٰ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے ہی،لیکن انہوں نے اپنی آل و اولاد میں بھی"حب اہل بیت" کا یہ چراغ روشن کیا تھا یہی وجہ ہے کہ آج بھی خانوادہ رضویہ میں سادات کرام کی مثالی اور ممتاز طریقے پر عزت افزائی کی جاتی ہے۔

☆اپنی عادت کریمہ کے برخلاف سید صاحب کو اکہرا حصہ ملنے پر بانٹنے والے پر انتہائی خفگی کا اظہار کرنا سیدزادوں سے بے لوث محبت کا کھلا ثبوت ہے۔

☆بعدہ سیدزادے کی دل جوئی کے لئے ایک حصے کی تلافی کے لئے خوان میں بے گنتی حصے بھرنے کا حکم دینا بھی"حب اہل بیت" کی روشن مثال ہے۔

☆سیدزادے کو بااصرار اضافی شیرنی دینا اور ان کے نازک دل کو سنبھالنے کے لئے ایک خادم کو گھر تک بھیجنا،یہ یقیناً شہزادگان مصطفےٰ کی نازبرداری کی وہ مثال ہے جو آسانی سے کہیں نظر نہیں آتی۔

☆سید صاحب کا اعلیٰ حضرت سے اکہرا حصہ ملنے پر شکایت کرنا،یقیناً اعلیٰ حضرت کی ذات پر بے پناہ اعتماد کلی تھا۔انہیں ایک حصہ کم ملنے کا افسوس نہیں تھا بلکہ انہیں قلق اس بات کا تھا کہ اعلیٰ حضرت کی محافل میں"نسبت رسول" کی جو تفرد و امتیاز تھا، وہ ختم ہوا تھا۔اسی لئے انہوں نے اعلیٰ حضرت سے شکایت میں یہی عرض کیا۔یقیناً ان سید صاحب کے اس عمل میں بھی تاجدار مدینہ کی عطا کی جلوہ نمائی نظر آتی ہے کہ انہوں نے اپنے"عاشق زار" کی محفل کے تفرد کو انجانے میں ہی سہی،ختم نہیں ہونے دیا،اور اپنے فرزند کے ذریعے"رضا کے تفرد کو باقی رکھا۔

اس واقعہ کو بار بار پڑھئے اور امام کے عشق مصطفےٰ کو سمجھنے کی کوشش کیجیے،یہی وہ جذبہ والہانہ تھا جس نے بریلی میں پیدا ہونے

والے ایک افغانی پٹھان کو سیدوں کا اعلیٰ حضرت بنادیا تھا، جس کے بارے میں خود ان کے پیر خانہ کے آل رسول گواہی دیتے ہوئے کہتے ہیں:

عشق سرکار رسالت کا اعزاز دیکھئے
خان زادہ سیدوں کا اعلیٰ حضرت بن گیا

نیازمندانہ امداد:

رفاہ وامداد کے باب میں جب بھی اعلیٰ حضرت کی زندگی کی ورق گردانی کی جاتی ہے تو یہ چیز روز روشن کی طرح نظر آتی ہے کہ انہوں نے سادات کی عزت افزائی میں ہمیشہ آگے بڑھ کر نیازمندانہ نذریں پیش کر کے اپنی غلامی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ان کے اس جذبہ حب رسالت کو سمجھنے کے لئے یہ امدادی واقعہ پڑھیں:

ملک العلما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سید صاحب اعلیٰ حضرت کے مکان پر پہنچے تو اعلیٰ حضرت نے ان کی کس نیازمندانہ طریقے پر امداد فرمائی وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔علامہ ظفرالدین اس واقعہ کی منظرکشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک سید صاحب بہت غریب مفلوک الحال تھے۔عسرت سے بسر ہوتی تھی ....ایک اتفاق وقت کہ پھاٹک میں کوئی نہ تھا۔.......اعلیٰ حضرت کے پاس اسی دن ذاتی اخراجات علمی یعنی کتاب کاغذ وغیرہ داد ودہش کے لئے دوسو روپے آئے تھے۔جس میں نوٹ بھی تھے،اٹھنی چونی اور پیسے بھی تھے کہ جس چیز کی ضرورت ہو صرف فرمائیں۔اعلیٰ حضرت نے آفس بکس کے اس حصے میں جس یہ سب روپے تھے،سید صاحب کی آواز سنتے ہی ان کے سامنے لاکر حاضر کردیا اور ان کے روبرو لئے ہوئے کھڑے رہے۔چنانچہ سید صاحب دیر تک ان سب کو دیکھتے رہے اس کے بعد ایک چونی لے لی۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا حضور یہ سب حاضر ہیں۔سید صاحب نے فرمایا مجھے اتنا ہی کافی ہے۔الغرض سید صاحب ایک چونی لیکر سیڑھی پر سے اتر آئے۔اعلیٰ حضرت بھی ساتھ ساتھ تشریف لائے پھاٹک پر ان کو رخصت کر کے خادم سے فرمایا دیکھو سید صاحب کو آئندہ سے آواز دینے،صدا لگانے کی ضرورت نہ پڑے.....

[حیات اعلیٰ حضرت: ج ا ص ۳۰۶]

کیوں اپنی گلی میں وہ روادار صدا ہو
جو''نذر''لئے راہ گدا دیکھ رہا ہو

اس واقعہ میں اعلیٰ حضرت کی سادات کرام سے نیازمندی کے جو نظارے دکھائی پڑتے ہیں ذرا ان کو نظر بھر کے دیکھ لیں:

☆اپنے خرچ کی پوری رقم کو سیدزادے کے سامنے پیش کردینا یقیناً نسبت کی اہمیت کا پتا دیتا ہے۔ورنہ تو آج کل انسان اپنی ضرورتوں کے بعد دوسروں کے بارے میں سوچتا ہے لیکن اعلیٰ حضرت کی نگاہ میں نسبت رسالت سب سے مقدم تھی۔

☆سائل کی بارگاہ میں ساری رقم پیش کرنا اور نیازمندی کے ساتھ رقم لیکر کھڑے رہنا اعلیٰ حضرت کا کمال ادب ہے۔

☆ سیدزادے کا ساری رقم چھوڑ کر صرف ایک چونّی لینا بتاتا ہے کہ سیدزادے کو رقم کی ضرورت نہیں تھی وہ تو اپنے نانا کے سچے عاشق صادق کی نیازمندی دیکھنے اور دنیا کو امام احمد رضا کی آل رسول کی بے لوث تعظیم کے جلوے دکھانے آئے تھے۔

☆ نیازمندانہ امداد کے بعد سید صاحب کو باہر تک رخصت کرنا سادات کرام کی عزت افزائی کا وہ خوب صورت نمونہ ہے اعلیٰ حضرت کی قدر و منزلت اور بڑھا دیتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے قریبی افراد شہادت دیتے ہیں کہ ایثار و سخاوت اعلیٰ حضرت کی زندگی کا لازمہ تھی۔ کوئی بھی موقع ہوتا اور آپ کی سخاوت کا دریا امنڈ پڑتا۔ ایسا ہی ایک نظارہ اس وقت بھی دکھائی پڑا جب آپ کے خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری کے گھر میں مولانا ابراہیم رضا پیدا ہوئے۔ عموماً جب گھر میں بڑی مرادوں کے بعد بیٹا پیدا ہوتا ہے تو سبھی دوست واحباب میں مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہے، رشتہ داروں کی دعوتیں ہوتی ہیں، ان کے لئے تحفہ تحائف دئے جاتے ہیں لیکن امام اہل سنت کی فکر کا عالم دیکھئے کہ خوشی کے اس مبارک موقع پر سب سے پہلے کیا کام انجام دیتے ہیں۔ دنیا میں ایسے موقع پر سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں، گھر والوں کو دعوت دیا کرتے ہیں مگر تاجدار مدینہ ﷺ کے اس عاشق وفا کیش کی کیفیت کا عالم یہ ہے کہ سب سے پہلے مدرسے میں علم دین حاصل کرنے والے آقائے کریم ﷺ کے مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام فرماتے ہیں اور اس اعلیٰ درجے کی ضیافت فرماتے ہیں کہ زمانہ دیکھتا رہ گیا کہ کیا کوئی اس طرح بھی مہمان رسول کی ضیافت کر سکتا ہے؟

شاگردوں کو عیدی عطا کرنا:

ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

اسی سلسلے میں مجھے یہ بات بھی ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں جب کبھی ماہ مبارک رمضان شریف میں بریلی شریف رہنا ہوا اور اس تعطیل میں اپنے گھر نہ آیا تو عیدالفطر کے دن جس طرح آپ تمام عزیزوں کو عیدی تقسیم فرماتے مجھے اور دوسرے خاص طلبہ مثلاً مولانا سید عبدالرشید گوپاموی عظیم آبادی، مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب درگاہ کلاں بہار شریف، مولوی محمد ابراہیم صاحب اوگانوی، مولانا مولوی محمد نذیرالحق صاحب رمضان پوری، مولوی اسماعیل صاحب بہاری سب کو اعلیٰ حضرت علی قدر مراتب عیدی عطا فرماتے۔''

[حیات اعلیٰ حضرت: ج ۱ص ۱۱۰]

آج ایسے اساتذہ کہاں ملتے ہیں جو طلبہ کو اپنے بچوں کی طرح پیار محبت سے نوازتے ہیں۔

غور کریں کہ امام کی نگاہ کس قدر وسیع اور بلند و بالا تھی۔ اگر اس واقعہ پر غور کریں تو اس میں بھی سیکھنے کے لئے بڑی قیمتی باتیں نظر آتی ہیں:

☆ طلبہ چوں کہ اپنے والدین کو چھوڑ کر آتے ہیں اس لئے خوشی کے مواقع پر دیگر بچوں کی خوشی کو دیکھ کر ان کو شدت سے اہل خانہ

کی یاد آتی ہے، اور یوں خوشی کا دن غم کے آنسوؤں کی نذر ہو جاتا ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کو اس نفسیات کا بخوبی علم تھا اس لئے آپ طلبہ کو یہ احساس ہونے نہیں دیتے تھے اور انہیں بھی اپنے بچوں کی طرح پیار دیکر اپنی خوشیوں میں شامل فرماتے۔

☆ عید پر طلبہ کو نذرانہ دینے کی یہ پیاری عادت محض رسمی نہیں تھی بلکہ اس خوشی میں عیدی بھی حسب مراتب عطا فرماتے تھے۔ جس طرح ایک والد کے کئی بیٹے ہوتے ہیں تو وہ سب کو حسب مراتب عیدی دیا کرتے ہیں، اسی طرح اعلیٰ حضرت بھی طلبہ کو حسب مراتب عطا فرماتے۔

☆ اعلیٰ حضرت کی اس عادت کریمہ سے طلبہ بڑے خوش وخرم رہتے اور گھر کی یاد سے بے نیاز ہو کر تحصیل علم کرتے۔ جب طالب علم مغموم ہوتا ہے تو اس کا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو جاتا ہے اور یوں اس کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی مومنانہ بصیرت اس نفسیاتی کیفیت کو خوب جانتی تھی اس لئے اپنی خوشیوں میں شامل کر کے انہیں یہ سب سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتے کہ کسی طالب علم کا وقت ضائع ہو یا وہ اہل خانہ کی یاد میں مغموم ہو۔

☆ چونکہ عید جیسے مواقع پر کھانے پینے اور گھومنے پھرنے کا ماحول ہوتا ہے۔ خصوصاً بچوں میں اس کا اشتیاق بہت زیادہ ہوتا ہے اور سبھی اپنے دوستوں کے ساتھ گھومتے اور کھاتے پیتے ہیں، لیکن اگر جیب خالی ہو تو عید جیسے دن بڑے سخت گزرتے ہیں۔ جب چاروں طرف لوگ خوشیوں میں مگن ہوں اور آپ تہی دامن! تو ایسے دن بڑے طویل اور سخت محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وہ موقع ہوتا ہے جب شیطان اپنا وار چلاتا ہے اور طلبہ کو علم دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جب استاذ امام اہل سنت جیسے ہوں تو شیطان کا یہ وار بھی ناکام ہو جاتا ہے۔

خادموں کو خود کھانا کھلانا:

اعلیٰ حضرت کی عادت کریمہ تھی کہ آپ اپنی خدمت میں رہنے والے افراد کی بڑی دل جوئی فرماتے تھے۔ کیوں کہ وہ لوگ صرف خدمت دینی کے جذبے کے تحت حاضر ہوتے تھے اس لئے آپ ان کے ساتھ بھی اعلیٰ درجے کا حسن سلوک فرماتے ایسا ہی ایک نظارہ اعلیٰ حضرت کی کتاب زندگی میں نظر آتا ہے جب آپ اپنے ایک خادم کو خود کھانا کھلاتے ہیں، ملک العلما نقل فرماتے ہیں:

''ذکاء اللہ خاں کا بیان کہ اعلیٰ حضرت ایک زمانے میں حسن میاں والے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک روز شہر میں کسی جگہ تشریف لے جانا خادم ہمراہ گیا واپسی پر دوپہر کے کھانے کا وقت تھا، فرمایا ذرا ٹھہریے گا یہ کہہ کر مکان کے اندر تشریف لے گئے، چند منٹ کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میرے لئے سینی میں کھانا لئے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ اور مجھ سے فرمایا کھائیے۔ میں شرم اور ندامت کے مارے ہمت نہیں کرتا تھا۔ آخر کار حضرت کے اصرار کی وجہ سے کھانا دست مبارک

سے لے لیا اور کھالیا۔[حیات اعلیٰ حضرت: ج ا:ص ۱۶۹]

درج بالا واقعے میں بھی اعلیٰ حضرت کی خدمت خلق کے تئیں سنجیدگی کا جو منظر دکھائی پڑتا ہے وہ یقیناً قابل تقلید ہے۔

☆ اپنے خادم کے کھانے کا خیال رکھنا سچے مخدوم کی نشانی ہے۔

☆ خادم کے لئے خود کھانا لیکر آنا ان کی متواضع اور منکسر المزاج شخصیت کا پتا دیتا ہے۔

☆ خادم سے کھانے پر اصرار کرنا ''انسانیت پروری'' کی وہ مثال ہے جو آج عنقا ہے۔آج خادم ہی اصرار کرتے ہیں مخدوم نہیں،لیکن اعلیٰ حضرت مخدوم ہونے کے باوجود خادم سے کھانے پر اصرار کرتے ہیں ،یہ یقیناً اعلیٰ حضرت کی اتباع سنت اور غربا پروری کی روشن مثال ہے۔

عالمی پیمانے پر رفاہ وامداد:

گذشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کا دائرہ رفاہ صرف اپنے شہر اور ملک تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ اس کا دائرہ بیرون ملک تک پھیلا ہوا تھا،حتی کہ مدینہ الرسول کے سائلین کو بذریعہ ڈاک منی آرڈر سے امداد فرماتے تھے۔لیکن یہ ساری امدادی کاوشیں انفرادی انداز کی ہیں۔لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی علاقہ،قوم اور ملک ہی کسی سخت مصیبت وآزمائش کا شکار ہوجاتا ہے۔ایسے میں ان کی خبر گیری کرنا،ان کی ضرورت پوری کرنا ایک بہت بڑا کام ہوتا ہے۔کسی ایک صوبے یا ملک کی مدد بغیر منصوبہ بندی اور منظّم کوشش کے کماحقہ نہیں کی جاسکتی۔ جب ہم اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی کو اس اینگل سے دیکھتے ہیں تو یہاں بھی ان کی ذات ایک انجمن نظر آتی ہے جو نہ صرف افراد کی ضرورتوں کا خیال رکھتی ہے بلکہ وہ مجموعی طور پر قوموں اور ملکوں کے حالات وحادثات پر بھی نظر رکھتے ہیں اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے منصوبہ بند کوشش فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے زمانے میں ایسا ہی ایک واقعہ جب ظہور پذیر ہوا جب ۱۳۳۱ھ 1911ء میں سلطنت عثمانیہ میں شامل طرابلس پر اٹلی کی حکومت نے حملہ کیا۔اس حملے نے پورے عالم اسلام کو مغموم کردیا،کیوں کہ سلاطین عثمان پوری دنیائے اسلام کی آرزوؤں کا مرکز تھے۔ان کی خلافت کے نام پر عالم اسلام کافی حد تک متحد تھا۔خلافت کے نام سے ہی برطانیہ ویورپ لرزہ براندام رہتے تھے۔لیکن مسلسل داخلی سازشوں اور اپنوں کی غداری سے اغیار کی ہمتیں بڑھ رہی تھیں،جس کی وجہ سے اٹلی حکومت نے عثمانی سلطنت میں شامل طرابلس الغربی پر حملہ کردیا۔

اس حملے کی وجہ سے ترک قوم سخت حالات کا سامنا کر رہی تھی ایک طرف اٹلی جیسا مضبوط دشمن تھا تو دوسری جانب داخلی دشمن دردِ سر بنے ہوئے تھے،ایسے میں ضرورت تھی کہ عالم اسلام ترکی حکومت کی امداد لئے اٹھ کھڑا ہو۔اور اسلامی جذبے سے سرشار ہوکر دنیا بھر کے مسلمان ترکی حکومت اور عوام کی مدد کے لئے اپنے اپنے مال ودولت نکالنے لگے۔

ایسے سخت ماحول میں وطن عزیز ہندوستان کے مسلمان بھی پیچھے نہیں رہے بلکہ انہوں نے بھی قومی غیرت وحمیت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے ترک بھائیوں کے لئے امداد جمع کرنا شروع کی۔

وقت بڑا پرآشوب تھا، ہندوستان اس وقت انگریزوں کی غلامی میں تھااور ترکی عالمی طاقتوں کے نرغے میں گھرا تھا۔اس موقع کی کچھ روداد حضرت ملک العلمانے درج فرمائی ہے:

طرابلس پر اٹلی کے حملے پر اعلیٰ حضرت کا بیان اور مالی اعانت:

طرابلس پر اٹلی کے حملے اور مسلمانان ہند کی جذبہ اخوت اور ترک عوام سے اعلیٰ حضرت کی محبت وانسیت کا ذکر کرتے ہوئے ملک العلماتحریرفرماتے ہیں:

''اسی طرح رجب ۱۳۳۱ھ میں اٹلی نے طرابلس الغرب پر حملہ کردیا اس سے ساری دنیائے اسلام میں یورورپ کے خلاف رنج وغم کی لہر دوڑ گئی اور ہر شخص بقدر حیثیت اس میں حصہ لینے لگا۔حضرت مولانا سلیمان اشرف صاحب بریلی تشریف لائے اور مسلمانان بریلی کو اس طرف متوجہ فرمایا۔ان دنوں مسجد ''بی بی جی'' میں جہاں اعلیٰ حضرت کا ''مدرسہ منظر اسلام'' تھا۔مسلمانان اہل سنت بریلی کا اجتماع ہوااور حضرت مولانا نے پرزور تقریر فرمائی تو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت نے اپنی طرف سے مبلغ پانچ سو روپے عطا فرمائے۔پھر کیا تھا چندوں کی بارش شروع ہوگئی اور موسلا دھار بارش کی کیفیت ظاہر ہوئی، تیرہ ہزار روپے جمع ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ اسی زمانے میں حامی دین وملت، ناصر اہل سنت جناب حاجی محمد لعل خان صاحب قادری رضوی مینیجر حاجی عبداللہ علی رضا، زکریا اسٹریٹ کلکتہ، خلیفہ ومجاز اعلیٰ حضرت کے ایک سوال کے جواب میں پرزور تحریر قلم [بند] فرمائی اور مسلمانوں کو ترکی کی امداد کی صورتیں بتائیں اور اس میں ایسے ایسے امور ظاہر فرمائے جن کو لیکر لیڈروں نے اپنا بنیادی اصول ''ترک موالات'] قرار دیا۔حالانکہ اس سے پہلے ان کے وہم وگمان میں بھی یہ باتیں نہ تھیں۔

[حیات اعلیٰ حضرت: ج ۲ ص ۱۴]

ناظرین کرام!

اس واقعے کو بغور پڑھیں اور بین السطور سے اس عہد کے منظر نامہ کو سمجھنے کی کوشش کریں جو اس وقت ایک بڑا المیہ بن کر اسلامیان عالم کے لئے سوہان روح بنا ہوا تھا۔تاریخی دریچوں سے آنے والی کرنوں کی روشنی میں اگر اس واقعہ کا تجزیہ کیا جائے تو ہمارے سامنے کئی اہم سبق نظر آتے ہیں جن کو اجمالاً یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

جنگ طرابلس پر اسلامیان ہند کے جذبات:

☆ جنگ طرابلس 1911ء میں ہوئی یعنی آج سے قریب ایک سو سات [107] پہلے، مگر اس زمانے میں اہل اسلام کے مابین رشتہ اخوت اس قدر مضبوط تھا کہ ترک بھائیوں کی پریشانی پر

اسلامیان ہند ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔

☆ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب اسلامیان ہند خود برطانوی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے لیکن اسلام کا جذبہ اخوت اس درجہ غالب تھا کہ اپنی غلامی کے درد کو بھول کر انہیں ترک بھائیوں کے درد کا خیال تھا، اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے اقبال نے کہا تھا:

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں

تو ہندوستاں کا ہر پیروجواں بیتاب ہوجائے

☆ اس سخت زمانے میں بھی علمائے اہل سنت اس قدر زمانہ شناس تھے کہ ان کی نگاہ پورے عالم اسلام پر رہتی تھی۔ اسی لئے جیسے ہی ترکی پر حملہ ہوا تو مولانا سید سلیمان اشرف صاحب ترک بھائیوں کی امداد کی مشاورت کے لئے بریلی شریف چلے آئے۔

☆ مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کا ترک حکومت کی مدد کے لئے بغرض مشاورت بریلی آنا یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس زمانے کے اکابر علما ہر اہم معاملے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی بارگاہ میں رجوع کیا کرتے تھے۔

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خود ایسے معاملات میں حد درجہ متحرک وفعال تھے، اس لئے جیسے ہی مولانا سلیمان اشرف صاحب آئے تو فوراً ہی ترک بھائیوں کی امداد کے لئے ایک جلسہ منعقد کرایا گیا۔

☆ مسلمانان بریلی کی زندہ دلی اور ترک عوام سے محبت دیکھئے کہ ایک ہی مجمع سے 13 ہزار روپے کی خطیر رقم جمع ہوجاتی ہے۔ اور یہ رقم اس زمانے میں اکٹھا ہوتی ہے جب مسلمانان ہند مسلسل انگریزی ظلم واستبداد کا شکار تھے، انہیں خود قدم قدم پر مسائل کا سامنا تھا، لیکن داد دیجئے ان صاحبان ایمان افراد کو، جنھوں نے اپنا دکھ درد بھول کر اپنے ترک بھائیوں کے لئے اپنا روپیہ پیش کر کے ایثار صحابہ کی نظیروں کی یاد دلائی۔

☆ اعلیٰ حضرت کا ترک عوام سے جذبہ محبت دیکھئے کہ اسی محفل میں اپنی جیب خاص سے پانچ سو روپے عطا فرماتے ہیں۔ اس زمانے میں روپے کی قیمت برطانوی پونڈ کے برابر تھی، اگر آج کے وقت سے اندازہ لگائیں تو تنہا امام احمد رضا نے قریب پچاس ہزار کی خطیر رقم پیش فرمائی۔

☆ اس وقت کچھ لوگ ترکوں کی حمایت کے نام پر کانگریسی سیاست کو توانا کرنے میں لگے تھے مگر اعلیٰ حضرت اور عوام اہل سنت نام ونمود سے دور اپنے ترک بھائیوں کی امداد واعانت اور بارگاہ مولیٰ میں ان کی فتح ونصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

قارئین کرام!

اعلیٰ حضرت کے جذبہ رفاہ وامداد کو دیکھیں کہ ایسے سخت دور میں بھی ان کے جذبہ اتباع رسول، امداد مسلمین کا یہ عالم تھا کہ انفرادی امداد کے علاوہ اجتماعی طور پر بھی انتہائی فعال تھے۔ یہاں اس بات کو بھی نگاہ میں رکھیں کہ یہ جذبہ تنہا امام احمد رضا کا ہی نہیں تھا بلکہ انہوں نے اپنے وابستگان اور مریدین ومحبین میں بھی اخوت اسلامی کی جوت جگا رکھی تھی جس کی وجہ سے

مسلمانان بریلی اپنا رنج وغم بھول کر ہزاروں میل دور بسے ترک بھائیوں کے لئے پیش قدمی کرتے ہیں۔

یقیناً یہی وہ جذبہ ہے جس کے بارے میں آقائے کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

المسلم اخو المسلم،لَا یُظلمه وَلا یسلمه،مَن کَان فِی حاجت اخیه کَان الله فِی حاجته،وَمن فَرّج عن مسلم کُربةً ،فرّج الله عَنه بِهَا کُربةً....

(مسلم شریف، کتاب البر والصلۃ والادب: حدیث نمبر:3832)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو کسی ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

جو آدمی اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے، جو آدمی کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے اس کی مصیبت کو دور فرمائے گا۔

جنگ طرابلس کا تاریخی پس منظر:

محترم ناظرین! درمیان کلام جنگ طرابلس کا تذکرہ آیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر تھوڑی سی روشنی ڈال دی جائے تا کہ عام قارئین بھی اس جنگ کے پس منظر سے واقف ہو جائیں۔

طرابلس شمالی افریقہ کے ملک لیبیا کا دارالحکومت ہے اور اس کا موجودہ نام ترپولی (Tirpoli) ہے۔ انیسوی صدی عیسوی میں یہ ملک طرابلس کے نام سے ایک نیم خودمختار ریاست کے طور پر جانا جاتا تھا اور سلطنت عثمانیہ کا ایک حصہ تھا۔ لبنان میں بھی ایک شہر کا نام طرابلس تھا اس لئے اس شہر کو طرابلس الغرب کہا جاتا تھا۔

تاریخِ لیبیا:

عالمی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ لیبیا ہمیشہ سے ایک اہمیت کا حامل ملک رہا ہے۔ اس ملک کی تاریخ کم وبیش ساڑھے تین، چار ہزار سال پرانی ہے، قدیم یونانیوں نے اسے یہ نام دیا تھا کہ قریب 1300 قبل مسیح میں یہاں ایک قبیلہ موسوم بہ لیبی یا لیبو آباد تھا۔ شمالی افریقہ کے بحیرہ روم کے ساحلوں پر آباد یہ ملک ہمیشہ سے حملہ آوروں اور استعماریوں کی جولان گاہ بنا رہا ہے، کبھی یہ ملک ایک وحدت کے طور پر موجود رہا اور کبھی دو، تین صوبوں کی خود مختار ریاستوں میں۔ اسلام سے پہلے رومی سلطنت نے کئی بار اس ملک پر حملے کئے۔ بعد میں عربوں نے اسے فتح کیا، اور اس ملک کے باشندے اسلام سے متعارف ہوئے۔ اہل عرب نے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ یہاں اسلام کی تبلیغ کی، اس طرح یہاں اسلام پھیلایا اور وہ خود یہاں آباد بھی ہوئے۔

بعد میں لیبیا سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بنا اور صدیوں تک ان کے زیرِ نگیں رہا۔ اس زمانے میں سلطنت عثمانیہ کا دائرہ

یوروپ تک پھیلا ہوا تھا،اسی لئے یوروپی ممالک ترک حکومت سے سخت خائف تھے۔عالمی سطح پر یہ زمانہ انتہائی پرآشوب تھا،دنیا بھر کے ممالک ایک دوسرے کے خلاف پرتول رہے تھے،خود ترکی میں بھی داخلی صورت حال خاصی نازک تھی اسی کا فائدہ اٹھا نے اور یوروپ میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے اٹلی نے ستمبر 1911ء کو ایک دن کے الٹی میٹم پر لیبیا پر حملہ کر دیا تا کہ یوروپ میں ترکی کو مزید کمزور کیا جا سکے اور ادھر سے دباؤ ڈال کر ان کو یوروپ سے ہمیشہ کے لیے فارغ کر دیا جائے۔

اس وقت لیبیا میں ترک فوج کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی موجود تھی جو اٹلی جیسی طاقتور فوج سے لڑنے کی متحمل نہ تھی،اور بہت ممکن تھا کہ جلد ہی شکست خوردگی پر مجبور ہو جاتی،لیکن وہاں کے عربی اور مقامی بربر قبیلے اٹلی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس طرح یہ جنگ اکتوبر 1912ء تک چلی۔اسی جنگ میں مصطفیٰ کمال پاشا،انور پاشا اور عصمت انونے جیسے قابل ذکر افراد شامل تھے۔انور پاشا نے اپنی سپاہیانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے عربی جوانوں اور مقامی جوانوں کو تربیت دے کر اٹلی کے خلاف مضبوطی سے استعمال کیا جس کی وجہ سے اٹلی کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔اٹلی کو گمان تھا کہ ہفتہ عشرہ میں ہی وہ فتح حاصل کر لیگا لیکن ترک اور بربر قبیلے کی مزاحمت کی وجہ سے جنگ ایک سال تک چلی اور اٹلی کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔لیکن مغربی طاقتیں کئی محاذ پر کام کر رہی تھیں،ادھر لیبیا میں جنگ جاری تھی کہ اسی وقت بلقان کی جنگ چھیڑ دی گئی۔مقصد عثمانی سلطنت کو چہار جانب الجھانا تھا تا کہ ترکی کسی محاذ پر تو کمزور پڑے بالآخر ایسا ہی ہوا اور جنگ بلقان کی وجہ سے ترکی کو لیبیا سے اپنے قدم کھینچنے پڑے اور ایک معاہدے کے تحت اکتوبر 1912ء ترکی نے لیبیا پر اٹلی کا مکمل تسلط تسلیم کر لیا۔

لیکن مقامی لوگوں نے اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اٹلی کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی۔اس کے بعد اٹلی اور ترکی کے درمیان بلقان کی جنگ لڑی گئی اور اور پھر پہلی جنگ عظیم میں مقابلے ہوئے۔اس جنگِ عظیم میں مقامی لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت اٹلی کو ناکوں چنے چبوا دیے اور تمام صوبہ طرابلس پر قابض ہو کر اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی، پہلی جنگِ عظیم میں ترکی کی عبرتناک شکست اور سلطنتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد اٹلی نے مقامی لوگوں کو پر سخت مظالم کئے اور اس طرح کچھ عرصے بعد ہی پورے لیبیا پر اٹلی کا قبضہ ہو گیا۔

حالانکہ اٹلی کو بھی چین سے حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا، یہاں حریت پسندوں کی ایک جماعت اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے ظالم وقابض اٹلی فوجوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔حریت پسندوں کی سالاری اس مرد مجاہد کے ہاتھوں میں تھی جسے دنیا ''عمر مختار'' کے نام سے جانتی ہے۔جو ایک مدرسے میں قرآن کے استاذ تھے،عمر پچاس سے متجاوز تھی لیکن غیرت اسلامی کی وجہ سے درس گاہ چھوڑ کر مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔

انہوں نے مسلسل ۲۰ سال تک ظالم اٹلی فوجوں کے خلاف جنگ لڑی اور شہید ہونے تک اٹلی حکومت کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ یہ عظیم فرزند اسلام 16 ستمبر 1931ء کو تختہ دار پر چڑھ کر مرتبہ شہادت پر فائز ہو گیا۔

انہوں نے اپنی شہادت کے موقع پر ایک یادگار جملہ کہا تھا جو آج بھی رگوں کا لہو گرما دیتا ہے، انہوں نے کہا تھا:

''نحن قوم لا نستسلم ، ننتصر او نموت.''

ہم قوم مسلم ہیں، ہتھیار نہیں ڈالتے، ہم یا تو فتح حاصل کرتے ہیں یا موت کو گلے لگاتے ہیں۔

کتاب تاریخ کا یہ چھوٹا سا صفحہ آپ کے سامنے رکھا ہے تاکہ معلوم ہو سکے سخت ماحول میں بھی اسلامی اخوت کس طرح نبھائی جاتی ہے۔ اگر تاریخ کے اس باب پر بنظر غائر نگاہ ڈالیں تو یہاں بھی سیکھنے کی کئی اہم باتیں نظر آتی ہیں۔

☆ مغرب کبھی اسلامی طاقت و قوت کو برداشت نہیں کرتا اور اسے کمزور کرنے کے لئے ہمہ وقت سازشیں کرتا رہتا ہے جیسا کہ سلطنت عثمانیہ کے خلاف یوروپ کی سازشوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

☆ داخلی کمزوریاں ہمیشہ ہی دشمن کو موقع فراہم کرتی ہیں جیسا کہ ترکی کی داخلی کمزروی نے یوروپی طاقتوں کو حملہ کرنے پر ابھارا۔

☆ اہل اسلام کو الجھانے کے لئے کفر ہر چہار جانب سازشیں کرتا ہے، اس لئے اہل اسلام کو ایسے مواقع حد درجہ فعالیت کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک محاذ مضبوطی سے سنبھالا جائے اور دوسرے محاذات پر دشمن حملہ آور ہو کر پسپا ہونے کو مجبور کر دے۔ جیسا کہ ترکی حکومت کو بلقان کی جنگ کی وجہ سے طرابلس کے مورچے سے ہاتھ کھینچنے پڑے۔

☆ جب بات اسلام کی آجائے تو پھر کسی مدد کے انتظار میں گھر بیٹھے رہنا اسلامی فطرت کے خلاف ہے۔ بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے خود ہی پہل کرے کہ ہر انسان بارگاہ مولیٰ میں اپنے عمل کا جواب دہ ہے۔

☆ جب اسلام کی بقا کا سوال آجائے تو درس گاہ وخانقاہ میں بیٹھے رہنا اسلام نہیں ہوتا بلکہ اس وقت عملی جدوجہد اصل اسلام ہے۔ اسلام رہے گا تو خانقاہیں اور درس گاہیں بھی رہیں گی لیکن اسلام ہی نہ رہا تو مدارس و خانقاہیں کس کام کی؟۔

☆ موت و حیات اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اس لئے بندہ مومن کبھی جان بچانے کے لئے دین کا سودا نہیں کرتا۔ کئی بار ایک جان کی قربانی پوری قوم کو زندگی بخشتی ہے۔

اعلیٰ حضرت ایک دور رس شخصیت کے حامل تھے۔ زمانے کے بدلتے حالات پر مکمل نظر رکھتے تھے اور بوقت ضرورت قوم مسلم کی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیا کرتے تھے۔ جب ہم اعلیٰ حضرت کی زندگی کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو پتا لگتا ہے کہ وہ جہاں بلند نگاہ فقیہ وقت، محدث زمانہ اور امام العلما تھے وہیں اپنی غیرت ایمانی اور خاندانی بہادری و شجاعت کی بنا پر دنیا میں ہونے والی جنگوں پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے اور

اسلامی نقطۂ نگاہ کی اشاعت بھی فرماتے تھے۔

حیات اعلیٰ حضرت کے مرتب تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت روم اور یونان کے مابین جنگ شروع ہوئی تو اس وقت اعلیٰ حضرت نے سلطنت عثمانیہ کی حمایت میں پے در پے مضامین لکھ کر شائع کرائے اور اس معاملے پر اپنا قومی و اسلامی فریضہ انجام دیتے ہوئے سلاطین عثمانیہ کی پرزور حمایت فرمائی، تفصیل کے لئے اس اقتباس کو ملاحظہ فرمایئے اور اعلیٰ حضرت کی فکر کو اپنانے کی کوشش کیجیے:

جنگ روم و یونان میں اعلیٰ حضرت کے نظریات کی اخباروں میں اشاعت:

جب روم و یونان میں جنگ کا اعلان ہوا تو حضرت ابوالوقت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ ہداہت رسول بوالحسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ، جو اعلیٰ حضرت کی زبان و قلم تھے۔ یعنی اعلیٰ حضرت کے خیالات و اعتقادات و ارشادات کو اپنے مواعظ حسنہ و تحریرات فصیحہ و بلیغہ سے ظاہر فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے بمبئی کے ایک اخبار ''مسلم ہیرالڈ'' میں مسلسل مضمون ترکی کے 'سلطان المعظم' کی حمایت میں لکھنا شروع کئے اور اپنے وعظوں اور نجی گفتگوؤں میں بھی سلطان المعظم کی مدحت و ثنا فرمایا کرتے۔ یہ سب اعلیٰ حضرت ہی کے خیالات تھے جو ان کے زبان و قلم سے ظاہر ہوتے تھے جو ''اخبار وطن لاہور'' میں شیدائے سلطان معظم، مولوی انشاء اللہ مرحوم کے ملاحظہ کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ [حیات اعلیٰ حضرت: ج۲ص۱۳]

قارئین کرام!!

اعلیٰ حضرت کی حیات درخشاں کے اس صفحے سے کئی اہم باتیں سطح ذہن پر ابھرتی ہیں جن کو ہم ترتیب وار قارئین کے لئے درج کرتے ہیں:

☆ مذہبی قائدین کو حالات حاضرہ پر بھی نگاہ رکھنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ وہ صرف اپنے مخصوص معاملات میں ہی مصروف رہیں اور حالات کی سنگینی اور وقت کی ضرورت کو یکسر نظر انداز کردیں۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی ہمارے لئے روشن مثال ہے کہ کس طرح ایک سلگتے عنوان پر ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرمائی باوجودیکہ آپ کی عام شہرت 'ماہر علوم وفنون' کے حوالے سے تھی۔ لیکن اس کے باوجود ملت اسلامیہ کے ایک اہم موضوع پر آپ نے کی قوم کی سچی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

☆ بعض افراد ایسے ہوا کرتے ہیں جن کو اپنے خیالات وافکار کی تشہیر کا کام سونپا جا سکتا ہے۔ اس طرح اپنے معمولات کے کاموں میں بھی فرق نہیں پڑتا اور بروقت دیگر مسائل کا جواب بھی ہوجاتا ہے، جس طرح اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے خیالات کی تشہیر فرمائی۔

☆ اعلیٰ حضرت کا اپنے خیالات کی تشہیر سرزمین ممبئی سے شائع ہونے والے کثیر الاشاعت اخبار ''مسلم ہیرالڈ'' سے کرائی۔ جس سے پتا لگتا ہے کہ اپنے افکار و خیالات کی تشہیر کے لئے اپنے زمانے کے تیز اور اہم ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنا، بالغ نظری اور زندہ قوموں کی علامت ہے۔ آج کے اس ہوشربا زمانے میں جبکہ ہمارے چہار جانب مسائل کو سیلاب ہے، مسلم

دشمن طاقتیں محاذ آرائی کررہی ہیں ہمیں بھی بدلتے وقت کے تقاضوں کے مطابق حکمت عملی اختیار کرنا چاہیے۔

☆اس زمانے میں یقیناً اعلیٰ حضرت کے شہر بریلی اور صوبے میں بھی کئی اخبار نکلتے ہوں گے لیکن آپ نے ممبئی سے نکلنے والے اخبار میں مضامین لکھ کر یہ سبق دیا ہے کہ جو ذرائع زیادہ وسیع اور مشتہر ہوں ان کا استعمال کرنا زیادہ مفید ہوا کرتا ہے۔کیوں وقت پر فتنہ کا سدباب ضروری ہے۔ورنہ وقت گزرنے پر فتنہ مزید طاقتور ہوجاتا ہے۔جیسا کہ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

سرچشمہ باید گرفتن بمیل
چوں پر شدنہ شاید گذشتن بپیل

ابتدا میں چشمے کا سوراخ ایک ایک سلائی کے ذریعے تو بند کیا جاسکتا ہے لیکن اگر وہ بھر گیا تو ہاتھی بھی اس کو بند نہیں کرسکتا۔

☆حساس موضوعات پر قوم کی اطلاع کے لئے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کئے جائیں چاہے اخبارات ہوں، مجالس دینیہ ہوں یا دیگر تقاریب!

اس لئے کہ مقصد اصلی قوم کی رہنمائی کرنا ہے، اس کے لئے ہر اسلامی تقریب میں یہ فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے۔

ترکوں کی حمایت کے لئے ایک مخلصانہ تجویز:

جس زمانے میں سلطنت عثمانیہ طرابلس (تریپولی لیبیا) میں اٹلی حکومت سے برسرپیکار تھی اسی کے کچھ وقت بعد ہی مغربی طاقتوں نے بلقان کے علاقے میں مقامی ریاستوں کو آگے بڑھا کر جنگ کا آغاز کردیا۔مغرب کے سازشی ذہن میں یہ بات تھی کہ دوطرف سے ہونے والے حملے سلطنت عثمانیہ کو کمزور کردیں گے اور کوئی ایک محاذ ضرور کمزور پڑے گا۔

مسلمانان عالم سلطنت عثمانیہ کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔برصغیر ہندوستان میں بھی سلطنت عثمانیہ سے بڑا جذباتی لگاؤ پایا جاتا تھا، اور یہ لگاؤ صرف عوام کا ہی نہیں تھا بلکہ خواص بھی سلطنت عثمانیہ کے خیر خواہ اور قدرداں تھے۔خود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سلطنت عثمانیہ کو بڑے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی عزت وعظمت اور غلبے کے لئے دعائیں فرماتے تھے۔

سلطنت عثمانیہ کے آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید خان (پیدائش 1842 وفات 1918ء) صاحب کی بڑی تعریف وتوصیف فرماتے، ملک العلما علامہ ظفرالدین رضوی، عثمانی خلیفہ سے اعلیٰ حضرت کی محبت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب ۱۳۲۷ھ میں انور بے وغیرہ نے سلطان المعظم عبدالحمید خان کے خلاف سازش کی اور ان کو تخت چھوڑنے پر مجبور کیا، اور سلطان المعظم نے دوراندیشی سے کام لیا اور بغیر ایک قطرہ خون بہائے ملک میں اس ''انقلاب عظیم'' کو ہونے دیا۔اگرچہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت انور بے وغیرہ کی کی اس حرکت کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔(کیوں کہ وہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ ان ترکی نوجوانوں میں محض یوروپ کی نقالی ہے اور امرھم شوریٰ کا ذکر صرف مسلمانوں کو موہنے کے لئے ہی کرتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت ترکی کو تباہ کیا تو خود بھی تباہ وبرباد ہوگیا)

مگر [اعلیٰ حضرت] سلطان المعظم کی بہت تعریف کرتے تھے کہ

[انہوں نے] مسلمانوں کے خون کی قدر کی اور اپنی سلطنت واقتدار کی پروانہ کی۔" [حیات اعلیٰ حضرت: ج۲ص۱۳]

مذکورہ اقتباس پڑھ کر کئی اہم نکات سامنے آتے ہیں جن کو ہم ترتیب وار درج کرتے ہیں:

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ایک کثیر المشاغل شخصیت تھے۔ فقہ وافتا، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، اصلاح مسلمین اور خدمت خلق کے کاموں میں بے حد مصروف رہتے مگر اس کے باوجود حالات حاضرہ پر آپ پینی نگاہ رکھتے تھے اور عالم اسلام کے داخلی معاملات بھی آپ کی نگاہ سے اوجھل نہ تھے۔

☆ اعلیٰ حضرت کو سلطنت عثمانیہ اور ترک عوام سے بے حد محبت تھی، جیسا کہ مذکورہ اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے۔

☆ اعلیٰ حضرت بڑے دوراندیش اور صائب الرائے شخصیت تھے۔ آنے والے خطرات کو پہلے ہی بھانپ لیا کرتے تھے۔ اسی لئے جب ساری دنیا سلطان عبدالحمید کے خلاف تحریک چلانے والوں کی تائید کر رہی تھی تو آپ نے ان ترک نوجوانوں کو "یوروپ کا نقال" قرار دیا، اور آنے والے وقت نے بتا دیا کہ اعلیٰ حضرت نے جو کہا وہ بالکل درست تھا کہ مصطفیٰ کمال اور اس کے ساتھیوں نے سلطان کے ہٹتے ہی سب سے پہلے اسلام پر پابندی لگائی، یوں اعلیٰ حضرت کا شک صحیح ثابت ہوا اور کیوں ہوتا: ع

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔

☆ حالات چاہے جیسے ہوں لیکن کبھی بھی صرف خوشنما باتوں پر ہی بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ کبھی مخالف اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے بڑی لبھاؤنی اور خوش نما باتیں کرتا ہے۔ اگر انسان دقت نظر سے کام لے تو حقیقت تک پہنچ سکتا ہے جس سے ایک بڑے فتنے کو روکا جا سکتا ہے، بصورت دیگر خوش نمائی دکھانے والے دشمن جان وایمان ثابت ہوتے ہیں لیکن جب تک ان کی حقیقت کھلتی ہے تب تک اتنا نقصان ہو چکا ہوتا ہے کہ صدیوں تک اس کی بھرپائی نہیں ہو پاتی، جیسا کہ ترکی میں ہوا۔ عوام سے لیکر خواص تک سبھی نے مصطفیٰ کمال پاشا اور اس کے ساتھیوں کی ظاہری اسلام پسندی کو دیکھ کر سلطان عبدالحمید خان کی مخالفت کی لیکن جیسے ہی پاشا اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں اقتدار آیا وہ ساری خوشنما باتیں کافور ہو گئیں اور ملک میں اسلامیات پر پابندی لگا دی گئی۔

جنگ بلقان [۱] پر ترکوں کی امداد:

جنگ بلقان کے موقع پر جب بلقانی ریاستوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف جنگ شروع کی تو اس وقت پورے عالم اسلام میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ ہر شخص متفکر تھا، کہ ابھی کچھ وقت پہلے ہی طرابلس (لیبیا) پر حملہ ہوا تھا اور اب اتنی جلدی بلقان کی جنگ سر پر آن پڑی۔

ایسے نازک موقع پر مسلمانان ہند کے دل اپنے ترکی بھائیوں کے لئے بڑے بے چین تھے۔ خود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے ترک بھائیوں کے لئے بڑے غم زدہ تھے اس لئے آپ نے ان کی امداد کے لئے ایک مخلصانہ اور مدبرانہ فیصلہ فرمایا۔ مسئلہ چوں کہ بہت بڑا تھا اس لئے دائرہ امداد کا بڑا ہونا بہت ضروری تھا۔ یوں تو اعلیٰ حضرت انفرادی طور پر نہ جانے

کتنے لوگوں کی امداد و خبر گیری فرماتے تھے لیکن یہاں پوری قوم کا مسئلہ تھا اس لئے آپ نے مومنانہ جذبے کے ساتھ ترکوں کی مدد کے لئے جملہ ہندوستانی مسلمانوں سے ایک اپنی ایک ماہ کی آمدنی دینے کا اعلان فرمایا۔ اور سب سے پہلے خود ایک ماہ کی آمدنی اپنے ترک بھائیوں کے لئے پیش فرمائی۔

اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے مسلمانانِ ہند کو آواز دیتے ہوئے لکھا:

''.........اب بھی اگر تمام ہندوستان کے جملہ مسلمان امیر فقیر غریب، رئیس اپنے سچے ایمان سے ہر شخص اپنے ایک ماہ کی آمدنی دے دے تو گیارہ مہینوں کی آمدنی میں بارہ مہینہ گزر کر لینا کچھ دشوار نہ ہو۔ اور اللہ عزوجل چاہے تو لاکھوں پونڈ جمع ہوجائیں۔'' [حیات اعلیٰ حضرت: ج۲ص۲۲]

اللہ اکبر! یہ تھا اعلیٰ حضرت کا جذبہ رفاہ و امداد کہ ترک بھائیوں کی امداد کے لئے آپ کتنا مدبرانہ اور کتنا شاندار طریقہ تجویز فرماتے ہیں:

☆ ہر مسلمان اپنی ایک ماہ کی کمائی اپنے ترک بھائیوں کے لئے پیش کرے۔

☆ کسی بھی انسان کے لئے 11 مہینے کی کمائی میں 12 مہینے گزارنا کوئی خاص مشکل کام نہیں ہے۔

☆ اس طرح کسی ایک پر زیادہ بوجھ بھی نہیں پڑے گا اور ترکوں کے لئے لاکھوں روپے جمع ہوجائیں گے۔

☆ یہ طریقہ اتنا آسان ہے کہ اس پر ہر شخص چاہے وہ امیر ہو یا غریب، مالک ہو یا مزدور، سبھی عمل کرسکتے ہیں۔

☆ اعلیٰ حضرت کی سخاوت اور اہل اسلام سے سچی محبت اظہر من الشّمس دکھائی پڑتی ہے۔

☆ مسلمانوں کو دیگر اہل اسلام کے ساتھ جذبہ خیرخواہی سکھاتے ہیں اور اخوت اسلامی کا سبق یاد کراتے ہیں۔

حاشیہ [ا] یہاں قارئین کی معلومات کے لئے جنگ بلقان کا مختصر سا تذکرہ تحریر کرتے ہیں تاکہ معاملے کے سارے پہلو روشن ہوسکیں۔

بلقان کا تعارف:

بلقان (Balkans) جنوب مشرقی یوروپ کے خطے کا تاریخی و جغرافیائی نام ہے۔ اس علاقہ کا رقبہ پانچ لاکھ مربع کلومیٹر اور آبادی تقریبا 55 لاکھ ہے۔ اس خطے کو یہ نام کوہِ بلقان کے پہاڑی سلسلے پر دیا گیا جو بلغاریہ کے وسط سے مشرقی سربیا تک جاتا ہے۔

جنگ بلقان کی شروعات مغربی ذہنوں کی سازش کا نتیجہ تھی۔ ایک طرف مصطفیٰ کمال، عصمت انونے، انور پاشا جیسے ترک نوجوان سلطان عبد الحمید کے خلاف داخلی سطح پر تحریک چھیڑے ہوئے تھے، اور سلطان سے پارلیمنٹ بنانے کے مطالبے پر بضد تھے۔ اسی وجہ سے بیرونی طاقتوں کو سنہرا موقع ہاتھ آیا اور انہوں نے پہلے طرابلس (لیبیا) پر حملہ کیا، جب اس حملہ میں اٹلی کو ہزیمت اٹھانا پڑی تو جنگ بلقان شروع کردی گئی۔

بلقانی ریاستیں بلغاریہ، سربیا، نیگرو، یونان اور مونٹی جیسی ریاستوں پر مشتمل ''بلقان لیگ'' نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف 1912ء میں اعلان جنگ کردیا۔ ترکی داخلی محاذ پر بکھرا

ہوا تھا۔ایک طرف طرابلس میں جنگی ماحول تھا تو دوسری طرف بلقانی ریاستیں برسر پیکار تھیں۔

یہ دور خلافتِ عثمانیہ کے لیے بہت کٹھن ثابت ہوا، ترکی کو پے در پے شکست کا سامنا کرنا پڑا، مقدونیہ اور تھریس (ترا قیا) چھن گئے، ادرنہ (ایڈریانوپل) طویل محاصرے کے بعد سپر انداز ہوگیا۔اورتو اور خود استنبول خطرے میں پڑ گیا۔

آخری بات:

محترم قارئین!!

گذشتہ سطور سے یہ بات خوب روشن ہو چکی ہے کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت جہاں اپنے علم وفن، فقہ وافتا اور ارشاد وسلوک کے حوالے سے مشہور ومعروف ہیں وہیں آپ خدمت خلق، امداد مسلمین اور غربا پروری میں بھی اس مقام پر فائز ہیں جو حضور سید عالم ﷺ کا پسند فرمودہ اور بندگان خدا کی فلاح و بہبود کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

آج جبکہ مغربی دنیا اپنے پروپیگنڈہ کے زرو پر یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی ہے کہ خدمت خلق کا تصور ان کا ایجاد کردہ ہے۔ایسے ماحول میں اس بات کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی رفاہی خدمات کو اکیڈمک انداز اور مناسب اسلوب میں دنیا کے سامنے پیش کریں اور بتائیں کہ اے اہل مغرب! تم نے رفاہ وامداد کو محض اپنے مفادات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے کہ اسی کے ذریعے تم لوگ غریب ممالک کے داخلی معاملات میں دخیل ہوتے ہو۔جھوٹی بیماریوں کا پروپیگنڈہ پھیلا کر کسی ملک کی عوام کو خوف زدہ کرنا اور بعد میں مسیحائی کے نام پر کچھ دن امداد کر کے اپنی کمپنیوں کے توسط سے لوگوں کی جیبیں خالی کرنا تمہارا محبوب مشغلہ ہے، لیکن اسلام میں اللہ کے بندوں کی خبر گیری کو عبادت کا درجہ دیا ہے۔اور عبادت وہی خالص ہوتی ہے جو دنیوی غرض سے پاک ہوتی ہے۔اسی لئے ہمارے نبی محتشم ﷺ نے اپنی پیاری زندگی سے ہمیں بلاغرض فلاح عوام کے کاموں کی ترغیب عطا فرمائی۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت اپنے محبوب صادق ﷺ کے سچے غلام اور پکے عاشق تھے اس لئے انہوں نے امداد مسلمین اور غربا پروری کو اپنی زندگی کا ایک لازمی امر بنائے رکھا اور تاحین حیات اس پر عمل کرتے رہے اور بوقت وصال بھی غربا کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کی تلقین فرمائی جس کی تفصیل آپ کے وصایا شریف میں مذکور ہے۔

آج جبکہ امام احمد رضا کے وصال کو ایک صدی ہو چکی ہے۔زمانے بھر میں امام کے صد سالہ عرس کی تقریبات منعقد کی جارہی ہیں تو ایسے میں وابستگان رضویہ اور جملہ محبین اعلیٰ حضرت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آپ کی زندگی کے ایسے ان چھوئے پہلوؤں سے بھی زمانے کو روشناس کرائیں تاکہ عوام کو پتا چل سکے کہ ہمارے قائدین نے ایمان وعقیدے کی بھی حفاظت کی ہے اور بوقت ضرورت ان کے گھروں کی کفالت بھی کی ہے۔اور اس شان سے کی ہے جس کو پڑھ کر بے اختیار یہی کہنا پڑتا ہے۔ ع

جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں۔

☆

امام احمد رضا کے اسلامی تعلیمی افکار

از۔ مولانا غلام مصطفیٰ رضوی، نوری مشن مالیگاؤں

علم اور تعلیم کی اشاعت وفروغ میں مسلمانوں نے جو کردار انجام دیا اس کے معترف اغیار بھی ہیں، مسلمانوں نے قرآنی احکام کی بنیاد پر خدمتِ علم کی، چنانچہ جانسن (Johnson) لکھتا ہے: ''یہی (قرآنی) پیغام ایک تعمیری قوت کے طور پر وجود میں آیا، اور عیسائی دنیا میں بہ طور نور (علم) پھیل گیا اور جہالت کی ظلمت کو دور کر گیا۔'' (تبرکات عالمی مبلغ اسلام، ص۴۹۳)

قرآن مقدس نے جہاں انسان کو معبودِ حقیقی سے قریب کیا وہیں علم سے بھی رشتہ استوار کیا، اس کا یہ اعجاز ہے کہ ہر دور میں اس کی رہ نمائی نے انسانیت کی زلفِ برہم کو سنوارا، اس کے قوانین کی روشنی میں مسلمان علما نے علومِ جدیدہ کی بنیاد ڈالی، ایمانل ڈوش (Emmanuel Deutsch) کے الفاظ میں: ''قرآن مجید میں سائنسی مطالعہ پر زور مذاہب عالم میں بالکل منفرد ہے۔''...... مسلسل سازشوں کے نتیجے میں ایک دور وہ آیا کہ مسلمانوں کا علم سے متعلق مزاج بدل گیا، وہ احساس کم تری کا شکار ہو گئے، ہندوستان میں جب کہ مغلوں کا سورج غروب ہوا اور انگریز غالب آئے تو انگریزوں نے مدارس کو بھی مفلوک الحال کر چھوڑا۔ نتیجے میں مدارسِ اسلامیہ زوال سے دوچار ہو گئے۔ اس تنزلی نے فکری سطح کو بھی مجروح کیا، اور پھر سازشوں کے بطن سے علم کا جو تصور اُبھرا اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ ڈاکٹر محمد یوسف کے بہ قول:

''مغربی استعمار نے بھی اولین مرحلے میں مسلمانوں کی فکری ونظری اساس پر حملہ کیا۔ اور اس کے لیے انھوں نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کے اندر تشکیک و الحاد، اپنے مخصوص نظریۂ اباحیت وعریانیت اور تجدد پسندی کے اثرات پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ نصوصِ قرآن وسنت میں من مانی تاویلیں کرنے کی سوچ کی سرپرستی کرتے ہوئے اسے پروان چڑھایا۔''

(ضیاے حرم لاہور فروری ۲۰۰۱ء، ص۳۴)

تجدد پسندی کے اثرات سے ابوالکلام آزاد جیسے لیڈر بھی خود کو محفوظ نہ رکھ سکے، اور اسلامی نظام تعلیم جسے انھوں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں ''درس نظامیہ'' کی شکل میں سیکھا تھا سے متعلق لکھ دیا: ''پھر اس تعلیم کا حال کیا تھا جس کی تحصیل میں تمام ابتدائی زمانہ بسر ہوا! اس کا جواب اگر اختصار کے ساتھ بھی دیا جائے تو صفحوں کے صفحے سیاہ ہو جائیں......''

(غبار خاطر، ص۹۷)

...... یہ تھا فکری انحطاط وزوال کا نمونہ۔

ایسے دور میں جب کہ اسلامی نظام تعلیم سے ذہنوں کو متنفر

اورفکروں کو پراگندہ کیا جا رہا تھا امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) نے مسلمانوں کی سوچ وفکر کو اسلام کی طرف مائل کیا اور حوصلوں کو سہارا دیا، اس کا اندازا آپ کے افکار وتحریرات کے مطالعہ سے ہوتا ہے، آپ نے اُس دور کی یاد تازہ کر دی جس میں امام غزالی وامام سیوطی جیسی با کمال شخصیات علم وفن کے دریا بہارہی تھیں، امام احمد رضا چاہتے تھے کہ مسلمان علم دین حاصل کرے اور پھر معاصر علوم سے بھی آراستہ ہولے۔ اور یہ سوچ ایسی ٹھوس تھی کہ اس سے ایک طرف ایمان بھی محفوظ رہتا اور دوسری طرف قوم کو جدید و قدیم علوم سے آراستہ باصلاحیت افراد بھی میسر آتے۔ اسی نوع کا ایک معاملہ پیش ہوا کہ تعلیم انگریزی وہندی کی مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ تو ارشاد فرمایا:

''اگر جملہ مفاسد سے پاک ہوتو علوم آلیہ مثل ریاضی و ہندسہ وحساب و جبر ومقابلہ وجغرافیہ وامثال ڈلک ضروریاتِ دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی ممانعت نہیں، کسی زبان میں ہواور نفسِ زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ، ج۲۳،ص۷۰۶)

جوقومیں اپنے اسلاف کی راہ سے ہٹ جاتی ہیں وہ تباہ ہو جاتی ہیں، پھر سوچنے کی بات ہے کہ مسلمان دین کا علم چھوڑ کر کس طرح دوسرے علوم ہی کو مقصد قرار دے سکتا ہے؟ تاریخ اسلامی میں ہر نمونہ شخصیت اول علم دین ہی سے آراستہ نظر آتی ہے اور پھر دوسرے علوم میں بھی ممتاز۔ اور پھر مذکورہ اقتباس میں جو ''مفاسد سے پاک علم'' کی شرط لگائی گئی ہے وہ غیر ضروری نہیں، اس لیے کہ استعماری قوتوں نے جہاں اسلامی علوم سے مسلمانوں کو دور کرنے کی کوشش کی وہیں جدید علوم میں ایسے نظریات کو رواج دیا جو اسلامی عقاید سے متصادم ومتعارض تھے۔ امام احمد رضا کا یہ فکری نکتہ نیا نہیں امام غزالی (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ) نے بھی علوم کو دو انواع میں تقسیم کیا ہے: (۱) محمود (۲) مذموم...... امام احمد رضا کی تعلیمی فکر علوم محمودہ کے حصول پر زور دیتی ہے اور وہ علوم جن سے عقاید کمزور ہوں یا سوچ منفی بنے، اور ایمان وعقیدے میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ان سے آپ بچنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اسی لحاظ سے انگریزی تعلیم کے پڑھنے پڑھوانے سے متعلق یہ فکر دیتے ہیں جس میں اعتدال وتوازن بھی ہے:

''یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے دین واخلاق ووضع پر اثر نہ پڑے، اسلامی عقاید وخیالات پر ثابت ومستقیم اور مسلمانی وضع پر قائم رہے۔ ان سب شرائط کے اجتماع کے بعد جائز رزق حاصل کرنے کے لیے (انگریزی پڑھنے میں) حرج نہیں۔''

(مرجع سابق، ص۱۰۷)

استعماری نظام تعلیم کا مقصد برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی کے مطالعہ سے بھی ہوتا ہے اس کا ایک نکتہ اس طرح ہے:

''کمپنی کی حکومت کا واضح مقصد انگریزی زبان اور مغربی علوم کو ہندوستان میں رائج کرنا (ہے) تاکہ یہاں کے لوگ ''مغربی تہذیب'' اور ''مغربی مذہب'' کو قبول کریں۔''

(ضیاے حرم لاہور فروری ۲۰۰۱ء، ص۳۵)

بات اگر صرف انگریزی زبان کی ہوتی تو کوئی تعجب نہیں تھا، مگر یہاں مقصد ''مغربی مذہب'' عیسائیت کی تبلیغ ہے، امام احمد رضا کی فراست ایمانی دیکھ رہی تھی کہ ''مغربی نظام تعلیم'' میں کچھ مستور ہے اسی لیے آپ نے علوم جدیدہ کے حصول کی اجازت دی تو علم دین حاصل کر لینے کے بعد تاکہ غیر اسلامی نظریات سے آگہی بہ آسانی ہو، اور جو باتیں خلافِ اسلام ہوں ان کی تردید کی جا سکے۔ اور آج تو علوم میں کس قدر غیر اسلامی افکار پڑھائے جاتے ہیں یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اقبالؔ نے کہا تھا:

یورپ میں بہت روشنیِ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

سر سید نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انگریزی حکومت کی طرف سے عیسائیت کے پرچار اور مغرب کی عریاں تہذیب کی خفیہ مہم تعلیم سے مربوط چھیڑی گئی تھی جس کا اظہار ''اسباب بغاوت ہند'' میں ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''لڑکیوں کی تعلیم کا بہت چرچا ہندوستان میں تھا اور سب یقیناً جانتے تھے کہ سرکار کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیاں اسکولوں میں آئیں اور تعلیم پائیں اور بے پردہ ہو جائیں۔'' (اسباب بغاوت ہند، ص ۱۲۶)

مغربی نظام تعلیم کا ایک اور مقصد یہ تھا کہ ''جدید تعلیم کے زیور سے آراستہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو اسلام اور اسلامی اقدار سے اعلان برأت نہ کرے تو کم از کم اظہار نفرت تو کرے۔'' (ضیائے حرم لاہور فروری ۲۰۰۱ء، ص ۴۴)

آج منظر نامہ اس کی تصدیق کر رہا ہے کہ خود کو مسلمان کہنے اور کہلوانے والا ایک ماڈریٹ طبقہ اسلامی اقدار و تہذیب سے بےزار نظر آتا ہے، اس کے مشاہدات ہمیں آئے دن دیکھنے میں آتے ہیں۔ مثلاً:

☆ مسلم پرسنل لا سے متعلق بہت سے دانش ور قسم کے افراد اسلامی احکام سے جدا غیر اسلامی نظریے کی تائید کرتے ہیں۔

☆ شرعی احکام و مسائل میں اپنی عقل کی بات لاتے ہیں۔

☆ حجاب کے مسئلے میں بھی، اسے ''قدآمت پسند'' ''فرسودہ علامت'' بھی قرار دینے والوں میں بعض کلمہ گو نظر آتے ہیں۔

☆ سود سے متعلق اسلامی حکم سے خلاف کرنے والے بھی بہت سے کلمہ گو ہیں۔

(یہ حقیقت ہے کہ ایسا طبقہ ۲۰۰۹ء کی The Royal Islamic Strategic Studies Center کی سروے رپورٹ کے مطابق ایک فی صد ہے۔ مگر ان کے جراثومے مسلم معاشرے میں اپنے دامن پسار رہے ہیں۔)

استعماری نظام تعلیم کے زیر اثر الحاد کو راہ ملی...... امام اہل سنت اسی سے قوم کو بچانا چاہتے تھے۔ اقبالؔ نے الحاد کے پس منظر میں کہا تھا:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

مسئلہ دراصل یہ تھا کہ انگریز اپنے نظام تعلیم کے توسط سے مسلمانوں کو ذہنی غلام بنا رہا تھا۔ فکر مرتی ہے تو قوم مر جاتی ہے۔ امام احمد رضا اسلامی سوسائٹی کو اس کی فکری اساس کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے ہر اس عمل کی آپ نے مخالفت فرمائی جس سے ہمارے دینی تشخص کو خطرہ لاحق ہو۔

امام اہل سنت کے نزدیک تعلیم کا مقصد ''خدا رسی و رسول شناسی'' ہے، اور بقول استاذ سلیم اللہ جندران: ''آپ تعلیم برائے تفہیمِ دین کے قائل ہیں۔''......استعماری نظام تعلیم کے مقابل آپ کے نظریات دین کے فکری سرمائے کی حفاظت کے لیے نہایت اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھیں وجوہ سے اسلامی دنیا میں آپ کے عہد میں آپ کے پائے کا کوئی ماہر تعلیم نظر نہیں آتا...... مغربی فکر کے مقابل آپ کی ذات غزالیِ عصر نظر آتی ہے، اور بعض دانش وروں نے جو اپنے دور کا بوحنیفہ کہا وہ مطالعے کے آئینے میں دیکھتے ہیں تو درست پاتے ہیں۔

فرنگی اثرات کے تحت ہی آپ نے کالج کی تعلیم کے سلسلے میں شریعت کے پاس ولحاظ کی قید لگائی ہے، جہاں آپ نے علومِ جدیدہ کے حصول کی ترغیب دی وہیں شریعت کے اصولوں کی پاس داری کا درس بھی دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''کالج اور اس کی تعلیم میں جس قدر بات خلافِ شریعت ہے اس سے بچنا ہمیشہ فرض تھا اور ہے، جہاں تک مخالفتِ شرع نہ ہو اس سے بچنا کبھی بھی فرض نہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ قدیم، ج ۶، طبع ممبئی ص ۱۷۱)

یہ ایک عقلی بات ہے کہ جو قائد ہوگا وہ اپنی مذہبی و قومی روایات کا پاس دار ہوگا، اور اس میں معمولی لچک بھی اسے گوارا نہ ہوگی۔ امام احمد رضا ملت اسلامیہ کے قائد تھے، انھوں نے قیادت بھی خوب نبھائی جب کہ بڑے بڑے پھسل گئے تھے اس وقت آپ نے اسلامی نظام تعلیم و معاشرہ کے تشخص کو بچایا اور اسلام کی اس روایتی سوسائٹی کو قایم رکھا جو ہمارا آئیڈیل رہی ہے۔ اور ہماری اسلامی شان کی مظہر بھی۔ اس سلسلے میں آپ نصاب سازی میں اسلامی فکر و روایات کی پاس داری پر زور دیتے ہیں۔

آپ کی خدمت میں ایک سوال اسی قسم کا کوچین مالا بار سے آیا جس میں پوچھا گیا کہ: آج کل مسلمان جو تکمیل یونی ورسٹی کی کوشش کرتے ہیں اور چندہ فراہم کرتے ہیں وہ ثواب ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے چند شرائط اسلامی رو سے ذکر کیں اور ان بنیادوں پر یونی ورسٹی کے تعاون کی اجازت دی۔ جنھیں نمبر وار درج کیا جاتا ہے:

''اگر یہ بات قرار پائے اور اس کے افسر عہدہ داران اس کا پورا ذمہ قابل اطمینان کریں کہ (۱) اس کا حصہ دینیات صرف اہل سنت و جماعت کے متعلق رہے گا، (۲) جن کے عقاید مطابق علماے حرمین طیبین ہیں، انھیں کی کتب نصاب میں ہوں گی، (۳) انھیں کے علما مدرسین ہوں گے، (۴) انھیں کی تربیت میں طلبا رہیں گے، (۵) غیروں کی صحبت سے ان کو (طلبا کو) بچایا جائے گا، (۶) روپیہ جو اہل سنت سے لیا جائے گا

صرف اسی کام میں صرف کیا جائے گا۔

اس وقت اہل سنت کو ان میں داخل ہونا جائز اور باعث ثواب ہوگا، اور جو کچھ اس میں دیا جائے گا صدقۂ جاریہ ہوگا۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۳، ص ۶۸۴۔۶۸۵)

فکری حملہ ظاہری حملے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، استعماری قوتوں نے اسی رُخ کو اختیار کیا کیوں کہ وہ جہدِ مسلسل کے بعد بھی اسلام کی شمع بجھا نہ سکے، انھوں نے فکری حملے شروع کیے اور جدید علوم کے توسط سے صہیونی افکار کو نصابِ تعلیم کا حصہ بنایا اسی وجہ سے امام احمد رضا نے مذکورہ اقتباس میں اسلامی اصولوں کو فایق رکھتے ہوئے یونی ورسٹی کی اعانت اور اس میں حصول علم کی اجازت دی...... پھر ایک پہلو یہ بھی آتا ہے کہ جب ہمارے یہاں سب کچھ موجود ہے تو مخالفینِ اسلام کے مرہونِ منت کیوں بن رہے ہیں؟ اس پہلو سے امام احمد رضا نے قوم کو ماضی کی حوصلہ افزا تاریخ کا اشارہ دیا ہے کہ اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ اور اپنے اسلاف کے نظام تعلیم کو عام کرو، کیوں ہم غیر کے محتاج بن رہے ہیں، تعجب خیز انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

"سائنس میں وہ باتیں ہیں جو عقایدِ اسلام کے خلاف ہیں، بچوں کی تربیت دینے، تہذیب وانسانیت سکھانے کے لیے دنیا بھر میں کوئی مسلمان نہ رہا؟ عرب، مصر، روم، شام حتیٰ کہ حرمین شریفین کے علما و مشایخ میں کوئی اس قابل نہیں، ہاں! کمالِ مہذب وشیخ تربیت وپیرِ افادت بننے کے لایق یورپ کے عیسائی ہیں؟" (مرجع سابق)

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

امام احمد رضا قرآن مقدس کی روشنی میں سائنس کو پرکھنے کے قائل تھے، اسی لیے جن سائنسی دلائل کو قرآن مقدس کے مطابق پایا انھیں تسلیم کیا اور جنھیں قرآنی فیصلے سے متصادم پایا ان کی مخالفت کی، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"قرآن عظیم کے وہی معنیٰ لینے ہیں جو صحابہ وتابعین و مفسرین ومعتمدین نے لیے ان سب کے خلاف وہ معنیٰ لینا جن کا پتا نصرانی سائنس میں ملے مسلمان کو کیسے حلال ہوسکتا ہے۔"

(نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان، ص ۲۰، طبع کراچی)

مجھے اس مقام پر نومسلم مغربی دانش ور ڈاکٹر محمد ہارون (متوفیٰ ۲۰۰۸ء) کا وہ تبصرہ یاد آرہا ہے جس میں آپ نے فکرِ رضا کی ہمہ گیری اور فکرِ مغرب کی خامی کو سائنس کے تناظر میں واضح کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"امام احمد رضا (مغربی) سائنس کے مقابل اسلام کا دِفاع کرنے اور سائنس کی حدیں واضح کرنے کی کاوشوں کی وجہ سے عالمی اہمیت کی حامل شخصیت ہیں...... صرف امام احمد رضا کے افکار کو اپنا کر ہی مسلم دنیا اپنے تباہ کن حالات سے پیچھا چھڑا سکتی ہے...... اگر چہ وہ خود سائنس میں خاصی مہارت رکھتے تھے، لیکن اگر کوئی اسلام میں سائنس سے مطابقت پیدا کرنے کے

لیے کوئی تبدیلی لانا چاہتا تو آپ اسے ٹھوس علمی دلائل سے جواب دیتے......یہی امام احمد رضا کی عالمی اہمیت کی ایک دلیل ہے۔''

(امام احمد رضا کی عالمی اہمیت، مترجم ڈاکٹر ظفر اقبال نوری،ص ۸۔۹،طبع مالیگاؤں ۲۰۰۵ء)

مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کے خاتمہ کے لیے امام احمد رضا نے کئی تعلیمی منصوبے پیش کیے، معاشی جہت سے آپ کا ۱۹۱۲ء کا چار نکاتی منصوبہ ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' مطبوع ہے جس کے نکات پر آج بھی عمل ہو جائے تو مسلمان کسی غیر کے محتاج نہ ہوں گے، اور پھر کسی سچر کمیٹی کی رپورٹ ہمیں تعلیمی و ترقیاتی میدان میں ابتر و پست ثابت نہ کر سکے گی،ضرورت اس بات کی ہے کہ احساس کم تری اور مایوسی کے غار سے نکلیں اور آفاقی دین کے حامل ہونے کے ناطے علم وفن سے رشتے استوار کریں،امام احمد رضا کی یہی فکر تھی، تعلیم برائے خدمت و اشاعت حق حاصل کریں اور رزق کا دینے والا تو حق تعالیٰ ہے، اس لیے اسباب کے بجائے خالقِ اسباب پر بھروسا کریں، حسنِ نیت کے ساتھ ہم تعلیم کے میدان میں آگے بڑھیں گے تو کامیابیاں منزل کا پتا دیں گی:

ہر اِک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخیِ فکر و کردار کا

''ہے وہ امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ''

نتیجۂ فکر: سفیر رضا حضرت علامہ ابراہیم خوشتر علیہ الرحمہ

اعلیٰ حضرت قائد ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
داعیٔ مسلک اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نام سے وہ احمد کی رضا ہے کام سے جس کے راضی خدا ہے
سبحان اللہ! سورت و سیرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
دین سے بے دینوں کو بچا کر، سارے جہاں کو راہ دکھا کر
کی یوں دنیا بھر کی ہدایت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حب محمد، جانِ ایماں، عین ایماں، اصل ایماں
یہ ہے مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
جس کا عمل آئینہ سنت علم سراپا جس کا ہدایت
جو ہے مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اُن کے مقابل جو کوئی آیا وار یقیناً اس نے کھایا
یہ تھی ان کے علم کی ہیبت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
جس کو عرب نے جان لیا ہے، اپنا مجدد مان لیا ہے
وہ ہے رضا معیار ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
جو بھی ہوا گستاخِ محمد، ہے وہ یقیناً کافر و مرتد
کی جس نے ہر آن اشاعت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حامیٔ سنت کون رضا ہے ماحیٔ بدعت کون رضا ہے
ہے وہ امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عرس کی جس کے شان نئی ہے برکت ہر ہر آن نئی ہے
کہتے ہیں اس کو اہل محبت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
غوث کا نعرہ وردِ زباں ہے شیخ مرا احمد رضا خاں ہے
ہوں میں خوشتر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اعلیٰ حضرت اور شہزادگان اعلیٰ حضرت کی اربعین نویسی

تدوین حدیث کی مختصر تاریخ، اربعین نویسی کا اجمالی تعارف، حدیث اربعین کی تخریج، فنی واسنادی حیثیت اور چند مشہور اربعینات کے ساتھ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام اور مفسر اعظم ہند کی ''اربعینات'' کا جائزہ

از: محمد سلیم بریلوی، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

رسول اور احادیث رسول کی تشریعی حیثیت واہمیت:

اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ وہ نیست کو ہست بنائے، عالم امکان کو ''وجودی قبا'' زیب تن کرائے اور کائنات کی تخلیق فرمائے تو اس نے سب سے پہلے اپنے نور سے ہمارے آقا، نبی آخر الزماں، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا۔ انہیں ''خلیفۂ اول'' اور ''نائب مطلق'' کا منصب جلیل عطا فرمایا۔ انہیں اپنا محبوب، ''عالم امکاں کا شاہ'' اور ''خلق کا آقا'' بنایا۔ مگر اس کے ساتھ ہی دنیا میں آپ کو سارے انبیائے کرام کے بعد مبعوث فرمایا۔

سرزمین مکہ پر اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ کو ایک ''جامع منشور''، بے مثل وبے مثال ''دستور'' اور زندگی کے ہر شعبہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ایک ایسا کامل واکمل ''قانون'' بھی عطا فرمایا کہ جو ایک طرف تو کامیابی وکامرانی والی ''وسطی شاہراہ'' کی طرف انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے تو دوسری طرف انہیں ہر طرح کی روحانی وجسمانی، اور ذہنی وقلبی شفا بھی عطا فرماتا ہے۔ یہ وہی دستور وآئین ہے جسے ''کلام الٰہی''، فرقان مجید، قرآن کریم اور کتاب اللہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ اللہ کا ایسا کلام ہے کہ جس کے ''مخاطب'' ہمارے آقا خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ ظاہر ہے کہ متکلم کے کلام کے معانی ومفاہیم، رموز واسرار، اشارات ومجملات، منشاء ومقتضیات اور اس کی حقیقی مراد ''مخاطب'' کے علاوہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ اپنے کلام کے مجملات کی تفصیل، عام کی تخصیص، اطلاق کی تقیید، مشروط کی شرط، حکم منزل وموجود کا رفع ونسخ، کلیات، اصول کے جزئیات، کیفیات، احکام کے مکمل خدوخال، اوامر ونواہی کی مکمل کیفیات، معانی ومفاہیم کی تعیین، اس کی مراد کی تشریح وتفسیر اور اس کی توضیح وتبیین متکلم اپنے مخاطب ہی کو بتاتا ہے۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو:۔

اصول وکلیات اور امثال وقصص وغیرہ کی صورت

میں، فرشتہ کے واسطہ، لوح محفوظ سے براہ آسمان دنیا اللہ رب العزت کی جانب سے جو کلام الٰہی نازل ہوا اسے ''وحیٔ متلوٗ'' اور ''کتاب اللہ'' کہتے ہیں۔ من جانب اللہ، قلب رسول پر القا ہونے والے معانی ومفاہیم اور مضامین پر دلالت کرنے والے جو لعل و گہر آقا کریم ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے بصورت کلام جاری ہوئے، انہیں ''وحی غیر متلوٗ'' کے نام سے جانا گیا لیکن اگر اس '' وحی غیر متلوٗ'' کو آقا نے ''اللہ رب العزت'' کی جانب منسوب کرکے بیان کیا ہوتو اسے ''حدیث قدسی'' اور اللہ کی جانب اسناد کے بغیر یہ کلام فرمایا ہو تو اسے ''حدیث رسول'' کے نام سے جانا گیا۔

قرآن کریم کے معانی ومفاہیم بھی اللہ کے اور ان پر دلالت کرنے والے الفاظ وعبارات اور نظم قرآنی بھی اللہ ہی کی جانب سے آئی ہے۔ ایک کو کلام نفسی اور دوسرے کو کلام لفظی کہتے ہیں۔ کلام نفسی اللہ رب العزت کی صفت ازلی قدیم ہے اور کلام لفظی حادث ومخلوق ہے۔ اس کے برخلاف حدیث رسول کے معانی ومفاہیم اگرچہ اللہ کی جانب سے القا فرمائے گئے مگر معانی ومفاہیم پر دلالت کرنے والے الفاظ وعبارات ہمارے نبی ﷺ کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا آقا کریم ﷺ نے جو فرمایا، جو کیا، یا جسے برقرار رکھا وہ سب حکم الٰہی، منشائے خداوندی، وحی ربانی اور القائے خداوندی سے کیا۔ قرآن کریم اس کی طرف یوں اشارہ فرماتا ہے:

" وما ینطق عن الھویٰ۔ ان ھو الا وحی یوحیٰ "

(سورۂ نجم آیت ۳،۴ پارہ ۲۷)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی۔ (کنزالایمان)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اسی مفہوم کو اپنے ایک شعر میں یوں ادا فرماتے ہیں ۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا

چشمۂ علم وحکمت پہ لاکھوں سلام

حکمت کا مفہوم:۔

جہاں آقا کریم ﷺ اللہ کی جانب سے نازل ہونے والے کلام الٰہی، کتاب ربانی، قرآن مجید اور فرقان حمید کی تلاوت بھی فرماتے، صحابہ کو پڑھنا بھی سکھاتے وہیں اس کے رموز واسرار، ''مرادِ الٰہی'' کی تشریح وتوضیح اور تبیین و تعیین کے لئے اپنی زبان اقدس سے ''حکمت'' کے موتیوں کی '' بارانِ رحمت'' بھی فرماتے۔ لہٰذا کتاب ومتن کو ''قرآن'' اور شرح وحکمت کو ''حدیث'' کہا گیا۔ پتہ چلا کہ احادیث کریمہ کی عبارات اور اس کے الفاظ اگرچہ رسول کے ہیں مگر ان کے مطالب ومعارف یہ اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہیں جنہیں قرآنی زبان میں ''حکمت'' سے تعبیر

فرمایا گیا۔قرآن کریم میں ہے کہ:

"و انزل الله عليك الكتٰب والحكمة وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيماً"۔

(سورۂ نساء آیت: ۱۱۳/ پارہ۵/ رکوع:۱۴)

ترجمہ: اوراللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

" واذكرن ما يتلى عليكن فى بيوتكن من اٰيٰت الله و الحكمة"

(سورۂ احزاب آیت/۳۴/ پارہ ۲۲/ رکوع:۱)

ترجمہ: اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت۔

احادیث کریمہ کی صورت میں یہ حکمت بھی اللہ ہی کی جانب سے عطا فرمائی گئی تھی اس کی تصریح ابوداؤد شریف کی اس حدیث میں بھی ملتی ہے:

"الا انى اوتيت القرآن و مثله معه "

(ابوداؤد شریف)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے قرآن بھی عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ اس کا مثل بھی۔

اس حدیث میں واضح طور پر فرمایا کہ اللہ کی جانب سے قرآن کریم کی صورت میں ''وحی متلوٗ'' بھی نازل فرمائی گئی تھی اور احادیث کریمہ کی صورت میں ''وحی غیر متلوٗ'' بھی۔ جسے آقا نے" مثله معه" سے تعبیر فرمایا۔

ان دونوں آیتوں اور مذکورہ بالا ابوداؤد کی حدیث پاک میں حکمت سے مراد احادیث کریمہ اور اقوال رسول کے وہی معانی و مفاہیم ہیں کہ جو نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تفویض کئے جاتے اور کتاب اللہ کے علاوہ احادیث کریمہ کے یہ معانی ومفاہیم قرآن عظیم کی تشریح کے لئے اتارے جاتے۔ اسی وجہ سے کتاب کا ذکر الگ اور حکمت کا ذکر الگ کیا گیا۔ جہاں کتاب اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا وہیں حکمت نامی ان احادیث رسول کو بھی یاد کرنے کا حکم جاری فرمایا گیا۔جس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کتاب اللہ پر عمل ضروری ہے اسی طرح احادیث کریمہ پر بھی عمل پیرا رہنا لازمی اور واجبی امر ہے۔

رسول بحیثیت شارحِ قرآن:۔

ہمارے نبی ﷺ قرآن کریم کے جہاں'' معلم'' ہیں وہیں'' شارح اور مبین'' بھی ہیں۔قرآن کریم کو بغیر نبی ﷺ کے سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے احادیث کریمہ کی مدد حاصل کرنا ایک لازمی اور واجبی امر ہے۔اسی وجہ سے جس طرح قرآن کریم کے

احکام پرعمل لازم ہے اسی طرح احادیث کریمہ کو ماننا، تسلیم کرنا، ان پرعمل کرنا اور انہیں اپنی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ''دستور کامل'' بنانا لازم وضروری ہے۔ اگر چہ قرآن کریم میں ہر چیز کا ''روشن بیان'' ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

''تبیانا لکل شئ ''یعنی قرآن کریم میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔تو کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن میں نہ ہو لیکن ان تمام روشن بیانوں کو آقا کی مدد کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے کہ یہ ذمہ داری ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمائی گئی۔اسی لیے قرآن کریم کے مجملات اور اس کے نصوص کے محمل ومراد کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ہمیں آقا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا۔ ہمارے آقا کی اس حیثیت و اہمیت کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا:''وانزلنا الیك الذكر لتبين للناس مانزل اليهم''

ترجمہ:- اے نبی! ہم نے یہ قرآن تیری طرف اس لیے اتارا کہ تو لوگوں سے شرح بیان فرمادے اس چیز کی جو ان کی طرف اتاری گئی۔

احادیث کریمہ اور اقوال رسول کی اسی دینی و مذہبی حیثیت کو بتانے کے لئے قرآن کریم میں بہت سی آیتیں نازل فرمائی گئیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ من يطع الرسول فقد اطاع الله ۔

(النساء آیت ۸۰)

ترجمہ:۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

۲۔ وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله۔

(النساء آیت ٦٤)

ترجمہ:۔ ہم نے رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

۳۔فلا و ربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فی انفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما۔ (النساء آیت ۶۵)

ترجمہ:۔ تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جبتک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (کنز الایمان)

٤۔ وماكان لمومن و لا مؤمنة اذا قضى الله و رسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم۔ ومن يعص الله و رسوله فقد ضل ضلا لا مبينا۔

(الاحزاب آیت ٣٦)

ترجمہ: اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہونچتا ہے کہ جب اللہ ورسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ

بیشک صریح گمراہی بہکا۔(کنزالایمان)

رسول بحیثیت شارع اسلام:۔

ہمارے آقا ﷺ قرآن کریم کے صرف معلم و شارح ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں "تشریعی" اختیارات عطا فرما کر دین کا ''شارع'' بھی بنایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

"ومآ اتاكم الرسول فخذوه ج وما نهٰكم عنه فانتهوا ج"۔(حشر: آیت ۷)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔(کنزالایمان)

"قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني"

(آل عمران: آیت ۳۱)

ترجمہ: اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔(کنزالایمان)

"لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة"۔

(احزاب: آیت ۲۱)

ترجمہ: بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

(کنزالایمان)

"ويحل لهم الطيبٰت ويحرم عليهم الخبٰئث"

(اعراف: آیت ۱۵۷)

ترجمہ: اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔(کنزالایمان)

خود آقا ﷺ نے اپنے عمل کی پیروی کرنے کا یوں حکم دیا:

صلو كما رأيتموني اصلي۔(مسلم شريف)

ترجمہ: جیسے میں نماز پڑھوں ایسے ہی تم پڑھو۔

حدیث کی حجیّت:۔

واضح ہوا کہ ہمارے آقا، قرآن کریم کے ایسے مبین اور شارح ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے "تشریعی" اختیارات کے ساتھ دنیا میں مبعوث فرمایا۔ آپ کی تشریح، توضیح، تبیین، تفسیر، مجمل کی تفصیل، مراد کی تعیین، مبہم کی تبیین، مقید کے اطلاق اور مطلق کی تقیید کے بغیر احکام الٰہیہ کا فہم و ادراک ناممکن اور شریعت اسلامیہ پر عمل محال ہے۔ اس طرح محال ہے کہ احادیث رسول کے بغیر خدائی احکام اور ربانی اوامر و نواہی پر عمل کیا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ بہت سے دینی احکام وہ ہیں کہ قرآن کریم میں مذکور نہیں مگر وہ دین کا حصہ ہیں۔ شریعت انہیں ''واجب الاعتقاد'' اور ''واجب العمل'' قرار دیتی ہے۔ کیونکہ وہ وحی متلو تو نہیں مگر وحی غیر متلو اور حکمت کا حصہ ہیں۔

ذرا غور فرمائیں کہ ''صلوٰۃ''، ''زکوٰۃ''، ''تیمّم''، ''حج'' اور ''عمرہ'' جیسے یہ الفاظ ''عربی زبان'' کے ہیں مگر ان

کا ''لغوی معنی'' کچھ اور ہے اور شرعی کچھ اور۔ان کے ان مخصوص شرعی معانی کی تعیین کس نے کی؟ ظاہر سی بات ہے کہ ان الفاظ کے یہ مخصوص معانی ہمیں رسول ہی کی جانب سے ملے۔اگر احادیث کریمہ نہ ہوتیں تو ان کے یہ مخصوص معانی ہمیں کیسے میسر ہوتے؟ ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ لفظ صلوٰۃ سے قیام، رکوع، سجدے کی یہ مخصوص ہیئت مراد ہے؟ اذان سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کی اس پوری ''ہیئت کذائیہ'' کی معرفت ہمیں قرآن سے نہیں بلکہ حدیث سے ہوتی ہے۔اسی طرح حج، زکوٰۃ وغیرہ کی مکمل تفصیلات اور یہ معروف طریقہ ہمیں قرآن نے نہیں بلکہ حدیث نے سکھایا ہے۔نیز خود قرآن کریم میں بے شمار ایسی آیتیں ہیں کہ جن کے معانی و مفاہیم ان کے پس منظر اور ان کے شان نزول کے بغیر سمجھنا ناممکن ہیں۔تو ان آیات کے شان نزول اور ان کے پس منظر کی بھی معرفت ہمیں احادیث کریمہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔اگر احادیث کریمہ نہ ہوں تو قرآن کریم انسانوں کے لئے ایک ''چیستاں'' بن کر رہ جائے گا۔

اسی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پر واجب قرار دی گئیں۔احادیث کریمہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسے دین کا لازمی جزء بنا دیا گیا۔جس طرح قرآن کریم دین و مذہب کی اساس، شریعت اسلامیہ کا مصدر، منبع و سرچشمہ، دلیل شرعی، واجب العمل اور واجب الاعتقاد ہے اسی طرح احادیث کریمہ بھی مذہب اسلام کی اساس و بنیاد، شریعت اسلامیہ کا مصدر، دلیل شرعی، منبع و سرچشمہ، واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہیں۔

احادیث کریمہ کی حفاظت میں صحابہ کرام کے جذبہ و اہتمام کے اسباب

صحابہ کرام جس طرح قرآن کریم کی جمع و تدوین، حفظ و کتابت، حفاظت و صیانت اور اس کے ادب و احترام میں کوشاں رہتے، دلچسپی رکھتے اور جدوجہد کرتے اسی طرح وہ احادیث کریمہ کو جمع کرنے، انہیں یاد کرنے، انہیں مرتب و مدون کرنے، انہیں لکھنے، ان کی ترویج و اشاعت کرنے، ان کی افہام و تفہیم، درس و تدریس اور نو پید مسائل میں ان سے استناد و استشہاد کے سلسلہ میں نہایت جدوجہد کرتے، کوشاں رہتے، جانفشانی کرتے، ہر کام سے بڑھ کر اس کام کو اہمیت دیتے۔خود بھی اہتمام کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلاتے۔ایک دوسرے سے احادیث کریمہ کا دورہ و مذاکرہ کرتے، انہیں حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرتے اور ان کے حصول کے لئے دور دراز کا سفر کرتے۔

مثال کے طور پر حضرت جابر کہ جنہیں بے شمار

احادیث کریمہ یاد تھیں۔آج ہمارے پاس ان کی مرویات ایک ہزار پانچ سو چالیس ہیں۔اس کے باوجود انہیں معلوم ہوا کہ ایک دور دراز کے خطہ میں کسی صاحب کے پاس ایک حدیث رسول ہے تو اس کی تحصیل کے لئے انہوں نے ایک مہینہ کی مسافت طے کی۔اس طرح کی بہت سی مثالے ملتی ہیں۔

عہدِ صحابہ میں حفظ حدیث:

احادیث کریمہ کو یاد رکھنے،ان کو جمع کرنے،ان کی ترویج و اشاعت اور ان کی تبلیغ و ترسیل میں صحابہ کرام کے شوق، جذبہ، ولولہ اور اہتمام و انتظام کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

☆حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور ﷺ سے حدیثیں سنتے۔آپ کے مجلس سے تشریف لے جانے کے بعد ہم آپس میں حدیثوں کا دورہ کرتے۔ اس کی صورت یہ ہوتی کہ ایک دفعہ ایک آدمی ساری حدیثیں بیان کرتا، پھر دوسرا پھر تیسرا۔کبھی کبھی تو ساٹھ ساٹھ آدمی ہماری محفل میں ہوتے اور سب باری باری ایک ایک کر کے یہ حدیثیں بیان کرتے۔اس طرح دورہ کرنے کے بعد جب ہم مجلس سے اٹھتے تو یہ احادیث کریمہ ہمیں اس طرح یاد ہوتیں گویا کہ انہیں ہمارے دلوں میں جاگزیں کر دیا گیا ہو۔

(مجمع الزوائد جلد ۱ر صفحہ ۱۶۱ مفہوما)

☆اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی بیان ہے کہ ہم فرض نمازوں کے بعد عہد نبوی میں مسجد میں بیٹھ جاتے پھر قرآن پاک اور احادیث کریمہ کا دورہ کرتے۔

(مستدرک للحاکم جلد ۱ صفحہ ۹۴ مفہوما)

☆حضرت ابوسعید خدری کا بھی بیان اسی سے ملتا جلتا ہے کہ صحابہ کرام جب بھی کہیں آپس میں مل بیٹھتے تو ان کی گفتگو کا محور و موضوع اللہ کے رسول کی حادیث کریمہ ہوتیں یا قرآن پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کرتے یا تلاوت سنتے۔

(مستدرک للحاکم جلد ۱۔صفحہ ۹۴ ر مفہوما)

اس طرح کے بے شمار واقعات اسلامی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ احادیث کریمہ کو پڑھنے، پڑھانے، یاد کرنے، یاد کرانے، محفوظ رکھنے اور محفوظ کرانے میں صحابہ کرام غیر معمولی دلچسپی اور بے مثال جذبہ و لگن رکھتے تھے۔

عہد صحابہ میں کتابت حدیث:

صحابۂ کرام احادیث کریمہ کو صرف زبانی ہی یاد نہیں کرتے بلکہ لکھ کر بھی اپنے پاس انہیں محفوظ رکھتے۔خود بھی یہ کام کرتے اور دوسروں سے بھی اس کام کی تلقین کرتے۔

کتابت حدیث بھی کرتے اور حفظ حدیث بھی۔ چند مثالیں مندرجہ ہیں:

☆ حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبد اللہ ابن عمر کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے حلقہ درس میں آقا کے ارشادات لکھ رہے تھے۔ (مقدمہ فیض الباری)

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے حقوق انسانی کے تعلق سے جو بے مثال اور تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا اس کو ایک یمنی شخص نے تحریری شکل میں عطا کرنے کی گزارش کی تو آپ نے ابوشاہ نامی ان صاحب کو حقوق انسانی پر مشتمل وہ خطبہ لکھ کر دینے کا صحابہ کرام کو حکم دیا۔ (مقدمہ نزہۃ القاری)

☆ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے حدیث لکھنے کی اجازت خود آقا کریم ﷺ سے حاصل فرمائی تھی اور انہوں نے یہ حدیثیں ایک مجموعہ میں جمع کر کے اس کا نام ''صادقہ'' رکھا تھا۔ اس میں ایک ہزار حدیثیں تھیں۔

(بخاری جلد دوم۔ اصابہ حرف العین۔)

☆ ابوداؤد میں ہے کہ آقا ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں مسائل زکوٰۃ سے متعلق جملہ احادیث کریمہ یکجا طور پر قلم بند کروادی تھیں۔ جس کا نام ''کتاب الصدقہ'' تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے عہد خلافت میں اسے نافذ فرمایا۔

(ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۱۵۷)

☆ نبی کریم ﷺ نے احادیث کریمہ کا ایک ضخیم مجموعہ اہل یمن کے پاس حضرت عمرو بن حزم کی وساطت سے ارسال فرمایا تھا۔ (نسائی جلد دوم صفحہ ۲۴۷۔ مؤطا امام محمد)

☆ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں ہمام بن منبہ کے صحیفہ میں درج ہیں جو شائع ہو چکا ہے۔

☆ حضرت عبد اللہ ابن عباس کی حدیثوں کو ان کے شاگردوں نے تحریری شکل میں جمع کیا۔

☆ حضرت عبد اللہ ابن عمر کی روایات کو حضرت نافع نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔

☆ حضرت جابر کی حدیثوں کو قتادہ نے تحریری شکل میں محفوظ کیا تھا۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ کی مرویات کو حضرت عروہ نے تحریری شکل میں نقل کیا تھا۔

☆ حضرت انس نے اپنے بیٹے سے احادیث کریمہ نقل فرمائیں۔

(مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۱۵۲۔ الکفایہ فی علم الروایہ صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ۔ طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۲۷، مطبوعہ بیروت، تدریب الراوی صفحہ ۳۷، مطبوعہ مکتبہ علمیہ مفہوما واختصاراً)

اس طرح کے بے شمار واقعات ہمیں تاریخ میں ملتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ ہی میں احادیث کریمہ کی جمع و تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا۔

ان احادیث کریمہ کی جمع وتدوین کی صورت اگرچہ اس طرح نہیں تھی جیسی ہمارے زمانے میں پائی جاتی ہے۔ ان احادیث کریمہ کی مخصوص موضوع کے اعتبار سے ترتیب نہیں تھی۔ نہ ہی اس وقت سند کے ساتھ نقل وروایت کا چلن تھا۔ نہ ہی اس کی اس وقت ضرورت تھی۔ بلکہ بغیر کسی ترتیب کے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اپنی اپنی مرویات کو اپنے سینوں اور صحیفوں میں محفوظ کررکھا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بے مثال کارنامہ:۔

عہد تبع تابعین میں باقاعدہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کریمہ کی جمع وتدوین کے میدان میں نہایت ہی تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا۔ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں اس بے مثال کام کے لئے معتمد اور مستند ائمہ وعلما کا ایک بورڈ تشکیل دیا جن میں حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، قاسم بن محمد بن ابی بکر اور ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب زہری کے نام قابل ذکر ہیں۔آپ نے سارے اسلامی خطوں میں فرمان جاری کئے۔ اس کام کے لئے ذمہ دار لوگوں کو ہر علاقہ اور ہر خطہ میں بھیجا گیا۔ ہر علاقے کے گورنروں اور امراء وحکام کو احکام جاری کئے گئے کہ جہاں جہاں احادیث کریمہ کے مجموعے تحریری شکل میں ہوں تو انہیں ارسال کیا جائے اور اگر لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہوں تو ان سے نقل کیا جائے۔

اس طرح احادیث کریمہ کا ایک عظیم ذخیرہ جمع ہوگیا۔ پھر ابن شہاب زہری نے ان احادیث کریمہ کو مرتب، منظّم، منضبط اور مدون کرنے کا کام شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی ابن شہاب زہری ہی نے ان تمام احادیث کریمہ کو پہلی بار ان کی اسناد کے ساتھ مدون کرنے کا التزام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن شہاب زہری ہی کو ''علم اسناد'' کا ''واضع'' اور بانی قرار دیا گیا۔

احادیث کریمہ کے مجموعوں کی تدوین:۔

حضرت ابن شہاب زہری کے بعد ان کے قابل افتخار شاگردوں نے اس کام میں مزید نئے نئے آفاق تلاش کئے۔ اس میں بے مثال اضافے کئے۔ یہاں تک کہ دوسری صدی کے اخیر میں ان کے شاگرد رشید حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کریمہ کو ابواب کی ترتیب کے ساتھ جمع کرکے اس حسین گلدستہ کا نام ''مؤطا'' رکھا جسے ہم مؤطا امام مالک کے نام سے جانتے ہیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ''کتاب الآثار'' بھی اسی دور کی عظیم یادگار ہے۔ ابوالولید (م ۱۵۱ھ) کی سنن۔ امام سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) کی جامع، ابو سلمہ (م ۱۶۷ھ) کی مصنف،

ابوسفیان (م۱۹۷ھ) کی جامع ، عبد اللہ ابن مبارک (م۱۸۱ھ) کی اربعین جیسے احادیث کریمہ کے'' رنگا رنگ گلدستے''اسی دوسری صدی ہجری کی عظیم یادگاریں ہیں۔

تیسری صدی ہجری میں احادیث کریمہ کی جمع و تدوین کے میدان میں بے مثال وسعت اور تنوع پیدا ہوگیا۔'' گلستانِ حدیث'' میں متعدد قسم کے''خوشنما پھول'' کھلنے لگے۔متعدد اقسام اور مختلف رنگ و بو کے''بیل بوٹوں'' سے یہ'' گلستان حدیث'' سر سبز و شاداب ہوگیا۔ چنانچہ حضرت امام شافعی (م۲۰۴ھ) کی کتاب الام، احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) کی مسند، امام بخاری (م۲۵۶ھ) کی جامع صحیح، امام مسلم (م۲۶۱ھ) کی جامع صحیح۔ابوداؤد (م۲۷۵ھ) کی سنن، ترمذی کی (م۲۸۹ھ) جامع، ابن ماجہ (م۲۷۳ھ) کی سنن جیسے احادیث کریمہ کے یہ خوشنما، معطر اور''خوش رنگ گلدستے''اسی تیسری صدی ہجری کی ایسی یادگاریں ہیں کہ جن سے امت مسلمہ آج بھی اپنے ایمانی و عرفانی''گلشن'' کو تر و تازگی اور جلا بخش رہی ہے۔

احادیث کریمہ کی جمع و تدوین کی اس تاریخ میں احادیث کریمہ کے جو حسین و دلربا گلدستے وجود میں آئے انہیں مندرجہ ذیل ناموں سے''تاریخ علم حدیث'' نے اپنے اوراق میں محفوظ کر رکھا ہے۔

(۱) جامع (۲) سنن (۳) مسند (۴) معجم (۵) جز (۶) مفرد (۷) غریبہ (۸) مستدرک (۹) مستخرج (۱۰) رسالہ (۱۱) اربعین (۱۲) امالی (۱۳) اطراف۔

احادیث کریمہ کے معروف مجموعوں کا تعارف:۔

جامع: جامع وہ کتاب ہے جس میں مندرجہ ذیل یہ آٹھ مضامین ہوں۔

(۱) عقائد (۲) احکام (۳) تفسیر (۴) سیر و مغازی (۵) آداب (۶) مناقب (۷) فتن (۸) اشراط و علامات قیامت۔ جیسے بخاری، مسلم، ترمذی۔

سنن: سنن اس کتاب کو کہتے ہیں کہ جس میں ابواب فقہ کی ترتیب پر احکام سے متعلق احادیث ہوں۔ جیسے سنن ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ۔

مسند: مسند احادیث کریمہ کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں کہ جس کی ترتیب صحابہ کرام کے مراتب کے اعتبار سے ہو۔ جیسے مسند امام احمد بن حنبل۔

معجم: معجم احادیث کریمہ کے اس گلدستہ کو کہتے ہیں کہ جس کی ترتیب میں اساتذہ کے مراتب کا لحاظ ہو۔ جیسے معجم صغیر۔

جزء: جزء احادیث کریمہ کا وہ یک رنگی گلدستہ ہے کہ جس میں کسی ایک مسئلہ سے متعلق احادیث کریمہ مذکور ہوں۔ جیسے ''جزء قراءت''

مفرد: مفرد احادیث کریمہ کے اس حسین گلدستے کو کہتے ہیں کہ جس میں صرف ایک شیخ کی مرویات جمع ہوں۔ جیسے مفرد ابو راغب۔

غریبہ: غریب، احادیث کریمہ کا وہ مجموعہ ہوتا ہے جس میں صرف ایک تلمیذ کے مفردات مذکور ہوں۔

مستدرک: مستدرک حدیثوں کے اس مجموعہ کا نام ہے کہ جس میں ان احادیث کو درج کیا جائے جو کسی مصنف سے رہ گئی ہوں۔ جیسے حاکم کی مستدرک علی الشیخین۔

مستخرج: مستخرج حدیث پاک کے اس صحیفہ کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی اور کتاب کی احادیث کے ثبوت کے لئے اس کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دوسری سندوں کو ذکر کیا جائے۔ جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔

رسالہ: رسالہ حدیث کی وہ کتاب ہے کہ جس میں جامع کے آٹھوں عنوانوں میں سے مخصوص عنوانوں سے متعلق احادیث مذکور ہوں جیسے امام احمد کی کتاب الزہد والادب۔

اربعین: اربعین احادیث کریمہ کا وہ خوشنما گلدستہ ہے کہ جس میں چالیس احادیث ہوں۔ جیسے اربعین نووی۔

امالی: امالی حدیث کے اس ذخیرہ کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی شیخ کی لکھائی ہوئی احادیث یا فوائد حدیث ہوں۔ جیسے امالی امام محمد۔

اطراف: اطراف حدیث کی وہ کتاب ہے کہ جس میں حدیث کا کوئی ایسا جزء ذکر کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو۔ پھر اس حدیث کی تمام سندوں کو ذکر کر دیا جائے یا اس میں کچھ مخصوص کتابوں کی سندیں ذکر کی جائیں جیسے اطراف الکتب الخمسہ لابی العباس اور اطراف المزیٰ۔

احادیث کریمہ کی جمع وتدوین میں غیر معمولی دلچسپی کے اسباب:

ہر دور میں احادیث کریمہ کی نشر و اشاعت، جمع و تدوین اور زمانہ کے خرد برد سے ان کو محفوظ و مامون رکھنے کے لئے اس دور کے علما، صلحا، ائمہ، اہل نظر و فکر اور اہل فکر و دانش نے بے مثال خدمات بھی انجام دی ہیں اور ناقابل فراموش اہتمام، انتظام، شوق، جذبہ اور لگن کا ثبوت بھی پیش فرمایا ہے جس کے نتیجہ میں اس میدان کے اندر مختلف طریقوں کی جدت طرازیاں بھی پیدا ہوتی چلی گئیں پھر تو علم حدیث سے متعلق بہت سے علوم وفنون نے جنم لے لیا۔ موضوع وعناوین کا انتخاب ہوا۔ التزامی صورتیں بھی اختیار کی گئیں۔ مختلف خوشنما رنگوں سے اس کے خاکہ میں رنگ بھی بھرے گئے جس کی وجہ سے آج ہمارے پاس احادیث کریمہ کا یہ عظیم ذخیرہ اتنے خوشنما انداز میں موجود ہے۔ احادیث کریمہ کی اس خدمت اور اس لگن کا ایک بنیادی سبب تو وہی

ہے جس کا ذکر ماقبل میں تفصیل کے ساتھ ہوا کہ یہ احادیث کریمہ دین کی اساس، مذہب کا سرچشمہ اور شریعت اسلامیہ کا مصدر و منبع ہیں جن کے بغیر دین و مذہب اور شریعت اسلامیہ کی تکمیل ناممکن ہے۔ احادیث کریمہ کی اسی واقعی حیثیت کے مدنظر ہر دور میں ان کو محفوظ رکھنے اور ان کی ترویج واشاعت کرنے کا بے مثال جذبہ اپنی عملی شکل میں پایا جاتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی ان احادیث کریمہ کی تبلیغ وترسیل کے اس عظیم جذبہ کے پیدا ہونے کے پیچھے آقا کریم ﷺ کے ان ''مبشرات''، ''خوشخبریاں'' اور'' نوید جانفزاں'' کا بھی بنیادی اور اہم کردار ہے کہ جو احادیث کریمہ کے ذخیرہ میں ہمیں مختلف انداز میں ملتی ہیں۔ چنانچہ احادیث کریمہ کو دوسروں تک پہونچانے کے سلسلہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہمارے سامنے ہے جس میں آقا کریم ﷺ نے اپنی حدیثوں کو سننے، یاد رکھنے اور انہیں دوسروں تک پہونچانے کی یوں تلقین فرمائی۔

(۱) "اللھم ارحم خلفائی! قلنا: یا رسول الله! من خلفائك؟ قال الذین یاتوا من بعدی یرون احادیثی و یعلمونها الناس۔ نضر الله امرا سمع منا حدیثا فحفظه حتی یبلغه غیره۔

(ابو داؤد کتاب العلم جلد۲ صفحه ۱۲٦،ترمذی کتاب العلم جلد۲ صفحه ۹۰)

ترجمہ: اے اللہ! میرے خلفاء پر رحمت نازل فرما۔ ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے، میری حدیثوں کو روایت کریں گے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔ اس شخص کو اللہ رب العزت تروتازہ اور سرسبز وشاداب رکھے کہ جس نے میری حدیث سنی پھر اسے یاد کیا تاکہ دوسرے تک اسے پہنچائے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

(۲) بلغوا عنی ولو آیة و من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار۔

(بخاری صفحه ٤۹۱ / جلد۱)

ترجمہ: میری ہر حدیث دوسروں تک پہونچاؤ اگرچہ وہ چھوٹی سی ہی کیوں نہ ہو اور جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔

(۳) حدثوا عنی بما تسمعون ولا تقولوا الاحقا و من کذب علی بنی له بیتا فی جهنم یوقع فیه۔(طبرانی)

ترجمہ:۔ مجھ سے جو کچھ بھی سنو اسے روایت کرو مگر ہمیشہ سچ کہنا جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا اس کے لئے جہنم میں گھر بنایا جائے گا جس میں وہ جائے گا۔

(٤) ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم

بهمـا: كتٰب اللـه و سـنتـى۔ فمن حفظ شيئا فليحدث۔(مستدرك)

ترجمہ: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں:(۱) کتاب اللہ(۲) اپنی حدیث۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ جو میری حدیثوں کو یاد کرے تو انہیں دوسروں سے روایت بھی کرے۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں ارشادات کا یہ کمال تھا کہ صحابہ کرام اور بعد کے علما و ائمہ میں حدیثیں سننے، جمع کرنے اور علم حدیث کے ''دبستاں'' میں نئے نئے ''خوش رنگ'' و ''دلکش'' پودے لگانے کا ایسا والہانہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ وہ جی جان سے احادیث سننے، انہیں یاد رکھنے اور ان کی اشاعت میں لگے رہتے۔

اربعین نویسی

علم حدیث کی خدمت کرنے پر برانگیختہ کرنے، اس جانب شوق دلانے، اس کی ترغیب دینے، اس سلسلہ میں بے مثال جذبہ پیدا کرنے اور اس عظیم کام کو سرانجام دینے پر ابھارنے والی احادیث کریمہ میں ایک حدیث پاک وہ بھی ہے جس میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''چالیس حدیثوں'' کو امت تک پہنچانے پر عظیم بشارتیں سنائی ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابودرداء کی حدیث مندرجہ ذیل ہے:

''عـن ابـى الـدردآء قـال: سـئل رسـول الله صلی اللہ علیہ وسلم مـا حـد العلم الذى اذا بلغه الرجل كان فـقيهـا؟ فـقـال رسـول الله صلی اللہ علیہ وسلم: من حفظ عـلى امتى اربعين حديثا فى امردينها بعثه الـلـه فـقيهـا وكـنـت له يوم القيامة شافعا و شهيداً۔

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا گیا کہ اس علم کی حد کیا ہے کہ جس تک پہونچ کر آدمی فقیہ بن جاتا ہے؟ آقا نے جوابا ارشاد فرمایا: جس نے میری امت پر شفقت کرتے ہوئے امر دینی سے متعلق ۴۰؍حدیثیں یاد کیں تو اللہ تعالیٰ اسے فقیہ بنا کر اٹھائے گا۔ میں قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں گا اور اس کی گواہی دوں گا۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم صفحہ ۳۶؍شعب الایمان للبیھقی جلد دوم صفحہ ۲۷۰ حدیث نمبر ۱۷۲۶)

چالیس حدیثوں کے حفظ کا وسیع مفہوم:۔

اس حدیث پاک میں ''حفظ'' جو فرمایا گیا ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟ اور یہ اپنے اندر کتنی وسعت رکھتا ہے؟ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث

دہلوی علیہ الرحمہ ''اشعۃ اللمعات'' میں فرماتے ہیں کہ:
''علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد مبارک سے مراد و مقصود لوگوں تک ۴۰؍حدیثوں کا پہنچانا ہے۔ خواہ یہ حدیثیں اسے یاد نہ ہو اور ان کا معنی بھی اسے معلوم نہ ہو''۔ (اشعۃ للمعات جلد ا صفحہ ۱۸۶؍کتاب العلم تحت حدیث۔ من حفظ علی امتی)

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ مشکوٰۃ شریف کی اردو شرح ''مرأۃ المناجیح'' میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''اس حدیث کے بہت پہلو ہیں، چالیس حدیث یادکر کے مسلمانوں کو سنانا، چھاپ کر ان میں تقسیم کرنا، ترجمہ یا شرح کر کے لوگوں کو سمجھانا، راویوں سے سن کر کتابی شکل میں جمع کرنا سبھی اس میں داخل ہیں۔ یعنی جو کسی طرح دینی مسائل کی چالیس حدیثیں میری امت تک پہونچا دے تو قیامت میں اس کا حشر علمائے دین کے زمرے میں ہوگا اور میں اس کی خصوصی شفاعت اور اس کے ایمان اور تقوی کی خصوصی گواہی دوں گا۔ ورنہ عمومی شفاعت اور گواہی تو ہر مسلمان کو نصیب ہوگی۔ اسی حدیث کی بنا پر قریبا تمام محدثین نے جہاں حدیثوں کے دفتر لکھے وہاں علیحدہ ''چہل حدیث'' جسے "اربعینیہ" کہتے ہیں جمع کیں۔

(مرأۃ المناجیح جلد ا کتاب العلم صفحہ ۲۲۱)

چالیس حدیثوں کی فضیلت کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:
''حدیث میں ''چہل حدیث'' کی بہت فضیلت آئی ہے۔ ائمہ وعلما نے رنگ رنگ کی چہل حدیث لکھیں ہیں''۔
(الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ صفحہ ۳۸۵؍مشمولہ رسائل رضویہ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ حجۃ الاسلام، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ اس حدیث پاک کے وسیع مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں:

''جو، ان (۴۰) احادیث کو یاد کرے اور دوسروں کو سنائے یا لکھ کر دے یا کتاب دوسروں کو پہونچائے تو بے شک اس نے دین کی خدمت کی اور علم کو پھیلایا اور روز قیامت یہ شخص زمرۂ علما میں محشور ہوگا اور ثواب عظیم حاصل کرے گا اور اموات کو ایصال ثواب کے لئے ایسی کتابوں کا جیسی یہ (مفسر اعظم کی چہل حدیث) ہے، طبع کرانا، تقسیم کرانا، کارِ عظیم ہے''۔

(چہل حدیث: از مفسر اعظم)

ایک اور جگہ حضرت مفسر اعظم ہند فرماتے ہیں:

''چالیس حدیثیں یاد کرنا امت کے فائدے کے لیے، پھر ان کو امت کو پہونچانا، خواہ لکھ کر، پڑھ کر، سنا کر یا لکھی ہوئی، چھپی ہوئی یہ احادیث اور ان کی مثل دوسروں کو ہدیہ کرنا، یہ علم کی ''حد ادنیٰ'' ہے کہ عالم وفقیہ کا ثواب پائے گا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شفیع وشہید ﴿گواہ﴾ ہوں گے''۔

(چہل حدیث از مفسر اعظم ہند)

اربعین کا لغوی واصطلاحی مفہوم:۔

ماقبل میں احادیث کریمہ کے جن معروف ۱۳؍مجموعوں کی تفصیل بیان کی گئی ان میں ایک مجموعہ ''اربعین'' کے نام سے بھی ہے۔ محدثین کرام نے جہاں جامع، مسند، سنن وغیرہ کے نام سے بے شمار احادیث کریمہ کے بے شمار رنگا رنگ گلدستے امت کے سامنے پیش فرمائے اسی طرح اربعین کے نام سے بھی سینکڑوں گلدستے ہمیں احادیث کریمہ کے ذخیروں میں ملتے ہیں۔ دوسری صدی ہجری ہی سے سینکڑوں ائمہ نے آقا کریم ﷺ کے ''گلشن حدیث'' کی سیر کرکے متعدد اقسام کے ۴۰؍خوشنما پھولوں کو چن کر ''اربعین'' نامی یہ گلدستے تیار کئے اور انہیں امت تک پہنچا کر گلشن احادیث کی معطر ومفرح خوشبو سے امت مسلمہ کے ''مشامِ ایمان وعمل'' کو معطر وخوشنما بنادیا۔ اب ہم ذیل میں اربعین کا لغوی واصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہیں:

اربعین : یہ در اصل ''اربعون حدیثا'' کی تخفیف شدہ صورت ہے۔ یہ دراصل مخفف ہوکر ''اربعون'' ہوا۔ ''کتاب'' اس کا مضاف تھا جس کی وجہ سے اس نے ''کتاب الاربعین'' کی شکل اختیار کی پھر اس مضاف کو بھی حذف کردیا گیا۔ اس طرح یہ اب ہمیں اپنی موجودہ شکل ''اربعین'' کی صورت میں دستیاب ہوا۔ اس کا لغوی معنی ہوتا ہے کہ ۴۰؍حدیثوں پر مشتمل کتاب اور اصطلاح محدثین میں اربعین ۴۰؍احادیث کریمہ کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی محدث نے آقا کریم ﷺ کے ۴۰؍اقوال جمع کئے ہوں۔ خواہ یہ ۴۰؍حدیثیں ایک ہی موضوع پر مشتمل ہوں یا چند موضوعات سے متعلق ہوں۔ ایک ہی مسئلہ کی ہوں یا چند مسائل کی۔ ایک ہی راوی کی ہوں یا چند راویوں کی۔ ایک کتاب کی ہوں یا چند کتابوں کی۔ بہر حال ان ۴۰؍حدیثوں کی جمع وتدوین میں بہت وسعت ہے۔

اربعینة اور اربعينية:۔

جن کتابوں میں یہ ۴۰؍حدیثیں جمع کی جاتی ہیں تو اربعین کی طرف منسوب کرتے ہوئے ان کتابوں کو ''اربعینة'' اور''

اربعینیۃ" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے جن کی جمع اربعینات اور اربعینیات آتی ہے۔

اربعین نویسی کی مستدل حدیث:۔

دوسری صدی ہجری ہی سے ''اربعینات'' کے نام سے'' گلدستہائے احادیث'' تیار کرنے کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ متقدمین ومتاخرین ائمہ حدیث نے بے شمار اربعینات امت مسلمہ کے حوالے کیں۔ ان اربعینات اور ان ۴۰/حدیثوں کی جمع وتدوین کی مستدل حدیثِ پاک معنی کی یکسانیت کے ساتھ متعدد الفاظ میں مندرجہ ذیل ۱۳/صحابہ کرام سے مروی ہے۔

(۱) حضرت علی (۲) حضرت عبداللہ بن مسعود (۳) حضرت معاذ بن جبل (۴) حضرت ابو درداء (۵) حضرت ابو سعید خدری (۶) حضرت ابو ہریرہ (۷) حضرت ابو امامہ (۸) حضرت عبد اللہ بن عمر (۹) حضرت عبد اللہ بن عمرو (۱۰) حضرت جابر بن سمرہ (۱۱) حضرت انس بن مالک (۱۲) حضرت عبداللہ بن عباس (۱۳) حضرت نویرہ۔

حدیث اربعین کی تخریج اور اس کی فنی حیثیت

جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا کہ یہ حدیث پاک ۱۳/ صحابہ کرام سے مروی ہے جن میں ہر حدیث کی کئی کئی سندیں ہیں۔ اب ہم ذیل میں ان تمام صحابہ کرام سے مروی اس حدیث پاک کی تخریج کرتے ہوئے ان کی سندوں اور راویوں پر ہونے والے کلام کو'' علامہ ابن جوزی کی'' العلل المتناہیۃ'' اور'' علامہ ابن عبد البر کی'' جامع بیان العلم وفضلہ'' کے حوالے سے ذکر کرکے اس حدیث پاک کی فنی حیثیت کو بیان کرتے ہیں:

(۱) حضرت علی کی حدیث۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس حدیث پاک کو ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن عامر بن طائی نے یوں روایت کیا کہ:

قال: حَدَّثَنِي أَبِي، قال: حَدَّثَنِي عَلِي بن مُوسَى الرِّضا، قال: حَدَّثَنِي مُوسَى بن جَعفر، قال: حَدَّثَنِي أَبِي جَعفَرِ بن مُحَمد الصادِقُ، قال: حَدَّثَنِي أَبِي مُحَمد بن عَلِي الباقِرُ، قال: حَدَّثَنِي أَبِي عَلِي بن الحُسَينِ بنِ عَلِي، قال: حَدَّثَنِي ابن عَلِي، قال: حَدَّثَنِي أَبِي عَلِي بن أَبِي طالِبٍ، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا يَنتَفِعُونَ بِها، بَعَثَه الله يومَ القِيامَة

فَقِيها عالِمًا"۔

ابن جوزی نے اس حدیث پر کلام وطعن نقل کرتے ہوئے آگے تحریر کیا کہ:

قال الحُفاظُ: هذا عَبد الله بن أحمد يروِى عَن أَبِيه عَن أَهلِ البَيتِ نُسخَة باطِلَة، وقَد رَوَى هذا الحديث عبادُ بن صُهيبٍ.

یعنی حفاظ کا قول ہے کہ یہ عبد اللہ بن احمد اپنے والد کے حوالے سے اہل بیت سے نسخۂ باطلہ روایت کرتا ہے حالانکہ یہ حدث عباد بن صہیب سے مروی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث:

حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت کردہ حدیث مندرجہ ذیل سند سے منقول ہے:

مُحَمد بن عَبدِ الباقِى بنِ أَحمد قال: أَخبرنا حَمَدُ بن أَحمد، قال: أَخبرنا أَبُو نُعَيمٍ أَحمد بن عَبدِ الله الحافِظُ، قال: حَدَّثنا سَعدُ بن مُحَمد بنِ إِبراهيم الناقِلُ، قال: حَدَّثنا مُحَمد بن عُثمانَ بنِ أَبِى شَيبَة، قال: حَدَّثنا مُحَمد بن حَفصٍ الكرخِى، قال: حَدَّثنا دُحَيمُ بن مُحَمد الصَّيداوِى، قال: حَدَّثنا أَبُو بَكرِ بن عَياشٍ، عَن عاصِمٍ، عَن زرٍّ، عَن ابنِ مَسعُودٍ، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا ينفَعُهم الله عَزَّ وجَلَّ بِها، قِيلَ لَه: ادخُل مِن أَى أَبوابِ الجَنَّة شِئتَ"۔

(۳) حضرت معاذ بن جبل کی حدیث:

حضرت معاذ بن جبل کی روایت کردہ حدیث پاک مندرجہ ذیل سند سے ان الفاظ کے ساتھ منقول ہوئی:

اخبرنا ابن ناصِرٍ، قال: حَدَّثنا أَبُو غالِبٍ، قال: حَدَّثنا البَرقانِى، قال: حَدَّثنا الدارقُطنى، قال: رَوَى مُحَمد بن إِبراهيم الشامِى، عَن عَبدِ المَجِيدِ بنِ أَبِى رَوادٍ، عَن أَبِيه، عَن عَطاءٍ، عَن ابنِ عَباسٍ، عَن مُعاذِ بنِ جَبَلٍ، عَن النَّبِى صلى الله عليه وسلم قال:

"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا مِن أَمرِ دِينِها، بَعَثَه الله يومَ القِيامَة فَقِيها عالِمًا"۔

علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کی ایک دوسری یعنی حسین والی سند پر یوں کلام نقل فرمایا:

ورَواه الحُسَينُ بن عُلوانَ، عَن ابنِ جُرَيجٍ، عَن عَطاءٍ، عَن مُعاذٍ، والحُسَينُ مَترُوك الحديث.

یعنی اس حدیث کو حسین بن علوان نے عن ابن جریج، عن عطا

عن معاذ روایت کیا ہے حالانکہ حسین ''متروک الحدیث'' ہیں۔

یحیٰ ابن معین نے کہا کہ :الحُسَينُ كذابٌ.

ابن عدی نے کہا کہ:يـضَـعُ الـحـديـث، وقَـد رَواه إِسماعِيلُ بن أَبِي زِيادٍ، عَن مُعاذٍ وهو مَقطُوعٌ.

یعنی حسین حدیث گڑھتا ہے اور اس حدیث کو اسماعیل بن ابی زیاد نے بھی حضرت معاذ سے روایت کیا ہے حالانکہ وہ مقطوع ہے (یعنی اس نے کسی تابعی کے بغیر اسے روایت کیا ہے۔)

(۴) حضرت ابودرداء کی حدیث:

حضرت ابو دارداء کی روایت کردہ حدیث تین طرق سے مروی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(١) الطَّرِيقُ الأَوَّلُ:

أَخبرنـا هبَة الـله بن مُحَمد بنِ الحُصَينِ، قال: حَـدَّثـنـا أَبُـو طالِبِ بن غَيلاَنَ، قال: حَدَّثنا أَبُو بَكـرٍ الشـافِعِـى، قـال: حَـدَّثنا أَبُو بَكرِ بن أَبِى الـدُّنيـا، قـال: حَـدَّثـنـا الـفَضلُ بن غانِمٍ، قال: حَـدَّثـنـا عَبـد الـمَلِك بن هارُونَ بنِ عَنتَرَة، عَن أَبِيــه، عَـن جَـدِّه، عَـن أَبِى الدَّرداءِ، قـال: قـال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَـن حَـفِـظَ عَـلَـى أُمَّتِـى أَربَـعِينَ حديثا مِن أَمرِ دِيـنِهـا، بَـعَثَـه الـله فَقِيها، وكنتُ لَه يومَ القِيامَة شافِعًا وشَهيدًا"۔

(٢) الطَّرِيقُ الثانِي:

أَنبَـأَنـا مُـحَـمـد بـن عَبدِ المَلِك، قـال: أَنبَـأَنـا الـجَـوهـرِى، عَن الدارَقُطنِى، عَن أَبِى حاتم ابنِ حبـانَ، قـال: حَدَّثنا إِبراهيم بن أَبِى أُمَية، قال: حَـدَّثـنـا هـاشِمُ بن الوَلِيدِ الهرَوِى، قال: حَدَّثنا عَبـد المَلِك بن هارُونَ بنِ عَنتَرَة، عَن أَبِيه، عَن جَـدِّه، عَـن أَبِـى الـدَّرداءِ، قـال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَـن حَـفِـظَ عَـلَـى أُمَّتِـى أَربَعِينِ حديثا مِن أَمرِ دِيـنِهـا، بَـعَثَـه الـله فَقِيها، وكنتُ لَه يومَ القِيامَة شافِعًا وشَهيدًا"۔

(٣) الطَّرِيقُ الثالِثُ:

أَنبَـأَنـا مُـحَـمد بن عَبدِ المَلِك بنِ خَيرُونَ، قال: أَنبَأَنا الجَوهرِى، عَن الدارَقُطنِى، عَن أَبِى حاتم ابـنِ حبـانَ، قـال: حَدَّثنا إِبراهيم بن أَبِى أُمَية، قـال: حَـدَّثـنـا هـاشِـمُ بـن الوَلِيدِ الهرَوِى، قال: حَـدَّثـنـا عَبـد الـمَلِك بن هارُونَ بنِ عَنتَرَة، عَن أَبِيـه، عَـن جَـدِّه، عَن أَبِى الدَّرداءِ، قال: "سَأَلت

رَسـول الـلـه صـلـى الـلـه عليه وسلم فَقُلتُ: يا رَسُـولَ الـلـه صلى الله عليه وسلم، ما حَدُّ العِلمِ الَّذِى إِذا بَلَغَه الرَّجُلُ كان فَقِيها؟ فَقال:

"مَـن حَـفِـظَ عَـلَـى أُمَّتِـى أَربَعِينَ حديثا مِن أَمرِ دِيـنِهـا، بَـعَثَـه الـلـه عَـزَّ وجَـلَّ فَقِيها، وكنتُ لَه شافِعًا وشَهيدًا"۔

(۵) حضرت ابوسعید خدری کی روایت کردہ حدیث:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک مندرجہ ذیل ایسی سند سے مروی ہے کہ جسے ''اسناد مظلم'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عَـن مُحَمد بنِ يزِيدَ بنِ سِنان الرَّهاوِى، عَن أَبِيه، عَـن جَـدِّه، عَـن عَـطِية، عَـن أَبِى سَعِيدٍ الخُدرِى، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"كُلُّ مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا مِما ينفَعُهم الـلـه بـه فِـى أَمـرِ دِيـنِهـم، بَـعَثَه الله عَزَّ وجَلَّ يومَ القِيامَة فَقِيها عالِمًا، وكنتُ لَه شَفِيعًا وشَهيدًا"

حضرت ابوسعید خدری کی یہ حدیث پاک مندرجہ ذیل ایک دوسری سند سے دوسرے الفاظ میں بھی مروی ہے۔

ورُوِى مِـن حديث عَبدِ الرَّحمَن بنِ مُعاوِية، عَن الـحـارِثِ مَولَى ابنِ سِباعٍ، عَن أَبِى سَعِيدٍ، قال: سَمِعتُ رَسُولَ الله صلى الله عليه وسلم يقُولُ:

"مَـن حَـفِـظَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا مِن سُنَّتِى أَدخَلتُه يومَ القِيامَة فِى شَفاعَتِى"۔

(۲) حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث:

حضرت ابوھریرہ کی یہ حدیث پاک مندرجہ ذیل دوسندوں سے مروی ہے:

(۱) الطَّرِيقُ الأَوَّلُ:

أَخبرنا أَبُو القاسِمِ عَبد الله بن مُحَمد الخُطَبِى، قال: أَخبرنا عَبد الرَّزاقِ بن عُمر بنِ شَمَّة، قال: حَـدَّثـنـا أَبُـو بَـكـرٍ مُـحَـمـد بن إِبراهيم المُقرِءُ، وأخبرنا مُحَمد بن عَبدِ المَلِك، قال: أَخبرنا ابن مَسعَـدَة، قـال: أَخبرنا حَمزَة بن يوسُف، قال: حَـدَّثـنـا ابن عَدِى، قال: حَدَّثنا أَبُو يعلَى، قال: حَـدَّثـنـا عَـمـرُو بـن حُـصَـينٍ، قال: حَدَّثنا أَبُو عُـلاثَة، قـال: حَـدَّثنا خَصِيفٌ، عَن مُجاهِدٍ، عَن أَبِى هرَيرَة، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَـن حَـفِـظَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا ما ينفَعُهم مِـن دِينِهم، بُعِثَ يومَ القِيامَة مِنَ العُلَماءِ، وفَضلُ

العالِمِ عَلَى العابِدِ سَبعِينَ دَرَجَة، الله أَعلَمُ ما بَينَ كلِّ دَرَجَتَينِ"۔

نوٹ:۔ اس سند میں جو ابو علاثہ ہیں ان کا نام مُحمد بن عَبدِ اللہ بنِ عُلاثہ ہے۔

(۲) الطَّرِيقُ الثانِي:

أَخبرنا ابن السَمَرقَندِي، قال: حَدَّثنا ابن مَسعَدَة، قال: أَخبرنا حَمزَة، قال: حَدَّثنا ابن عَدِي، قال: حَدَّثنا عُمر بن مُحَمد بنِ شُعَيبٍ، ومُحَمد بن مُبَينٍ، قالاَ: حَدَّثنا سَعدانُ بن نَصرٍ، قال: حَدَّثنا خالِدُ بن إِسماعِيل أَبُو الوَلِيدِ، قال: حَدَّثنا ابن جُرَيجٍ، عَن عَطاءٍ، عَن أَبِي هرَيرَة، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَن تَعَلَّمَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا ينفَعُه الله بِها فِي دِينِها كان فَقِيها عالِمًا"۔

نوٹ: *اس حدیث پاک کو ابوالبختری وہب بن وہب نے ابن جریج کے حوالے سے جو نقل کیا ہے اس کے الفاظ یوں ہیں۔*

"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا مِما ينفَعُها الله به يبعَثُه الله يومَ القِيامَة فَقِيها عالِمًا۔"

نیز اسحاق بن نجیح نے عطا کے حوالے سے یہی حدیث مندرجہ ذیل الفاظ میں روایت کی ہے۔

"مَن رَوَى عَنِّي أَربَعِينَ حديثا جاءَ فِي زُمرَة العُلَماءِ يومَ القِيامَة"۔

(۷) حضرت ابوامامہ کی روایت کردہ حدیث:

حضرت ابوامامہ والی حدیث مندرجہ ذیل سند سے مروی ہے۔

أَنبَأَنا أَبُو الفَتحِ الكرُوخِي، عَن عَبدِ الله بنِ مُحَمد الأَنصارِي، قال: أَخبرنا يعقُوب الحافِظُ، قال: أَخبرنا الخَلِيلُ بن أَحمد، قال: حَدَّثنا يحيى بن صاعِدٍ، قال: حَدَّثنا عَبد الباقِي الأُمَوِي، قال: حَدَّثنا عَلِي بن الحَسَنِ، قال: حَدَّثنا عَبد الرَّزاقِ، عَن مَعمَرٍ، عَن أَبِي غالِبٍ، عَن أَبِي أُمامَة، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا فِيما ينُوبُهم وينفَعُهم فِي أَمرِ دِينِهم حَشَرَه الله يومَ القِيامَة فَقِيها"۔

(۸) حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت کردہ حدیث:

حضرت عبداللہ ابن عباس والی حدیث مندرجہ ذیل چار طرق سے مروی ہے۔

(١)الطَّرِيقُ الأَوَّلُ:

أَخبرنا مُحَمد بن ناصِرٍ، قال: أَخبرتنا رابِعَة بِنتُ مَحمُودِ بنِ عَبدِ الواحِدِ الأَصبَهانِية، قالت: أخبرنا أَبُو عُثمانَ سَعِيدُ بن أَبِى سَعِيدٍ النَّيسابُورِى، قال: حَدَّثنا أَبُو بَكرٍ مُحَمد بن عَبدِ الله بنِ زَكرِيا الجَوزَقِى، قال: حَدَّثنا أَبُو حاتِمٍ المَكى بن عَبدانَ بنِ مُحَمد، قال: حَدَّثنا مُحَمد بن عَقِيلِ بنِ خُوَيلِدٍ، قال: حَدَّثنا الحَسن بن قُتَيبة الخُزاعِى، قال: حَدَّثنا عَبد الخالِقِ بن المُنذِرِ، عَن ابنِ نَجِيحٍ، عَن مُجاهِدٍ، عَن ابنِ عَباسٍ، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا، بَعَثَه الله يومَ القِيامَة فَقِيها عالِمًا"۔

(٢)الطَّرِيقُ الثانِى:

أَخبرنا أَبُو عَبدِ الله مُحَمد بن مُحَمد بنِ السَّلالِ، قال: حَدَّثنا إِبراهيم بن مُحَمد بنِ عَبدَك، وأخبرنا إِسماعِيلُ بن أَحمد، قال: أَخبرنا ابن مَسعَدَة، قال: أَخبرنا حَمزَة، قال: أَخبرنا أَبُو أَحمد ابن عَدِى، قال: أَخبرنا الحَسن بن سُفيان، قال: حَدَّثنا عَلِى بن حُجرٍ، قال: حَدَّثنا إِسحاقُ بن نجيحٍ، عَن ابنِ جُرَيجٍ، عَن عَطاءِ بنِ أَبِى رَباحٍ، عَن ابنِ عَباسٍ، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا مِنَ السُّنَّة، كنتُ لَه شَفِيعًا يومَ القِيامَة"۔

(٣)الطَّرِيقُ الثالِثُ:

أَنبَأَنا إِسماعِيلُ بن أَحمد، قال: أَخبرنا ابن مَسعَدَة، قال: حَدَّثنا حَمزَة، قال: حَدَّثنا ابن عَدِى، قال: حَدَّثنا عَبد الله بن مُحَمد بنِ مِنهالٍ، قال: أَخبرنا أَحمد بن بَكرٍ البالِسِى، قال: حَدَّثنا خالِدُ بن يزِيدَ، قال: حَدَّثنا ابن جُرَيجٍ، عَن عَطاءٍ، عَن ابنِ عَباسٍ، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا مِنَ السُّنَّة، كنتُ لَه شَفِيعًا يومَ القِيامَة"۔

(٤) الطَّرِيقُ الرابِعُ:

أَنبَأَنا ابن خَيرُونَ، عَن الجَوهرِى، عَن الدارَقُطنِى، عَن أَبِى حاتم ابنِ حبانَ، قال: حَدَّثنا الحَسن بن سُفيان، قال: حَدَّثنا عَلِى بن حُجرٍ، قال: حَدَّثنا إِسحاقُ بن نجيحٍ المَلَطِى،

قال: حَدَّثنا ابن جُرَيجٍ، عَن عَطاءٍ، عَن ابنِ عَباسٍ، عَن النَّبِی صلى الله عليه وسلم قال: "مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِی أَربَعِينَ حديثا مِن أَمرِ دِينِها، بَعَثَه الله عَزَّ وجَلَّ يومَ القِيامَة فَقِيها عالِمًا"۔

(۹) حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت کردہ حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی حدیث دوسندوں سے، مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہوئی اور ان دونوں سندوں کو ''اسناد مظلم'' سے تعبیر کیا گیا۔ یہ دونوں سندیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) عَن جَماعَة مَجاهيلَ بِلَفظِ:

''مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِی أَربَعِينَ حديثا مِنَ السُّنَّة حَتَّى يؤَدِّيها إِلَيهم، كنتُ لَه شَفِيعًا وشَهيدًا يومَ القِيامَة"۔

(۲) وَفِی لَفظٍ:

"مَن نَقَلَ عَنِّی إِلَى مَن لَم يلحَقنِی مِن أُمَّتِی أَربَعِينَ حديثا، كتِبَ فِی زُمرَة العُلَماءِ، وحُشِرَ مِن جُملَة الشُّهداءِ"۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت کردہ حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث مندرجہ ذیل سند سے مروی ہے۔

فَقَد رَفَعَه مُحَمد بن مُضَرٍ، عَن بُورِی بنِ الفَضلِ، ولا يعرفانِ عَن ابنِ المُبارَك، عَن إِسماعِيل بنِ رافِعٍ، عَن إِسماعِيل بنِ عُبَيد الله، عَن عَبدِ الله بنِ عَمرِو بنِ العاصِ، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

''مَن كتَبَ أَربَعِينَ حديثا رَجاءَ أَن يغفِرَ الله لَه غَفَرَ لَه وأَعطاه ثَوابَ الشُّهداءِ الَّذِينَ قُتِلُوا بِعَبادانَ وعَسقَلاَنَ''۔

(۱۱) حضرت جابر بن سمرہ کی روایت کردہ حدیث:

حضرت جابر بن سمرہ والی حدیث درج ذیل سند سے مروی ہے۔

فَقَد رَفَعَه مَجهولٌ، عَن مَجهولٍ إِلَى أَن أَلصَقَه بِشَيبانَ بنِ فَروخٍ، عَن مُبارَك، عَن الحَسَنِ، عَن جابِرِ بنِ سَمُرَة، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

''مَن تَرَك أَربَعِينَ حديثا بَعدَ مَوتِه فَهو رَفِيقِی فِی الجَنَّة''۔

(۱۲) حضرت انس بن مالک کی روایت کردہ حدیث:

حضرت انس بن مالک کی احادیث مندرجہ ذیل چار سندوں سے مروی ہے۔

(١)الطَّرِيقُ الأَوَّلُ:

أَخبرنا مُحَمد بن مُحَمد السَّلالُ، قال: أَخبرنا أَحمد بن مُحَمد بنِ سياوُوش، قال: أَخبرنا أَبُو حامِدِ ابن أَبِى طاهرِ الإِسفِرائِينِى، قال: حَدَّثنا إِبراهيم بن مُحَمد بنِ عَبدَك، قال: حَدَّثنا الحَسن بن سُفيان، قال: حَدَّثنا حُمَيدُ بن زَنجَوَيه، قال: حَدَّثنا الحَجاجُ بن نُصَيرٍ، قال: حَدَّثنا حَفصُ بن جُمَيعٍ، عَن أَبانَ، عَن أَنَسٍ، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا مِما يحتاجُونَ إِلَيه مِنَ الحَلاَلِ والحَرامِ كتَبَه الله فَقِيها عالِمًا"۔

(٢)الطَّرِيقُ الثانِى:

أَخبرنا مُحَمد بن عَبدِ المَلِك، قال: أَخبرنا إِسماعِيلُ بن مَسعَدَة، قال: أَخبرنا حَمزَة بن يوسُف، قال: حَدَّثنا ابن عَدِى، قال: حَدَّثنا عُمر بن سِنانٍ، قال: حَدَّثنا سُليمان بن سَلَمَة، قال: حَدَّثنا ابن اللَّيثِ، قال: حَدَّثَنِى عُمر بن شاكرٍ، قال: سَمِعتُ أَنَسَ بنَ مالِك، يقُولُ: سَمِعتُ رَسُولَ الله صَلى الله عَليه وسَلمَ، يقُولُ:

"مَن حَمَلَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا بَعَثَه الله عَزَّ وجَلَّ يومَ القِيامَة فَقِيها عالِمًا"۔

(٣)الطَّرِيقُ الثالِثُ:

روى بِإِسنادٍ مُظلِمٍ عَن أَبِى داوُدَ الأَعمَى، عَن أَنَسٍ، أَنّ رَسُولَ الله صلى الله عليه وسلم قال:

"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا مِن أَمرِ دِينِهم، بَعَثَه الله عَزَّ وجَلَّ يومَ القِيامَة فَقِيها"۔

(٤)الطَّرِيقُ الرابِعُ:

رُوِى بِإِسنادٍ مُظلِمٍ عَن المُعَلَّى، عَن السُّدِّى، عَن أَنَسٍ، قال: قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَن حَمَلَ مِن أُمَّتِى أَربَعِينَ حديثا لَقِى الله عَزَّ وجَلَّ فَقِيها عالِمًا"۔

(١٣) حضرت نویرہ سے مروی حدیث:

حضرت نویرہ سے مروی یہ حدیث پاک مندرجہ ذیل سند سے مروی ہے۔

فَرَواه مَن لا يعرِفُ بِالحديث وأَسنَدَه عَن عُمر بنِ هارُونَ البَلخِى، عَن مُغَلِّسِ بنِ عَبدَة، عَن مُقاتِلِ بنِ حَيانَ، عَن قَتادَة، عَن نُوَيرَة،

صاحِبِ رَسُولِ الله صلى الله عليه وسلم قال:
قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم:
"مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا فِي دِينِها، حُشِرَ مَعَ العُلَماءِ يومَ القِيامَة"۔

راویوں پر کلام

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود والی حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن عثمان بن ابو شیبہ ہیں جن کی حضرت عبد اللہ بن احمد بن حنبل وغیرہ نے تکذیب کی ہے۔

(۲) حضرت معاذ والی حدیث کے راوی محمد بن ابراہیم شامی کے سلسلہ میں ابن حبان نے کہا کہ "یضع الحدیث لا یحل روایة عنه" یعنی وہ حدیث گڑھتے ہیں ان سے روایت حلال نہیں۔ اسی طرح اس سند کے ایک دوسرے راوی حسین بن علوان پر ابن حبان اور ابن عدی نے" یضع الحدیث " کا اور دار قطنی نے متروک کا حکم لگاتے ہوئے کہا کہ اس کے طرق سے کوئی شئی ثابت نہیں۔ یونہی اس کے ایک راوی اسماعیل بن ابی زیاد کو ابن حبان نے دجال سے تعبیر کیا۔

(۳) حضرت ابو درداء والی حدیث میں عبد الملک بن ہارون نامی راوی کو ابو حاکم رازی نے متروک، سعدی نے دجال، کذاب، ابن حبان نے "یضع الحدیث" قرار دیا۔

(۴) حضرت ابو سعید خدری والی حدیث کی سند کو ''اسناد مظلم'' سے تعبیر کیا گیا، نیز اس سند کے ایک راوی محمد بن یزید اور ان کے والد کی دار قطنی نے تضعیف فرمائی، یحیٰ بن معین نے " لیس بشئی " کہا اور امام نسائی نے متروک قرار دیا۔ اسی سند کے ایک اور راوی عبد الرحمٰن بن معاویہ کو یحیٰ بن معین نے " لا یحتج بحدیثه " یعنی ان کی حدیث کو حجت نہیں بنایا جائے گا، کا حکم لگایا۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ والی حدیث کی ایک سند میں ابن علاثہ کے بارے میں ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقات سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے۔ اس سے احتجاج حلال نہیں۔ ایک اور راوی عمرو بن حصین کو ابو حاتم رازی نے " لیس بشئی " اور دار قطنی نے متروک قرار دیا۔ حدیث ابو ہریرہ کی دوسری سند میں خالد بن اسماعیل پر ابن عدی نے "یضع الحدیث علی ثقات المسلمین " یعنی وہ مسلمانوں کے ثقات کے خلاف حدیث گڑھتا ہے، کا حکم لگایا۔ ابو بختری کو ابن عدی نے "اکذب الناس " قرار دیا۔ اسحاق بن نجیح کو یحیٰ بن معین نے "معروف بالکذب و وضع الحدیث " یعنی کذب اور وضع حدیث میں یہ معروف ہے، قرار دیا۔

(٦) حضرت ابو امامہ والی حدیث کی سند میں ابو غالب حزور نامی راوی پر نسائی نے ضعیف، ابن حبان نے "لا یحتج الا

فیما وا فق الثقات" یعنی اس کی جو روایتیں ثقات کے موافق ہوں ان سے صرف حجت پکڑی جائے، کا حکم لگایا۔

(۷) حضرت عبد اللہ بن عباس والی حدیث کی چاروں سندوں میں سے پہلی سند کے راوی حسن بن قتیبہ اور دوسری سند کے راوی اسحاق بن نجیح کو دار قطنی نے متروک الحدیث قرار دیا۔ تیسری سند کے راوی احمد بن بکر کے بارے میں فرمایا: ثقات سے اس کی کچھ منکر حدیثیں ہیں۔

(۸) حضرت عبد اللہ بن عمر والی حدیث کی سند کے بارے میں علمائے جرح وتعدیل نے "ففیہ جماعۃ مجاھیل" یعنی اس حدیث کی سند میں مجہول راویوں کی ایک جماعت ہے، کا حکم لگایا۔

(۹) اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرو والی حدیث کی سند پر مجہول راویوں پر مشتمل روایت ہونے کا حکم لگایا۔

(۱۰) حضرت انس بن مالک والی حدیث کی چار سندوں میں سے پہلی سند کے ایک راوی حفص بن جمیع پر ابن حبان نے "کان یخطأ" کہ وہ خطا کرتے تھے، کا حکم لگایا۔ اور ایک دوسرے راوی ابان کو انہوں نے متروک قرار دیا۔ دوسری سند کے راوی سلیم بن سلامہ کے بارے میں فرمایا کہ " وقد کذبوہ" یعنی ائمہ نے ان کی تکذیب کی ہے، کا حکم لگایا۔ تیسری سند کے راوی ابو داؤد اعمٰی کے بارے میں کہا "لااعرفہ" یعنی میں انہیں نہیں پہچانتا اور ان کا نام نفیع بن حارث ہے جن کی قتادہ نے تکذیب کی ہے اور یحیی نے" لیس بشئی" کہا اور دار قطنی نے متروک کہا۔ چوتھی سند میں'' سدی'' نامی راوی ہیں جن کی ایک جماعت نے تضعیف کی ہے۔

(۱۱) حضرت نویرہ والی حدیث کے بارے میں کہا گیا کہ اس میں ''مجہول'' راویوں کی کثرت ہے۔ نیز کہا گیا کہ نویرہ نامی صحابی کی معرفت حاصل نہیں (یعنی صحابہ کے حالات میں ان کا ذکر نہیں ملتا) عمر بن ہارون کو یحیی بن معین نے کذاب اور ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقات سے معضلات روایت کرتا ہے۔

حدیث اربعین کی حیثیت واقعیہ

مذکورہ والا گفتگو سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے اس حدیث اربعین کی سندوں پر کلام کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ائمہ نے اس حدیث اربعین کو ضعیف قرار دیا۔ مگر اس کی اسنادی حیثیت کے ضعف سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقیقت میں بھی اس کے اندر ضعف ہے یا یہ موضوع ہے یا یہ غیر معمول بہ ہے۔ بلکہ یہ حدیث پاک حقیقی طور پر کم سے کم درجہ حسن پر فائز ہے جس کی مندرجہ ذیل یہ چند وجوہات ہیں:

☆ ایک تو یہ حدیث کثرت طرق سے مروی ہے۔

☆اس کا مفہوم چونکہ احادیث کریمہ کی تبلیغ وترسیل اورنشر واشاعت پرمبنی ہے اور یہ مفہوم کئی صحیح حدیثوں کے عین موافق ہے۔ لہذا اس حدیث کو ان صحیح حدیثوں کی موافقت ومتابعت اورتائیدوتوثیق حاصل ہے۔

☆ یہ حدیث فضائل اعمال سے متعلق ہے۔

☆ یہ حدیث کسی اصول شرعی سے متصادم نہیں بلکہ عمل خیر کی دعوت دے رہی ہے۔

☆اسباب تقویت کی بنیاد پر اس کا اسنادی ضعف اس حدیث پرعمل پیرا ہونے سے مانع نہ ہوگا۔

☆ ائمہ کرام نے اس حدیث سے استناد بھی کیا ہے اور استشہاد بھی۔

☆ مجتہدین کرام نے اس پرعمل کرتے ہوئے اربعینات تحریرفرمائی ہیں۔

☆ اس حدیث پاک کوخیر القرون سے لےکر اب تک کے علما، فقہا، ائمہ، محدثین، مفسرین غرض کہ امت کا شرف قبول اور" تلقی بالقبول "حاصل ہے۔

" تلقی بالقبول" کے اس عظیم منصب پرفائز ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ احادیث کریمہ کے عظیم ذخیرہ میں متقدمین و متاخرین کے ہر چھوٹے بڑے امام علم وفن اور علمائے شریعت اسلامیہ کی سینکڑوں اربعینات ہمیں ملتی ہیں۔ظاہر سی بات ہے کہ یہ تمام باتیں ضعیف حدیث کوتقویت پہونچانے والے اسباب سے ہی متعلق ہیں۔

حدیث ضعیف کی تقویت کے آٹھ اسباب

(ا)تلقی بالقبول:

وہ حدیث ضعیف جسے امت کے متقدمین ومتاخرین علماوائمہ نے قبول کرلیا ہوتوایسی حدیث" تلقی بالقبول "کا منصب رکھنے والی کہلاتی ہے۔جس کے بعد وہ قابل عمل ہو جاتی ہے۔

علامہ سخاوی ''شرح الفیہ''میں فرماتے ہیں کہ:

''اذا تلقت الامة الضعيف بالقبول يعمل به الصحيح حتى انه ينزل منزلة المتواتر فی انه ينسخ المقطوع به ولهذا قال الشافعی رحمة الله تعالىٰ فی حديث "لا وصية لوارث" انه لا يثبت اهل العلم بالحديث ولكن العامة تلقته بالقبول و عملوا به حتى جعلوه ناسخا لآية الوصية لوارث۔

ترجمہ: یعنی علامہ سخاوی نے شرح الفیہ میں فرمایا کہ جب حدیث ضعیف کوامت قبول کرلےتو صحیح یہی ہے کہ اس

پر عمل کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یقینی اور قطعی حدیث کو منسوخ کرنے میں متواتر حدیث کے رتبہ میں سمجھی جائے گی اور اسی وجہ سے امام شافعی نے حدیث "لا وصیة لــوارث" کے بارے میں یہ فرمایا کہ اس حدیث کو محدثین ثابت نہیں کہتے لیکن ائمہ وعلماء نے اس کو قبول کرلیا اور اس پر عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ حدیث وارث کے حق میں وصیت کا حکم دینے والی آیت۔"كتب عـليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرن الوصية للوالدين۔الآية"

(**مفہوم آیت**: تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کا موت کا وقت قریب آئے اور اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو تو وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے)۔کی ناسخ بن گئی۔

(فتح المغیث جلد اول صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ دار الایمان وشرح اربعین النوویہ لابن مرعیٰ المالکی)

(۲) تعامل:

حدیث کی صحت کا مدار صرف سند ہی پر نہیں ہے بلکہ حدیث ضعیف اہل علم کے قول وعمل اور مجتہدین کے تمسکات سے بھی قوی ہو جاتی ہے۔ اگر چہ کسی حدیث پر عمل اس کی صحت سند پر متفرع ہوتا ہے مگر بعض اوقات صحت سند عمل پر متفرع ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کی تصریح بہت سے ائمہ فن محققین نے کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی حدیث سند کے اعتبار سے کتنی بھی مضبوط وقوی کیوں نہ ہو اگر امت کا عمل اُس پر نہیں ہے تو اس کی حجیت قطعی نہیں رہتی نسخ کے احتمال کی وجہ سے۔ اسی وجہ سے محدثین کرام حدیث کی حجیت پر اس کے معمول بہ ہونے کا بھی اعتبار کرتے ہیں چنانچہ وکیع نے اسمٰعیل بن ابراہیم مہاجر سے نقل کیا کہ:

"كان يستعان على حفظ الحديث بالعمل به"

یعنی حفظ حدیث میں اس کے عمل سے بھی مدد لی جاتی تھی۔

(تاریخ ابی زرعہ الدمشقی جلد اول صفحہ ۳۱۱)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ "التـعـقبـات على الموضوعات" میں فرماتے ہیں:

"اہل علم کے قول اور تعامل کے ساتھ حدیث ضعیف ضعف سے نکل کر صحیح اور قابل عمل ہو جاتی ہے۔ اگر چہ اس کی سند لائق اعتماد نہ ہو۔ بہت سے اہل علم کا یہ قول ہے"۔

(تنزیہ الشریعہ للکنانی جلد دوم صفحہ ۱۲۰)

حافظ ابن صلاح "مقدمۂ ابن صلاح" میں لکھتے ہیں کہ:

"یہی وجہ ہے کہ اہل علم کا تعامل اس کی فنی کمزوریوں کو ڈھانپ لیتا ہے"۔(بحوالہ شرح الفیہ جلد ۱ صفحہ ۱۵)

(۳) تعدد اسناد:

ضعیف حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو

جاتی ہے۔

(۴) مجتہد کا استدلال :

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرلے تو اس کا استدلال بھی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔جیسا کہ ''تحریر'' میں امام ابن ہمام نے تحقیق فرمائی ہے۔(ردالمحتار جلد۴ صفحہ امطبوعہ استانبول)

(۵) اهل علم کا عمل:

علماء وصلحا کے عمل سے بھی حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے۔امام حاکم نیشاپوری صلوٰۃ التسبیح کی صحت پر استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جس چیز سے اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اتباع تابعین سے لے کر ہمارے اس دور تک تمام ائمہ اس پر ہیشگی کے ساتھ عمل کرتے رہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے رہے۔جن میں عبداللہ ابن مبارک بھی ہیں۔

(۶) کشف :

اہل کشف کا کشف بھی ضعیف حدیث کو صحت کے درجے میں پہنچا دیتا ہے۔جیسا کہ شیخ ابن عربی کا یہ واقعہ کہ انہیں یہ روایت پہنچی کہ جو ستر ہزار مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ لے تو اس کی اور جس کو ان کا ثواب بخشا گیا اس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے۔آپ اس حدیث کو ضعیف سمجھتے تھے۔آپ کے پاس اتنے کلمے پڑھے ہوئے تھے۔ایک دعوت میں پہنچے،ایک نوجوان اچانک رونے لگا۔معلوم کرنے پر بتایا کہ میری والدہ قبر کے عذاب میں مبتلا ہیں۔شیخ ابن عربی نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمۂ طیبہ کا ثواب اُس کی ماں کو بخش دیا تو وہ نوجوان ہنسنے لگا اور کہا کہ میری والدہ اب اچھی حالت میں ہیں۔شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس جوان کے کشف سے اور اس جوان کے کشف کی صحت کو اس حدیث کی صحت سے جان لیا۔

(مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۹۸ر مکتبہ امدادیہ ملتان ومقدمہ نزہۃ القاری از مفتی شریف الحق امجدی مفہوماواختصاراً)

(۷)اهل علم کا اتفاق :

جس حدیث کے مفہوم و مدلول پر علماء کا اتفاق ہو جائے تو وہ بھی حدیث مقبول ہو جاتی ہے۔علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ''جس حدیث کے مدلول پر علماء متفق ہوں وہ حدیث مقبول ہوتی ہے اور اس کے تقاضہ پر عمل کرنا واجب ہے۔ائمہ اصول نے اس کی تصریح فرمائی ہے''۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح جلد اصفحہ ۴۹۴،مطبوعہ احیاء التراث)

(۸)صرف حدیث ضعیف میسر ہو:

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ ''جب کسی باب میں

حدیث ضعیف کے علاوہ کوئی اور حدیث نہ ہوتو امام اسحاق علیہ الرحمہ نے حدیث ضعیف سے استدلال کیا ہے۔امام ابو داؤد نے اس کی اتباع کی ہے۔امام ابوحنیفہ سے بھی اسی طرح منقول ہے''۔

(فتح المغیث ،جلد اصفحہ ۲۳۳،مطبوعہ دار الامام)

یہ اور ان کے علاوہ کچھ اور بھی اسباب ہیں جن کی وجہ سے حدیث ضعیف ضعف سے نکل کر حسن بلکہ صحیح تک ترقی کر جاتی ہے۔لہٰذا کسی حدیث کی سند کے سلسلہ میں ائمہ جرح و تعدیل کلام ،طعن اور جرح کر کے اس کے ضعف کو سنداً ثابت بھی کر دیں تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث قابل عمل نہ رہی یا یہ کہ وہ موضوع ہوگئی۔اس لئے کہ حدیث صحیح اور موضوع کے درمیان بہت سے درجے ہوتے ہیں۔

اربعین کے فضائل والی حدیث پاک اگر قابل عمل نہ ہوتی تو ائمہ کرام اس پر عمل کرتے ہوئے اتنی کثیر تعداد میں اربعینات تحریر نہ فرماتے۔پھر ایک چیز اور بھی قابل غور ہے کہ جن راویوں کی وجہ سے اس حدیث کی مختلف سندوں میں ضعف آیا ہے یہ وہ تمام راوی ہیں کہ جن کا تعلق اس حدیث پر عمل کرنے کے زمانہ کے بعد سے ہے۔کیونکہ اس حدیث پر تو خیر القرون ہی سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔حالانکہ اس حدیث کے اکثر ضعیف راویوں کا تعلق اس زمانہ کے بعد سے ہے۔

وہابیہ کی خباثت:

وہابیہ نے اس حدیث پاک کے اسنادی ضعف کو دیکھ کر اپنی عادت کے مطابق بجائے اس کے کہ اس کو اسی درجۂ ضعف میں رکھتے ،تشدد کا مظاہرہ کرتے ہوئے فضائل کی دیگر حدیثوں کی طرح اسے بھی موضوع قرار دیدیا۔چنانچہ البانی نے اس حدیث کی سندوں پر علمائے جرح وتعدیل کے طعن وکلام کو نقل کرنے کے بعد اخیر میں فیصلہ کن لہجے میں کہا کہ " هذا الحديث عندى موضوع "(مفہوما)

اس حدیث کے تعلق سے اس کی یہ گفتگو انٹرنیٹ پر موجود ہے۔تقلید شخصی کو ناجائز وحرام کہنے والے وہابیہ نے البانی کے اس قول کو دیکھا تو تقلید جامد کرتے ہوئے اپنی کتابوں، بیانوں، مضمونوں اور مقالوں میں شد و مد کے ساتھ اسے موضوع قرار دینے لگے۔یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارہ نہ کہ ایسے ایسے جلیل القدر ائمہ علم وفن نے اسی حدیث کو مستدل بناتے ہوئے سینکڑوں اربعینات تحریر فرما کر ذخیرہ احادیث میں قابل قدر اضافہ فرمایا ہے۔

اربعین نویسی کے موجد:

با قاعدہ اور باضابطہ انداز میں اس حدیث اربعین پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے جنہوں نے چالیس حدیثوں کا مجموعہ امت مسلمہ کے سامنے پیش فرمایا اس عظیم

شخصیت کا نام ''ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک مروزی'' ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک کے بعد یہ سلسلہ دراز سے دراز تک ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ ان کے بعد ابوعبداللہ محمد اسلم بن طوسی، احمد بن حرب الزائد، ابومحمد حسن بن سفیان نسبی، ابوبکر محمد ابی علی، محمد بن عبداللہ الزوجی، حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری، محمد بن حسین سلمی، ابومعین احمد بن عبداللہ اصفہانی، اسماعیل بن عبداللہ صابونی، ابواسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری، ابوقاسم قشیری، جیسے بے شمار ائمہ نے اربعینات کے مجموعے تیار فرمائے۔ امام نوی فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے اس سلسلہ میں عبد اللہ ابن مبارک نے تصنیف کی، پھر محمد بن اسلم طوسی، پھر حسن بن سفیان نسائی، پھر امام ابوبکر آجوری، پھر دار قطنی، حاکم ابومعین، اور ابوعبد الرحمٰن بن سلمی وغیرہم متقدمین ومتاخرین کی بڑی تعداد نے تصنیف کی ہیں۔ نیز ہر ایک کے اغراض ومقاصد مختلف اور طرز انتخاب بھی جداگانہ ہے۔۔۔۔۔غرض کہ جس نے بھی امت کی نفع رسانی کے لئے چالیس احادیث ان تک پہونچائیں اور خود بھی دین پر قائم اور عمل پیرا رہا وہ ان شاء اللہ اس فضیلت کا مستحق ہوگا۔

(فیض القدیر جلد ٦، مقدمہ اربعین نووی)

صاحب کشف الظنون متوفی ١٠٦٧ھ نے حضرت عبداللہ ابن مبارک سے لے کر اپنے زمانہ تک کے مشہور و معروف علماء میں سے تقریبا ٧٥ علماء کی ٩٠/ سے زائد اربعینات کا ذکر کیا ہے۔ اب ذیل میں ہم چند مشہور اربعینات کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہیں۔

چند مشہور اربعینات:

(۱) ابن مبارک کی اربعین ۔ علامہ ابن مبارک کی وفات ١٨١ھ میں ہوئی۔ آپ دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ ہی کو اربعین نویسی کا واضع اور موجد قرار دیا گیا ہے چنانچہ آپ کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق یہ پہلی اربعین ہے جو تصنیف کی گئی۔

(مقدمہ اربعین نووی)

(۲) امام بیہقی کی اربعین ۔ حضرت امام ابو بکر شمس الدین احمد بن حسین شافعی کی وفات ٤٥٨ھ میں ہوئی۔ آپ نے اپنی اربعین اخلاق کے موضوع پر ابواب کے ساتھ تصنیف فرمائی۔

(۳) محمد بن علی طائی ہمدانی کی اربعین ۔ ابوالفتوح محمد بن محمد بن علی طائی ہمدانی کی وفات ٥٥٥ھ میں ہوئی۔ آپ چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ نے اپنی مسموعات میں سے اپنے چالیس شیوخ کی چالیس حدیثیں املا

کرائیں۔ نیز ہر حدیث ایک الگ صحابی کی ہے۔اس مجموعہ کے نام ''اربعین طائیہ'' ہے۔

(۴) ابن عساکر کی اربعینات۔ ابو القاسم علی بن حسن دمشقی شافعی بھی چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ ۵۷۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ان کی کئی اربعینات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اربعین طوال (۲) اربعین فی الابدال العوال (۳) اربعین فی الاجتہاد فی اقامۃ الحدود (۴) اربعین بلدانیہ۔

اربعین طوال میں چالیس ایسی طویل حدیثیں جمع کیں ہیں جو نبی ﷺ کی نبوت پر بھی دلالت کرتی ہیں اور صحابہ کرام کے فضائل پر بھی۔

(۵) اربعین بلدانیہ۔ یہ اربعین ابو طاہر احمد بن محمد سلفی اصبہانی کی ہے۔آپ بھی چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ کی وفات ۵۷۶ھ کو ہوئی۔آپ نے ایک نئی طرز پر یہ مجموعہ تیار کیا اس طور پر کہ چالیس حدیثیں، چالیس صحابہ، چالیس باب، اور مزے کی بات یہ کہ چالیس مختلف شہروں میں انہیں جمع کیا جس کی وجہ سے اس کا نام ''اربعین بلدانیہ'' رکھا۔

(۶) اربعین فی اصول الدین۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے اپنے فرزند محمد کے لئے اس اربعین کو تصنیف فرمایا۔آپ ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔آپ کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی۔ آپ کی یہ اربعین علم کلام کے چالیس مسائل پر مشتمل ہے۔

(۷) اربعین فی اصول الدین۔ یہ اربعین ابو حامد محمد بن محمد امام غزالی کی ہے۔آپ نے تصوف کے مسائل پر اس کو مرتب فرمایا۔

(۸) الاربعین۔ موفق الدین عبد اللطیف بن یوسف الحکیم فیلسوف بغدادی کی ہے۔ آپ ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔آپ نے طب نبوی پر اپنی اربعین کو ترتیب دیا۔ آپ کی وفات ۶۲۹ھ میں ہوئی۔

(۹) الاربعین۔ یہ اربعین محمد بن احمد یمنی بطال کی ہے۔ آپ نے صبح وشام کے اذکار پر مشتمل حدیثوں کا یہ مجموعہ تیار کیا۔آپ بھی ساتویں صدی ہجری کے بزرگ تھے۔آپ کی وفات ۶۳۰ھ میں ہوئی۔

(۱۰) الاربعین المختارۃ فی فضل الحج والزیارۃ۔ یہ اربعین حافظ جمال الدین اندلسی نے تحریر فرمائی۔آپ نے ۶۶۳ھ میں وفات پائی۔ ساتویں صدی ہجری کے عالم ہیں۔اس اربعین میں آپ نے حج وزیارت کی فضیلتوں پر مشتمل احادیث کریمہ کو جمع کیا ہے۔

(۱۱) الاربعین النوویۃ۔ حضرت امام ابوذکریا محی الدین یحیٰ بن شرف نووی شافعی کی یہ اربعین نہایت مشہور ومعروف ہے۔آپ شارح مسلم کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنی اس اربعین میں ایسی حدیثوں کو جمع فرمایا ہے جو دین ومذہب اور شریعت کے اصول کی بنیاد ہیں۔اخلاق و اعمال کی اساس اور تقویٰ و پرہیزگاری کے سرچشمہ ہیں۔اس میں آپ نے صحیح حدیثوں کا التزام فرمایا ہے۔ چالیس حدیثوں کے ساتھ انہوں نے دو اور حدیثوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔اس طرح آپ کی اس اربعین میں کل بیالیس حدیثیں ہیں۔ یہ نہایت ہی اہم مجموعہ حدیث ہے جس کی وجہ سے بعد کے علماء نے اس اربعین کی متعدد شرحیں تحریر فرمائیں۔ صاحب کشف الظنون نے تقریباً ۲۰ رشارحین کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان احادیث کریمہ کی تخریج کی ہے۔ابن دقیق نے بھی اس کی شرح کی ہے۔امام نووی کی وفات ۶۷۶ھ کو ہوئی۔

(۱۲) اربعین ابن جزری۔ شمس الدین محمد بن محمد جزری شافعی نے اس میں جوامع الکلم کا درجہ رکھنے والی اصح ، افصح اور اوجز چالیس حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ آپ نویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔آپ کی وفات ۸۳۸ھ کو ہوئی۔

(۱۳) اربعینات سیوطی ۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے کئی اربعین تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں ایک فضائل جہاد پر، ایک دعاء رفع یدین پر، ایک امام مالک کی روایات پر مشتمل اور ایک روایات متبائنہ پر مشتمل ہے۔آپ کی وفات ۹۱۱ھ کو ہوئی۔آپ دسویں صدی ہجری کے امام علم وفن ہیں۔

(۱۴) اربعین عدلیہ۔ امام شہاب الدین احمد بن حجر مکی نے اپنی اس اربعین میں اپنی سند سے چالیس ایسی حدیثیں جمع کی ہیں جو عدل اور عادل کی فضیلت پر مشتمل ہیں۔آپ کی وفات ۹۷۳ھ کو ہوئی۔

(۱۵) اربعین عشاریات۔ قاضی جمال الدین ابراہیم بن علی شافعی نے اس اربعین میں ایسی چالیس روایات املا کرائی ہیں جو سند کے اعتبار سے عالی ہیں اگرچہ وہ درجہ حسن کو نہیں پہنچتیں۔آپ کی وفات ۹۶۰ھ کو ہوئی۔

(۱۶) اربعین ابن عربی۔ علامہ محی الدین محمد بن علی ابن عربی نے اپنی اس اربعین کو مکۃ المکرّمہ کی سرزمین پر جمع فرمایا۔ اس میں انہوں نے صرف احادیث قدسیہ ہی کو جمع فرمایا ہے۔آپ کی وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی۔

(۱۷) اربعین طاش کبری زادہ۔ علامہ احمد بن مصطفےٰ

رومی نے اس اربعین میں آقا کریم ﷺ کی ایسی حدیثیں جمع فرمائی ہیں جو آپ سے بطور مزاح صادر ہوئیں۔ آپ کی وفات ۹۶۸ھ میں ہوئی۔

(۱۸) اربعین یمانیہ۔ علامہ محمد بن عبد الحمید قرشی کی یہ اربعین ایسی حدیثوں پر مشتمل ہے جن میں یمن کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۹) اربعین قدسیہ۔ علامہ حسین بن احمد بن محمد تبریزی نے اپنی اس اربعین میں ایسی حدیثوں کو جمع کیا ہے کہ جن کا تعلق اسرار عرفانی اور علم لدنی سے ہے۔

(۲۰) الاربعین فی فضائل عثمان۔ علامہ ابو الخیر رضی الدین قزوینی نے حضرت عثمان کی فضیلت میں ایک اربعین اور دوسری اربعین حضرت علی کی فضیلت میں وارد حدیثوں پر مشتمل تصنیف کی ہے۔

(۲۱) الاربعین فی فضائل العباس۔ امام ابو القاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر مشتمل احادیث کریمہ کا یہ مجموعہ تیار کیا۔ آپ کی وفات ۴۲۸ھ میں ہوئی۔

(۲۲) اربعین عالیہ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس اربعین میں ایسی چالیس حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جن میں مسلم کی سند بخاری کی سند سے عالی ہے۔ آپ کی وفات ۸۵۲ھ کو ہوئی۔

(۲۳) اربعین شاہ ولی اللہ۔ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جوامع الکلم کی حیثیت رکھنے والی چالیس حدیثوں کو جمع فرمایا ہے۔

(۲۴) اربعین ملا علی قاری۔ حضرت علامہ شیخ علی بن سلطان محمد قاری جو ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے احادیث قدسیہ پر مشتمل ایک ایسی اربعین تصنیف فرمائی ہے کہ جس میں آپ نے اللہ رب العزت کی طرف منسوب کلام رسول جسے حدیث قدسی کہا جاتا ہے انہیں جمع کیا ہے۔ اس اربعین کا نام "کتاب الاحادیث القدسیة الاربعینیة" ہے۔ آپ گیارہویں صدی ہجری کے معروف بزرگ ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰۱۴ھ میں ہوئی۔

(۲۵) اربعین امام بغوی۔ صاحب مصابیح السنۃ حضرت امام ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد بن فراء بغوی علیہ الرحمہ نے یہ اربعین تصنیف فرمائی۔ آپ چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ نے ۵۱۰ھ میں وفات پائی۔

اربعینات امام احمد رضا

یوں تو اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا

خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی تصانیف میں بے شمار احادیث کریمہ ملتی ہیں جنہیں فخر بریلی، ناشر رضویات حضرت علامہ مفتی محمد حنیف خاں صاحب رضوی، بانی و ناظم امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر بریلی شریف نے ''جامع الاحادیث'' کے نام سے جمع فرما دیا ہے۔ آپ کے نقل کردہ ذخیرۂ احادیث میں دو اربعینات ہمیں ملتی ہیں جن میں ایک کا نام "اسماع الاربعین فی شفاعة سید المحبوبین" دوسری اربعین سجدہ تعظیمی کی حرمت پر ملتی ہے جو سجدہ تعظیمی کی حرمت پر تصنیف کئے گئے آپ کے رسالہ " الزبدة الذکیه لتحریم سجود التحیة" کے ضمن میں ملتی ہے۔ اس اربعین میں اعلیٰ حضرت نے سجدہ تعظیمی کی حرمت پر چالیس حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

(۲۶) اسماع الاربعین۔ دراصل یہ اعلیٰ حضرت کی وہ اربعین ہے کہ جسے آپ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ آپ سے سائل نے یہ معلوم کیا تھا کہ ''نبی اکرم ﷺ کا شفیع ہونا کس حدیث سے ثابت ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ ''سبحان اللہ! ایسے سوال سن کر تعجب آتا ہے کہ مسلمان و مدعیان سنت اور ایسے واضح عقائد میں تشکیک کی آفت!!! یہ بھی قربت قیامت کی ایک علامت ہے۔''انا لله و انا الیه راجعون"

(اسماع الاربعین مشمولہ رسائل رضویہ صفحہ ۳۹۹ جلد ۳۰ / مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

آگے ایک جگہ یوں فرماتے ہیں کہ:

''فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے رسالہ " سمع و طاعة لاحادیث الشفاعة" میں بہت کثرت سے ان احادیث کی جمع و تلخیص کی (یہاں) بہ نہایت اجمال صرف چالیس حدیثوں کی طرف اشارت'' (ایضاً صفحہ ۴۰۰)

اس رسالہ میں آپ نے آقا کریم ﷺ کے شفیع ہونے اور آپ کو منصب شفاعت عطا کئے جانے پر مشتمل چالیس احادیث کریمہ کو جمع فرمایا ہے۔ یہ اربعین آپ نے ۱۳۰۵ھ میں تصنیف فرمائی۔

(۲۸) الزبدة الزکیة لتحریم سجود التحیة

التحیة ۔ ۹ / رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ کو آپ کے پاس بنارس سے مولوی حافظ عبدالسمیع صاحب کا ایک سوال نامہ آیا جس میں زید اور عمرو کے مابین مرشد طریقت کو سجدۂ تعظیمی کرنے کے جواز اور عدم جواز پر مشتمل ایک مکالمہ نقل فرما کر یہ سوال کیا تھا کہ ''براہ کرم سجدہ تحیت کے جواز و عدم جواز پر اپنی قیمتی رائے سے اس خادم کو مطلع فرمایا جائے''۔

(الزبدة الزکیة مشمولہ رسائل رضویہ جلد ۲۵ صفحہ ۳۷۴ / مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)

اس سوال کے جواب میں آپ نے چھ فصلوں پر مشتمل ایک رسالہ بنام "الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ" ۱۳۳۷ھ میں تحریر فرمایا۔ اس رسالہ کی دوسری فصل میں آپ نے چالیس حدیثوں سے سجدۂ تحیت کی تحریم ثابت فرمائی ہے۔ اس اربعین کا تعارف کراتے ہوئے آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

حدیث میں ''چہل حدیث'' کی بہت فضیلت آئی ہے۔ ائمہ و علما نے رنگ رنگ کی ''چہل حدیث'' لکھیں ہیں۔ ہم بتوفیقہ تعالیٰ غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے کی ''چہل حدیث'' لکھتے ہیں''۔ (ایضا صفحہ ۳۸۵)

(۲۹) اربعین حجۃ الاسلام۔ حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے قادیانیت کے رد میں "الصارم الربانی علی اسراف القادیانی" کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جو فتاویٰ حامدیہ میں چھپ چکا ہے۔ یہ فتاویٰ حامدیہ عرس صد سالہ کے موقع پر امام احمد رضا اکیڈمی بریلی کی طرف سے ترتیب جدید کے ساتھ منظر عام پر آ رہا ہے۔ اس میں درج عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ اور اس کی تصحیح و پروف ریڈنگ کا کام فقیر راقم الحروف نے انجام دیا ہے۔ بہر حال واقعہ یوں ہوا کہ ''سرساوہ'' ضلع سہارنپور کے یعقوب کلارک نامی ایک صاحب نے مؤرخہ ۱۵؍ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ ہجری کو ایک سوال نامہ بھیجا جس میں قادیانیوں کی کچھ لغویات سے متعلق سوال کیا گیا۔ اسی کے جواب میں آپ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے قیامت کے قریب آسمان سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نزول اور ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لئے جانے پر مشتمل جو احادیث کریمہ نقل فرمائی ہیں ان کی تعداد ۴۳؍ رہے۔ جسے ہم امام نووی علیہ الرحمہ کے اصول کے مطابق اربعین کے نام سے موسوم کر کے اربعینات میں شمار کر سکتے ہیں۔ کیونکہ امام نووی کی اربعین میں بھی چالیس نہیں بلکہ ۴۲؍ حدیثیں ہیں۔

(۳۰) اربعین مفسر اعظم ہند۔ نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ نے مؤرخہ ۵، ۶، صفر المظفر ۱۳۷۳ھ میں ''چہل حدیث'' کے نام سے یہ اربعین تصنیف فرمائی۔ اس اربعین میں آپ نے ''مشکوٰۃ المصابیح'' سے چالیس ایسی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے کہ جن میں سے اکثر کا تعلق ایمان و عقیدہ سے اور بقیہ کا تعلق ذکر و شکر سے ہے۔

مفسر اعظم ہند کی ''چہل حدیث'' کا تعارف

جیسا کہ مذکور ہوا کہ حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ''چہل حدیث'' کے نام سے ایک اربعین تصنیف فرمائی ہے۔ آپ نے اپنی اس اربعین کو سرزمین کلکتہ پر مؤرخہ ۵، ۶، صفر المظفر ۱۳۷۳ھ میں تصنیف فرمایا۔ در اصل آپ کلکتہ بیعت و ارشاد اور دعوت و تبلیغ کی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں آپ کے پاس نہ تو کتابیں تھی اور نہ ہی

شروحات۔لیکن آپ کے ذہن و دماغ میں عقائد اہل سنت کی تائید و توثیق کرنے والی احادیث کریمہ اور ان کی تشریحات کا ایسا دریا موجزن تھا کہ جن سے سنیوں کے ایمان میں جلا اور تروتازگی پیدا ہوتی۔اس لئے آپ نے بریلی شریف واپس لوٹ کر لکھنے پر ملتوی نہ فرمایا بلکہ اسی حالت سفر ہی میں فوراً انہیں سپرد قرطاس فرمادیا۔

اس ''چہل حدیث'' میں حضرت مفسر اعظم ہند نے امام محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی (م ۷۴۱ھ) کی ''مشکوٰۃ المصابیح'' سے چالیس حدیثیں منتخب فرما کر ان کا ترجمہ اور فوائد وتشریح جمع فرمائے ہیں۔اس میں آپ نے احادیث کریمہ کا عربی متن نقل نہیں فرمایا۔ان احادیث کریمہ کے تحت آپ نے عقائد اہل سنت کے اثبات، وہابیہ اور دیابنہ کے رد و ابطال پر مشتمل جو علمی نکات بیان فرمائے ہیں وہ پڑھے جانے، سنائے جانے، تقریروں میں بیان کئے جانے اور محفوظ رکھے جانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ان علمی وفنی نکات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا کہ حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمۃ و الرضوان کو فن تفسیر کے ساتھ فن حدیث میں کس قدر ملکہ حاصل تھا۔سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم وفنون کے جلوے آپ کی تحریروں میں جابجا دکھائی دیتے ہیں۔کیوں نہ دکھائی دیں جبکہ آپ تو ''لسان رضا'' ہیں۔

''چہل حدیث'' کے اپنے مقدمہ میں آپ اس اربعین کا تعارف، سبب تالیف، تاریخ تالیف اور غرض تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ مختصر، فقیر نے تالیف کیا ''مشکوٰۃ المصابیح'' سے۔ یہ اظہار اس لیے کہ اس کا انکار نہ کرسکیں اور فقیر نے اس مختصر میں ان احادیث کا ذکر کیا جو کہ عقائد حقہ اہلسنت و جماعت کی تائید و توثیق کرتی ہیں اور فضائل اعمال کی احادیث کی طرف زیادہ توجہ نہ کی کہ جب تک عقیدہ درست نہ ہو، اعمال بے حقیقت ہیں۔پھر میں نے ذکر وشکر کا اہتمام کیا اور جہاں تک ہوسکا مضمون کو طول دینے سے اجتناب کیا ہے اور مناسب موقع ومحل بعض نکات قرآنی جو اس کے الفاظ سے محتمل ہیں ''درجۂ تاویل'' میں، فقیر نے ذکر کیے اور یہ میرے سینہ میں جوش زن تھے اور میں مسرور ہوں کہ میرے رب نے توفیق عطا فرمائی طباعت واشاعت کی کہ وہ نکات واسرار شائع نہ ہوتے اور میں انتقال کرتا تو مجھ کو خوف تھا کہ یہ میرے لئے باعث ہلاکت ہوتا اور یہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث مسرت ہوگا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت (تعریف وتوصیف اور فضائل ومناقب) کے نئے نئے جواہر پارے ان کو دستیاب ہوئے۔ "یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان"۔

﴿سورۂ رحمٰن۔آیت ۲۲ / رکوع ۱۱ / پارہ ۲۷﴾

﴿**ترجمہ**: ان میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے۔کنز الایمان﴾

﴿سبب تالیف﴾

یہ بحرین قرآن و حدیث کے گہر و لعل و جواہر زواہر جس ''غواص حبشی'' (مفسر اعظم ہند) نے پیش کیے ہیں اسے امید ہے کہ محبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبول ہوں گے اوران کی چمک دمک سے اس کا سیاہ رنگ اور تیرہ بختی اور قبر کی تاریکی کافور ہوگی اور یہ ایک نمونہ ہیں اور بہت کچھ ابھی باقی ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ یہ برکات اولیائے کرام، یہ امانت میں ان کو پہنچا دوں جو اس کے اہل ہیں تاکہ ان کے قلوب وقبور و دین و دنیا روشن ہوں اور یہ فقیر ان کی خیر خواہی کا حق ادا کر سکے اور جو نا اہل ہیں ان کے چہرے اور تاریک ہوں۔

''یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ''۔

(سورۂ آل عمران آیت ۱۰۶ رکوع ۲ / پارہ ۴)

﴿**ترجمہ**: جس دن کچھ منہ اونجالے (روشن) ہوں گے اور کچھ منہ کالے۔ کنز الایمان﴾

مولی تعالی محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے قلوب میں جاگزیں فرمائے۔ آمین۔

﴿تاریخ تالیف﴾

اور لکھا میں نے اس کو کلکتہ میں ۵/ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ اور ۶/ صفر میں دراں حالیکہ میرے پاس شروح وغیرہ نہ تھیں اور نہ کوئی اور کتاب اور جب آپ مطلع ہوں میری خطا پر تو میرے لئے استغفار کریں اور اطلاع دیں اور جب آپ متعجب و متحیر ہوں اور کوئی چیز آپ پر اثر ڈالے اور آپ کو خوش کرے تو میرے لئے دعا فرمائیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔'' وتعاونوا علی البر والتقوٰی''

﴿سورۂ مائدہ ا۔ آیت ۲ / رکوع ۵ / پارہ ۶﴾

﴿**ترجمہ**: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ کنز الایمان۔﴾

﴿فائدۂ تالیف﴾

اور جو، ان (۴۰) احادیث کو یاد کرے اور دوسروں کو سنائے یا لکھ کر دے یا کتاب دوسروں کو پہونچائے تو بے شک اس نے دین کی خدمت کی اور علم کو پھیلایا اور روز قیامت یہ شخص زمرۂ علما میں محشور ہوگا اور ثواب عظیم حاصل کرے گا اور اموات کو ایصال ثواب کے لئے ایسی کتابوں کا جیسی یہ (مفسر اعظم ہند کی ''چہل حدیث'') ہے، طبع کرانا، تقسیم کرانا، کارِ عظیم ہے''۔ (چہل حدیث از۔ مفسر اعظم ہند)

چہل حدیث کا اجمالی خاکہ:

حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے'' چہل حدیث'' نامی اپنی اس اربعین میں مشکوٰۃ المصابیح کی کتاب العلم سے ۵، کتاب الایمان کے مختلف ابواب سے ۲۳، کتاب فضائل قرآن سے ۴، کتاب الدعوات سے ۴/ اور کتاب الصلوٰۃ / باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ سے ۴، حدیثوں کو جمع فرمایا ہے جن کی مجموعی تعداد چالیس ہوتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کا مختصر تعارف

از۔ مفتی محمد انور علی رضوی، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

* حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت ۱۰؍شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء بروز ہفتہ بوقت ظہر بریلی شریف کے محلّہ ذخیرہ متصل جسولی میں ہوئی۔

* حضور اعلیٰ حضرت کے والد گرامی کا نام حضرت مولانا مفتی نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ ماجدہ کا نام حسینی خانم بنت اسفند یار بیگ ہے اور آپ کے جد امجد کا نام حضرت مولانا رضا علی خان علیہ الرحمہ ہے۔

* حضور اعلیٰ حضرت کی زوجہ محترمہ کا نام ارشاد بیگم بنت شیخ افضل حسین عثمانی ہے۔

* حضور اعلیٰ حضرت کا پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام ''المختار'' اور عرفی نام احمد رضا اور کنیت عبد المصطفیٰ ہے۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے ناظرہ قرآن پاک چار سال کی عمر میں ۱۸۶۰ء/۱۲۷۶ھ میں ختم فرمایا۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے آٹھ سال کی عمر میں ھدایۃ النحو کی شرح عربی میں لکھی۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے چھ سال کی عمر میں بزبان فصیح ربیع الاول شریف ۱۲۷۸ھ میں میلاد شریف پڑھی۔

* حضور اعلیٰ حضرت ۱۳/ سال ۱۰/ مہینہ ۵/ دن کی عمر میں ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۸۶ھ میں دستار وسند فضیلت سے نوازے گئے۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے سب سے پہلا فتوی رضاعت کا ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں لکھا۔

* حضور اعلیٰ حضرت کے پیر ومرشد کا نام حضرت مولانا شاہ سید آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالی عنہ ہے۔اور دادا پیر کا نام حضرت سید شاہ اچھے میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

* حضور اعلیٰ حضرت کو ستر (۷۰) علوم وفنون پر مہارت تامہ حاصل تھی۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے ۵۴/ برس تک فتوی نویسی کا کام انجام دیا۔

* حضور اعلیٰ حضرت کو ۱۳/ سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل تھی۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے علم غیب کے موضوع پر ایک کتاب لاجواب عربی میں بنام "الدولۃ المکیہ " صرف آٹھ گھنٹے میں مکہ شریف میں لکھی۔

* حضور اعلیٰ حضرت کے پاس ڈاکٹر ضیاء الدین وائس چانسلر علیگڑھ سے آئے اور علم ریاضی کا ایک اہم مسئلہ حل کیا۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے ستر (۷۰) علوم وفنون پر ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھیں۔

* حضور اعلیٰ حضرت کی اولاد میں تین لڑکے اور ۵ لڑکیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خان دوسرے صاحبزادے محمد محمود رضا خان (جنکا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا) تیسرے صاحبزادے تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند مولانا محمد آل الرحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی مصطفیٰ رضا خاں ہیں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اورلڑکیوں کے نام یہ ہیں مصطفائی بیگم، کنیز حسن، کنیز حسین، کنیز حسنین، مرتضائی بیگم۔

* حضور اعلیٰ حضرت تین بھائی تھے۔ منجھلے بھائی استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خان، چھوٹے بھائی امام الفرائض علامہ مفتی محمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے اپنی تاریخ ولادت قرآن پاک کی اس آیت سے نکالی "اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ".

* حضور اعلیٰ حضرت نے ایک ماہ کی قلیل مدت میں پورا قرآن پاک حفظ کرلیا اور تراویح میں سنا دیا۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے تمام عمر زبانی وعظ فرمایا ہے لیکن ایک کتاب (سرور القلوب فی ذکر المولد المحبوب) جسے آپ دیکھ کر وعظ فرماتے تھے۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر سورہ والضحیٰ کے موضوع پر چھ گھنٹے خطاب فرمایا۔

* اعلیٰ حضرت کے مرشد گرامی سید شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے آل رسول میرے لیے کیا لایا ہے تو میں کہوں گا تیرے لیے احمد رضا کو لایا ہوں۔

* حضور اعلیٰ حضرت کے یہاں مجالس میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سید کو دوگنا حصّہ ملتا تھا۔

* حضور اعلیٰ حضرت باتفاق علمائے عرب وعجم چودہویں صدی کے مجدد دین وملت تھے۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے ۱۳۳۰ھ میں قرآن پاک کا سب سے انوکھا اردو ترجمہ بنام کنزالایمان (ایمان کا خزانہ) عطا فرمایا جو سرمایۂ حیات وسلامتی ایمان ہے۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے تادم زیست تین مقدس جگہوں کی سمت کبھی پیر نہیں پھیلائے (۱) کعبہ شریف (۲) مدینہ منورہ (۳) بغداد شریف۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے پونے تین ماہ مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران بقول خود تقریباً ۴ من کی مقدار میں آب زم زم پیا تھا۔

* حضور اعلیٰ حضرت ۲۴ گھنٹوں میں عموماً تقریباً ساڑھے چار گھنٹے سویا کرتے تھے۔

* حضور اعلیٰ حضرت گھڑی کا ٹائم دن کو سورج اور رات کو ستارے دیکھ کر ملایا کرتے تھے۔

* حضور اعلیٰ حضرت ہمیشہ ۷۸۶ کا عدد داہنی طرف سے لکھا کرتے تھے۔

* حضور اعلیٰ حضرت نے بریلی شریف میں ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں

مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا۔

* حضور اعلی حضرت کے جد امجد قندھار سے ہجرت کر کے دہلی چلے آئے اور حضرت سعادت یار خاں کی وفات کے بعد بریلی کو اپنا مسکن بنایا۔

* حضور اعلی حضرت کی عمر سن عیسوی کے اعتبار سے ۶۵ سال اور سنہ ہجری کے اعتبار سے ۶۸ رسال کی ہوئی۔

* حضور اعلی حضرت نے اپنی پوری زندگی میں کبھی اتنی رقم جمع ہی نہیں رکھی جس پر زکوۃ واجب ہو لہٰذا آپ نے کبھی زکوۃ نہیں دی۔

* حضور اعلی حضرت نے اپنی تاریخ وصال قرآن پاک کی اس آیت سے نکالی "**ویطاف علیھم بآنیة من فضة واکواب**".

* حضور اعلی حضرت نے ۲۵ ر صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ ۲/ بج کر ۳۸/ منٹ پر وصال فرمایا۔

* حضور اعلی حضرت کی نماز جنازہ حسب وصیت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔

* حضور اعلی حضرت کی قبر مبارک پر حسب وصیت حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے سات مرتبہ اذان پڑھی۔

* حضور اعلی حضرت کا مزار پر انوار رضا نگر محلّہ سوداگران بریلی شریف میں فیض بخش خاص و عام ہے۔

حق فرمایا حق سمجھایا حق کے علاوہ سب ٹھکرایا
حق کی نصرت حق کی رفعت حق کی عزت اعلی حضرت

منقبت شریف بموقع عرس صدسالہ

(درشان اقدس سرکار اعلیٰ حضرت)

ازقلم۔ مفتی محمد انور علی رضوی، استاذ منظر اسلام

عاشق شاہ رسالت کا یہ عرس پاک ہے
شاہ بطحا کی عنایت کا یہ عرس پاک ہے
غوث اعظم کی کرامت کا یہ عرس پاک ہے
اہلسنت کی حمایت کا یہ عرس پاک ہے
آفتاب اہلسنت کا یہ عرس پاک ہے
رہبر راہ شریعت کا یہ عرس پاک ہے
حق نما و حق نگر وہ نائب خیرالبشر
پاسبان دین و ملت کا یہ عرس پاک ہے
عمر بھر کرتا رہا جو خدمت دین متین
بالیقیں اس فیض درجت کا یہ عرس پاک ہے
جس کے مسلک کی مچی ہے دھوم سارے دہر میں
اس امام اہلسنت کا یہ عرس پاک ہے
بادشاہ علم و فن جس کو کہیں اہل عرب
اس سراپا علم و حکمت کا یہ عرس پاک ہے
نجدیت کی دھجیاں جس نے اڑادیں بالیقیں
اس شہنشاہ خطابت کا یہ عرس پاک ہے
عاشقان مصطفیٰ کا روز ہے میلہ لگا
میرے آقا اعلی حضرت کا یہ عرس پاک ہے
نورِ نوری سے منور ہے دل انوؔر علی
داعیٔ رشد و ہدایت کا یہ عرس پاک ہے

اعلیٰ حضرت اور تربیت اولاد

از: قاری عبدالرحمٰن خان قادری، مدیر ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

ہم اپنے بچپن میں دیکھتے تھے کہ بچے اپنے ماں باپ کا بھرپور ادب کرتے، ان کی عزت و تعظیم بجالاتے۔ دل میں ان کا خوف بھی رکھتے تھے۔ اگر کوئی کہہ دیتا کہ ''تیری شکایت تیرے باپ سے کردوں گا'' تو کانپ جاتے۔ اور اس کی خوشامد کرنے لگتے ''خدا کے لیے میرے باپ سے مت کہنا اب آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا'' بھلا مجال کیا تھی کہ کوئی جوان بیٹا اپنے باپ کے سرہانے تو کجا ان کے برابر پائنتی بھی بیٹھ جائے۔ بس ادب کے ساتھ کھڑے رہنا ہے۔ جو حکم ہوگیا اسے بجالانا ہے۔ ماں باپ کو ناراض کرنا اپنی زندگی کا سب سے بڑا نقصان ہے جس کام کی تاکید ہوگئی بس اس میں لگ گئے۔ اور جب تک وہ پورا نہ ہوجائے اسی میں مصروف رہتے کسی بات پر خفا ہو کر باپ نے اگر ڈانٹ دیا تو بیٹے کے لیے یہ بہت بڑا غمناک سانحہ ہے۔ پورے گاؤں میں ہم ایسا ہی دیکھتے تھے تعلیم کا اجالا نہیں تھا۔ مگر دل تعظیم و اطاعت کے نور سے روشن تھا۔ ماں باپ کے پاس بھی کوئی خاص تعلیم نہیں اور اولاد بھی ناخواندہ۔ مگر اپنے کام سے کام۔ کھانا کھایا روزگار سے لگ گئے۔ رات ہوئی سو گئے۔ نہ دوسرے بھائیوں کی غیبت نہ عیب جوئی۔ اگر کوئی مسلمان بھائی بیمار یا پریشان حال ہوتا تو اس کی خیر خبر ضرور لینا تھی۔ آج تعلیم کی روشنی پھیل چکی ہے۔ اس دور کی نسبت علم کہیں زیادہ۔ مگر حالات بد سے بدتر نظر آتے ہیں۔ نمازوں سے دوری، بدعملی کی کثرت، دوسروں کی ایذا رسانی میں دل کو راحت، اولاد ماں باپ کی تعظیم اطاعت سے گریزاں، ان کا حکم ماننے کو تیار نہیں۔ ان کو کم عقل اور خود کو صاحب فہم و ذکا سمجھا جا رہا ہے۔ ان کے دشمنوں سے دوستی۔ ان کے قرابت داروں سے عار۔ کتنے پڑھے لکھے بھی دیکھے۔ جو خود کو دانا و بینا اور اپنی کارگزاریوں کو لائق و فائق تو سمجھتے ہیں اور اپنے ماں باپ کو جاہل و احمق اور ان کے معاملات کو بیکار گردانتے ہیں۔ کتنے پڑھے لکھے حضرات برسر منبر ایسے بھی جو اطاعت والدین پر زبردست خطاب فرماتے ہیں۔ مگر ان کے خانگی حالات؟ بس اللہ کی پناہ! وہ ماں باپ سے پریشان اور ماں باپ ایسی نالائق اولاد سے پریشان۔ بدچلن اولاد کی حرکات قبیحہ دیکھ کر دل جلتا ہے مگر سختی نہیں کر سکتے اگر کریں تو خطرہ ہی خطرہ۔ آخر یہ سب کیوں ہیں؟ آج علم کی روشنی پھیل گئی تو یہ جہالت کی تاریکی کیوں؟ ماحول اور معاشرہ دن بدن کیوں بگڑ رہا ہے؟ جوان نسل آخر راہ راست پر کیوں نہیں؟ ماں سے زیادہ بیوی کی اہمیت اور باپ سے زیادہ دوستوں کا لحاظ آخر کیوں؟ یقیناً اس کے لیے ماں باپ بھی ذمہ دار ہیں۔ ماں باپ نے اپنی ذمہ داریوں کا حق ادا نہ کیا۔ اسلامی تعلیم کے تناظر میں ان کی تربیت نہیں کی جس کا تباہ کن نتیجہ سامنے ہے۔ والدین تعلیمات

اعلی حضرت کی روشنی میں اپنے فرائض ادا کریں۔ احادیث پر عمل پیرا ہوکر اپنے بزرگوں کی روش اپنالیں تو حالات بدل سکتے ہیں۔ کہیں نہ کہیں ہم خود بھی قصوروار ہیں سماج کی بے راہ روی اور معاشرے کی بدحالی کے لیے ہم بھی ذمہ دار ہیں۔ ہم صرف اولاد کو موردالزام ٹھہرا کر اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ ہم نے احادیث کریمہ پر عمل نہیں کیا۔ بزرگوں کے فرمودات سے سبق نہیں لیا۔ اور اپنی اولاد کی تربیت اسلامی تعلیم کی روشنی میں نہیں کی جس کے مضراثرات اور منفی نتائج آج ہمارے سامنے ہیں۔

طریقِ مصطفیٰ کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

امام عشق ومحبت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہٗ نے قوم کی فلاح وترقی کے لئے ایک چار نکاتی پروگرام پیش کیا۔ جس پر عمل نہیں کیا گیا اگر عمل کیا جاتا تو قوم "قعرِ مذلت" سے نکل کر فلاح و بہبود کی منزل بلند پر فائز المرام ہوجاتی۔ صرف کتابیں چھاپنا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ ان پر عمل کی تحریک چلانا بھی ضروری ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کے وصال کو ۱۰۰ ر سال ہونے کے باوجود ان کی ساری کتابیں تاہنوز منظرعام پر نہیں۔ سوچئے یہ کس کی ذمہ داری ہے؟ اور کون اس کے لیے قصوروار ہے؟ ان پر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں پانے والے دو درجن سے زائد ہیں مگر ان کی تعلیمات کہ جن کے دامن میں ہر شعبہ حیات کی فلاح کے قیمتی موتی موجود ہیں ان پر ہم نے کتنا عمل کیا؟ انہوں نے پوری ملت کا بھلا کیا۔ ملت نے انہیں کیا دیا غور کیجیے۔

اعلیٰ حضرت عام بندوں کے حقوق تفصیل سے تحریر فرمائے، اولاد کے ماں باپ کے حقوق بھی بیان کئے اور اولاد کے حقوق بھی تفصیل سے شمار کرائے۔ اگر سبھی افراد تعلیمات رضا پر عمل کرتے ہوئے اپنے اپنے حقوق کی ادائیگی میں غفلت و تساہلی نہ کریں تو معاشرے کا نقشہ ہی بدل جائے۔ آج ہم اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی دنیاوی تعلیم پر پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہیں۔ لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کرنا ہمیں بار نہیں۔ اس کے لیے ہم قرض بھی لے سکتے ہیں۔ اور اپنا اثاثہ بھی فروخت کر سکتے ہیں۔ دنیاوی تعلیم اعلی حضرت کی نظر میں کوئی ''شجر ممنوعہ'' نہیں ہے۔ ضرور حاصل کیجئے اور کرائیے۔ مگر سوچئے دینی تعلیم اور اولاد کی دینداری کے لیے ہم نے کیا کیا؟ کیا دین کو پس پشت ڈال کر صرف عصری علوم کے حصول میں شب وروز لگے رہنا اور اس پر بے تحاشہ مال خرچ کرنا۔ اعلی حضرت کی تعلیم کے موافق ہے؟ اتباع سنت کو چھوڑ کر جدید دنیا کی پیروی کرنا کیا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں؟ ذرا سوچئے!

اولاد کہنا نہیں مانتی غلط راستے پر رواں دواں ہے، عمل خیر سے کوسوں دور ہے۔ اپنی مرضی سے جہاں چاہے جائے اور جب چاہے آئے، آخر یہ سب کیوں ہیں؟ ہماری نااہلی اور غلط تربیت کے سبب۔ ہم نے اگر اعلیٰ حضرت مجدد اسلام کے فتوے اور ان کے ارشادات پر عمل کیا ہوتا تو آج رونا نہ پڑتا۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی اور اپنی اولاد کی فلاح ونجات اور اپنے معاشرے کی اصلاح کے لئے اعلی حضرت کا سبق اپنائیں ان کی نجات بخش

تعلیمات کے سائے میں آجائیں۔ان کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہوں تو معاشرہ بھی سدھر جائے اور کامیابی بھی ہمارے قدموں پر فدا ہو۔

ان کے قدموں پرخمیدہ ہے ہر اک فوز وفلاح
ان کا دامن تھام لے تو سرخرو ہوجائے گا

اعلیٰ حضرت کے فتوے کی چند لائنیں غور سے پڑھیں وہ تحریر فرماتے ہیں:

عقائد اسلام وسنت سکھائے کہ اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہوگا۔ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی محبت وتعظیم ان کے دل میں ڈالے۔کہ اصل ایمان وعین ایمان ہے۔حضور پرنور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آل واصحاب واولیاء وعلماء کی محبت و عظمت تعلیم کرے۔کہ اصل سنت وزیور ایمان بلکہ باعث بقائے ایمان ہے۔ سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کرے۔علم دین، خصوصاً وضو، غسل، نماز و روزہ کے مسائل، توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامت صدر ولسان وغیرہا خوبیوں کے فضائل، حرص وطمع، حب دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، تکبر، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہا برائیوں کے رزائل پڑھائے۔ پڑھانے سکھانے میں رفق ونرمی ملحوظ رکھے (چند لائنوں کے بعد) زنہار زنہار بری صحبت میں نہ بیٹھنے دے۔کہ یار بد مار بد سے بدتر ہے۔(فتاوی رضویہ ج ۹ ص ۷۴ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

اعلیٰ حضرت کی مذکورہ عبارت بغور پڑھئے اور بار بار پڑھیے جو لفظ استعمال کئے گئے ہیں ان کے معانی اور تقاضے کیا ہیں یہ سمجھنا بھی ضروری۔ ہر لفظ اپنے دامن میں خوبیوں کے خوشنما گلاب رکھتا ہے۔ ہر لفظ سمندر ہے جو معانی کے موتیوں سے لبریزہ ہے ۔

ہر لفظ ترا حسن کے پھولوں سے مزین
ہر بول ترا موتیوں کی عمدہ لڑی ہے

اعلی حضرت کے نزدیک بچوں کو دینداری، زہد، اخلاص، تواضع، صدق، عدل، حیا کی تعلیم دینا ماں باپ کی ذمہ داری ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اولاد کو حرص وطمع، حب دنیا، ریاکاری، تکبر، گھمنڈ، خیانت، جھوٹ، گالی گلوچ، حسد اور کینہ وغیرہ برائیوں سے بچانا بھی ماں باپ کی ذمہ داری ہے۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ ماں باپ خود ان برائیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں وہ کیا اولاد کو ان رذائل سے بچائیں گے۔ بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا۔ دینی تعلیم دلانا، قرآن عظیم پڑھانا، بزرگوں کے نقش قدم پر چلانا، اللہ والوں کی محبت ان کے دلوں میں بٹھانا، غلط صحبت اور غلط جگہوں سے بچانا، یہ بھی ماں باپ کی ذمہ داری۔۔۔۔۔۔غور کیجئے اعلی حضرت کے اس سبق پر اگر ہم عمل کریں، خود بھی باعمل بنیں اور اولاد کو بھی عمل خیر کا خوگر بنائیں۔ خود بھی زھد واخلاص، تواضع وانکساری، حلم وبردباری، صدق وعدل، توکل وقناعت، نظافت ونفاست کے زیور سے آراستہ ہوں اور بچوں کے دامن بھی انہی پھولوں سے بھریں۔ دوسرے مسلمان بھائیوں کی غیبت وبرائی، ظلم وتشدد، حسد وکینہ، کذب و فریب دہی، اور غرور وتکبر سے خود بھی کوسوں دور رہیں اور بچوں کو

بھی ان عیوب سے بچاتے رہیں تو معاشرے کی اصلاح کیوں کر نہ ہوگی۔ ہر فرد ان تعلیمات پر عمل کرے اور یہ نہ دیکھے زید کیسا ہے؟ بکر کیا کر رہا ہے؟ بلکہ خود کو دیکھے اور اس سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالے تو ضرور حالات بدلیں گے۔ اور معاشرے کی اسی دلدل میں اصلاح کے خوبصورت گلاب کھلیں گے۔

میرے جنوں کا نتیجہ ضرور نکلے گا
اسی سیاہ سمندر سے نور نکلے گا

اعلیٰ حضرت نے اولاد کے ماں باپ پر اَسّی (۸۰) حق شمار کرائے ہیں اور اولاد پر بھی ماں باپ کے زبردست حقوق بیان فرمائے۔ اگر اولاد ماں باپ کے حقوق اور ماں باپ اولاد کے حقوق ادا کریں تو سارے عالم میں خوشبو ہی خوشبو پھیل جائے۔ اجالا ہی اجالا نظر آئے۔ آج تاریکی کا دور دورہ ہے۔ تعفن اور بدبو سے فضا لبریز ہے۔ جا بجا نجاست کے انبار نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے تعلیمات اعلیٰ حضرت کو نہیں اپنایا، اس لئے ناکامیوں، بدنامیوں، اور فحاشیوں نے ہمیں اپنے دامن میں سمیٹ کر حب دنیا کا عادی، کبر ونخوت کا خوگر، اور ریا ومکر کا دلدادہ بنادیا۔ فلاح دارین کے لیے ہمیں اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو اپنانا ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے ماں باپ، اور اولاد کے اسلامی حقوق ادا نہ کریں اور کل میدان قیامت میں "حق العبد" کے وبال میں گرفتار ہو جائیں۔ جب یہ حقوق ہیں تو حقوق کی ادائیگی اسی عالم میں لازم ہوتی ہے۔ کل میدان قیامت میں

بہت سی اولادیں ماں باپ کی نافرمانی کے سبب گرفتار مصائب ہونگی تو بہت سے والدین بھی اولاد کی بے راہ روی کے سبب مبتلائے زحمت ہونگے۔

ہمارے نبی، محسن انسانیت، معلم کائنات، آقائے دوجہاں، شفیع عاصیاں، **رسول کریم، رؤف و رحیم علیہ الصلاۃ والتسلیم** نے اولاد کی تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا ہے اس موضوع پر کتنی احادیث ہیں جو مسلمانان عالم کو ہدایت کا نور عطا کررہی ہیں اعلیٰ حضرت نے بھی انہی احادیث طیبہ کی روشنی میں اَسّی حق تحریر فرمائے۔ فتاوی رضویہ پڑھیے، سمجھیئے، اور اپنی زندگی کو بامعنی، بامقصد، اور بااصول بنایئے۔

مولا علی روایت کرتے ہیں میرے نبی نے ارشاد فرمایا۔ اپنی اولاد کو ۳/ باتیں سکھاؤ۔

۱۔ اپنے نبی کی محبت
۲۔ اہل بیت کی محبت
۳۔ قرآن کی تعلیم

آخر میں ہمارے نبی ﷺ نے ان تین باتوں پر عمل کا فائدہ بھی بیان فرما دیا۔ "وہ شخص قیامت میں اللہ والوں کے ساتھ اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوگا"

تربیت اولاد کے سلسلے میں کئی احادیث وارد ہیں اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام احمد رضا نے ان تمام کا خلاصہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمادیا۔ ہم اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ پر عمل کریں حدیث رسول پر بھی عمل ہوجائے گا۔ ہم اعلیٰ حضرت کے مسلک کو اپنالیں

رسول کریم کی رضا حاصل ہو جائے گی۔اعلی حضرت کے وصال کو ۱۰۰ سال ہو گئے۔کافی کام اعلیٰ حضرت پر ہوا مگر آج تک دنیا نے انہیں پورے طور پر جانا ہی نہیں اور جتنا جانا گیا اتنا عمل نہیں کیا گیا۔اعلیٰ حضرت ایک حیرت انگیز شخصیت کا نام ہے۔ان پر جتنا کام کیا جائے۔ان کو جتنا پڑھا اور سمجھا جائے۔اتنے ہی نئے نئے باب اور نئے نئے دریچے کھلتے نظر آئیں گے۔انہوں نے قوم کی اصلاح بھی کی اور قوم کو فلاح کی نعمت بھی بخشی۔انہوں نے صحیح اسلام سے روشناس بھی کرایا اور اہل جہاں کو آقا ئے کائنات کا عاشق وفادار بھی بنایا۔انہوں نے ایسے ایسے پروگرام پیش کیے جن پر عمل سے دنیا بھی بنتی ہے اور آخرت بھی،دنیا میں وقار ملتا ہے اور آخرت میں قرار۔ماں باپ اولاد کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں سمجھیں اور اولاد ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے تو صرف یہی ایک پروگرام دونوں جہان میں دونوں کی عزت وفلاح اور نجات وصلاح کے لیے کافی ہے۔ہمارے معاشرے کی بدحالی اسی ایک پروگرام پر عمل کرنے سے دور ہو سکتی ہے ۔

سچ کہا ایک مردِدانا نے
انکی تعلیم اپنی جنت ہے
تھام لے دامن رضا ناظمؔ
بس اسی میں تری سعادت ہے

تعلیمات رضا کی روشنی میں تربیت اولاد کے سلسلے میں چند مشورے:

ا۔تعلیم دین کو مقدم اور ضروری سمجھتے ہوئے قرآن عظیم اور اردو وغیرہ پہلے پڑھائیں۔

۲۔غلط صحبتوں سے بچنے کی تاکید بھی کرتے رہیں اور ان کی نقل و حرکت نشست و برخاست پر گہری نظر رکھیں۔

۳۔روزانہ قرآن عظیم کی تلاوت اور کسی دینی کتاب کا مطالعہ ضرور ہونا چاہیے اس کا خاص دھیان رکھیں۔

۴۔نماز کی پابندی ضروری ہے۔اس سے غافل نہ ہونے دیں۔

۵۔موبائل یا لیپ ٹاپ کا غلط استعمال نہ ہو۔گانوں اور غلط مناظر سے دور رکھیں۔کبھی کبھی موبائل وغیرہ چیک کرلیا کریں۔

۶۔بچپن میں انہیں بزرگان دین کے واقعات سنائیں اور بزرگوں کی محبت کے "جامہائے شیریں" پلائیں۔علماء کی مجلس وعظ میں ضرور لے جاتے رہیں۔

۷۔اپنے گھر کو جاندار تصویروں سے پاک رکھیں،مقامات مقدسہ کے نقشے،مزارات طیبہ کے طغرے،اور قرآن عظیم کی سورتوں کے فریم لگائیں۔

۸۔شروع سے ہی ان کی عادت ڈالیں کہ بغیر اجازت وہ کہیں نہ جائیں اور کوئی کام نہ کریں۔

۹۔کاروبار جائز ہونا چاہئے غلط کمائی سے خود بھی بچیں اور بچوں کو اس کی سخت تاکید کرتے رہیں۔قرآن وحدیث نے بہت سے مقامات پر پاکیزہ غذاؤں کی تاکید شدید فرمائی۔

(۱۰) روزانہ سخت ڈانٹنے اور زدوکوب (مارنے توڑنے) سے بچیں کہ اس کا نتیجہ بہتر نہیں نکلتا۔

اعلیٰ حضرت اور علم حدیث

از۔مولانا محمد اختر بریلوی، استاذ منظر اسلام بریلی شریف

اس میں کوئی شک نہیں کہ چودھویں صدی کے عظیم مجدد، سرچشمۂ ہدایت، منبع علم وحکمت، اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ بےنظیر عالم دین، مسائل شریعت کے عظیم دانشور ولاثانی محقق متین تھے۔صرف مسائل شریعت کے عالم ہی نہیں بلکہ دنیاوی فنون کے ایک ماہر اور بلا کی دسترس رکھنے والے عظیم مفکر بھی تھے جس پر علم جفر اور ریاضی کے وہ مسائل شاہد و عادل ہیں جن کی عقدہ کشائی کا سہرا آپ کے ماتھے جاتا ہے، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت معمولی شخصیت کے حامل نہ تھے بلکہ ان کی ذات گرامی علمی وتحقیقی عظمت کا پیکر تھی۔جس نے اپنی عبقریت وآفاقیت کا اعتراف نہ صرف اپنے مداحوں سے کرایا بلکہ غیر متعصب مخالفین کو بھی ان کی عظمت کا لوہا ماننا پڑا۔اس حقیقت سے بھلا کون صاحب عقل انکار کر سکتا ہے کہ امام احمد رضا نے علوم وفنون کے کسی خاص گوشہ پر ہی کام نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی ذہانت ولیاقت کے عطر بیز پھولوں سے متفرق علوم وفنون کے متعدد گوشوں کو مہکا دیا اور انہیں پھولوں کی خوشبو سے اسلامی علوم پر مشتمل برصغیر کا علمی سرمایہ مہک رہا ہے، آپکی شخصیت آسمان تحقیق کی وہ ضوفشاں خورشید تابندہ ہے جس نے فکر ونظر، تحقیق وتدقیق کے ہر گوشے کو ہر ذرے کو اپنی ضوفشانی سے روشن وتابناک بنا دیا، آج فقہ وافتا کے بیشتر محققین آپ کی تحقیقات اور تخلیقات سے استفادہ کئے بغیر اپنی تحقیق کو ناقص تصور کرتے ہیں۔

آپ نے اپنی گراں قدر تحقیقات سے جہاں اسلامی علوم کے ذخیرے میں معتد بہ اضافہ کیا وہیں آپ کی تحقیقات عالیہ نے اسلام کے اثبات اور اسلام مخالف نظریات کی تردید فرمائی اور قرآن و حدیث، اقوال اسلاف سے اس طرح سے استدلال بےمثال کیا کہ دشمنان اسلام کے منہ بند کر دیے، مخالفین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔آپ نے جہاں ایک طرف برصغیر کے علما سے داد تحسین حاصل کی وہیں خود عالم عرب کے مایۂ ناز اہل علم کو بھی اپنی خداداد صلاحیت و لیاقت اور کامل ذہانت وذکاوت کا پورا پورا احساس کرا دیا۔جن علوم و فنون میں آپ نے اپنے عظیم رشحات قلم یادگار چھوڑے ہیں انکی تعداد بہت زیادہ ہے۔جن کی تعداد خود اعلیٰ حضرت کی زبانی اس طرح ہے کہ کچھ علوم تو اپنے اساتذہ سے حاصل کئے جبکہ کئی علوم پر صرف اپنی فکر ونظر سے عبور حاصل کیا اور بیشمار علوم منجانب اللہ آپ کو بلاکسب ونظر حاصل تھے۔جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اجازات متینہ میں فرماتے ہیں:

''مولیٰ تعالیٰ اپنے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اس کا وافر حصہ ہم کو مرحمت فرمائے آمین اور وہ پورے دس علم ہیں''۔

۲۱ رعلوم ایسے ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد قدس سرہ الماجد سے حاصل کیا جو مندرجہ ذیل ہیں:

علم قرآن، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ حنفی، اصول فقہ، جدل

مہذب، علم تفسیر، علم عقائد والکلام، علم صرف، علم نحو، علم معانی، علم بیان ،علم بدیع، علم منطق، علم مناظرہ، علم فلسفہ مدلسہ، علم تکسیر، علم ہیئت، علم حساب، علم ہندسہ۔

وہ ۱۰ ارعلوم جنہیں اعلیٰ حضرت نے کسی سے نہ پڑھا:

(۱) قرأت (۲) تجوید (۳) تصوف (۴) سلوک (۵) اخلاق (۵) اسماء الرجال (۷) سیر (۸) تواریخ (۹) لغت (۱۰) ادب مع جملہ فنون۔

تو میں آپ سب کو ان علوم جلیلہ کی دونوں قسموں کی اجازت دیتا ہوں"۔

وہ ۱۴ر علوم جنہیں امام اہل سنت نے کسی افادہ بخش استاد سے حاصل نہیں کیا نہ پڑھ کر، نہ سن کر، نہ باہمی گفتگو سے، بلکہ محض نظر وفکر سے حاصل ہوئے:

(۱) ارثما طیقی (۲) جبر (۳) مقابلہ (۴) حساب ستینی (۵) لوغارثمات (۶) علم التوقیت (۷) مناظر (۸) مرایا (۹) علم الاکر (۱۰) زیجات (۱۱) مثلث کروی (۱۲) مثلث مسطح (۱۳) ہیأۃ جدیدہ ومربعات (۱۴) حصہ جفر وحصہ زائرچہ۔

یہ ۱۴ر علوم ایسے ہیں کہ ان تک بذریعہ کوشش ذہن کی رسائی ہوسکتی ہے کیونکہ جو علم سینوں سے تحریر کی جانب منتقل کیا جائے اگر اس کی تحریر میں انتہائی اختصار اور حد درجہ پیچیدگی اختیار کی گئی ہو تو وہ تدبر اور گہرے تفکر کے ذریعہ معلوم ومکشوف ہوسکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں وہ ۱۴ر علوم جو فقیر کو محض نظر وفکر سے حاصل ہوئے ہیں ان میں یہ ۵ر بھی ہیں: (۱) فرائض (۲) حساب (۳) ہیئت (۴) ہندسہ (۵) تکسیر۔ انہیں میں ۴ر علوم کا اضافہ اور ہوجاتا ہے (۱) جمع (۲) تفریق (۳) ضرب (۴) تقسیم۔

اس طرح سے رسمی، کسبی اور وہبی علوم کی تعداد تقریباً ۵۹ر ہوجاتی ہے مگر زمانہ کی تبدیلی کے پیش نظر محققین نے مزید نظر وفکر کے بعد ان علوم میں اور غور وخوض کیا تو ان کی الگ الگ تقاضوں کے لحاظ سے تقسیمیں کرتے چلے گئے جس کے نتیجہ میں بہت سارے محققین نے الگ الگ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے علوم و فنون کی تعداد بیان کی ہے۔ متعدد سوانح نگاروں نے انکی متفرق تعداد لکھی کچھ رسائل میں ان کی تعداد ۷۰ر لکھی گئی ہے لیکن اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت پر پی ایچ ڈی کرنے والے دور حاضر کے ایک عظیم دانشور آفاقی ذہن کے مالک ڈاکٹر محمد حسن صاحب پروفیسر پٹنہ یونیورسٹی بہار کے بیان کے مطابق اعلیحضرت کی کتابوں سے جو علوم وفنون ظاہر ہیں ان کی تعداد تقریبا 154 ہوتی ہے اور آپ کے ایک قول کے مطابق علماے پاکستان ریسرچ وتحقیق کے بعد ۲۰۰ر سے زائد علوم وفنون کے معترف ہیں۔

آپ کو علوم درسیہ کے علاوہ علوم جدیدہ وقدیمہ پر بھی مکمل دسترس وعبور حاصل تھا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان میں بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی رہنمائی حاصل کئے بغیر اپنی خداداد صلاحیت وذہانت سے کمال حاصل کیا۔ ایسے تمام علوم وفنون پر امام احمد رضا محدث بریلوی کو مکمل عبور حاصل تھا۔ ان میں کئی فنون تو ایسے ہیں کہ دور جدید کے بڑے بڑے محقق اور ماہرین علوم وفنون ان کے نام سے بھی آگاہ نہ ہوں گے ایسے موضوعات پر آپ کی گراں قدر تصانیف نے برصغیر ہندو پاک کے علما سے تو خراج عقیدت حاصل کیا ہی خود علمائے حرمین طیبین کو بھی آپکی تصانیف کے علمی مقام کو تسلیم کرنا ہی پڑا۔

اعلی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے جن جن موضوعات پر اپنی مایہ ناز تحقیقات اور گراں قدر تخلیقات پیش کی ہیں

انہیں میں سے ایک علم حدیث بھی ہے جس میں آپکو نمایاں وعظیم مقام ومرتبہ حاصل تھا۔ احادیث کریمہ کا ایک بحر بیکراں آپ کے سینہ میں موجزن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جس موضوع پر بھی آپ کا قلم اٹھتا اسلامی مزاج اور افکار ونظریات کی حمایت اور کفر وبدعات کی تردید میں احادیث کریمہ کا اتنا انبار لگا دیتے کہ پڑھنے والا موافق ہوتو اس کا کلیجہ ٹھنڈا اور آنکھیں روشن ہوں اور مخالف ہوتو زبان گونگی اور دل ماننے پر مجبور ہوجائے۔ اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خان علیہ الرحمہ اور سید شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ وحضرت سید عابد سندھی اور شیخ الاسلام حضرت علامہ زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ وغیرہ سے سند حدیث کی اجازت حاصل تھی۔

اعلی حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم محدث تھے، کتب حدیث کی جتنی بھی کتب ہیں، ان تمام کے حوالہ جات آپ کی تصانیف میں جابجا ملتے ہیں، یعنی آپ نے تمام کتب حدیث سے بھرپور استفادہ کیا۔ علم حدیث کے حوالے سے فن تخریج حدیث کی اہمیت مسلم ہے، اعلیٰ حضرت نے اس بنیادی اور اہم فن میں بھی اہم خدمات انجام دیں۔ اس سلسلے میں دو کتب انتہائی اہم ہیں:

(۱) "الروض البهيج في آداب التخريج"

(۲) "النجوم الثواقب في تخريج احاديث الكواكب".

معرفت حدیث پر تحقیق کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب میں آپ کی بصیرت ومہارت ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

(۱) منير العين في حكم تقبيل الابهامين

(۲) الهاد الكاف في حكم الضعاف

(۳) حاجز البحرين الواقي عن جمع الصلاتين

(۴) مدارج طبقات الحديث

(۵) الفضل الموهبي في معنى اذا صح الحديث فهو مذهبي.

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے چالیس سے زائد کتب حدیث پر حواشی تحریر کئے، جن میں صحاح ستہ کے حواشی انتہائی جامع اور مفید ہیں۔ ان حواشی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عام مصنفین کی طرح عربی متون وشروح سے ماخوذ نہیں، بلکہ یہ آپ کے ذاتی واجتہادی افادات و اضافات ہیں۔ یہ حواشی بذات خود مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کی اکثر تصانیف میں کہیں ضمناً اور کہیں صراحتاً حدیث، معرفت حدیث اور مبادیات حدیث کی نفیس اور شاندار بحثیں موجود ہیں۔ آپ نے مسائل بیان کرنے کے لئے پہلے قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ تحریر کیں، اس کے بعد فقہی جزئیات کے ساتھ ائمہ وفقہاء کے اقوال پیش کئے، یعنی ہر مسئلہ کی تحقیق اور تثبیت میں دلائل کے انبار لگا دیئے اور زیر بحث مسئلہ کے کسی بھی گوشہ کو تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالی عنہ اس عبقری شخصیت کا نام ہے کہ جس نے کسی فن کے مسئلے کو اٹھایا تو اس مسئلہ کے باب میں جتنی کتابیں متقدمین علماء نے تصنیف فرمائیں آپ کے ذہن ودماغ میں ان تمام تر کتابوں کی عبارات اپنے جمیع حروف کے ساتھ محفوظ ومستحضر رہتی تھیں ایک ایک مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے سینکڑوں کتابوں کے حوالے دینا اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان ہے ملاحظہ فرمائیں کہ حدیث کے صحیح ہونے اور موضوع ہونے میں فرق بیان کرنے کے لیے کتنی کتابوں سے اعلی

حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے حوالہ پیش کیا ہے مندرجہ ذیل اقتباس سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی علم اصول حدیث میں نظر کی وسعت اور علم کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

تاہم عبارۃ النص سنئے امام بدر الدین زرکشی کتاب النکت علی ابن صلاح پھر امام جلال الدین سیوطی اللآلي المصنوعة پھر الهمه علی بن محمد بن عراق کنانی، تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاخبار الشنیعة الموضوعة پھر علامہ محمد طاہر فتنی خاتمه مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں "بین قولنا لم یصح و قولنا موضوع بون کبیر فان الوضع اثبات الکذب والاختلاق وقولنا لم یصح لا یلزم منه اثبات العدم وانماهو اخبار عن عدم الثبوت و فرق بین الامرین،، یعنی ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ یہ سہی نہیں اور موضوع کہنا ان دونوں میں بڑا بل ہے کہ موضوع کہنا تو اسے کذب وافتراء ٹھہرانا ہے اور غیر صحیح کہنے سے نفی حدیث لازم نہیں بلکہ اس کا حاصل تو سلب ثبوت ہے، اوران دونوں میں بڑا فرق ہے، یہ لفظ لآلي کے ہیں، اور اسی سے مجمع میں مختصراً نقل کیا، "تنزیہ" میں اس کے بعد اتنا اور زیادہ فرمایا وهذا یجئ في کل حدیث قال فیها ابن الجوزي" لا یصح " و نحوه "یعنی امام ابن جوزی نے کتاب "موضوعات" میں جس جس حدیث کو "غیر صحیح" یا اس کے مانند کوئی لفظ کہا ہے ان سب میں یہی تقریر جاری ہے کہ ان اوصاف کے عدم سے ثبوت وضع سمجھنا حلیۂ صحت سے عاطل وعاری ہے، امام ابن حجر عسقلانی" القول المسدد في الذب عن مسند احمد" میں فرماتے ہیں: لا یلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعا "یعنی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا امام سیوطی کتاب "التعقبات علی الموضوعات "میں فرماتے ہیں" اکثر ما حکم الذهبي علی هذا الحدیث انه قال: متن لیس بصحیح، وهذا صادق بضعفه "یعنی بڑھ سے بڑھا اس حدیث پر امام ذہبی نے اتنا حکم کیا کہ "یہ متن صحیح نہیں" یہ بات ضعیف ہونے سے بھی صادق ہے, علی قاری "موضوعات" میں زیر بیان احادیث نقل فرماتے ہیں "لا یلزم من عدم الصحة وجود الوضع کما لا یخفی "یعنی کھلی ہوئی بات ہے کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا اسی میں روز عاشورہ سرمالگانے کی حدیث پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حکم "لا یصح هذا الحدیث "نقل کر کے فرماتے ہیں: قلت لا یلزم من عدم صحته ثبوت وضعه و غایته انه ضعیف "یعنی میں کہتا ہوں اس کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں غایت یہ کہ ضعیف ہو۔

علوم وفنون میں اسماء الرجال کو نہایت ہی مشکل تصور کیا جاتا ہے، مگر اعلیٰ حضرت کی خداداد صلاحیت اور علمی سطوت کے مقابل یہ فن پیچیدگی کے باوجود سہل معلوم ہوتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی طرح اسماء الرجال کو جاننے والا ماضی قریب کی صدیوں میں پیدا نہیں ہوا۔

اس فن میں آپ کے قلم حقیقت رقم سے جو تخلیقی، تصنیفی اور تحقیقی کارنامے صادر ہوئے ہیں اس سلسلہ میں ہم یہاں سب سے پہلے ایک عظیم قلمکار کے حوالہ سے مولانا محمد صابر القادری بستوی کی

تصنیف کا اقتباس تحریر کرتے ہیں۔

"علم حدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں وہ ہر وقت پیش نظر رہتیں علم الحدیث میں سب سے زیادہ نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے، جب اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب وتہذیب وغیرہ میں وہی الفاظ مل جاتے تھے۔یحییٰ نام کے سینکڑوں راویان حدیث ہیں لیکن جس یحییٰ کے طبقے اور استاد وشاگرد کا نام بتا دیا جاتا وہی حرف آخر بن جاتا، ایسے جیسے کہ اعلیٰ حضرت خود موجود تھے کہ طبقہ واسماء سے بتا دیتے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح، اس کو کہتے ہیں رسوخ اور علم سے شغف کامل"

(معارف رضا سلور جوبلی سالنامہ پاکستان بحوالہ مجدد الاسلام: اعلیٰ حضرت بریلوی صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۲)

اس اقتباس سے امام احمد رضا کے فن اسماء الرجال سے متعلق علم تو ہو گیا لیکن اب ضروری ہوتا ہے کہ اصول حدیث ااور اس فن میں آپ کے طریقۂ استدلال پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔ اس موضوع پر امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک نہایت اہم کتاب کا نام "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" ہے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسی کتاب کا ایک اقتباس نقل کیا جائے تاکہ آپ کا طرز استدلال قارئین کے سامنے آسکے۔

"یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ صحت حدیث سے انکار نفی حسن میں بھی نص نہیں ہے جس سے قابلیت احتجاج منتفی ہو، نہ کہ صالح و لائق اعتبار نہ ہونا، نہ کہ محض باطل وموضوع ٹھہرنا، جس کی طرف کسی جاہل کا بھی ذہن نہ جائیگا، کہ صحیح وموضوع دونوں ابتداء و انتہاء کے کناروں پر واقع ہیں۔سب سے اعلیٰ صحیح اور سب سے بدتر موضوع اور وسط میں بہت اقسام حدیث ہے درجہ بدرجہ، مرتبہ صحیح کے بعد حسن لذاتہ بلکہ صحیح لغیرہ پھر حسن لذاتہ، پھر حسن لغیرہ، پھر ضعیف بضعف قریب اس حد تک کہ صلاحیت اعتبار باقی رکھے، جیسے اختلاط راوی، یا سوء حفظ، یا تدلیس وغیرہا۔اول کے تین بلکہ چاروں قسم کو ایک مذہب پر اسم ثبوت متناول ہے، اور وہ سب محتج بہا ہیں، اور آخر کی قسم صالح، یہ متابعات وشواہد میں کام آتی ہے۔اور جابر سے قوت پاکر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے، اس وقت وہ صلاحیت احتجاج وقبول فی الاحکام کا زیور گراں بہا پہنتی ہے، ورنہ در بارۂ فضائل تو آپ ہی مقبول تنہا کافی ہے۔پھر درجہ ششم میں ضعف قوی و وہن شدید ہے۔جسے راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہونا، بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جدائی ہو، یہ حدیث احکام میں احتجاج درکنار اعتبار کے بھی لائق نہیں، ہاں فضائل میں مذہب راجح پر مطلقا اور بعض کے طور پر بعد انجبار تعدد مخارج وتنوع طرق منصب قبول وعمل پاتی ہے۔پھر درجۂ ہفتم میں مرتبۂ مطروح سے جس کا مدار وضاع کذاب یا متہم بالکذب پر ہو، یہ بدترین اقسام ہے۔بلکہ بعض محاورات کی رو سے مطلقا اور ایک اصطلاح پر اس کی نوع اشد یعنی جس کا مدار کذب پر ہو عین موضوع یا نظر تدقیق میں یوں کہئے کہ ان اطلاقات پر داخل موضوع حکمی ہے، ان سب کے بعد درجہ موضوع کا ہے، یہ بالاجماع ناقابل انجبار، نہ فضائل وغیرہا کسی باب میں لائق اعتبار، بلکہ اسے حدیث کہنا بھی توسع وتجوز ہے۔حقیقۃ حدیث نہیں، محض مجعول وافترا ہے۔"

(منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین رسائل رضویہ جلد ۱۰/ صفحہ ۴۰)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فن حدیث سے متعلق چند اقتباسات پیش کئے گئے ان فنون میں فاضل بریلوی کی دقت نظر اور اعلیٰ مہارت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس موضوع پر لکھی گئی ان کی تصانیف کا گہرا مطالعہ ضروری ہے۔ اسی طرح متعدد کتب حدیث پر آپ کے نتیجۂ علم وفکر سے حواشی معرض وجود میں آئے۔ وہ آپ کے وفور علم اور حفظ واستحضار پر شاہد وعادل ہیں بلاشبہ آپ نے حدیث کے رجال واصول پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ عمیق فکر ونظر سے اگر انکا مطالعہ کیا جائے تو اس سلسلہ میں بے شمار شواہد قاری کے سامنے آئیں گے۔ امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی جہاں ایک طرف فن اسماء الرجال اور اصول حدیث پر گہری نظر تھی وہیں دوسری جانب قدرت نے ان کو حفظ کی بے پناہ قوت وقدرت مرحمت فرمائی تھی جبکا انہوں نے حفظ حدیث کے سلسلہ میں خوب خوب فیض اٹھایا۔ آپ کی اس خداداد صلاحیت کا ذکر اکثر محققین نے کیا ہے اس سلسلے میں آپ کے ایک تذکرہ نگار اس طرح رقمطراز ہیں۔

"حفظ حدیث کا غایت کمال کا مشاہدہ کرنا ہو تو ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے۔ ورق ورق پر احادیث وآثار کی برکتیں نجوم وکواکب کی طرح درخشندہ وتابندہ ہیں۔ محض اپنے حافظہ کی قوت سے احادیث کا اتنا ذخیرہ کرلیا بس آپ کے لئے انعام الٰہی تھا۔ جس کے لئے زبان ودل دونوں بیک وقت پکار اٹھتے ہیں ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء"۔

(امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت از مولانا یسین اختر مصباحی صفحہ ۱۲)

مقالے کا یہ حصہ چونکہ امام اہل سنت کی محدثانہ عظمت اور احادیث سے متعلق آپ کی خدمات وتحقیقات کے لئے مختص ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر اس موضوع سے متعلق آپ کی گراں قدر تخلیقات وتحقیقات کا تعارف کرادیا جائے۔ فن حدیث پر مشتمل امام احمد رضا کی تخلیقات اس موضوع پر آپ کا کام زیادہ تر عربی زبان میں اور اس میں بھی بہت کم ہی زیور طباعت سے آراستہ ہوسکا ہے۔ جیسا کہ اس سلسلے میں مولانا یسین اختر مصباحی صاحب نے تحریر کیا ہے۔ "حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے کتب احادیث کے جو دقیق حواشی تحریر فرمائے ہیں وہ ابھی تک پوری طرح سے منظر عام پر نہیں آسکے ہیں"۔

(امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت از مولانا یسین اختر مصباحی صفحہ ۸)

یہاں اس تلخ حقیقت کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ اس موضوع پر امام احمد رضا کے رشحات قلم کو ابھی تک نہ تو یکجا کیا گیا ہے اور نہ ہی انہیں منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے یہاں پر حضرت علامہ فیض احمد اویسی کی تحریر کا وہ اقتباس میں پیش کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے مولانا عبد المصطفیٰ رضوی کے حوالے سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

"ہم نے نہایت تلاش وجستجو کے بعد آپ کے کچھ شاہکار حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا عبد المجتبیٰ رضوی صاحب کی تحریر سے ایک اقتباس اور نقل کرنا چاہونگا جس میں اس موضوع پر آپ کے کثیر المواد ہونے کا ثبوت موجود ہے آپ نے لکھا ہے کہ "فاضل بریلوی قدس سرہ نے علم حدیث میں جو فقید المثال کارنامے انجام دیے ہیں وہ ابتک یکجا نہیں ہوسکے ہیں۔ حدیث کے وہ سرمائے آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں میں الگ الگ پھیلے ہوئے ہیں۔ نیز احادیث کے جو حواشی آپ نے قلمبند فرمائے وہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے ہیں"۔

(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ صفحہ ۴۱۲)

جہاں تک اس موضوع پر امام اہل سنت کی تصانیف کی تعداد کا سوال ہے اس میں آپ کے سوانح نگاروں میں کافی اختلاف ہے۔جس میں مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی کی رائے میں اس فن میں آپ کی دستیاب تصانیف کی کل تعداد چھیالیس (۴۶) ہے جس کی تفصیل آپ نے اپنی کتاب تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ صفحہ۴۱۲ میں تحریر کی ہے۔ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ

"ماہنامہ "قاری" امام احمد رضا نمبر کے صفحہ ۲۰۶ تا صفحہ۳۰۸ پر "حدیث واصول حدیث" سے متعلق مولانا کی عربی اردو ومبیضات،مسودات اور مطبوعات کی فہرست دی گئی ہے جن کی تعداد ترپن (۵۳) ہے۔جن میں باعتبار زبان ان کی تعداد اس طرح ہے۔(عربی میں۴۵)(اردو میں:۵)(عربی اردو مشترکہ: ۳) ہے۔(معارف رضا پاکستان بحوالہ ماہنامہ قاری امام احمد رضا نمبر)

اور ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی نے اپنے تحقیقی مقالے میں حدیث اور اس کے متعلقات پر اعلیٰ حضرت کی کتابوں کی جو فہرست پیش کی ہے ان کی مجموعی تعداد انسٹھ (۵۹) ہے جن میں گیارہ (۱۱) مطبوعہ اور اڑتالیس (۴۸) غیر مطبوعہ ہیں (روہیل کھنڈ کے نثری ارتقاء میں مولانا احمد رضا خاں کا حصہ) امام احمد رضا کی اس فن وموضوع سے متعلق تصانیف کی یہ تعداد بجا طور پر انہیں اس فن کا امام وماہر تسلیم کرنے کے لئے کافی ہے۔واقعی انہوں نے دیگر علوم کی طرح فن حدیث میں بھی قابل فخر کارنامے انجام دیئے ہیں"

ان تمام تر حقائق اور شاہد عادل تحقیقی تحریروں سے یہ معلوم ہوگیا کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ علم حدیث کے ایک اپنے دور کے امام المحدثین ہیں قارئین محدث سورتی حضرت علامہ وصی احمد (محدث سورتی) رضی اللہ تعالی عنہ کو جانتے ہیں کہ وہ علم حدیث کے ایک ماہر عالم دین اور بہت بڑے محدث تھے لیکن محدث سورتی علیہ الرحمۃ والرضوان بھی بہت ساری جگہوں پر اعلی حضرت کے علم حدیث کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ہم یہاں پر اختصار کے طور پر بطور نمونہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔حیات اعلیٰ حضرت جلد ا ص ۳۹ / پر رقمطراز ہیں:

شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام احمد رضا کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا کرتے تھے اور مجلسوں میں اپنے پیرومرشد مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر نہ کرتے بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ذکر جمیل ہمیشہ کیا کرتے تھے آپ کے شاگرد محدث اعظم ہند نے عرض کی میں آپ کے پیرومرشد کا تذکرہ نہیں سنتا اور اعلیٰ حضرت کا آپ خطبہ پڑھتے رہتے ہیں۔فرمایا کہ جب میں نے پیرومرشد سے بیعت کی تھی بایں معنی مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان سمجھا جاتا تھا مگر جب میں اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی اب میرا ایمان رسمی نہیں بلکہ بعونہ تعالیٰ حقیقی ہے۔جس نے حقیقی ایمان بخشا اس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں۔میں نے عرض کی کیا وہ علم حدیث میں آپ کے برابر ہیں فرمایا ہرگز نہیں پھر فرمایا شہزادہ صاحب آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے؟ سنیئے کہ اعلیٰ حضرت امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں اگر میں سالہا سال ان سے اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں۔

(خطبۂ صدارت یوم اعلیٰ حضرت منعقدہ شوال ۹ ۱۳۷ھ بمقام ناگپور)

محدث سورتی نے ایک بار عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں استفسار کیا اور حدیثیں دریافت کیں تو فاضل بریلوی نے اس کے جواب میں ۲۰/ احادیث ذکر فرمائیں۔

(حجاز دہلی ستمبر،اکتوبر ۱۹۸۹ء)

بایں ہمہ ہندوستان کے ایک شپرۂ چشم، سرمایۂ حدیث سے تہی دست شخص کہتا ہے: "انه كان قليل البضاعة في الحديث"

یہ تو بالکل ایسی بات ہے جیسے کہ چمکتے سورج پر غبار اچھالنا یہ سمجھ سکتے ہیں کہ چمکتا سورج اگر کسی کو نظر نہ آئے تو یہ اس کی نظر کی کمی ہے سورج کی آب و تاب میں کوئی نقص نہیں اس سلسلے میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بہت اچھی بات لکھی:

گر نبیند بروز شپرۂ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں ۔

آنکھ والے ترے جوبن کا تماشا دیکھیں
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

ایسے ہی ابوطیب متنبّی نے کہا:

و هبنـي قلـت هـذا الصبح ليـل
ايـعـمـى العالمـون عن الضـياء

لیکن ارباب بصیرت اور اصحاب عقل وخرد جو حقیقت کی نگاہ سے دیکھنے والے ہیں وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیقات کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں اور دلوں کو سکون بھی۔ آپ کے انہیں کارناموں کو دیکھتے ہوئے مولانا عبد المجتبیٰ رضوی کو تحریر کرنا پڑا ہے۔

"میں پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس دور کے بڑے بڑے محدثین اور ارباب علم وفن بھی اگر انصاف و دیانت کے ساتھ ان تحقیقات عالیہ اور اس وسعت مطالعہ کو دیکھ پائیں تو اپنا سارا دعوائے فضل وکمال بھول کر محدث اکبر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے تلمذ وشاگردی کو اپنی عین سعادت سمجھیں"

ترجمانِ اہل سنت ہیں امام احمد رضا

از۔نصیر الدین نصیرؔ گولڑوی

فخرِ ملت، لائق صد احترام احمد رضا
محتشم، بالغ نظر، عالی مقام احمد رضا
کر گئے ارباب دل کو شادکام احمد رضا
دے گئے عشق نبی کا اک نظام احمد رضا
مرد میداں، فرد دوراں، فضل حق، فیض رسول
رکنِ دیں، کوہِ یقیں، عنبر مشام احمد رضا
منبع فیضان سنت، شارح ام الکتا ب
نازش اسلاف و آبائے عظام احمد رضا
نجم برج عشق احمد، نیّر چرخ ادب
آسمان علم کے ماہِ تمام احمد رضا
مجتہد، مفتی، مدرس، دیدہ ور، شاعر، ادیب
متقی، عالم، فقیہ نیک نام احمد رضا
نکتہ رس، ناقد، رباعی گو، یمِ فن عروض
پاک جوہر، خوش بیاں، شیریں کلام احمد رضا
عبقری، حاذق، فـي كـل عـلـم مـاهـر
نـال نيلاً كـاملاً عـند الكرام احمد رضا
زرتـه وجهاً بـوجـه صار قلبي فارحاً
جاء نی باللطف ليلاً في المنام احمد رضا
در نگاہِ عارفاں نـعـم العـقـائـد ذات او
نزد اہل علم و فن، خیر الکلام، احمد رضا
کتنی صدیاں چاہئیں جس کام کی تکمیل کو
کر گئے تھوڑے سے عرصے میں وہ کام احمد رضا
چھا گیا تیرا سلام، جانِ رحمت ہر طرف
تیری روحِ پاک پر لاکھوں سلام، احمد رضا
طے کیا آخر یہ ارباب نظر نے اے نصیرؔ
ترجمانِ اہل سنت ہیں امام احمد رضا

اصلاح معاشرہ میں امام احمد رضا کا فکری وعملی کردار

از:۔مولانا ازہر القادری: جامعہ اہل سنت امداد العلوم، مٹہنا، کھنڈسری، سدھارتھ نگر (یو پی)

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی جامع کمالات شخصیت پر قلم اٹھانے کے لیے بڑے علم ولیاقت کی ضرورت ہے، ایسے کچھ لکھ دینا اور ہے! امام احمد رضا کے ساتھ انصاف کرنا اور ہے! امام احمد رضا کی شخصیت اوران کے دینی کردار کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے انسان کو بحر العلوم بننا پڑے گا۔ تاریخ نے امام احمد رضا کے ساتھ انصاف نہیں کیا! اس ناانصافی کے پیچھے کچھ سازشی ہستیاں ہیں۔ جو اپنے بھی ہیں اور بے گانے بھی، ان میں سب سے زیادہ نقصان عقیدت مندوں نے پہونچایا ہے۔ اوراس تاریخ ساز ہستی کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ کہ بے گانے بھی تڑپنے پر مجبور ہو جائیں!

احباب کی یہ شان حریفانہ سلامت!

دشمن کو بھی یوں زہر اگلتے نہیں دیکھا

آپ کی آفاقی شخصیت کے نت نئے گوشے سامنے آرہے ہیں اور آپ کے تابندہ نقوش سے عالم اسلام بہرہ ور ہو رہا ہے۔ فروغِ مذہب کے لیے امام احمد رضا کی تعلیمات اور عالم گیر ذات سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کی خوش نما اور رنگا، رنگ کرنوں سے پوری دنیاے اسلام رہنمائی حاصل کر رہی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود نقشبندی رقم طراز ہیں۔ ''امام احمد رضا کی ذات ایک بحر زخار اور روشن آفتاب و ماہتاب ہے۔ جس کی موجوں اور شعاعوں کا شمار نہیں۔

(چشم و چراغ خاندان برکاتیہ، ص:۱۱)

فکر رضا کا ایک اہم پہلو تعلیم کا فروغ، مکاتب و مدارس کا پھیلاؤ اور درس و تدریس کی چھاؤنیوں کا قیام بھی ہے۔ فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے فکر رضا کے اس نکتے کی توضیح ملتی ہے۔ کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے نزدیک تعلیم بنیاد کے پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کے بغیر قوم ملت اپاہج اور معذور ہے۔ امام احمد رضا نے سو سال قبل سواد اعظم اہل سنت کو فکر و عمل کا جو چارٹر عطا کیا تھا۔ وہ آج بڑی معنویت اور بے پناہ افادیت و اہمیت کا حامل ہے۔ وہ ایسا عظیم الشان اور متنوع ہدایت نامہ ہے۔ جس میں قوم کے افتخار و اعزاز اور انعام و اکرام کا راز مضمر ہے۔ ذرا اصلاح معاشرہ کے تناظر میں فروغ اہل سنت کے لیے امام احمد رضا کا دس نکاتی پروگرام ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

(۲) طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

(۳) مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیوں پر دی جائیں۔

(۴) طبائع طلبہ کی جانچ ہو، جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وطیفہ دے کراس پر لگایا جائے۔

(۵) ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں۔ کہ تحریراً وتقریراً ووعظاً ومناظرۃً اشاعت دین ومذہب کریں۔

(۶) حمایت مذہب و رد بد مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

(۷) تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔

(۸) شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں۔ جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔ آپ سر کوبیِ اعدا کے لیے اپنی فوجیں میگزینیں اور رسالے بھیجتے رہیں۔

(۹) جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہوں، وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں، اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

(۱۰) آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں۔ اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ ''آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا''۔ اور کیوں نہ ہو کہ صادق و مصدق ﷺ کا کلام ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۳۳)

اس دس نکاتی پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے بعد انسانی معاشرے کی پیشانی پر کچھ ایسی سلوٹوں کا ابھر جانا مسلم ہے جن کی تابناک کرنوں کی رہنمائی میں آنے والی نسلیں اپنی اپنی منزلوں کی سمتیں متعین کر سکتی ہیں۔ ظلم وستم کا خاتمہ یقینی ہے، کسی کے مال کو غصب کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا، صورت بگاڑنے اور جلانے کا رواج خود جل کر خاکستر ہو جائے گا، قتل جیسی وارداتیں خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتیں، بدکاریوں اور بے حیائیوں کا جنازہ نکلتا ہوا نظر آئے گا، جھوٹ جیسی لعنت سے چھٹکارہ طے ہے، غیبت کا عذاب مسلط نہیں ہوسکتا، چغل خوری کا ارتکاب عنقا ہو کر رہ جائے گا، غیر مشروع زیورات اور لباس کا استعمال بے وقعت ثابت ہوگا، چوری، ڈکیتی، جوابازی، شراب نوشی، عیاری، مکاری، بدکرداری، زنا کاری جیسے افعال غیر مشروعہ وقبیحہ کے سدباب کا راستہ ازخود برآمد ہوگا۔

اقتصاد و معاش دنیائے اسلام کے لیے بڑا اہم اور پریشان کن مسئلہ بنا ہوا ہے، لیکن اگر ایک جہت سے دیکھا جائے تو یہ بھی دقت طلب بات نہیں ہے۔ کیوں کہ اہل ثروت حضرات کی کرم فرمائیاں اس زخم کو بآسانی بھر سکتی ہیں۔ لیکن یہ اسی وقت ہوسکتا ہے۔ جب مزاج میں دینی وملی احساسات کی لو جلتی رہے اور دل کے تار اصلاح معاشرہ کی اضطرابی کیفیت سے مست و

مگن رہیں ۔ ہماری ترقی میں سب سے بڑا روڑا اس معاشی بدحالی نے اٹکا رکھا ہے ۔امام احمد رضا نے جو اس کے لیے فکری نقشہ تیار کیا ہے ۔اس میں یقیناً مسلمانوں کی تعمیر و ترقی کے بہت سارے اسرار پنہاں ہیں ۔امام احمد رضا کے معتقدین اور مسلک اعلیٰ حضرت کے نام پر پانی کی طرح پیسہ بہا دینے والے ان نکات پر غور کیوں نہیں کرتے ؟ ہزاروں مسائل صرف اس بنا پر سرد خانے کی دھول چاٹ رہے ہیں ۔غریب مسلم لڑکیوں کی شادیاں رکی ہوئی ہیں ۔اور نہ جانے کتنے مسلمان ہیں جو معاش کی مار سے بلبلا رہے ہیں ۔ وغیرہ وغیرہ !ہر سال زکاۃ ،فطرہ، صدقات اور امداد کے نام پر مسلمانوں کے اربوں روپے کس مد میں صرف ہو رہے ہیں ؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے نام پر جان چھڑکنے والے اہل ثروت حضرات کہاں ہیں؟ کیا اس سلسلے میں امام احمد رضا کی فکر اور آپ کا نظریہ ان کی رہنمائی نہیں کر رہا ہے؟ وہ بدعات و رسوم بھی مروج ہیں، جن کے خلاف امام احمد رضا نے اپنی فکر اور قلم کے تیر چلائے تھے ۔کتابیں لکھی تھیں ۔لیکن ہمیں یہ بتائیے کہ آج کتنے لوگ اعلیٰ حضرت کی اس فکر اور تحریک کو عمل کی سطح تک پہونچا رہے ہیں! جن بدعات کے خلاف امام احمد رضا نے اپنے جگر کا خون اور قلم کا لہو بہایا تھا ۔آج ان پر ان کے متبعین کہلانے والے حضرات شعوری اور غیر شعوری طور پر ڈٹے ہوئے ہیں ۔

غیروں نے امام احمد رضا پر اس نوعیت کا الزام لگایا تھا اور اس الزام کی تردید میں امام احمد رضا نے ایک عظیم تحریر چھوڑی ہے ۔ لیکن افسوس آج پھر اس چیز کی تصدیق کی جا رہی ہے ۔اور یہ تصدیق کوئی اور نہیں بلکہ مسلک اعلیٰ حضرت کی فضاؤں میں رہنے اور بسنے والے ہی کر رہے ہیں ۔مدعائے نگارش یہی ہے کہ بے مصرف امور میں توانائیاں صرف کرنے کے بجائے با مقصد اور تعمیری کاموں میں اپنی قوتوں کی دوا انڈیلی جائے تاکہ مسلک اعلیٰ حضرت کی فکری چھاؤں سے تمام اہل سنت مستفید ہو سکیں،امام احمد رضا کا فکری نظام اب کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے ۔ اس لیے میں نے اسے قصداً قلم انداز کر دیا ہے ۔تعلیم و تربیت، صحافت، مسلکی اشاعت وابلاغیت، فکری و نظری اور حدثی سیاست، معیشت ،مزارات پر عورتوں کی حاضری ،اعراس ،چادر و مزار،عقائد و نظریات ،عادات و اطوار، علما و قائدین کی سہل پسندی، تیجے اور چالیسویں وغیرہ کی دعوت ،رسوم شادی ،قبروں پر چادر ،آتش بازی ،قبر کا بوسہ و طواف ،قوالی مع مزامیر ،تعزیہ داری، اور سجدۂ تعظیمی وغیرہ وغیرہ متعدد راہوں میں امام احمد رضا نے منزل کی رہنمائی کے لیے اپنے افکار کے پتھر نصب فرمائے ہیں ۔ زندگی کا سفر کرتے جائیے ۔اور ان پتھروں سے اپنی مرکب منزل کی سمت کا تعین کرتے جائیے ۔یہی دراصل مسلک اعلیٰ حضرت ہے اور یہی مسلک اہل سنت و جماعت ہے ۔امام احمد رضا قدس

سرہٗ دوران تدریس چند امر کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں۔مثلاً
(۱) جو علم سکھایا جائے، سیکھنے والا اس کا اہل ہو۔
(۲) استاذ جو پڑھا رہا ہو اس میں خود غواصی ہو۔
(۳) استاذ متعلقہ کتابیں پوری تحقیق اور گہرائی کے ساتھ پڑھائے۔
(۴) تنقید کا پہلو بھی پیش نظر رہے تا کہ طلبہ کے ذہن میں کوئی اشکال وارد ہو تو اس کا تصفیہ بھی ہو۔امام احمد رضا اپنی تدریس کا حال تحریر فرماتے ہیں ’’فقیر نے قدرت والے رب کی مدد سے ان تمام علوم وفنون میں غواصی کی اور ان کے دقائق وحقائق آسان کر کے ان کے اصحاب کو سکھائے اور ان کی کتابیں پوری چھان بین اور تنقید کے ساتھ پڑھائیں۔یوں ہی بچیوں کی ضروری دینی تعلیم سے متعلق ایک سوال کے جواب میں متعدد ضابطے اور تربیتی نکات تحریر فرماتے ہیں:
(۱) عقائد اہل سنت ومسائل اہل سنت کی کتابیں پڑھائی جائیں عقائد ومسائل ضروریہ کی تعلیم فرض ہے۔
(۲) حساب وغیرہ بعض مفید باتیں بھی سکھانے میں حرج نہیں۔
(۳) اصول حفظان صحت جہاں تک مسائل اسلامیہ کے خلاف نہ ہوں، ان کی تعلیم میں کوئی مضائقہ نہیں، اور جو ان کے خلاف ہیں ان کی تعلیم جائز نہیں۔
(۴) تدبیر منزل بروجہ مطابق شرع اور حقوق شوہر واولاد۔
(۵) مذہب کذب وغیبت وضرورت پردہ وحجاب کی بھی تعلیم ہو۔(فتاویٰ رضویہ جدید ج:۲۳،ص:۶۸۷)

عہد حاضر میں ضرورت ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ان تعلیمی افکار ونظریات کو فروغ دیا جائے۔آپ کے تعلیمی پیغام کو مسلمانوں میں عام کیا جائے۔تا کہ علم سے رغبت بڑھے۔دینی علوم کا احترام قلب میں راسخ ہو،عصری علوم کا حصول دین کی مضبوط بنیادوں پر ہو،تا کہ مغربی تمدن کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ نہ کر سکے، اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت والفت کا سرمہ نگاہوں میں رچا بسا رہے۔نتیجتاً کارخانۂ ہستی میں ایک اچھا اور پاکیزہ معاشرہ تشکیل پا سکے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ زندگی بھر اصلاح اعتقاد واعمال میں سرگرم عمل رہے۔کئی جگہ مسلمانوں کے اسلامی تہواروں میں دوسری بہت سی رسموں کے ساتھ آتش بازی بھی پائی جاتی ہے۔اسی طرح شادی کے موقع پر بھی آتش بازی خوب ہوتی ہے۔جس میں فائدہ تصور کرنا بے وقوفی ہے، بلکہ سلیم الفطرت اس کے بارے میں سوچنا بھی غلط سمجھے گا۔امام احمد رضا اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔’’آتش بازی جس طرح شادیوں اور شب برأت میں رائج ہے بیشک حرام اور پورا جرم ہے، کہ اس میں تضییع مال ہے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی فرمایا گیا ہے۔

"ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین"

(فضول اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں)

اسی طرح یہ گانے باجے کہ ان بلاد (شہروں) میں معمول و رائج ہیں۔ بلا شبہ ممنوع اور ناجائز ہیں۔ خصوصاً وہ ناپاک ملعون رسم کہ بہت خسران بے تمیز احمق جاہلوں نے شیاطین ہنود، ملاعین بے بہبود سے سیکھی، یعنی فحش گالیوں کے گیت گوانا اور مجلس کے حاضرین وحاضرات کو لچھے دار سنانا۔ سمدھیانہ کی عفیف پاک دامن عورتوں کو الفاظ زنا سے تعبیر کرانا، خصوصاً اس ملعون بے حیا رسم کا مجمعِ زنان میں ہونا، ان کا اس ناپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا، قہقہے اڑانا، اپنی اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب کچھ سنا کر بدلحاظیاں سکھانا، بے حیا، بے غیرت، خبیث، کبھی برائے نام لوگوں کے دکھاوے کو جھوٹ سچ ایک آدھ بار جھڑک دینا، مگر بند وبست قطعی نہ کرنا! یہ وہ شنیع، گندی اور مردود رسم ہے جس پر اللہ عزوجل کی صدہا لعنتیں اترتی ہیں، اس کے کرنے والے اس پر راضی ہونے والے اپنے یہاں اس کا کافی انسداد (روک) نہ کرنے والے سب فاسق وفاجر، مرتکب کبائر، مستحق غضب الٰہی اور عذاب نار کے حق دار ہیں (والعیاذ باللہ)

اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین!

(''ھادی الناس'' اردو ترجمہ ''رسوم شادی''، ص:۵۔۶)

آگے مزید فرماتے ہیں ''جس کی شادی میں یہ حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے۔ کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ اگر دانستہ شریک ہو گئے تو جس وقت اس قسم کی باتیں یا ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو سب مسلمان مرد وعورت پر لازم ہے وہ فوراً اُسی وقت اٹھ جائیں! اور اپنی جورو، بیٹی، ماں، بہن، کو گالیاں نہ دلوائیں۔ فحش نہ سنوائیں ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہوں گے اور عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔ والعیاذ باللہ۔ (ایضا ص:٦)

جو لوگ امام احمد رضا کو بدعتیوں کا امام بدعات و منکرات کو فروغ دینے والا اور ان جیسے نہ جانے کیسے کیسے القابات دیتے ہیں۔ وہ مذکورہ سطور کو بغور پڑھیں اور اپنی غلط گمانی کا محاسبہ کریں۔ نیز اندازہ لگائیں کہ انہوں نے بدعتوں کا سد باب کیا یا ان کو فروغ دیا؟ جو اسلامی شریعت کے خلاف شادی بیاہ کی مجلسوں کو گوارہ نہ کرے وہ بدعات ومنکرات کو کیسے گوارہ کر سکتا ہے؟ پروفیسر مسعود احمد مظہری نے ''رہبر ورہنما، ص:۱۱'' پر کتنی حقیقت بھری بات کہی ہے کہ:

''جہلا نے جونت نئی بدعات نکالی ہیں ان سے امام احمد رضا کا کوئی تعلق نہیں، وہ ایک جہان علم وفضل تھے، کوئی اس جہاں کی سیر تو کرے پھر جو نہ دیکھا تھا اسے دیکھے اور جو نہ سنا تھا اسے سنے۔ امام احمد رضا نے معاشرہ کو برائیوں سے پاک کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی۔ ان برائیوں کی نشان دہی کی جو منشائے شریعت کے خلاف اور حرام و ناجائز ہیں''۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک۔**

امام احمد رضا۔تصانیف اور علوم وفنون کے بحر اعظم

از۔مولانا طارق انور مصباحی (کیرلا)

ملک العلما علامہ سید ظفرالدین بہاری (۱۸۸۰ء-۱۹۶۲ء) نے مجدد گرامی سے متعلق فرمایا:''وہ تو علم کے دریا نہیں، سمندر ہیں۔جس فن کا ذکر آیا،ایسی گفتگوفرماتے کہ معلوم ہوتا کہ عمر بھر اسی علم کو سیکھا اور اسی کی کتب بینی فرمائی ہے۔ان کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کرسکتا ہوں''۔

(حیات اعلیٰ حضرت ج اص ۲۶۰-امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)

تعداد تصانیف

ڈاکٹر مسعود احمد مجددی مظہری پاکستانی (۱۹۳۰ء-۲۰۰۸ء) نے تحریر فرمایا:

''امام احمد رضا کے وصال کے بعد تحقیق سے معلوم ہوا کہ تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے بھی متجاوز ہے''۔

(امام احمد رضا اور عالم اسلام ص ۳۷-ادارہ مسعودیہ کراچی)

علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی چریاکوٹی نے تحریر فرمایا:''یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کل کتنی کتابیں تصنیف کیں؟ایک اندازہ ہے کہ تعلیقات وحواشی کو لے کر کل کتابوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہوگی،جن بعض تعلیقات وحواشی بہت مختصر بھی ہیں،لیکن بلحاظ کیفیت وہ دوسروں کے لمبے چوڑے حواشی پر بھاری ہیں۔محض زیادہ لکھنا اور زیادہ حوالہ جات جمع کردینا اور ضخامت کو بڑھا دینا کمال نہیں۔سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حواشی ہوں یا تعلیقات یا بعض بہت مختصر رسائل، جن کو بھی دیکھا جائے،ان کی شان ہی الگ ہے۔جو تحقیق وتطبیق اور ترتیب وتہذیب اعلیٰ حضرت کے وہاں ہے،وہ کہیں اور نظر نہیں آتی۔کسی مسئلے پر جہاں دو، ایک دلائل اور حوالوں سے زیادہ عام طور سے امید نہیں کی جاتی،وہاں جب کبھی اعلیٰ حضرت دلائل وبراہین کا انبار لگانے پر آئے ہیں تو طبیعت عش عش کراٹھتی ہے، وجدان جھوم جھوم جاتا ہے۔سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے کہ مسائل ومراسم ومعمولات پر لوگ عمل پیرا تو تھے، مگر ان کی پشت پر دلائل کا انبار لگا دینے کا فریضہ جس ذات گرامی نے باحسن وجوہ انجام دیا،اس کا نام امام احمد رضا ہے، جس نے مخالف کے منہ بند کردیئے اور ان کے بے بنیاد اعتراضات ہوا کردکھائے''۔

(المصنفات الرضویہ ص ۱۲:المجمع الاسلامی مبارکپور اعظم گڑھ یوپی)

تمام تصانیف دستیاب نہیں

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کی تمام تصانیف وتالیفات دستیاب نہیں ہیں،اس لیے ان کے جملہ علوم وفنون پر واقف ہونا دشوار ہے۔آپ کی بہت سی تصانیف ضائع ہوچکی ہیں۔علامہ

عبدالمبین نعمانی مصباحی چریا کوٹی نے تحریر فرمایا:

''النهى الاكيد'' ۱۳۰۵ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں اس تحریر کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس سے قبل کوئی مجموعہ رسائل ''البارقة الشارقة'' کے نام سے تیار ہوا تھا، جس میں کلام وعقائد کے موضوع پر متعدد رسائل تھے، جو بالکل غائب ہے، آج تک اس مجموعے کا کچھ پتہ نہیں۔ چونکہ یہ مجموعہ رسائل بدمذہبوں کے رد کے لیے خاص تھا، اس لیے ممکن ہے کہ مخالفین نے چابک دستی وفریب دہی سے اس کو غائب کر دیا ہو۔ مخالفین ومعاندین نے جو کیا، وہ تو علیحدہ ہے، خود بعض قریبی لوگوں کی غفلت یا حوادث کی وجہ سے بھی اعلیٰ حضرت کی بہت سی قیمتی تصانیف ضائع ہوگئیں۔ راقم الحروف سے ایک بزرگ نے فرمایا: مزار اعلیٰ حضرت کے سامنے مسجد رضا سے مغرب والا مکان منہدم ہوگیا تھا، جس میں بہت سے مخطوطات اور کتب ضائع ہوگئیں۔ بہت ساری کتابیں سرقہ کی نذر ہوگئیں۔ نااہلوں نے بہت سی کتابوں کو ردّی سمجھ کر ضائع کر دیا۔ بہت سی کتابیں بعض لوگ شائع کرنے کی غرض سے لے گئے، پھر نہ انہیں شائع کیا، نہ واپس۔ ہنگامہ تقسیم ہند کی وجہ سے پورے ملک میں جو افراتفری مچی تھی، ظاہر ہے اس سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا خاندان بھی یقیناً متأثر ہوا، اور ایسے موقع پر بھی کچھ کتابیں ضائع ہوئی ہوں گی، اس لیے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کل کتنی کتابیں تصنیف کیں؟ ایک اندازہ ہے کہ تعلیقات وحواشی کو لے کر کل کتابوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہوگی''۔

(المصنفات الرضویہ ص۱۱،۱۲: المجمع الاسلامی مبارکپور اعظم گڈھ یوپی)

تصانیف کی نوعیت

بعض تصانیف ایسی ہوتی ہیں کہ قاری کو بہت سے جدید افادات سے روشناس کراتی ہے۔ مجدد ممدوح کی تمام تصانیف اسی نوع کی ہیں۔ علامہ محمد احمد مصباحی رقمطراز ہیں:

''**ولايخلوا كتاب للشيخ احمد رضا من افادات بديعة وابتكارات مدهشة وايرادات مشكلة وحلول مستقيمة لم يسبق اليها—اما الفقه والكلام والعلوم الدينية فقد اشتهر نبوغه فيها وبلغ صيته فى الآفاق—واعترف به الاعداء والاصدقاء**''

(حدوث الفتن ص ۱۶۷- المجمع الاسلامی مبارکپور)

امام احمد رضا قادری علوم نقلیہ میں ید طولیٰ رکھنے کے ساتھ بے شمار علوم عقلیہ میں درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ ماضی قریب میں ان کا مماثل ونظیر نہیں۔ عالم شہیر فاضل کبیر حضرت علامہ محمد احمد مصباحی سابق شیخ الجامعہ: الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور) نے مجدد ممدوح سے متعلق تحریر فرمایا:

''**وَمُصَنَّفَاتُهُ فِيْ كُلِّ فَنٍّ اَقْوٰى شَاهِدٍ عَلٰى تَبَحُّرِهٖ بَلْ اِيْجَادُهُ كَثِيْرًا مِنَ الْقَوَاعِدِ وَالْمَبَادِئِ فِيْ مُخْتَلِفِ الْفُنُوْنِ**''

(حدوث الفتن ص ۱۶۷- المجمع الاسلامی مبارکپور)

(ت) ہرعلم وفن میں ان کی تصانیف ان کے تبحر علمی پر قوی گواہ ہیں، بلکہ مختلف علوم میں ان کے بہت سے ایجادی قواعد و مبادی ہیں۔

فہرست علوم وفنون از مجدد اسلام

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان سال ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۴ء میں جب دوسرے حج کے لیے گئے تو حرمین طیبین کے علمائے کرام نے آپ سے مختلف علوم وفنون کی سند واجازت طلب فرمائیں، آپ نے انہیں تحریری اجازت عطا فرمائی۔ امام اہل سنت نے علمائے حرمین طیبین کے لیے جو سند اجازت تحریر فرمائی ہیں، وہ دو رسالوں میں جمع کی گئی ہیں۔

(۱) الاجازات الرضوية لمبجل مكة البهيه.

(۲) الاجازات المتينة لعلماء بكة والمدينه۔

ان دو رسالوں میں درج ذیل علوم وفنون کا تذکرہ موجود ہے۔

(ف،۱) (۱) علم قرآن (۲) علم حدیث (۳) اصول حدیث (۴) فقہ حنفی (۵) فقہ جملہ مذاہب (۶) اصول فقہ (۷) جدل مہذب (۸) علم تفسیر (۹) علم العقائد والکلام (۱۰) علم نحو (۱۱) علم صرف (۱۲) علم معانی (۱۳) علم بیان (۱۴) علم بدیع (۱۵) علم منطق (۱۶) علم مناظرہ (۱۷) فلسفہ (علم الحکمۃ) (۱۸) علم تکسیر (ابتدائی) (۱۹) علم ہیئت (ابتدائی) (۲۰) علم حساب (ابتدائی) (۲۱) علم ہندسہ (ابتدائی)

(ف،۲) (۲۲) علم قرأت (۲۳) تجوید (۲۴) تصوف (۲۵) سلوک (۲۶) اخلاق (۲۷) اسماء الرجال (۲۸) سیر (۲۹) تواریخ (۳۰) علم اللغۃ (۳۱) ادب مع جملہ فنون۔

(ف،۳) (۳۲) ارثماطیقی (۳۳) علم جبر ومقابلہ (۳۴) حساب ستینی (۳۵) لوغارثمات (۳۶) علم التوقیت (۳۷) علم المناظر (۳۸) علم المرایا المحرفہ (۳۹) علم الاکر (۴۰) زیجات (۴۱) مثلث کروی (۴۲) مثلث مسطح (۴۳) ہیئت جدیدہ (۴۴) علم مربعات (۴۵) علم جفر (۴۶) علم زائچہ۔

(ف،۴) (۴۷) علم الفرائض (۴۸) منتہی علم الحساب (۴۹) منتہی علم الہیئۃ (۵۰) منتہی علم الہندسۃ (۵۱) منتہی علم التکسیر (۵۲) نظم عربی (۵۳) نظم فارسی (۵۴) نظم ہندی (اردو نظم) (۵۵) نثر عربی (۵۶) نثر فارسی (۵۷) نثر ہندی (اردو نثر) (۵۸) خط نسخ (۵۹) خط نستعلیق (۶۰) تلاوت قرآن مع التجوید (فن اجراء قواعد تجوید)

(الاجازات الرضویہ ص۲۹۹ تا ۳۱۵ - الاجازات المتینہ ص۳۰۱ تا ۳۱۵ - سوانح اعلیٰ حضرت ص۹۱، ۹۲ - امام احمد رضا اور عالم اسلام ص۳۱ تا ۳۳)

امام اہل سنت نے مذکورہ بالا علوم وفنون کی اجازت علمائے حرمین طیبین کو دی، اور لکھا کہ ہم نے ان تمام علوم کی بڑی بڑی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں۔ (الاجازات الرضویہ ص۳۰۹)

امام اہل سنت نے کل انسٹھ (۵۹) علوم کا ذکر چار فہرستوں میں کیا ہے۔ ہر فہرست کے امتیاز کے لیے **(ف)** کا نشان لگا دیا گیا ہے۔ امام موصوف نے علم المناظر و علم المرایا کو ایک علم شمار فرمایا ہے، میں نے ان دونوں کو ایک ایک جداگانہ اور

مستقل علم شمار کیا، بایں سبب مرقومہ بالا فہرست میں ایک عدد زائد ہے، یعنی ۵۹/ کی جگہ ۶۰/علوم ہو گئے۔ مذکورہ بالا ترتیب اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ہے۔

مذکورہ بالا فہرست مجدد موصوف کی تعلیم کے اعتبار سے ہے۔ ان میں سے اول الذکر (۲۱) علوم کو اپنے والد ماجد مفتی نقی علی خاں بریلوی س علیہ الرحمہ ے حاصل کیا، اور مابقی علوم ذاتی مطالعہ سے میسر آئے۔

فہرست دوم میں ان دس علوم وفنون کا ذکر ہے، جن کی اجازت انہیں اکابر علمائے کرام مثلاً حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی (م ۱۲۹۷ھ-۱۸۷۹ء) شیخ العلما حضرت شیخ احمد بن زینی دحلان مکی شافعی (م ۱۳۰۰ھ-۱۸۸۱ء) مفتی احناف حضرت شیخ عبدالرحمٰن سراج مکی (۱۳۰۱ھ-۱۸۸۳ء) سید حسین بن صالح جمل اللیل مکی (۱۳۰۲ھ-۱۸۸۴ء) شیخ ابوالحسین احمد نوری (۱۳۴۲ھ-۱۹۰۶ء) علیہم الرحمۃ و الرضوان سے حاصل ہوئی۔

فہرست سوم میں چودہ علوم ایسے ہیں جن کو امام اہل سنت نے کسی استاذ سے حاصل نہ کیا، بلکہ فضل الٰہی سے ذاتی مطالعہ کے ذریعہ حاصل ہوئے۔ فہرست چہارم میں بھی ان چودہ علوم کا ذکر ہے، جو امام اہل سنت کو فضل الٰہی و ذاتی مطالعہ سے حاصل ہوئے۔

اساتذۂ مجدد اسلام

آپ نے اکیس علوم اپنے والد ماجد مفتی نقی علی خاں قدس سرہ العزیز (۱۲۴۶ھ-۱۲۹۷ھ) سے حاصل کیے۔ طریقت کی تعلیم اپنے شیخ طریقت حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ العزیز اور سیدنا شاہ ابوالحسین نوری مارہروی قدس سرہ سے، اور اسی طرح علم جفر و علم تکسیر بھی حضرت نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ فرمایا۔ ابتدائی تعلیم بریلی کے ایک معلم سے، پھر میزان ومنشعب تک کی تعلیم حضرت مولانا غلام قادر بیگ بریلوی سے، ہیأت و شرح چغمینی کی تعلیم حضرت مولانا عبدالعلی رامپوری سے حاصل فرمائی۔ بس یہ چھ نفوس قدسیہ آپ کے استاذ ہیں۔

(حیات اعلیٰ حضرت ج ا ص ۹۵ ص ۹۲ ص ۲۵۳-امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)

وصال پر ملال

بروز جمعہ دو بج کر اڑتیس منٹ پر 25: صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء کو آپ واصل الی اللہ ہوئے، اور علوم وفنون کا بیش بہا تحفہ اپنے وارثین و متبعین کے لیے چھوڑ گئے۔ ان کی وفات پر ایک صدی گذر گئی، پھر بھی ان کی کتابوں کی ضرورت جیسی کل تھی، ویسی آج بھی ہے۔ مجدد موصوف کا مزار پاک محلّہ سوداگران (بریلی شریف) میں مرجع عوام وخواص ہے۔ ہر سال 25: صفر المظفر کو انتہائی شان وشوکت کے ساتھ عرس کا پروگرام منعقد ہوتا ہے۔ لاکھوں زائرین شریک عرس ہوتے ہیں۔ گرچہ آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن ان کی تحریریں اہل سنت وجماعت کی صالح رہنمائی کر رہی ہیں۔ **جزاہ اللہ تعالیٰ عن المسلمین خیر الجزاء**: آمین.

علمی دنیا میں فاضل بریلوی کا مقام

امام احمد رضا کی عبقریت کا اعتراف کرنے والی شخصیات کی طرف سے دیئے جانے والے بھاری بھرکم خطابات کو اجاگر کرتی ایک عمدہ تحریر

از: مولانا محمد توفیق احمد نعیمی اشرفی، ناظم اعلیٰ مدرسہ عالیہ نعمانیہ شیش گڑھ بریلی شریف

یہ مضمون دلچسپ بھی ہے اور چونکا دینے والا بھی۔ پڑھنے والا تبسم افشاں بھی ہوگا اور اشک ریز بھی۔ فرحت وشادمانی بھی محسوس کرے گا اور دکھ درد بھی۔ پڑھتے پڑھتے دفعۃً چیخ اٹھے گا اور سر پیٹ کر رہ جائے گا اور پھر حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈوب کر یوں لب کشا ہوگا۔ ارے! میں یہ کیا سن رہا ہوں کہ وہ ایک متبحر عالم اور اسلام کا عبقری تھا اس کے بارے میں تو یہ سنا تھا کہ وہ کمزور ذہنیت والا، میلا دخواں قسم کا ایک مولوی تھا۔ کیا سچ مچ وہ اپنے وقت کا رازی وغزالی اور امام اعظم ابوحنیفہ تھا؟ اے ہے! کیا وہ محدث اکبر اور فقیہ اعظم بھی تھا۔ اللہ اللہ کیا یہ بھی سچ ہے کہ وہ تفسیر، ریاضی، سائنس، فلسفہ، ہیئت، جفر، منطق، نحو، صرف، تجوید، تصوف، جبر ومقابلہ، طبیعات، اقتصادیات، علم حساب، تاریخ، لغت، ادب، ارثماطیقی، سیر، علم بدیع، لوغارثمات، علم التوقیت، مناظر ومرایا، زیجات، زائرچہ، مربعات وغیرہ پچپن (۵۵) سے زائد علوم وفنون میں ماہر وکامل تھا؟ اور پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے سیکڑوں سوالات کی آغوش میں پہنچ جائے گا اور فعل یفعل کی طرح ''یہ سچا وہ سچا'' کی گردان شروع کردے گا۔

کبھی **الدولة المکیه** اور فتاویٰ الحرمین وغیرہ سے رہنمائی حاصل کرے گا اور کبھی امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، فاضل بریلوی اور امور بدعت اور امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر وغیرہ سے۔ اور بالآخر اسے یہ فیصلہ لینا ہی پڑے گا کہ جو کچھ میں نے سنا تھا وہ سب جھوٹ تھا، پروپیگنڈہ تھا، افواہ تھی، سچ یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک زبردست عالم اور بلند پایہ محقق تھا۔ اس پر دلائل موجود ہیں، شواہد مسطور ہیں، محققین گواہ ہیں، اور خود اس کی اور اس پر لکھی گئی ہزاروں کتابیں اس کی مؤید ہیں۔

قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ جس کے علم پر بعض مخالفین طعن کرتے ہیں وہ کوئی اور نہیں امام احمد رضا محدث بریلوی ہیں ان ہی کے بارے میں کچھ طفلان علم پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ ایک فتنہ پرور مولوی تھے، گمراہی پھیلانا ان کا کام تھا، علمی پوزیشن کوئی خاص نہیں تھی، خاص کر علم حدیث میں کمزور تھے، ان کی تصنیفات کو تحقیقات سے کوئی علاقہ نہ تھا، انہیں اور ان کی ذریت کو علمائے دیوبند نے نہ کبھی منہ لگایا اور نہ منہ لگانے کے قابل سمجھا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ خامہ فرسائی مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے اپنی کتاب ''شہاب ثاقب'' میں کی ہے اور ''رضا خانیت'' کا تنقیدی جائزہ میں بھی ان کے خلاف بہت کچھ کہا گیا ہے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی ایسا ہے جیسا کہ مخالفین کہہ رہے ہیں؟ اگر ہاں تو ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ:

(۱) وہ اگر کم علم، نیم خواندہ مولوی تھے تو ان کا مقابلہ کرنے سے کیا چیز مانع تھی؟ وہ زندگی بھر چیلنج دیتے رہے۔

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

آخر ان کے کسی چیلنج کو کیوں قبول نہیں کیا گیا؟ ان کی کسی کتاب کا جواب کیوں نہیں دیا گیا؟ ان کی آہنی گرفتوں سے کیوں چمڑی بچائی گئی؟ علمی اکھاڑے میں خم ٹھونکنے والے کیوں سست پڑ گئے؟ دور سے شور مچانا اور وقت پر دُم دبانا یہ کون سی علمیت ہے؟ بابانگ دہل وہ یہ کس سے کہتے رہے۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

اس وقت تمہاری غیرت علمی کہاں رخصت ہوگئی تھی اور اب کون سی دنیا میں آرام فرما ہے؟ جرأت ہو تو آؤ میدان سنبھالو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ صرف بڑ بڑانے سے کام نہیں چلتا۔ اس سے سراسر تمہاری کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ تم اپنی کم علمیت پر پردہ ڈال رہے ہو، تمہارے لئے نجات کا بس یہی راستہ ہے کہ جیسے ہو ویسے ہی پڑے رہو۔ خیر منانے کی ضرورت نہ شر کرنے کی حاجت۔

(۲) امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے قلم سے کم وبیش ہزار کتابیں تحریر فرمائی مثلاً:

☆**فتاویٰ رضویہ**: جو فقہ حنفی کی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں نہ جانے کتنے علوم خاص کر علوم فقہی کے دریا جوش مار رہے ہیں۔

☆**مقامع الحدید**: جس میں منطق جدید کے مزعومات کی دھجیاں بکھیر کر رکھدی ہیں۔

☆**الدولة المکیه**: بزبان عربی چند گھنٹوں میں تیار کر لی اور علوم غیب مصطفیٰ کے ثبوت مین دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے۔

☆**کفل الفقیه الفاهم**: جس میں نوٹ وغیرہ کے متعلق نہ جانے کتنے الجھے ہوئے مسائل کو سلجھایا ہے اور حق تحقیق ادا کر دیا ہے۔

☆**کشف العلة**: جس میں ہر شہر کے لئے ٹھیک سمت قبلہ نکالنے کا طریقہ بتایا ہے۔

☆**جد الممتار**: جو ردالمختار پر ایک محققانہ حاشیہ ہے۔

☆**الجداول الرضویه**: جس میں علم جفر کے متعلق ایجادی جدولیں پیش کی ہیں۔

☆**فوز مبین**: جس میں سائنس کے مزعومات کی خوب خوب خبر لی ہے۔ معترضین بتائیں کہ کیا اس طرح کی معرکۃ الآرا علمی وتحقیقی کتابوں کا لکھنا کسی نیم خواندہ مولوی سے ممکن ہے؟ ہے دنیا کے کسی پردے میں ایسا کوئی نیم خواندہ مولوی کہ جس نے اس قدر بھاری بھرکم اور اعلیٰ تحقیقاتی کتابیں لکھی ہوں؟

ع: شرم تم کو مگر نہیں آتی

(۳) امام احمد رضا کے حج ثانی ۱۳۲۳ھ کے موقع پر حرمین شریفین میں خوب خوب پذیرائی ہوئی۔ اس وقت:

شیخ محمد سعید بابصیل مفتی الشافعیہ، شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میر داد مدرس وامام مسجد حرم، شیخ صالح کمال مفتی حنفیہ، شیخ عابد بن حسین مفتی مالکیہ، شیخ علی بن صدیق کمال، شیخ احمد مکی (خلیفہ

حاجی امداد مہاجر مکی)، شیخ دماج الدین الیاس مفتی حنفیہ مدینہ، شیخ جلیل محمد رضوان مدرس حرم نبوی اور شیخ سید شریف برزنجی وغیرہم جیسی علمی ہستیاں، جن کا طوطی عرب اور ماسوائے عرب بولتا تھا۔ بقید حیات تھیں اور محدث بریلوی کی قصیدہ خوانی میں لگی ہوئی تھیں۔ کوئی مسئلہ دریافت کررہا تھا، کوئی فتویٰ لے رہا تھا، کوئی فتویٰ پر تصدیق لے رہا تھا، کوئی مقدمہ کا فیصلہ کرارہا تھا، کوئی کتاب لکھنے کی فرمائش کررہا تھا، کوئی سند اجازت وخلافت طلب کررہا تھا۔ کوئی تبرک کی خیرات مانگ رہا تھا، کوئی یوں ہی بیٹھے بٹھائے ان کے چہرے کی زیارت سے تلذذ حاصل کررہا تھا، کوئی ہجوم خلق دیکھ کر تخلیہ میں ملاقات کا متمنی تھا، کوئی ''یا سیدی'' سے خطاب کررہا تھا، کوئی ''الدولۃ المکیہ'' پڑھ کر یاسن کر جھوم رہا تھا، کوئی اس کی نقل کررہا تھا، کوئی اس پر اور دیگر رسائل پر تقریظ لکھ رہا تھا، کوئی ان کی دقت نظر، جودت طبع، سرعت قلم، استحضار کتب، حاضر جوابی، بلندی فکر، اعلیٰ تحقیقات اور وسیع معلومات کو دیکھ کر حمد الٰہی بجالا رہا تھا، کوئی ان کی منطقی گفتگو اور فلسفیانہ قیل وقال کو دیکھ کر انگشت بدنداں تھا اور کوئی وفور محبت میں ان کی شان میں اشعار گنگنا رہا تھا۔ جی ہاں! ایک عجیب منظر تھا، ایک عجیب سماں تھا، دوررس نگاہیں انہیں انتہائی قدرومنزلت سے دیکھ رہی تھیں، حق گو زبانیں ان کی تعریف میں رطب اللسان تھیں، قدوم مقدسہ ان کی جانب تیز تیز بڑھ رہے تھے، سبحان اللہ! وبحمدہ کیا انوکھی پذیرائی تھی اور کیسا نرالا منظر تھا۔ کاش! وہ حسین منظر ہماری آنکھوں نے بھی دیکھا ہوتا۔ دیکھنے والے نے دیکھا اور اچھی طرح دیکھا، بہت قریب سے دیکھا اور پھر اس منظر کا یوں نقشہ کھینچا۔

''امام اہل سنت شیخ احمد رضا خان پر بموقع حج ثانی اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے احسان فرمایا، باران کرم کو اتارا، اور نعمتوں کی وہ بارشیں لگاتار نازل فرمائیں کہ مقرب بارگاہ کردیا، اہل کرم کا محبوب بنادیا اور اہل حق کے دلوں میں باعزت و باعظمت جگہ مرحمت فرمادی کہ وہاں کی بہت بڑی جلیل القدر شخصیتوں نے آپ کی بہت بڑی تعظیم وتوقیر کی۔ حق تعالیٰ کی قسم شیخ احمد رضا کو شہرت مطلوب نہ تھی، انہوں نے اس کے لئے کوئی طریقہ اختیار نہ کیا لیکن اس کے باوجود مصطفیٰ جان رحمت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے آپ کو مشہور کرنے کا ارادہ فرمالیا، آپ نے گوشہ نشینی اور گمنامی کو پسند کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین میں آپ کی مقبولیت رکھ دی۔ گویا مکہ مکرمہ میں کارکنان قضا وقدر سے ندا کروادی گئی کہ اے اہل صفا! جلدی چلو مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا غلام آیا ہوا ہے۔ تو ہم نے وہاں کے علمائے کرام کو آپ کی جانب تیز تیز آتے اور اکابر عظام کو آپ کی تعظیم وتوقیر میں جلدی کرتے دیکھا، بعض آپ کے علمی انوار حاصل کرنے آئے، بعض صرف برکت ملاقات کی غرض سے پہنچے، کسی نے مسئلہ پوچھا اور فتویٰ طلب کیا، کسی بزرگ نے آپ سے برکت اجازت چاہیں اور بڑی شان والے اکابر، بیعت طریقت میں داخل ہوئے اور اہل کرم مخدوم، عمدہ خدمات بجالانے لگے، یہاں تک کہ ہم نے خود سنا کہ ایک دفعہ ایک بزرگ، بلند مرتبہ، پیشوا، فرمانروا، باہیبت، کبیر الشان، عظیم المرتبت، معزز علمائے حرم میں سے اتنے معظم کہ ان کی جانب انگلیوں سے اشارے ہوتے ہیں'' سے گفتگو کرتے وقت جبکہ شیخ احمد رضا خاں نے ادباً ان کے گھٹنے کو چھونا چاہا تو وہ بول اٹھے:

''انا اقبل ارجلکم ونعالکم کثر اللہ فی الامۃ

امثالکم ''یعنی میں آپ کے قدموں اور جوتوں کو بوسہ دوں اللہ تعالیٰ اس امت میں آپ جیسے علما بکثرت پیدا فرمائے''

اس کے بعد آپ بارگاہ عالی مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے وہاں کے علمائے کرام نے بھی آپ کا استقبال پورے اکرام واجلال کے ساتھ کیا یہاں تک کہ مولانا شیخ محمد کریم اللہ فنجانی مجاور حرم مدینہ جنہوں نے ایک دن حضرت شیخ احمد رضا خاں سے کہا: میں سالہا سال سے مدینہ منورہ میں ہوں رہائش پذیر ہوں، ہندوستان سے ہزاروں لوگ آتے ہیں۔ان میں علما ،صلحا ،اتقیا سب ہوتے ہیں دیکھا گیا کہ وہ شہر مبارک کی گلیوں میں گھومتے ہیں کوئی ان کی طرف دھیان نہیں کرتا لیکن آپ کی مقبولیت کی عجیب شان دیکھتا ہوں کہ بڑے بڑے علما اور عظما آپ کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں اور آپ کی تعظیم بجالانے میں جلدی کررہے ہیں۔ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ۔یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا دیتا ہے اور وہ بڑے فضل والا ہے۔تا آخر''

(ملخصاً الاجازات المتینۃ ص۹۴ تا ۱۰۳ مرتبہ شیخ حامد رضا خاں علیہ الرحمہ)

محدث ومحقق بریلوی علیہ الرحمہ کے علم پر طعن کرنے والے بتائیں کہ کیا اکابر فضلائے عرب کسی عجمی اور نیم خواندہ کی اس طرح تعظیم وتوقیر کرسکتے ہیں ؟ حیرت ہے کہ انہوں نے محدث بریلوی سے حدیث وفقہ کی سندیں لیں مگر انہیں پتہ تک نہیں کہ ہم جس سے سندیں لے رہے ہیں وہ خود سندوں کا محتاج ہے،اس کے یہاں علما اسے جماعت علما میں شمار نہیں کرتے۔کیا کوئی عقلمند اس طرح کی بے تکی باتوں کو قبول کرسکتا ہے؟''شرم تم کو مگر نہیں آتی''

☆اس تعلق سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا فاضل بریلوی نے علمائے حرمین شریفین کو مغالطہ دے کر علمائے دیوبند اور مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کا فتویٰ حاصل کیا مگر عاجز ہیں کہ یہ لوگ اس حقیقت کو کہاں چھپائیں گے کہ اس وقت دیوبند کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد مدنی،مدینہ شریف میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے آخر انہوں نے کیوں نہیں آگے بڑھ کر مغالطہ دینے والے کا ہاتھ پکڑا اور اپنے علما کی جانب سے صفائی پیش کی؟ کہئے اس میں کیا راز تھا؟فرض کرلیجئے مدنی صاحب اپنی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے اس طرف توجہ نہ دے سکے تو میں کہتا ہوں مولوی خلیل صاحب کو کیا ہوگیا تھا وہ بھی بسلسلہ حج بیت اللہ وہاں موجود تھے۔ان کو ہی اپنے علما کی وکالت کا کام انجام دینا چاہئے تھا۔اور اپنی کفری عبارات کی صفائی پیش کرنا چاہئے تھی تاکہ مغالطہ دینے والا نہ دے پاتا اور اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتا۔بولئے اس میں کونسی مصلحت کارفرما تھی؟ سچی بات یہی ہے کہ متنازعہ عبارات بالیقین کفریہ ہیں۔ کاش !ان لوگوں نے ان سے رجوع کرلیا ہوتا۔تو گھر بیٹھ کر ''المہند علی المفند'' گڑھنے کی ضرورت نہ پڑتی مگر دیوبندیت سراسر فراڈ کا نام ہے۔اور یہ بھی کس قدر مزے کی بات ہے کہ علمائے دیوبند جس کو نیم خواندہ اور کم علم مولوی بتاتے ہیں اسی کے بارے میں یہ الزام لگارہے ہیں کہ اس نے علمائے حرمین شریفین کو مغالطہ دے کر فتویٰ تکفیر حاصل کیا۔ان بے وقوف آدمیوں سے یہ کوئی پوچھے کہ ایک نیم خواندہ عجمی مولوی عربی جید علما کو مغالطہ کس طرح دے سکتا ہے؟ پھر مولوی مدنی ،انبیٹھوی کو یہ لوگ علم کا پہاڑ کہتے ہیں، یہ بھی وہاں موجود تھے۔بڑا اچھا موقع تھا اپنے مخالف کی علمی قلعی کھولنے کا مگر انہیں خوب معلوم تھا کہ شیرِ بریلی سے مقابلہ

آسان نہیں اس لئے وہ دم دبائے پڑے رہے۔

جیسا کہ عرض کیا، محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے علم پر طعن کرتے ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ تو ایک فتنہ گر، فسادی ملا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا۔ اپنے آپ کو عاشق رسول کہلاتا تھا مگر سیرت النبی پر پر ایک کتاب بھی نہیں لکھی۔ جواباً عرض ہے کہ جب وہ ایک فتنہ پرور مولوی تھے تو پھر ان کے خلاف زوردار آواز کیوں نہیں اٹھائی گئی؟ آپ کے قلم حرکت میں کیوں نہیں آئے؟ حقانیت کا دم بھرنے والے کیوں چادر تان کر سو گئے؟ اصلاح المسلمین کا نعرہ لگانے والوں کے حوصلے کہاں روپوش ہو گئے؟ علمیت کا ڈھونگ رچانے والوں کی علمیت کہاں رخصت ہو گئی؟ اور تو اور خود مجدد صاحب کیا کر رہے تھے وہ کیوں اپنے فرض منصبی سے غافل ہوئے؟ کیا خدائے تعالیٰ نے انہیں اسی لئے مبعوث فرمایا تھا کہ فتنہ گر فتنہ پھیلاتا رہے اور وہ خاموش رہیں؟ ایک نہیں بلکہ دو دو مجدد ہوں مگر ایک بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ نہ اس کے رد میں کوئی کتاب لکھی اور نہ ہی اس کے پاس کوئی خط لکھا کہ خبردار ہرگز فتنوں کو نہ پھیلاؤ ورنہ تمہارے خلاف شدید ردعمل کیا جائے گا۔ اقلام قلمدان سے باہر نکل آئیں گے، سیاہی صفحات قرطاس پر دور دور تک بکھر جائے گی۔ بلکہ وہی اللہ کا نیک بندہ، مظلوم مفکر، دین کا سچا مجدد، ان گمراہوں کے پاس مخلصانہ خطوط بھیجتا رہا اور ہر طرح سے سمجھاتا رہا کہ اپنی کفری عبارات سے رجوع کرلو۔ قیامت کی باز پرس سے ڈرو مگر ایک نہ سنی گئی۔ بتاؤ بتاؤ اے دیوبند کے جیالو! اس میں دین کی کون سی خیر خواہی پوشیدہ تھی؟ حق پرست تم ہوئے کہ وہ؟ فتنہ پرور وہ ہوئے کہ تم؟ خورشید علم تمہارا چمکا یا ان کا؟ ہاں! ہاں! تم ہی مفسد ہو" اَلَااِنَّهُمْ هُمُ الْمُفسِدُونَ "

نہ جانے شیخ ہم پر کس لئے انگلی اٹھاتے تھے
مگر پردہ اٹھایا تو ان ہی کی شوخیاں پائیں

(۴) عرب ہی نہیں بلکہ سارے عجم نے امام احمد رضا بریلوی کی قابلیت کا لوہا مانا ہے علی الخصوص غیر منقسم ہندوستان کے تمام قابل ذکر ارباب علم ودانش نے آپ کو سراہا ہے۔

☆ ڈاکٹر اقبال نے انہیں بے مثال ذہین فقیہ بتایا ہے۔

☆ ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے انہیں ایک زبردست محقق عالم سمجھا۔

☆ ڈاکٹر سید عبداللہ نے انہیں " جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسر قرآن اور عظیم محدث جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

☆ ڈاکٹر فرقان فتحپوری نے انہیں نعت نگاروں میں سب سے ممتاز مانا ہے۔

☆ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی کہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا علوم اسلامیہ تفسیر، حدیث، فقہ پر عبور رکھتے تھے، منطق اور ریاضی وفلسفہ میں بھی کمال حاصل تھا۔

☆ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کہتے ہیں کہ علوم دینیہ میں انہیں (مولانا احمد رضا کو) جو دسترس حاصل تھی وہ فی زمانہ فقید المثال تھی۔ دوسرے علم میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔

☆ ڈاکٹر حامد علی خاں کہتے ہیں کہ اسے تائید غیبی ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے فاضل اجل اور جملہ علوم وفنون میں ماہر وکامل ہوئے۔

☆ جسٹس قدیر الدین احمد کہتے ہیں کہ جس قسم کی ذہانت، طباعی، حافظہ، علم اور تبحر اعلیٰ حضرت کو حاصل تھا وہ کوئی معمولی بات نہ تھی بلکہ

ایک نایاب چیز تھی۔

☆ چودھری محمد اکرم کہتے ہیں کہ وہ کونسا علم ہے جس پر انہیں دسترس حاصل نہ تھی۔ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم ہندسہ، علم سائنس، علم فلسفہ غرض انہیں ہر قسم کے علوم پر مکمل مہارت حاصل تھی۔

☆ ملک زادہ منظور احمد کہتے ہیں کہ مجدد اسلام حضرت مولانا احمد رضا تبحر علمی کے معیاری نمونہ تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کثیر نام پیش کئے جاسکتے ہیں کہ جو امام احمد رضا کی علمی مہارت کے قائل ومداح ہیں۔ اب علمائے دیوبند بتائیں کہ کیا یہ سب اپنی آرا میں خطا پر ہیں؟ کیا انہوں نے خواہ مخواہ امام احمد رضا کی قصیدہ خوانی کی ہے؟ ''شرم تم کومگر نہیں آتی''

(۵) غیر منقسم ہندوستان تو خیر ان کی خاص شہرت گاہ ہے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ علمائے عرب جو بآسانی کسی عجمی کی علمیت تسلیم نہیں کرتے وہ تک ان کی شان میں رطب اللسان نظر آتے ہیں جیسا کہ گزرا۔

☆ شیخ اسماعیل بن خلیل مکہ شریف ☆ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سراج مکہ شریف ☆ شیخ عبداللہ بن حمید مفتی حنابلہ مکہ شریف ☆ شیخ عبداللہ بن محمد صدقہ بن زینی دحلان مکہ شریف ☆ شیخ عمر بن ابوبکر باجنید ☆ شیخ ابوحسین محمد مرزوق ☆ شیخ محمد علی بن حسین مالکی ☆ شیخ محمد جمال بن محمد امیر بن حسین مفتی مالکیہ ☆ شیخ محمد تاج الدین حنفی مفتی مدینہ ☆ شیخ سید حسین مدرس مسجد نبوی مدینہ شریف اور شیخ سید احمد علوی وغیرہم کھلے دل سے امام احمد رضا کی اعلیٰ علمیت اور ممتاز قابلیت کو مانتے ہیں اور انہیں انتہائی عظیم الفاظ والقاب سے نوازتے ہیں۔

☆ کوئی انہیں ''شیخ الاساتذہ علی الاطلاق'' کہتا ہے تو کوئی ''الفاضل والکامل''۔

☆ کوئی انہیں ''الامام الکامل'' مانتا ہے تو کوئی کبیر العلم، کثیر الفہم''

☆ کوئی انہیں ''العالم المحقق، المدقق'' سمجھتا ہے تو کوئی استاذ کبیر، عالم کمال ماہر''

☆ کوئی کہتا ہے کہ وہ علامہ تھے، عقیل تھے، ذکی تھے، بلند ہمت تھے، تمام مؤلفوں کے سردار تھے اور سب مصنفوں کے امام تھے تو کوئی کہتا ہے کہ وہ امام جلیل الشان تھے۔ محققین کے بادشاہ تھے۔ علامہ زماں تھے، یکتائے روزگار تھے، حامی ملت طاہرہ تھے، مجدد مائۃ حاضرہ تھے، غرض کہ علمائے عرب ہر طرح سے محدث ومحقق بریلوی کی علمی جلالت وعظمت کے قائل نظر آتے ہیں۔ علمائے دیوبند خدا لگتی کہیں کہ کیا علمائے حرمین شریفین کسی نیم خواندہ مولوی اور وہ بھی عجمی کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں؟ تم تو انہیں جماعت علما تک میں شمار نہیں کرتے کیا تمہارے بھی کسی مولوی کو فی الواقع یہ سعادت حاصل ہوئی ہے۔ ''شرم تم کومگر نہیں آتی''

☆ (۶) اور تو اور خود ان ہی کے بعض علما محدث بریلوی کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

☆ دیکھئے ''نزھۃ الخواطر'' میں مولانا عبدالحی حسنی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، تذکرہ رضا میں کیا لکھتے ہیں:

''مفتی احمد رضا بریلوی......۱۸۸۶ھ میں فارغ ہوئے اور مہارت حاصل کی۔ یہاں تک کہ بہت سارے فنون میں خاص کر فقہ اور اصول میں اپنے اقران پر فائق ہوئے......انہوں نے حرمین شریفین کا کئی بار سفر کیا، وہاں بعض فقہی وکلامی دلائل پر علمائے حجاز سے مذاکرہ کیا اور وہیں چند رسائل تصنیف کئے اور علمائے حرمین کی خدمت میں پیش کردہ بعض رسائل کا جواب دیا۔ وہ حضرات متون

فقہیہ اورمسائل اختلافیہ میں ان کی وسعت علمی اورسرعت تحریر اور ذکاوت علمی سے حیرت زدہ رہ گئے ....وہ ایک کثیر المطالعہ، واسع الاطلاع، عالم متبحر تھے، سریع القلم اورفکر حافل کے حامل تھے ....فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر مطلع ہونے والا ان کے زمانے میں ان سا کوئی اور نہ تھا اس پر ان کا مجموعہ فتاویٰ رضویہ اور کتاب ''کفل الفقیہ الفاہم'' شاہد ہے جو مکہ میں ۱۳۲۳ھ میں لکھی گئی اور وہ علوم ریاضیہ، ہیئت، نجوم اور توقیت میں راسخ تھے۔ علم رمل اور جفر میں بھی دخل رکھتے تھے''

یہاں یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ نزہۃ الخواطر اصولاً مولوی عبدالحی حسنی کی تصنیف ہے مگر اس کی از سرنو ترتیب وتکمیل میں ان کے فرزند مولوی ابوالحسن علی ندوی کا بہت بڑا ہاتھ ہے، خاص کر تذکرہ مضامین۔ انہوں نے اس میں یہ کارستانی کی ہے کہ جہاں جہاں ان کے والد نے محدث بریلوی کے تعلق سے توصیفی الفاظ لکھے ہیں وہیں اس کے فوراً بعد ندوی صاحب نے قوسین میں تنقیصی جملے لکھے ہیں بلکہ بے بنیاد الزامات تراشے ہیں۔ یہ مشہور اتہام ان ہی صاحب کا ہے۔ کہ ''وہ علم حدیث وتفسیر میں کمزور تھے'' ان کے الفاظ یہ ہیں:

''قلیل البضاعة فی الحدیث والتفسیر''، ''حیرت ہے کہ علی میاں ندوی صاحب جن کے ماننے والے انہیں اپنے وقت بہت بڑا عالم ومحدث سمجھتے تھے وہ کثیر التصانیف بھی تھے اور کثیر المطالعہ بھی۔ انہیں آخر یہ کیسے معلوم نہ ہوسکا کہ امام احمد رضا بریلوی علم حدیث وتفسیر میں انتہائی اونچا مقام رکھتے تھے؟ کیا انہوں نے الدولة المکیہ وغیرہ رسائل جو عرب میں تصنیف کئے گئے (نزہۃ الخواطر میں جن کی طرف اشارہ کیا گیا) ان کا بھی مطالعہ نہیں کیا؟ بتایا جائے الدولة المکیہ میں امام المحدثین اور شیخ المحدثین علی الاطلاق کسے کہا گیا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ علی میاں ندوی صاحب نے عناد سے کام لیا ہے ورنہ وہ حدیث وتفسیر میں محدث بریلوی کی وسعت علمی سے بے خبر نہیں تھے۔ یقیناً انہوں نے بعض تصنیفات رضا کا مطالعہ کیا ہوگا کم از کم فتاویٰ رضویہ جس میں جابجا احادیث وتفاسیر کے پھول بکھرے ہوئے ہیں ان کا ضرور مطالعہ کیا ہوگا۔ معاندین رضا اگر آج بھی تصنیفات رضا کا انصاف کے ساتھ مطالعہ کرلیں تو انہیں احادیث وتفاسیر کی بہاریں ہی بہاریں نظر آئیں گی اور ان کی حدیث وتفسیر میں مہارت تامہ دیکھ کر عش عش کر اٹھیں گے۔ زیادہ نہیں صرف ''جامع الاحادیث'' جس میں حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی نے تقریباً تین سو کتب رضویہ میں بکھری ہوئی پینتالیس سو (۴۵۰۰) احادیث اور چھ سو (۶۰۰ مباحث تفسیریہ کو جمع کیا ہے) کا مطالعہ کرلیا جائے تو محدث بریلوی کی حدیث وتفسیر دانی کے سارے جلوے سامنے آجائیں گے۔ ''مگر دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے''

☆''سنئے مولوی محمد انور شاہ کشمیری کیا کہتے ہیں:

''جب بندہ ترمذی شریف اور دیگر احادیث کی شروح لکھ رہا تھا تو حسب ضرورت احادیث کے جزئیات دیکھنے کی ضرورت در پیش آئی تو میں نے شیعہ حضرات واہل حدیث حضرات ودیوبندی حضرات کی کتابیں دیکھیں مگر ذہن مطمئن نہ ہوا بالآخر ایک دوست کے مشورے سے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی کتابیں دیکھیں تو میرا دل مطمئن ہوگیا۔ واقعی مولانا احمد رضا خاں صاحب کی

تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا خاں صاحب ایک زبردست عالم دین اور فقیہ ہیں۔''

(رسالہ دیوبند ص۲۱؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ بحوالہ ماہنامہ القول السدید ص۲۶۲؍لاہور صفر۱۲ھ)

☆ملاحظہ کیجئے مولوی اعزاز علی دیوبندی کیا کہتے ہیں:

'' میں نے مولانا احمد رضا خاں کو..........بہت وسیع النظر اور بلند خیال علو ہمت، عالم دین، صاحب فکر ونظر پایا ہے......

(رسالہ النور، تھانہ بھون ص۴۰؍شوال۱۳۴۲ھ بحوالہ مذکورہ رسالہ ص۲۶۱)

☆دیکھئے مولوی سلیمان ندوی کیا کہتے ہیں:

''اس احقر نے جناب مولانا احمد رضا صاحب بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں تو میری آنکھیں خیرہ کی خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ حیران تھا کہ واقعی مولانا بریلوی صاحب مرحوم کی ہیں جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں مگر آج پتہ چلا کہ نہیں ہرگز نہیں یہ اہل بدعت کے نقیب نہیں بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکالر اور شاہکار نظر آتے ہیں ۔جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی تو میرے استاد مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی اور شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں......''

(ماہنامہ ندوہ، اگست ۱۹۱۳ء ص۱۷؍بحوالہ رسالہ مذکورہ ۲۶۳)

☆پڑھئے مولوی محمد شبلی نعمانی کیا کہتے ہیں:

''مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجر اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالم دین اس مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سامنے پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے..........''(رسالہ الندوہ ص۱۷؍بحوالہ مذکورہ ۲۶۴)

ان کے علاوہ اور بھی ان علمائے دیوبند کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں کہ جو امام احمد رضا بریلوی کی محیر العقول علمیت کے قائل ومداح ہیں یا کم از کم انہیں ان کی خدا داد علمیت کے پیش نظر عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اب راقم علم رضا پر خواہ مخواہ طعن کرنے والے دیوبندی حضرات سے پوچھنا چاہتا ہے، سچ بتاؤ کہ کیا تم زیادہ قابل وفائق ہو یا تمہارے یہ مولوی؟ آخر تم میں سچا کون ہے؟ یاد رکھو حقیقت پھر حقیقت ہے، اسے ہزار کوششوں کے باوجود بھی نہیں چھپایا جاسکتا۔ سچی بات ایک نہ ایک دن زبان پر آ ہی جاتی ہے۔ مجھے امید ہے کی دیوبندی برادری اپنے ان اکابر علما کے نظریات کے مطابق محدث بریلوی کے تعلق سے اپنی سوچ میں تبدیلی لائے گی۔

حوالہ جات

(۱)الدولۃ المکیہ (مع تقریظات)مطبوعہ بریلی شریف
(۲)الاجازات المتینہ مطبوعہ بریلی شریف
(۳)ماہنامہ القول السدید،صفر۱۴۱۲ھ، لاہور
(۴)الشہاب الثاقب،مطبوعہ لاہور
(۵)رضا خانیت کا تنقیدی جائزہ، دیوبند
(۶)فاضل بریلوی اور امور بدعت
(۷)امام احمد رضا ارباب علم دانش کی نظر میں
(۸)امام احمد رضا نمبر، ماہنامہ قاری دہلی (اپریل ۱۹۸۹ء) وغیرہ۔

فلسفۂ معراج اور کلام اعلیٰ حضرت

از: مفتی عبد الغفار ثاقب، مفتی وقاضی ادارۂ شرعیہ دربھنگہ کمشنری، مدرسہ حمیدیہ، قلعہ گھاٹ دربھنگہ، بہار

ارباب علم و دانش اور اہل قلم پر مخفی نہیں کہ میدان شعر وسخن ایک ایسا سنگلاخ خطہ ہے کہ اس کی راہ پیمائی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، کاکل وگیسوئے جاناں کا پیچ وخم فراق محبوب کا رنج والم، لب محبوب کی لطافت، مژگان معشوق کی نزاکت، چوڑیوں کی کھنک، پازیب کی جھنک، گلشن کی رعنائی، کوئل وبلبل کی بدلہ سنجی، جگنوؤں کی شمع خراشی، تتلیوں کی مٹر گشتی، گلوں کی مہک، کلیوں کی چٹک، موروں کی چہک، بہاروں کی لچک، پت جھڑ کی کھڑک، ستاروں کی دمک اور بجلی کی چمک کو فن عروض کا جامہ پہنا کر اشعار کے سانچے میں ڈھال کر اپنے افکار وتخیلات کا اظہار کیا جانا آسان ہے کیوں کہ شاعر کے فن کرشمہ ساز میں وہ صلاحیت کہ چاہے تو زمین کو عرش سے بلند کر دے۔ اور چاہے تو آسمان کو قعر اسفل میں ڈال دے۔ کون ہے جو ان کی زبان قلم پر پہرے بٹھائے؟ ہاں نعت کی شاعری نہایت سخت ہے اس میں دونوں جانب حد بندی ہے ذرا بھی معیار سے شاعر گھٹا کہ شریعت نے گردن ناپ دی اور ذرا بھی حد سے تجاوز کیا کہ فوراً تعزیرات شریعت کی دفعہ نافذ کر دی جاتی ہے۔ اس لئے کہ نعت گوئی بڑا ہی نازک مرحلہ ہے، اس میں کافی سوجھ بوجھ اور احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے، خصوصاً عشق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اثر ذہن پر گہرا ہونا اور عقیدت ومحبت کا وافر حصہ کارفرما ہونا لازمی وضروری ہے، مزید نعت گوئی کے لئے علم قرآن وحدیث بڑا معین ومددگار ثابت ہوتا ہے کہ شاعر کو حدود شرع سے بڑھنے بھی نہیں دیتا اور پستی کی طرف گرنے سے بچا بھی لیتا ہے اگر شاعر عالم دین ہے تو اس کے کلام میں فصاحت وبلاغت، ادبی ذوق، عشق ومحبت کی چاشنی، معیار کی بلندی اور لطافت وپاکیزگی ہوگی اور ذہنی وفکری شعور بھی کارفرما ہوگا۔ اس سلسلے میں تقابلی جائزے کے لئے الگ مضمون منتخب کرنا ہوگا جو ابھی میرا مطمح نظر نہیں۔ ابھی قارئین حضرات کے ذوق سلیم اور وقت کے اہم تقاضے کے مطابق جس عنوان کا انتخاب کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں پھر اس کے چند گوشے اتنے اہم اور لطیف ہیں کہ فکر انسانی کبھی کبھار اپنے ہوش وخرد کھو بیٹھتی ہے، مرغ عقل منتہائے پرواز تک پہونچتے پہونچتے دم توڑ دیتا ہے اور ثبات قدمی میں تزلزل پیدا ہونے لگتا ہے اور عقل انسانی نئی روشنی میں اس کا حل تلاش کرتی ہے، اس مقام پر بطور جملہ معترضہ کچھ کہنے کا حق حاصل ہے کہ روشنی چاہے پرانی ہو یا نئی یہ ہماری دین ہے روشنی ہم سے ہے اور ہم روشنی کے محتاج نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ذہن انسانی ان باتوں کو باور تسلیم کر لے مگر معجزات وکرامات کا ادراک مدرک کے لئے امر غیر ممکن ہی نہیں بلکہ محال عادی ہے۔ اس کی ٹوہ میں رہنا گمراہی کے مترادف ہے۔ مگر جہاں تک تخیلات انسانی کی پرواز ہو سکتی ہے۔ وہاں تک سوچنے سمجھنے کا مزاج حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں آیئے فلسفۂ معراج وکلام اعلیٰ حضرت کا تقابلی جائزہ لیں قبل

ازیں ذات اعلیٰ حضرت پر سطحی نظر ڈالیں جن کو ہمارے کچھ متعصب قلم کاروں نے ازسرنو نظر انداز کررکھا ہے جس کی وجہ صرف یہی دکھائی دیتی ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صرف عاشق رسول اور بحرالعلوم کا نام تھا۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ ان کی ساری خصوصیات کو پس پشت ڈال کر صرف نعت گوشاعر کی حیثیت ہی سے کج نگاہ دیکھ لیتے تو صنف شعروسخن کے امام مانے بغیر نہیں رہ پاتے آپ کا ایک ایک شعر عشق ومحبت کے آب حیات میں دھلا ہوا ہوتا تھا حدیث وقرآن کی کسوٹی پر کسا ہوا ہوتا تھا، تفاسیر وعقائد اجماع امت کے عین مطابق ہوا کرتا تھا، آپ نے بارگاہ رسالت پناہی میں قصیدہ معراجیہ لکھ کر خراج عقیدت پیش فرمایا ہے اس کے اس چند اشعار پر فلسفیانہ نظر ڈالیں تاکہ قارئین کے ذوق سلیم کی چاشنی کے ساتھ الجھے مسائل کی عقدہ کشائی بھی ہوسکے۔پہلا گوشہ جونہایت ہی غور طلب ہے وہ صاحب معراج کا شب معراج براق پرسوار ہونا اور صبا رفتاری کے ساتھ عالم بالا کی جانب نگاہوں سے اوجھل ہونا اور نوری براتیوں کا حسرت وناامیدی سے تکتے رہ جانا ہے، جس کو اعلیٰ حضرت نے یوں ارشاد فرمایا۔

چلا وہ سروچمن خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این وآں سے گزر چکے تھے
جھلک سی اک قدسیوں پہ آئی، ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولہا کی دور پہونچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

حتی کہ جبرئیل علیہ السلام بھی حیرت میں تھے اوران کے بازو وپرواز میں زور آزمائی کرتے کرتے تھک چکے تھے۔حسرت سے منہ تک رہے تھے آخر روز کے آنے جانے والے طائر سدرہ کے پر کیوں تھک رہے ہیں؟ جب کہ نوری براق کو لے کر اوپر سے نیچے آنے میں تھکان تو بڑی بات احساس تک نہ ہو پایا تھا مگر ایک بشر جو جب اس نوری سواری پر جلوہ گر ہوکر چلا تو سارے نوری براتیوں کے ہوش اڑ گئے تھے۔اعلیٰ حضرت نے روح الامین کی مایوسیوں کا خاکہ یوں کھینچا ہے۔

تھکے تھے روح الامیں کے بازو، چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کہ ولولے تھے
جلو میں جو مرغ عقل اڑے تھے، عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آگئے تھے

اوراگر کسی نے سدرہ سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو وہ ایک واہمہ تھا۔جس نے ایڑی چوٹی کا زور تو لگا دیا مگر ہائے رے نامرادی اپنی نوری صلاحیت کو داؤ پر لگا کر بھی مراد کو نہ پاسکا۔قربان جایئے اعلیٰ حضرت پر کتنے حسین پیرائے میں انہوں نے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔

قوی تھے مرغان وہم کے پر اڑے تو اڑنے کو اور دم بھر
اٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خون اندیشہ تھوکتے تھے

یہی وہ مقام ہے جہاں عقل انسانی کو دلیس انس لگ رہا ہے کہ ایک انسان اتنی تیز گامی وسرعت سے وہ بھی ایک نوری سواری پر سوار ہوکر چشم زدن میں فرش سے عرش پر کیسے چلا گیا۔جبکہ کوئی ایسا ضابطہ نہیں جسے باور کرلیا جائے کہ لطافت نوری، مادی ثقافت کے ثقل کو برداشت کرلیتی ہے۔مزید ایک نور اگر دوسرے نور کی لطافت کو برداشت کربھی لیتا ہے تو وہ بھی اپنی صلاحیت کے اعتبار سے اگر کمزور ہے تو طاقتور میں ہضم ہوتا ہے اور اگر طاقتور ہے تو

کمزور پر حاوی ہوجاتا ہے۔مثلاً سو پاور کا بلب ہزار والے میں خود ہی ضم ہوجاتا ہے اور ہزار پاور کا بلب سو والے پر مسلط ہوجاتا ہے ایسی صورت میں معراج بشری کا انکار کیا جائے یا نوری سواری براق کا ؟ان دونوں صورتوں میں خیریت نہیں ۔اس کو بھی اعلیٰ حضرت نے بڑے ہی فلسفیانہ انداز میں حل فرمایا ہے۔

خبر یہ تحویل مہر کی تھی کہ رت سہانی گھڑی پھرے گی
وہاں کی پوشاک زیب تن کی یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے

یعنی جب آپ نے نوری لباس کو زیب تن فرمایا جو آپ کی حقیقت ہے تو آپ کی بشریت آپ کی نورانیت میں ضم ہوگئی اس کو ذہن سے قریب کرنے کے لئے یوں سمجھا جاسکتا ہے جیسے پانی دھوپ کی تمازت کو قبول کرلیتا ہے اور جب تک تمازت شباب پر ہوتی ہے وہ اپنے وجود کو جو ثقیل ہے روشنی کی لطافت میں ایسا مدغم کردیتا ہے کہ اپنا معدن چھوڑ کر فضا میں تیرتا رہتا ہے اور جب تک دھوپ کی صلاحیت اس کو ہضم کرنے کے رہتی ہے وہ بھی مجبور ہوتا ہے اور جہاں تمازت روبزوال ہوتی ہے کہ وہ بھی آہستہ آہستہ اپنے مرکز کی جانب شبنم کی شکل میں نازل ہوجاتا ہے ۔بلاتمثیل آپ کی بشریت تو معراج میں گئی تھی مگر آپ کی نورانیت میں ایسا مدغم ہوگئی کہ نور نے جہاں چاہا جیسا چاہا بشریت سیر کرتی رہی ۔ذرا ذہن پر زور دیجئے تو آپ کا براق پر سوار ہونا اور براق کو نور سے زیادہ طاقتور ہونا آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔اس لئے کہ یہ ایز جی کی صلاحیت پر ہے ۔یہاں پر مذہب کی روشنی میں بھی آپ کے ذہن کو حقیقت سے قریب کردینا زیادہ انسب ہوگا۔حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں دخول وخروج کو اچھی طرح ذہن میں رکھئے کہ جنت میں کب اور کیوں اتارے گئے اس کے اسباب کیا تھے؟مختصر جواب جس پر دنیا کے چار بٹے تین کا ایمان ہے کہ جب تک جنتی لباس زیب تن رہا جنت میں رہے اور لباس اتر جانے کے بعد نوری محل میں رہنے کی صلاحیت ختم ہوگئی تو بشریت کو اصلیت کی طرف لوٹا دیا گیا ۔جس کا ماحصل یہ ہوا کہ دخول جنت میں آپ کی نورانیت کارفرما تھی بشریت نہیں ۔موضوع کا دوسرا گوشہ جو پہلے سے کہیں زیادہ اہم ہے وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا سدرہ پر جا کر معیت سے انکار کردینا ہے۔

اگر یکسر ے موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اوراس سے آگے ایک انسان کا گزر فرمانا جو تقاضہ بشری کے سراسر مخالف اور عقل انسانی کے لئے لمحہ فکر یہ ہے۔اس لئے کہ جب نور سے نور جل کر خاکستر ہوسکتا ہے تو بھلا بشر کی کیا مجال کہ دم مار سکے ۔کمال تو یہ ہے جا بھی رہے ہیں وہاں جس کو وہاں، یہاں، جہاں، کہاں بھی نہیں کہہ سکتے۔وہ تو لامکاں ہے جس کا ادراک محال اگر تصور کیا بھی جاسکتا ہے تو صرف لفظ لامکاں کا۔اعلیٰ حضرت نے کتنی حسین ترجمانی کی ہے۔

خرد سے کہدو کہ سر جھکالے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائیں کدھر گئے تھے
سراغ این ومتیٰ کہاں تھا نشان کیف والیٰ کہاں تھا
نہ کوئی ساتھی نہ کوئی راہی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

ایسی صورت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توقف فرمانا

اور جھجھکنا بدیہی بات تھی مگر خدا کی رحمت کو کب گوارہ تھا کہ جس محبوب کو اتنی آن وبان، شان وشوکت سے عرش تک بلایا ہے واپس کردے۔ آواز آئی۔ اعلیٰ حضرت کی زبانی سنئے ؎

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لــن تـــرانـــی کہیں تقاضے وصال کے تھے
بڑھ اے محمد قریں ہو احمد قریب آ سرورِ ممجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

آخر تنہا ہی آگے بڑھے پردے اٹھتے رہے ہر ایک پردہ میں جلوؤں کا مشاہدہ کرتے چلے گئے۔ وہ لمحہ جانفزا بھی آیا کہ جس تجلی کو دیکھنے کے لئے حضرت کلیم اللہ نے لاکھوں جتن کئے تھے۔ اور عرض کیا تھا ''ارنی'' مگر جواب ملا تھا ''لـن تـرانـی'' اصرار پیہم پر کوہ طور کی جانب دیکھنے کا حکم بھی ملا تو دیکھا کہ بے ہوش ہی ہو گئے تھے۔ مگر یہاں معاملہ ہی کچھ اور تھا صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ قرآن مقدس نے تو ارشاد فرمایا ہے کہ دو کمان سے بھی زیادہ قریب ہو کر ایسی تجلی باری تعالیٰ کا مشاہدہ فرمائی کہ پلکیں بھی نہ جھکیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مقدس کی تفسیر کتنے لطیف انداز میں فرمایا ہے۔ ذرا ایک ایک لفظ کو زور دے دے کر پڑھتے چلئے ہر لفظ پر دل کا بند کھلتا چلا جائے گا ؎

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کی وصل وفرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے
اٹھے جو قصر دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کے یہ بھی نہ تھے ارے تھے

ذرا قربت کو قریب کرکے دیکھئے تو خود ہی قرب وبعد کا امتیاز ہو جائے گا اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قربت کا احاطہ دو ہاتھ کے احاطے میں تھا بلکہ اور زیادہ قریب اب آپ کمان یا دونوں ہاتھوں کے ہالے میں رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سمجھنے کے لئے (تمثیل سے الگ ہو کر) صرف بے اطمینانی وبے کیفی کا بھوت اتارنے کے لئے ایک مرکز مان کر چلئے اور مرکز کو دائرے میں گھیر لیجئے جیسے پھر اس دائرے کو مرکز میں ضم کر دیجئے اب بتایئے کہ مرکز ومحیط میں دائرہ کدھر اور مرکز کدھر گیا۔ جس کا خلاصہ دائرہ مرکز میں اور مرکز دائرہ میں ضم ہو گیا ہے۔

لیکن اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ یہ بھی نہ کہہ۔ اس لئے یہ مقام بڑا نازک ہے۔ ان ساری باتوں کو دیکھتے ہوئے ایک سوال ذہن وفکر کو گدگدانے لگا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام کے پر جل سکتے تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگر نوری لباس میں مان بھی لیا جائے تو ان کو بھی بدرجہ اتم جل جانا چاہئے۔ مزید طرفہ تماشہ ہے کہ جلنا تو در کنارا تنا قریب ہو گئے کہ دوئی کا بھی فرق اٹھنے لگا تھا مگر ایمانی تقاضے نے زبان پکڑ لی کہ ایسا بھی مت کہہ دینا۔

آیئے پھر مسئلہ سے قریب کرنے کا تیکنیکی حل تلاش کریں صرف مذکورہ اصول کو ذہن میں رکھیں تاکہ ڈائرکٹ وان ڈائرکٹ اور پاور پاور میں فرق آسانی سے سمجھا جاسکے۔ جیسے ہزار پاور کا بلب جس کو پاور ہاؤس سے روشن کیا ہے اس پر ایک لاکھ میگا واٹ پاور چھوڑ دیا جائے تو روشنی کے ساتھ بلب کے پرانچے اڑ جائیں گے اس لئے

ڈائرکٹ اتنا لوڈ برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔دوسری مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے جیسے سورج اپنی ایز جی جب ڈائرکٹ زمین پر پھینکتا ہے تو ایک سکنڈ میں تقریباً ایک لاکھ پچھتر ہزار پانچ سو میل کی تیز رفتاری کے ساتھ چل کر پوری دنیا کو گرما دیتی ہے اور یہی ایز جی جب چاند سے گزر کر فرش گیتی پر براجمان ہوتی ہے تو رنگ و روپ کے ساتھ خاصیت بھی بدل لیتی ہے۔تھوڑی سی اور زحمت کیجئے تا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ''دنیٰ فتدلیٰ'' کی منزل میں پہونچ کر بھی اپنی ہیئت نہ بدلنا اور بلاضرر واپس آجانا آسانی سے ذہن نشیں ہوجائے صاحب عجائب الخلائق نے جہاں بہت سارے جانوروں کی ماہیت وخاصیت ذکر کی ہے وہیں ایک عجوبۂ روزگار سمندر کے کیڑے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔جو آگ میں پیدا ہوکر آگ ہی کو اپنا مسکن اور غذا کے طور پر استعمال کر لیتا ہے۔لیکن دوبارہ آگ میں واپسی کے بعد جلنا تو دور رہا بلکہ اس کی روحانیت میں تازگی آجاتی ہے۔چلتے چلتے مسئلہ نزاکت کو اور واضح کرنے کے لئے سمندر کو مرکز اور آگ کو محیط تسلیم کر لیجئے اور دونوں کو ایک دوسرے میں ضم کر دیجئے تو پھر ایک دوسرا دائرہ قائم ہوجائے گا۔حاصل کلام مرکز دائرے میں داخل ہوکر بھی مرکز ہے دائرہ نہیں بن سکتا ہے اس مرکز اور محیط کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا تو ایک تیسرا دائرہ پھر قائم ہوگیا۔اس لئے تو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ محیط ومرکز کے وصل کے بعد بھی دائرے چکر میں ہیں۔

محیط ومرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

ہیں ہمارا گوہر مقصد امام احمد رضا

از۔محترم راجا رشید محمود، لاہور

عندلیب گلشن احمد، امام احمد رضا
مصطفیٰ کے عشق کی ابجد امام احمد رضا
سالکِ راہِ طریقت، ہیں مجدد دین کے
ہیں ہمارا گوہرِ مقصد امام احمد رضا
ایک دریائے تلطّف ہیں مسلماں کیلئے
دشمنان مصطفیٰ کا ردّ امام احمد رضا
ہو سکے توہین آقا کی کسی عنوان سے
ایسی ہر کوشش کی راہ میں سد امام احمد رضا
ہیں سپہر علم و دانش کا درخشاں آفتاب
جہل سے جن کو رہی ہے کد، امام احمد رضا
عالمان دیں ہوئے مسند نشیں سرکار کے
اور وجہ نازش مسند امام احمد رضا
ہیں ابو بکر و عمر عثمان و حیدر کی طرح
مصطفیٰ کے دین کے اشہد امام احمد رضا
کبریا کی سنتِ مدح رسول اللہ کی
ہیں حساب خلد میں اک مد امام احمد رضا
شاعر معجز بیاں ہیں مدح گوئے مصطفیٰ
جن کا ہر نقش قلم سر مد امام احمد رضا
نائب غوث الوریٰ ہیں اور امام الاتقیاء
بے گماں محمود ہیں ارشد امام احمد رضا

قدس سرہ العزیز

اعلیٰ حضرت اور سلسلۂ قادریہ کی تجدید واشاعت

از: مفتی محمد شمشاد حسین رضوی مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

تمام علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''امام احمد رضا فاضل بریلوی'' دین وملت کے مجدد اور ماہِ کامل تھے ان کے فکروفن، شعور وادراک، اور تجدیدی کارناموں کی روشنی محدود نہ تھی اور نہ ہی کسی ایک زاویہ پر مرکوز تھی بلکہ اس روشنی میں کافی وسعت تھی۔ جو انصاف پسند افراد ہیں انہیں یہ تسلیم کرنا بہرحال ضروری ہے کہ امام احمد رضا جب مجدد دین وملت ہیں تو ان کے تجدیدی کارناموں کا جہاں ایک سرا ''شریعت'' سے ملتا ہے وہیں اس کا دوسرا سرا ''طریقت'' سے بھی ملتا ہے۔ اگر آپ شریعت کے مجدد ہیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ سلوک وطریقت کے بھی امام ومجدد ہیں کہ شریعت وطریقت دونوں لازم وملزوم ہیں۔

اسی لزومی کیفیت کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے جہاں آپ نے شریعت پر حملہ آوروں کو دندان شکن جوابات دیئے وہیں آپ نے منکرین طریقت کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول فرمائی اور ان کی ہر تنقید کا کرارا جواب دیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مجدد ہونے کی حیثیت سے آپ کے پاس علم بھی تھا اور فن بھی۔ فکر ونظر بھی تھی اور شعور وادراک بھی۔ علم ظاہر بھی تھا اور علم باطن بھی، شریعت کے اسرار سے بھی واقف تھے اور رموز طریقت سے بھی۔ انہیں تمام امور کے سبب امام احمد رضا کا قلب صاف وشفاف بھی تھا، مصفیٰ اور مزکیٰ بھی تھا۔ یعنی آپ کا دل زنگ آلود نہ تھا۔ امام احمد رضا کا صاف وشفاف دل ایک زاویہ تھا جسے آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔

اس زاویہ کے بعد اب ایک دوسرا زاویہ بیان کیا جارہا ہے اس زاویہ کی تعمیر وتشکیل میں کسی اور کا دخل نہ تھا اگر کسی کا دخل تھا تو وہ آپ کے والد گرامی امام المتکلمین حضرت علامہ مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تھا یہ زاویہ بھی مبارک زاویہ تھا جو باعث رشک جناں تھا۔ امام احمد رضا نے خود اسے بیان فرمایا ہے آپ تحریر کرتے ہیں:

''ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک بہت نفیس اور اونچی سواری ہے حضرت والد ماجد نے کمر پکڑ کر مجھے سوار کیا اور فرمایا، گیارہ درجہ تک تو ہم نے پہونچا دیا آگے اللہ مالک ہے میرے خیال میں اس سے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی مراد ہے'' (الملفوظ حصہ سوم)

اس خواب کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''مولانا بدرالدین علیہ الرحمۃ'' بڑا اچھا تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ جل مجدہ نے اپنے برگزیدہ بندہ احمد رضا کو مقدس دین اسلام کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں ولایتِ کاملہ کا منصب عظیم عطا

فرمایا تھا اور سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی نے اعلیٰ حضرت کو قطبیت کا تاج کرامت بخشا تھا چنانچہ اگر ایک طرف آپ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نائب ہیں تو دوسری طرف سیدنا غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مظہر بھی ہیں آپ نے جس شان سے احیائے دین وتجدید ملت کے فرائض منصبی کو انجام دیا وہ شاہد عدل ہے کہ یقیناً آپ کی ذات گرامی حضور غوث اعظم شہنشاہ بغداد کی تجلی گاہ تھی''۔(حیات اعلیٰ حضرت)

''الملفوظ'' کی عبارت اور مولانا بدرالدین صاحب کا تبصرہ اپنی نگاہ میں رکھئے اور غور کیجئے یقینی طور پر آپ بھی یہی کہیں گے کہ گیارہویں درجہ تک رسائی سے مراد صرف اور صرف سرکار غوثیت کی غلامی ہی ہوسکتی ہے اور اس غلامی کے حصول میں آپ کے والد گرامی مولانا نقی خاں علیہ الرحمۃ کی کوشش زیادہ تھی اور خود والد گرامی بھی اسی منزل پر فائز تھے۔ ذرا سوچیئے جو خود اس منزل پر فائز نہ ہو وہ کسی کو اس منزل پر کس طرح فائز کرسکتا ہے؟ یہی وہ منزل ہے جس پر فائز ہونے سے سرکار غوثیت کے انوار وتجلیات کی بارش ہونے لگی اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی شخصیت تجلیوں میں نتھرنے لگی، سرکار غوثیت نے اپنے اس غلام کو کیا دیا؟ کتنا دیا؟ یہ کون بتا سکتا ہے؟

امام احمد رضا مارہرہ شریف میں:

اس بات سے ہم اور آپ سبھی واقف ہیں کہ امام کا دل صاف ستھرا تھا اور سینہ عرفان الٰہی سے مملو تھا بس انہیں صرف نسبت کی حاجت تھی اسی نسبت کے حصول کی خاطر آپ اپنے والد گرامی کے ہمراہ مارہرۂ مقدسہ پہونچے، یہ وہی مارہرۂ مقدسہ ہے جہاں کی خاک اکسیر ہدایت کا درجہ رکھتی ہے اور ذرے اوج ثریا کا مقام رکھتے ہیں۔ اس کی ہواؤں سے عشق وایماں کی خوشبوئیں آتی ہوئیں محسوس ہوتی ہیں، یہی وہ مقدس سر زمین ہے جہاں ایک ہی گنبد کے سائے میں سات اقطاب آرام فرما ہیں، جس وقت امام احمد رضا فاضل بریلوی مارہرہ مقدسہ پہونچے اس وقت حضور سیدی آل رسول علیہ الرحمۃ کا دور تھا اور آپ کی ولایت کا چرچا ہر طرف پھیلا ہوا تھا اور آپ آنے والوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے فیوض وبرکات بانٹ رہے تھے شفقت ومحبت کی برسات کر رہے تھے، لوگ زنگ آلود دلوں کے ساتھ آتے تھے اور صاف ستھرے دلوں کو لے کر واپس جاتے تھے امام احمد رضا بھی آئے اور آپ کے والد گرامی بھی جو خود میں ''امام المتکلمین'' تھے وحید عصر اور یگانۂ دہر تھے، جن کے فکر و شعور اور فن وادراک کے سامنے ''نیر درخشاں'' کاسۂ گدائی لئے کھڑا رہتا تھا۔

ان دونوں کو دیکھتے ہی حضور سید آل رسول تبسم ریز ہوئے اور لبوں پر مسکان پھیل پڑی۔ یہ وہ خوشیاں تھیں جو اپنے آپ میں نمایاں نہیں ہوتی ہیں بلکہ اس کے پسِ منظر کسی کا غیبی اشارہ ہوتا ہے، یہی کچھ حال یہاں بھی تھا کہ حضرت سید آل

رسول علیہ الرحمۃ کو کہیں نہ کہیں سے اس بات کا حکم تھا کہ وہ امام احمد رضا کو "سلسلئہ عالیہ قادریہ" میں داخل کریں اور امام احمد رضا کو اسی سلسلہ سے منسلک ہونے کا حکم ملا تھا، ظاہر ہے یہ حکم کہیں اور سے نہیں تھا بلکہ سرکار غوثیت مآب سے تھا کہ میرا امام انہیں کا سچا غلام اور عاشق صادق تھا اسی حکم کا کرشمہ تھا کہ انداز بیعت حسین ہوتا چلا گیا۔

کس قدر حسین انداز تھا بیعت کا:

یہ تو سب کو معلوم تھا کہ آنے والا کوئی عام طالب نہ تھا بلکہ وہ بھیجا ہوا طالب تھا اور علم وفن ،فکروشعور کا جبل راسخ تھا، تحقیق وتدقیق کے میدان کا بہترین شہسوار تھا،اصابتِ رائے کا زبردست دھنی تھا۔جیسا آنے والا تھا اسی کے مطابق بیعت کا نرالا انداز تھا یہ کس قدر حسین انداز تھا؟ یادگار رضا کا یہ اقتباس پڑھیئے:

"حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رضا اور ان کے والد گرامی مولانا نقی علی خاں کو ریاضت ومجاہدہ کرائے بغیر بیعت بھی کیا اور خلافت واجازت سے بھی نوازا یہ عنایت ونوازش کسی اور خانقاہ میں اہمیت نہ رکھتی ہو مگر خانقاہ برکاتیہ ایک ایسی خانقاہ ہے جہاں اسے زبردست اہمیت حاصل ہے اور اس کا افادی پہلو اس قدر روشن وتابناک ہے کہ کوئی بھی دانشور اسے نظر انداز نہیں کرسکتا ہے یہی وجہ ہے حضرت سیدنا شاہ آل رسول کے ولی عہد، پوتے اور خلیفئہ بے نظیر سیدنا شاہ ابوالحسین نوری نے عرض کیا۔حضور! آپ کے یہاں بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد ہی خلافت دی جاتی ہے۔ سید شاہ آل رسول نے ارشاد فرمایا: اور لوگ میلا کچیلا اور زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لئے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دونوں مصفیٰ ،مزکیٰ قلب لے کر آئے تھے انہیں ریاضت مجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ انہیں تو بس اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہوگئی"

(یادگار رضا سالنامہ)

عنایتوں کی برسات:

حضور شاہ آل رسول کے ارشاد گرامی سے حضور نوری میاں کو جواب مل گیا اور انہیں اس سے پوری طمانیت بھی حاصل ہوگئی۔

حضور اچھے میاں کا مبارک حجرہ ہے جس میں ایک چوکی بچھی ہے اس چوکی پر خود حضور شاہ آل رسول جلوہ فرما ہوئے اور اپنے روبرو اپنے مرید خاص احمد رضا کو بٹھالیا اور پھر ان پر ایک نگاہ التفات ڈال دی اس نگاہ التفات کا پڑنا تھا کہ میرے سرکار اعلیٰ حضرت اپنے پیرومرشد کے رنگ میں اس طرح رنگ گئے کہ دونوں میں یکسانیت پیدا ہوگئی اور حجرہ سے دونوں باہر تشریف لائے تو مریدین ومتوسلین حیرت میں پڑ گئے کہ وہ سب کے سب پہچان نہ سکے کہ ان میں پیرومرشد کون ہے؟ اور احمد رضا کون ہے؟ ہاں فرق تھا تو صرف اس بات میں کہ ایک کی ریش

مبارک سفید تھی اور دوسرے کی کالی تھی۔اس مثالی توجہ سے سارے شکوک دور ہوگئے اور سب اپنی اپنی جگہ مطمئن ہوگئے بس یہی مقصد تھا اس مثالی توجہ کا۔بات اسی پر ختم نہیں ہوتی ہے اس سے آگے مرشد گرامی فرماتے ہیں:

''مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحکمین نے سوال فرمایا: کہ اے آل رسول تو میرے لئے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے وہ فکر دور ہوگئی اس وقت میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا''

حضرت خاتم الاکابر کے وصال کے بعد حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین نوری مارہروی نے''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی'' کو''چشم و چراغِ خاندانِ برکات''فرمایا۔

عنایتوں کی یہ برسات بہت زیادہ چشم کشا ہے اور اس سے بہت سے''رازہائے سربستہ'' کھلتے نظر آرہے ہیں مگر اس کے لئے بصیرت کی آنکھیں درکار ہیں۔

چشم و چراغ کا حقیقی معنی:

آنکھوں کی روشنی۔اگر حضور نوری میاں کے ارشاد میں اس سے حقیقی معنیٰ مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس''ترکیب'' سے حضرت نوری میاں اپنے خاندان والوں سے یہ ارشاد فرمانا چاہتے ہیں کہ''احمد رضا'' خاندان برکات کی مبارک آنکھوں کی روشنی ہیں لہٰذا جس کی طرف دیکھو تو''احمد رضا'' کی روشنی میں دیکھو جوان کا ہے وہ تمہارا ہے اور جوان کا نہیں ہے وہ تمہارا نہیں۔

اسی تناظر میں شہزادگان مارہرہ نے دیکھنے کی کوشش کی اور حضور احسن العلماء نے یہاں تک فرمایا کہ''احمد رضا'' کی محبت ہمیں گھٹی میں پلائی گئی ہے، میں دشمنان احمد رضا سے کبھی سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔

اگر''چشم و چراغ'' سے اس کا معنی مجازی مراد لیا جائے یعنی بہت ہی عزیز اور آنکھوں کی ٹھنڈک تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کہ یقینی طور پر میرے اعلیٰ حضرت بزرگان مارہرہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے اور یہاں کے شہزادگان ان کے اوپر اپنے دل و جاں نثار کرتے تھے، اپنی مجلسوں میں صرف انہیں کا تذکرہ کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت بھی اپنے سرکاروں کا تذکرہ بڑے ہی والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے۔

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے مری سرکاروں کے

حضور نوری میاں علیہ الرحمۃ نے سرکار اعلیٰ حضرت کو''چشم و چراغ'' کہہ کر قوم و ملت کو اس کے پسِ پردہ یہ پیغام دے دیا کہ امام احمد رضا نہ صرف خاندان برکات کی ضرورت کا نام ہے بلکہ پوری قوم اور پوری ملت کی ضرورت کا نام ہے۔

بہر حال مارہرہ مقدسہ کی عنایتوں نے امام احمد رضا کی شخصیت کو انمول اور نادر نایاب بنادیا اور اسے کہیں سے کہیں تک پہونچا دیا اس بات کا اعتراف خود خاندان برکات کے شہزادوں

نے کیا اور برابر کرتے رہے ہیں۔حضرت نظمی میاں فرماتے ہیں۔

حضرت آل رسول پاک کے فیضان سے
نوجواں احمد رضا اعلیٰحضرت بن گیا
حضرت نوری میاں نے جس امید ویقین کے ساتھ
اعلیٰ حضرت کو''چشم وچراغ خاندان برکات'' کہا اعلیٰ حضرت

نے تا زندگی اسے نبھانے کی کوشش کی اور ان کے شہزادگان نے بھی اس امید پر کھرے اترنے کی پوری پوری کوشش کی اس سلسلے میں دقیقہ بھر بھی فروگزاشت سے کام نہ لیا۔

سلسلۂ قادریہ کا فروغ:

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی پوری زندگی سلسلۂ قادریہ کے فروغ اور اس کے ارتقاء میں صرف کردی صرف مریدوں کی کثرت اور متوسلین کی بہتات ہی سے اس کا فروغ نہیں ہوتا بلکہ اس کے طریقے اور بھی ہیں ان ہی طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد ایسے اصولوں اور ایسے نظریات پر رکھی جائے جو پائیدار اور مضبوط ہوں اور اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت بھی شدید ہوتا کہ ارتقائی عمل کو بار بار مہمیز لگتا رہے اور وہ آگے بڑھتا رہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مریدوں کی تعداد اگر چہ کم تھی پھر بھی وہ اپنے آپ میں بہت ہی زیادہ تھی۔امام احمد رضا کے مریدوں کی یہی صورت تھی کہ وہ تعداد میں کم تھے مگر اسی کم تعداد نے اب سلسلۂ قادریہ میں کثرت پیدا کردی اور ایسی کثرت پیدا کی کہ اب ان کی یقینی تعداد بھی معلوم کرنا مشکل دکھائی دیتا ہے کہ یہ تعداد بحر ناپیدا کنار کی حیثیت رکھتی ہے جس تیز گامی کے ساتھ یہ قادری سلسلہ پورے برصغیر میں پھیلا اس تیزی کے ساتھ کسی بھی سلسلے کو فروغ نہ ہوا اور نہ ہی آئندہ اس کی امید کی جاسکتی ہے۔

فروغ و ارتقاء کیا ھے ؟

ارباب لغت نے''فروغ'' کا معنی فارغ ہونا فرصت پانا،اور فراغت پانا لکھا ہے مگر ارباب ادب نے اسے بلندی،کمال اور ترقی کے معنوں میں استعمال کیا ہے اسی مناسبت سے''فروغ عشق'' بولا جاتا ہے۔ارتقا کا مطلب کسی چیز کا آہستہ روی کے ساتھ اپنی منزل تک پہونچ جانا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فروغ وارتقا اسی کی صفت ہوتی ہے جس میں نمو کی قوت پائی جاتی ہے اور جہاں نمو کی صلاحیت نہ ہو یا پھر جو فطری طور پر انجمادی کیفیت سے متصف ہو وہ کس طرح فروغ وارتقاء کی منزلیں طے کرسکتا ہے؟

خدائے پاک کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ ہم ''اہلسنت'' کو جو بھی سلاسل نصیب ہوئے ان سے فیوض و برکات کل بھی جاری تھے آج بھی جاری ہیں اور آئندہ کل بھی جاری رہیں گے یہ وہ سرچشمے ہیں جہاں فیوض و برکات ابلتے ہیں، پیاسے آتے ہیں اور پی پی کر سیراب ہوتے ہیں اس لئے میں کہتا ہوں ان سلسلوں میں بڑھنے کی بھی صلاحیت ہے اور بڑھانے کی بھی۔ان میں خود بھی طاقت وتوانائی پائی جاتی ہے اور

یہ اوروں کو بھی نمو عطا کرتے ہیں خواہ قادریت کا سلسلہ ہو یا نقشبندیت کا۔ چشتیت کا سلسلہ ہو یا سہروردیت کا یہ ہم اہل سنت کا نصیب ہے کہ ہمیں یہ سلسلے نصیب ہوئے ہمارے علاوہ اور بھی مکاتب فکر ہیں جو ان سلسلوں سے محروم ہیں کیوں کہ ان کے سلسلے سوخت دکھائی دیتے ہیں یہی سبب ہے کہ ان کے چہرے مہرے سے مایوسی، حسرت اور ناکامی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دل کی آنکھیں روشن نہیں اور نہ ہی ان کے سینوں میں جذبات کے سچے موتی تیرتے ہیں ان کے بر خلاف جن کے سینوں میں بزرگوں کے تئیں عقیدت ومحبت پائی جاتی ہیں اور جن کے دل انوار وتجلیات سے روشن وتابناک ہوتے ہیں تو ایسوں کی شان ہی نرالی ہوتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے چہروں سے نور وضیا کی برکھا برس رہی ہے اور چاہنے والے ان کے جلوؤں سے سیراب ہو رہے ہیں جن آنکھوں نے سرکار مفتئ اعظمِ ہند علیہ الرحمہ کا جلوۂ زیبا دیکھا ہے ان سے پوچھئیے کہ ان کا رنگ وروپ کیا تھا اور وہ کیسے نظر آتے تھے؟

امام احمد رضا کو کسی ایک سلسلے کی اجازت نہ تھی بلکہ حضور آل رسول احمدی نے بہت سے سلسلوں کی اجازت سے مشرف کیا تھا۔

(۱) سلسلۂ عالیہ قادریہ آبائیہ قدیمیہ (۲) سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدیہ (۳) سلسلۂ عالیہ قادریہ اہدلیہ (۴) لسلۂ عالیہ منوریہ (۵) سلسلۂ عالیہ قادریہ رزاقیہ (۶) سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ قدیمیہ (۷) سلسلۂ عالیہ سہروردیہ قطبیہ (۸) سلسلۂ قادریہ صدیقیہ نقشبندیہ علائیہ (۹) سلسلۂ عالیہ منامیہ۔

ان مذکورہ تمام سلسلوں میں آپ کو جس سلسلے سے سب سے زیادہ محبت تھی اور سب سے زیادہ پیار تھا وہ سلسلۂ عالیہ قادریہ جدیدیہ ہے آپ کے سلسلۂ پاک سے اسی کی جھلک نمایاں ہوتی ہے اور آپ نے اسی سلسلہ کو فروغ، دیا پوری زندگی اس کے ارتقا میں صرف فرمادی ایسا نہیں کہ صرف امام احمد رضا ہی سرکار غوثیت کے غلام تھے بلکہ ہندوستاں میں بہت سے افراد غلام ہیں مگر ان غلاموں میں جو فوقیت اور مرتبہ آپ کو حاصل تھا کسی اور کو نصیب نہ ہوا یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا نے اپنی پوری توانائی قادریت کے ارتقاء میں صرف فرمادی خود بھی اسیر زلف ہوئے اور اپنے انگ انگ کو بھی زلفوں کا اسیر بنادیا چونکہ امام احمد رضا کو سرکار غوثیت کی غلامی وراثت میں ملی تھی اور حضور سید آل رسول کی خصوصی توجہ نے اس پر مہمیز کا کام کیا بس ان ہی خوبیوں کو ''وجہ ترجیح'' کے طور پر دیکھا جا رہا ہے اب دیکھئیے کہ امام احمد رضا نے اس کے لئے کیا کیا جتن کئے اور کس قدر کوششیں کیں؟

سلسلۂ قادریہ کا تعارف :

اس کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ حضرتِ سیدنا غوثِ اعظم کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب ہے اور اسی نام پاک کی برکت سے اسے ''قادری سلسلہ'' کہا جاتا ہے

نسبت بہت بڑی چیز ہوتی ہے کہ اسی نسبت کی بدولت ''مسجد'' کو شرف و بزرگی حاصل ہوتا ہے چونکہ اس سلسلہ کو بھی اسی نسبت کے سبب بلند رتبہ حاصل ہے اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ قادری سلسلہ ایک پر جوش سمندر ہے تو دوسرے سلسلے اس کی نہریں ہیں یہ چاند ہے تو وہ ستارے ہیں، یہ شمع محفل ہے تو وہ پروانے ہیں اور ظاہر ہے جو سمندر سے جا ملتا ہے اسے نہروں کی حاجت نہیں ہوتی البتہ جو نہروں سے جا ملتا ہے اسے ضرور نہروں کی ضرور پڑتی ہے امام احمد رضا نے بھی اپنی تحریر میں اسی نظریہ کی وضاحت فرمائی ہے۔ کاٹھیاواڑ سے سید قاسم علی قادری نے یہ سوال بھیجا کہ

مخدومی مطاعی بندہ قبلہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

ہم قادریہ خاندان میں مرید ہوئے تھے مگر چونکہ اب حضرات نقشبندیہ کے ایک بزرگ سرہند شریف سے یہاں آتے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ خاندان نقشبند میں اب بیعت ہوتے جارہے ہیں اور سلسلہ عالیہ قادریہ روز بروز گھٹتا جارہا ہے مجھے بھی لوگوں نے مجبور کیا ہے ہم بھی اس خاندان میں کریں۔

آپ نے اس کے جواب میں تحریر کیا:

''ہمارے نزدیک خاندان عالیشان قادری سب خاندانوں سے اعلی وافضل ہے اور تبدیل شیخ بلاضرورت شرعیہ جائز نہیں حدیث میں ارشاد ہوا **من رزق فی شئیً فلیلزمه** یعنی جس کو جس چیز میں روزی ملے وہ اسی کو لازم پکڑ لے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو جس سے فیض یاب ہے اسی سے لگا رہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد گیارہ)

تبدیل بیعت بلاضرورت شرعیہ ممنوع ہے مگر اس کی تجدید جائز ہے اس سلسلے میں فرمایا:

عرض: زید محمد شیر پیلی بھیتی سے بیعت ہوا تھوڑا عرصہ ہوا ان کا وصال ہو گیا اب کسی اور کا مرید ہو سکتا ہے۔

ارشاد: تبدیل بیعت بلا وجہ شرعی ممنوع ہے اور تجدید جائز بلکہ مستحب ہے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں نہ ہوا ہو اور اپنے شیخ سے بغیر انحراف کئے اس سلسلۂ عالیہ میں بیعت کرے یہ تبدیل بیعت نہیں بلکہ تجدید ہے کہ جمیع سلاسل اس سلسلۂ اعلیٰ کی طرف راجع ہیں۔ (الملفوظ حصہ اول)

یہ دونوں پیش کردہ عبارتیں صرف سوال کا جواب یا عرض کا ارشاد نہیں ہے بلکہ اس کا ایک پسِ منظر ہے جس پر گہرائی سے غور کرنے کی ضرورت ہے وہ پسِ منظر یہ ہے کسی شئی کے تعلق سے ''توسیع'' کا مطلب یہ ہے کہ اس شئی کی جامعیت برقرار رہے اس میں کسی طرح کی کوئی دراڑ یا اضمحلال پیدا نہ ہو کہ جہاں اس طرح کا اضمحلال پیدا ہوتا ہے وہیں سے توسیع میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے اعلیٰ حضرت نے بھی سلسلۂ قادریہ کی جامعیت کو برقرار رکھنے کوشش کی کہ کہیں کسی بھی زاویہ سے اس میں کوئی کمزوری لاحق نہ ہو اسی لئے آپ نے تنبیہ فرمائی کہ تجدید

بیعت وہ کرے جو قادری سلسلہ میں بیعت نہ ہوا ہو اس کا مطلب یہ ہے دوسرے سلاسل میں منسلک ہونے والا ہی اپنے شیخ سے انحراف اختیار کئے بغیر قادری سلسلہ میں بیعت کر سکتا ہے مگر قادری سلسلہ میں بیعت ہونے والا کسی دوسرے سلسلہ کے کسی شیخ سے بیعت نہیں ہوسکتا۔ جامعیت کا فائدہ یہ کہ اس سلسلہ سے کوئی باہر نہ جائے اور دوسرے سلاسل کے افراد کو اس سلسلہ میں بطور تجدید آنے سے روکا نہ جائے کے اسی کا نام توسیع ہے اور اعلیٰ حضرت اس توسیع کے زبردست علمبردار ہیں کوئی اسے تسلیم کرے یا نہ کرے یہ وہ نفس الامری حقیقت ہے جو کسی کے ماننے کی محتاج نہیں۔

کسی بھی سلسلہ کی توسیع میں اس کے تعارف کا بڑا دخل رہتا ہے اور میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اس بارے میں اسے بنیادی حیثیت حاصل ہے اس کے علاوہ ''صاحب سلسلہ'' کا تعارف بھی اس توسیع میں زبردست اہمیت رکھتا ہے کوئی بھی دانشور اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

صاحب سلسلہ کی قدر و منزلت:

سلسلۂ قادریہ کے بانی حضرت سیدنا غوث اعظم ہیں آپ کی قدر و منزلت کا کیا کہنا؟ آپ اتنے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں کہ کوئی ولی اس مرتبہ تک نہ پہونچ سکا اور نہ ہی آئندہ پہونچ سکتا ہے اسی مضمون کو اعلیٰ حضرت نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلی تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

ان اشعار میں حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت وفوقیت اس انداز میں پیش کی گئی کہ شاید ہی اس انداز اور نادر و نایاب اسلوب میں کوئی اور پیش کر سکا ہو۔

غوث پاک کے مقام و مرتبہ کو میرے امام نے نہایت ہی اچھوتے انداز میں بیان فرمایا ہے۔

الوہیت ہی احمد نے نہ پائی
نبوت ہی سے تو عاطل ہے یا غوث
صحابیت ہوئی پھر تابعیت
بس آگے قادری منزل ہے یا غوث

اس سے صاف نمایاں ہے کہ صحابیت اور تابعیت کے بعد قادری منزل ہے اور اس قادری منزل کی مناسبت سے آپ ہر قسم کے فضائل کے جامع تھے اور آپ میں ساری خوبیاں پائی جاتی تھیں اگر چہ آپ تابعی نہ تھے اس کے باوجود آپ کی ذات وشخصیت ہزاروں تابعی سے فزوں تر تھے اور یہ فضیلت انفرادی فضیلت ہے جہاں تک طبقۂ تابعیت کی فضیلت کی بات ہے تو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ اس طبقہ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ اجمالی ہے طبعی اور نوعی ہے جزئی یا شخصی نہیں ہے۔ اس سے اس

بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب صاحبِ سلسلہ کی قدر و منزلت اور عظمت و برتریت کا یہ عالم ہے تو پھر ان سے منسوب سلسلہ کی وسعت وکشادگی کا کیا عالم ہوگا؟

صاحب سلسلہ فریاد رس کی حیثیت سے

سلسلہ عالیہ قادریہ کے بانی یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی بہت بڑے فریادرس تھے، اپنے دور میں بھی اور اس دور سے لے کر اس دور تک بھی اور آئندہ بھی آپ ہی بڑے فریادرس رہیں گے کیونکہ غوث یعنی بڑے فریادرس آپ کے نام پاک کا ایک حصہ ہے جو کل بھی تھا آج بھی ہے اور آئندہ کل بھی رہے گا کہ نام ولقب کے مابین جو حسن امتزاج پایا جاتا ہے وہ دونوں آپس میں بڑی مشکل سے جدا ہوتے ہیں اور میرے غوث پاک تو ''مقام غوثیت کبریٰ'' پر فائز ہیں اور اس وقت تک فائز رہیں گے جب تک امام مہدی علیہ السلام اس دنیا میں تشریف نہ لے آئیں اس مسئلہ کی وضاحت خود امام احمد رضا نے اس طرح فرمائی۔

غوثِ اکبر و غوثِ ہر غوث حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں صدیق اکبر حضور کے وزیر چپ دست تھے اور فاروق اعظم وزیر دست راست پھر امت میں سب سے پہلے درجۂ غوثیت پر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المومنین فاروق اعظم وعثمان غنی رضی اللہ عنہما کو عطا ہوئی اس کے بعد امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی اور عثمان غنی و مولیٰ علی کرم اللہ وجہ الکریم وزیر ہوئے پھر امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو غوثیت عطا ہوئی اور مولی علی کرم اللہ وجہ الکریم و امام حسن وزیر ہوئے پھر مولی علی وزیر ہوئے اور امامین کریمین رضی اللہ عنہما وزیر ہوئے پھر امام حسن رضی اللہ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے امام حسن عسکری کے بعد حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ تک جتنے حضرات ہوئے سب ان کے نائب ہوئے ان کے بعد حضور سیدنا غوث اعظم مستقل غوث حضور تنہا غوثیت کبریٰ پر فائز ہوئے حضور، غوثِ اعظم بھی ہیں اور سید الافراد بھی ہیں حضور کے بعد جتنے ہوئے اور جتنے اب ہوں گے پھر امام مہدی کو غوثیت کبریٰ عطا ہوگی۔

(الملفوظ حصہ اول)

حضور سیدنا غوث اعظم کا غوثیت کبریٰ پر فائز ہونا اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ آپ کے نام پاک سے منسوب سلسلہ بھی دوسری قسم کے سلسلوں سے افضل واعلیٰ ہوگا اور اس میں وسعت کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ خوبیاں وسعتِ سلسلہ کے لئے کافی وافی نہیں؟ ہاں یقیناً کافی و وافی ہیں یہی سبب ہے کہ پورے برصغیر میں اسی کی پذیرائی ہے اور ارباب فکر و دانش اسی سلسلے سے دن بدن منسلک ہوتے جارہے ہیں جہاں اور جس مقام پر سلسلہ کی وسعت و کشادگی کی بات آئے گی وہاں امام احمد رضا کی بات ضرور آئے گی کیونکہ اس وسعت کے علمبرداروں میں آپ کا نام سنہرے

حرفوں میں نظر آتا ہے اس لئے کہ ان خوبیوں کے اجاگر کرنے میں آپ تنہا ہیں، آپ اکیلے ہیں اس معاملے میں آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ اسی لئے میں کہتا ہوں آپ تنہا ''مجددِ قادریت'' ہیں مجددِ قادریت ہونے کی حیثیت سے آپ کی ذات وشخصیت میں جو خوبیاں، کمالات، اور خصوصیات ہونی چاہئیں وہ سب کی سب موجود تھیں یہ خوبیاں کچھ وراثت میں ملی تھیں، کچھ مرشد گرامی کی نگاہ فیض کی بدولت حاصل ہوئیں تھیں اور کچھ خوبیاں اکتسابی بھی تھیں ان ہی خوبیوں نے آپ کو مجدد قادریت کے مرتبہ پر فائز کردیا اور پھر آپ نے اپنی کوششوں اور مساعیٔ جمیلہ سے اس سلسلہ کو وسعت دینے میں وہ کیا جو آپ اپنے اعلیٰ فکروشعور سے کر سکتے تھے نظم و نثر دونوں ادب میں قادریت کے تعلق سے مضامین پیش کئے اور اس انداز میں پیش کئے کہ ذوق سمع وبصر کو محوِ حیرت کردیا اور اسے سوچنے پر مجبور کردیا کہ قادریت کیا ہے؟ اور اس میں کس قدر جذب وکشش ہے؟ کہ امام احمد رضا نے بریلی کی سرزمیں پر'' قادریت'' کی ایسی شمع روشن کی کہ اس کے اجالے پھیلتے ہی ہر طرف سے پروانے ٹوٹ پڑے اور اس کے اردگرد عاشقانہ طواف کرنے لگے یہ پروانے کسی ایک علاقہ کے نہ تھے اور نہ ہی کسی ایک صوبہ کے تھے بلکہ پورے برصغیر سے جذبۂ خلوص و پیار لے کر آئے تھے۔

دیکھئے امام احمد رضا کی ذات تنہا ہے اور ان کے چاہنے والوں کی تعداد ان گنت ہے بے شمار ہے یہ تعداد مختلف قسم کی ہے۔

پہلا گروپ: ان افراد پر مشتمل ہے جو قادری سلسلہ کے علاوہ دوسرے سلسلوں سے منسلک ہے مگر اصول ونظریات میں امام احمد رضا سے متأثر ہے اور ان کے بتائے ہوئے راستوں پر عمل پیرا ہے کہ یہ گروپ اپنے بزرگوں کے مزارات پر جاکر ان ہی امور کو انجام دیتا ہے جن کے بارے میں امام احمد رضا نے کرنے کی ہدایت دی ہے اور جن امور کے بارے میں انہیں منع کیا ان کو انجام دینے سے رک گیا اس گروپ کے افراد عملی طور پر امام احمد رضا کے مسلک ونظریات اور تعلیمات وارشادات کا اظہار کرتے ہیں اور قادریت کی جانب اپنی پیش قدمی بنائے ہوئے ہیں اس کے باوجود حیرت اس بات پر ہے کہ وہ اپنی زبان سے اس حقیقت کا اعتراف نہیں کرتے اور اعلی حضرت کو اپنا مخالف تصور کرتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ امام احمد رضا، خواجہ غریب نواز، خواجہ نظام الدین اولیا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا اپنی تصانیف میں تذکرہ نہیں کیا یہ مشربی زعم تعصب ہے جو ان کی زبانوں سے نکل رہا ہے اور ملت کے درمیاں اختلاف وانتشار کو ہوا دے رہا ہے حالانکہ اگر وہ گہری نظر سے اس بات پر غور وفکر کریں تو ان کے سامنے صحیح صورتِ حال نمایاں ہوجائے وہ یہ کہ امام احمد رضا جوش و جذبہ میں کوئی کام انجام نہ دیتے تھے بلکہ بنیادی امور کی انجام دہی سے کام لیتے تھے اور انہوں نے ایسا ہی کیا کہ اس دور میں مخالفین کا تیور ساتویں آسماں پر چڑھا ہوا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ بزرگوں کے ان مزارات کو تاریکیوں کے

حوالہ کردیں مگر اعلیٰ حضرت نے ایسا نہیں ہونے دیا، بس آپ ہی بتائیے ایسے ماحول میں جذبہ و جوش کی ضرورت ہوتی ہے یا پھر فکر و شعور کی؟ ظاہر ہے یہاں فکر و شعور کی ضرورت تھی اور امام احمد رضا نے وہی کیا جو انہیں کرنا چاہئے تھا کیا ان کی یہ خدمات کم ہیں ؟نہیں ہرگز نہیں اس کے باوجود ہمارے بعض دوستوں نے اس کا تحقیقی جواب بھی دیا کہ میرے اعلیٰ حضرت نے اِن کے لئے یہ کہا اور اُن کے لئے یہ لکھا۔ میں کہتا ہوں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ یہ ان کو خوش کرنے کے لئے ہے جنہیں خوش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں اور امام احمد رضا نے انہیں خوش کیا جنہیں خوش کرنا عین تقاضائے ایمان ہے اور اس کے تحت جہاں اس کی ضرورت تھی امام احمد رضا نے اس کا ذکر کیا جیسا کہ ان کی تصنیفات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے.......

دوسرا گروپ ان افراد پر مشتمل نظر آتا ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت سے پورے طور پر اتفاق تو کرتا ہے مگر ان کے میخانہ علم و شعور کا مے خوار نہیں ہے بلکہ یہ افراد کسی ایسے مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں جو مسلک اعلیحضر ت سے متاثر ہیں اور ان کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں اور ان کے اعتقادات و نظریات پر عمل کرتے ہیں ایسے ہی لوگ مسلک اعلیٰ حضرت کے علم برداروں میں ہیں جو شرعی تقاضوں میں ڈھلتے ڈھلتے طریقت اور ریاضت و مجاہدات کے سائباں میں داخل ہوگئے اور وہیں سے قادریت کے جلووں سے نہال ہوگئے اس گروپ سے تعلق رکھنے والے پورے برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں اور اس بات کا عملی طور پر اعلان کررہے ہیں کہ اے امام تم نے نہ صرف شریعت دی بلکہ علم طریقت سے بھی نوازا اور سلوک کی محفلوں میں بیٹھنے کا شعور بخشا، بزم خوباں سے اکتساب نور و ضیا کے ہنر سے آشنا کیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قادری سلسلہ کی طرف جو راہ بھی جاتی ہے وہ مسلک اعلیٰ حضرت سے ہوکر گزرتی ہے اس سے الگ ہوکر کوئی بھی راہ قادریت تک نہیں پہونچ سکتی اگر کوئی اس طرح کا دعویٰ کرتا ہے ہم اسے جزاف کے سوا کسی اور لفظ سے تعبیر نہیں کرسکتے۔

تیسرے گروپ میں وہ حضرات آتے ہیں جو سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہیں اور جامعہ رضویہ منظر اسلام سے تربیت یافتہ ہیں ایسے عظیم افراد بھی کسی گروپ سے کم نہیں ہیں بلکہ پورے برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں اور جہاں بھی ہیں وہیں سے قادریت کے تئیں اپنی آوازیں بلند کر رہے ہیں اور ’’ نعرۂ قادریت می زنم‘‘ ورد زباں کئے ہوئے ہیں۔

چوتھے گروپ میں وہ سبھی افراد آتے ہیں جو ان تینوں کے علاوہ ہیں بچے کھچے سبھی افراد اسی گروپ میں آتے ہیں ان کی تعداد بھی اچھی خاصی نظر آتی ہے مگر ان کے لئے جو عصبیت کی عینک اپنی آنکھوں سے اتار کر دیکھتے ہیں اور جو فطری طور پر عصبیت کے شکار ہیں میں ان کی بات نہیں کرتا کہ ان کا اپنا کوئی معیار نہیں کہ وہ تعصب اور تنگ نظری کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں انہیں چھوڑیئے بس اس قدر سمجھ لیجئے کہ یہ چاروں

گروپوں دھوم مچانے والے افراد پر مشتمل ہیں اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی تعداد کس قدر ہوسکتی ہے اور ان کی دراز زلفیں کہاں کہاں پہنچ سکتی ہیں میں دھوم مچانے والوں کو کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں کرسکتا کہ یہ دھوم مچانے والے ہر ایک زمانہ میں رہے ہیں اور رہیں گے ان دھوم مچانے والوں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے ''اعلیٰ حضرت'' کا زمانہ پایا اور وہ بھی ہیں جو ''حجۃ الاسلام'' کے دور میں تھے پھر ان کے بعد ''سرکار مفتیٔ اعظم'' کا دور آتا ہے اس سلسلہ میں میرے مفتیٔ اعظم نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ کے سینوں میں'' آبدار موتیوں'' کی مانند درخشاں ہیں انہیں بتانے کی ضرورت نہیں پھر بھی کبھی انکشاف حق کے طور پر ان کا اظہار کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور یہی ضرورت درپیش ہے کہ سرکار مفتیٔ اعظم ہند نے قادریت کے فروغ وارتقا میں زبردست حصہ لیا اس لئے نہیں کہ آپ ''مجدد قادریت'' کے شہزادۂ گرامی تھے بلکہ اس لئے کہ آپ کی طبیعت میں سرکار قادری کی محبت رچی بسی تھی اور سرکار بغداد کو آپ دل وجاں سے چاہتے تھے، آپ اعلیٰ حضرت کے شہزادۂ اصغر تھے آپ ہی تو ہیں جن کے بارے میں سرکار نوری نے فرمایا: اے احمد رضا۔ آپ اپنے گھر جایئے آپ کے یہاں ایک چاند سا مہمان آیا ہے جو نہایت ہی مبارک بچہ ہے، مادرزاد ولی ہے، عاشق رسول پروردگار ہے، ان سے اجالے ہوں گے، تابشیں ہوں گی، چشمے پھوٹیں گے، پیاسے آئیں گے اور سیراب ہوں گے۔ امام احمد رضا بریلی آئے اور اپنے مبارک بچہ کو دیکھا تو یہ دیکھا.....نور کا چہرہ اور پھولوں کا بدن دیکھا..آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک اور دمکتی پیشانی پر ابدی سعادتوں کی لکیریں دیکھیں۔ سرکار مفتیٔ اعظم نے بھی وہی کیا جو امام احمد رضا کا مقصد اور نصب العین تھا یعنی قادریت کا فروغ اور اس کا ارتقاء اور اس کی تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا جن آنکھوں نے سرکار مفتیٔ اعظم کے رخِ زیبا کو دیکھا ہے اور یہ ان کی زندگی اور حالات و خدمات سے آشنا ہوں گے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہونگے کہ حضور مفتیٔ اعظم جب کسی کو سلسلہ قادریہ میں بیعت کرتے تھے تو یہ فرماتے تھے:

کہو میں نے اپنا ہاتھ غوثِ پاک کے ہاتھ میں دیا

مرید ہونے والا کہتا:

میں نے اپنا ہاتھ غوث پاک کے ہاتھ میں دیا۔

میں اس انداز بیعت کو نظر انداز نہیں کرسکتا اس میں کہیں نہ کہیں کچھ مخصوص جذبات ضرور ہیں جو قادریت کے بحرِ ذخار سے جا ملتے ہیں۔ اِدھر سے جذبۂ فروغ ہے تو اُدھر سے شرفِ قبولیت ہے اور یہی مجدد قادریت کا مشن اور ان کا نصب العین ہے۔ ایک مرتبہ کسی مرید ہونے والے نے کہا حضور میں تو آپ کے دست پاک میں اپنا ہاتھ دے رہا ہوں تو پھر میں یہ کیسے کہہ دوں کہ میں اپنا ہاتھ غوث پاک کے ہاتھ میں دے رہا ہوں؟ اس جسارت پر سرکار مفتی اعظم نے ان کی طرف اپنی نگاہ اٹھا کر

دیکھا۔ مبارک چہرہ کا جلال دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے مرید سہم سا گیا مگر مرید ہونے والے کی نگاہ جب اوپر اٹھی تو وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ حضرت سیدنا غوث پاک کا دست پاک سرکار مفتی اعظم کے دست پاک پر ہے۔ کیا یہ واقعہ سرکار بغداد کی غلامی کی توثیق نہیں کر رہا ہے؟ کر رہا ہے اور یقیناً کر رہا ہے اس طرح سرکار مفتی اعظم کے جس قدر مرید ہوئے اوران کے ہاتھوں میں جتنے لوگوں نے ہاتھ دیا وہ سب کے سب دھوم مچانے والوں میں شریک ہیں۔ ان کی تعداد کیا ہوسکتی ہے؟ اسے صرف ذہن و خیال ہی میں لایا جاسکتا ہے حتمی طور پر اسے احاطۂ شمار میں لانا ایک مشکل کام ہے دھوم مچانے والوں کی تعداد یہیں تک محدود نہ رہی بلکہ معاملہ اس سے بھی فزوں ہوتا ہے اور اس سلسلہ فزوں میں ایک اور سنہرا نام جڑتا ہے وہ نام نامی اسم گرامی حضور تاج الشریعہ کا ہے جو صحیح معنی میں جانشین مفتی اعظم تھے جن کی ذاتِ بابرکت سے فروغ قادریت میں لگا تار اضافہ ہوتا رہا۔ اسی زریں سلسلہ کی ایک کڑی موجودہ صاحب سجادہ مدظلہ النورانی کی ذات گرامی ہے کہ ان کے دم قدم سے آج خانقاہ قادریہ رضویہ کی تب وتاب اوران کے اعلیٰ اہتمام وانصرام سے اس کی تابندگی ودرخشندگی میں لگا تار اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ کی ذات بھی نہایت بافیض ہے، آپ قائد اہلسنت بھی ہیں اور محسن ملت بھی۔ امت آپ سے بھی خوب استفادہ کررہی ہے، مسلکی مفاد کے تحفظ کے لئے آپ حکومت وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت جرأت مندی سے بات کر کے اپنے فرائض منصبی کو بحسن وخوبی ادا فرماتے ہیں جس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

اب آئے منزل پہ ہم:

چونکہ ہمارے مقالے کا عنوان ہے امام احمد رضا کے حوالے سے قادریت کا فروغ و ارتقا۔ اب ہم درجہ بدرجہ اس عنوان کی تکمیل پر پہونچ چکے ہیں میرے سامنے ''حدائق بخشش'' ہے شروع سے آخر تک اس کا مطالعہ کر لیجیے زیادہ تر منقبت کے اشعار حضرت سیدنا غوثِ اعظم کی شانِ پاک میں کہے گئے ہیں اس کے علاوہ نعت میں بھی منقبت کے اشعار پائے جاتے ہیں آپ نے جس مسرت وشادمانی کی خوش گوار اور عنبر زار ماحول میں شاعری کی ہے وہ صرف آپ کا حصہ ہے ایسا ماحول اسی وقت تشکیل پاتا ہے جب پاکیزہ جذبات کی دھیمی دھیمی آنچ دلوں کو پگھلاتی ہے اوراس کی سوزش سے فکر وشعور گداز کی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں ایسی شاعری ذہنوں کو متأثر کرتی ہوئی دلوں میں اتر جاتی ہے یہی کچھ حال امام احمد رضا کی شاعری کا ہے ذیل میں غوثِ اعظم کے تعلق سے چند اشعار پیش کئے جا رہے ہیں۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

ان اشعار کا فکری تناظر میں مطالعہ کریں ان میں معنویت تہہ در تہہ بچھی ہوئی ہے اور فکر وشعور کے غنچہائے رنگ برنگ کھلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ان اشعار کے مطالعہ سے قارئین اپنے دلوں میں وہ کیفیت تو طاری نہیں کر سکتے جو شاعر کے دل پر طاری ہوتی ہے مگر اس کی جھلک سے ہر ایک قاری متأثر ضرور دکھائی دیتا ہے امام احمد رضا نے ان اشعار میں ''مرتبہ'' سے ''روحانی مرتبہ'' مراد لیا ہے مگر اس روحانی مرتبہ کو سمجھنا سب کے بس کی بات نہیں اسی لئے امام احمد رضا نے اس کی تفہیم کے لئے محسوسات میں سے ''سر'' اور ''قدم'' کا سہارا لیا کہ جسمانی پیکروں میں ''سر'' ایک ایسا ''عضو'' ہے جو تمام اعضا میں سب سے زیادہ بلند و بالا ہوتا ہے یہ ایک ایسا ضابطہ ہے جو ہر ایک سر پر یکساں صادق آتا ہے اس کے صادق آنے میں قد و قامت کے ڈیل ڈول اور اس کی اونچائی سے کوئی فرق نہیں پڑتا کوئی بہت زیادہ لمبا ہے تو اس کا سر بھی سب سے زیادہ بلند ہے اور اگر کوئی پست قد ہے تو اس کا بھی سر بلند ہے ٹھیک اسی طرح حضور سیدنا غوث اعظم کا سر مبارک بلند ہے اور اس قدر بلند ہے کہ اونچے سروں والوں سے آپ کا قدم اعلیٰ ہے جب آپ کا قدم اعلیٰ ہے تو............پھر کوئی ان کے قدم تک کس طرح پہونچ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اولیا ان کے مبارک تلووں سے اپنی آنکھیں ملتے رہ گئے اور ان میں سے کوئی ان کے قدم تک نہ پہونچ پایا تو بھلا ان کے سرِ مبارک تک کون پہونچ سکتا ہے اور کوئی ان کے سر تک رسائی حاصل کرنے کی کیونکر جرأت کرسکتا ہے؟ امام احمد رضا نے ان دو شعروں میں برتریت، بلندی، فوقیت اور اعلی ہونے کا جو نظریہ پیش کیا وہ بہت زیادہ اہم ہے اور قادریت کے فروغ میں بڑا اہم رول ادا کر رہا ہے کہ اس نظریہ کے ہوتے ہوئے کوئی بھی سلسلہ، قادری سلسلہ کے معیار تک نہیں پہونچ سکتا ہے یہ نظریہ صرف امام احمد رضا تک محدود نہ رہا بلکہ اس کی گونج دور دور تک سنائی دیتی ہے جس کی وجہ سے قادیت وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی اور یہ سلسلہ ہر طرف پھیلتا چلا گیا اور قادریت کے چاہنے والے بھی بڑھتے چلے گئے۔

امام احمد رضا اسی منقبت میں کثرت سے استعارے لائے ہیں اور کثیر تعداد میں علامتیں بھی لائے ہیں ذیل میں کچھ علامتوں کا ذکر کیا جارہا ہے

اے خضر/مجمع بحرین/عروس قدرت/مرے دولھا/نبوی مینھ/علوی فصل/بتولی گلشن/نبوی ظل/علوی برج/بتولی منزل/حسنی چاند/نبوی خور/علوی کوہ/بتولی معدن/حسنی لعل/حسینی تجلی/...یہ وہ علامتیں ہیں جو تخیل کو اپیل کرتی ہیں اور فکر وشعور کو بروئے کار لانے پر مجبور کرتی ہیں کوئی بھی انسان اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان استعاروں/علامتوں کے پسِ منظر جو شخصیت پائی جاتی ہے وہ انمول ہے، نادر و نایاب ہے، ایسی شخصیت بے بہا ہوتی ہے در عدن اور لعل یمن بھی اس کی قیمت ادا نہیں کر سکے۔ ان علامتوں کے لانے کیا مقصد ہوسکتا ہے؟

یہی نا کہ عوام وخواص غوث پاک کی شخصیت کو اچھوتی اور انوکھی تصور کرے اور پھر اس تصور کے سہارے قادریت کی طرف اپنی پیش قدمی کو جاری رکھ سکیں اس بنیاد پر اگر امام احمد رضا کو ''مجدد قادریت'' سے موسوم کریں تو اس میں کوئی غلط بات نہ ہوگی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سرکار اعلیٰ حضرت اس لقب کے صحیح معنیٰ میں مستحق ہیں سرکار اعلیٰ حضرت نے اس کے بعد اپنے ممدوح یعنی غوث پاک کے کمالات اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کیا امام اہل سنت فرماتے ہیں

بحر و بر شہر و قری سہل و حزن دشت و چمن
کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعوی تیرا

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک علاقہ پر آپ کا دعوی ملکیت ہے سمندر ہوں یا خشک علاقے آسان زمینیں ہوں یا دشوار تر ہوں جنگلات ہوں یا چمن زار سبھی آپ کے زیر حکومت ہیں اور ہر جگہ کے اولیا مشائخ آپ کے مطیع وفرماں بردار ہیں۔ جب ان بڑے بڑوں کا یہ حال ہے وہ حضرت سیدنا غوث پاک کے مطیع ہیں تو پھر ہمہ شما کی کیا حیثیت؟ کہ وہ ان سے دوری بنائے رکھے اسی تصور نے سبھی افراد کو ان سے منسلک کر دیا اور سیدنا غوث پاک کی غلامی کے شرف سے سب کو مشرف کر دیا اسی نقطہ سے قادریت کی توسیع ہو رہی ہے اور زبردست کشادگی پیدا ہو رہی ہے کیا ہم اس تصور کو امام احمد رضا کی ذات وشخصیت سے الگ کر سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں اسی لئے میں امام احمد رضا کو اس تصور کا ایک اہم رکن سمجھتا ہوں۔

مزرع چشت وبخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا

ان اشعار سے جہاں سرکار غوثیت کی ولایت عامہ ثابت ہوتی ہے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک سلسلہ میں جو قوت نمو پائی جاتی ہے وہ بھی صدقہ ہے سیدنا غوث پاک کا کہ انہیں کا جھالا ہے جو سب پر برس رہا ہے اور اسی سے سب مستفیض ہو رہے ہیں یہی سبب ہے کہ سارے اقطاب جہاں اور تمام اولیائے کرام خواہ وہ قبل کے ہوں یا بعد کے سب کے دلوں میں ان کا ادب پایا جاتا ہے اور سبھی ان کی تعظیم بجا لاتے ہیں میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا یہ تجدید قادریت اور توسیع قادریت نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے امام احمد نے توسیع کے اس نظریہ کو صرف نظریہ تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اسے عملی صورت میں پیش کیا خود بھی اس پر عمل کیا اور اس پر عمل کرنے کی اوروں کو بھی دعوت دی امام احمد رضا نے یہ بات بھی ثابت کر دی کہ قادری سلسلہ ''جامع السلاسل'' ہے ہر سلسلہ میں اس کی بہاریں موجود ہیں کوئی بھی سلسلہ اسی سلسلہ سے اعتبار اور وقار پاتا ہے اس کی تابشیں اور اس کی چمک دمک اور تمام تر رعنائیاں ہر ایک سلسلہ میں پائی جاتی ہیں اسی سلسلہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کہ یہی

بنیاد و اساس ہے جو اس سے انحراف اختیار کرتا ہے وہ سلسلہ سوخت ہوجاتا ہے اور سوکھے پیڑ کی مانند صرف اس کا ڈھانچہ باقی رہ جاتا ہے نہ اس پر ہرے بھرے پتے دکھائی دیتے ہیں اور نہ ہی کوئی کھٹا یا میٹھا کوئی پھل رہتا ہے کہ جسم سے جب قوت نمود کشید کرلی جائے تو اس میں کیا باقی رہ جاتا ہے؟ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلہ کی صیانت کی جائے اسکے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے امام احمد رضا نے زمانہ کے حالات کے پیشِ نظر اس کی کوشش فرمائی اور اس کوشش میں آپ کامراں بھی ہوئے اس بنیاد پر اصولی انداز میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ہر خانقاہ اور ہر سلسلہ کی ضرورت کا نام ہے امام احمد رضا محدث بریلوی..امام احمد رضا نے جو بھی کام کیا جو خدمات انجام دیں انمیں ان کا خلوص تھا، انکا پیار تھا، شگفتگی تھی۔

اسی خلوص و پیار نے امام احمد رضا نے ''مجدد قادریت کے منصب پر فائز کردیا اس منصب کے تعلق سے جو تقاضے ان کے سامنے آئے انہوں نے اسے پورا کیا اور نہایت ہی خوبصورتی سے اسے پورا کیا اور سیدنا غوث پاک کی ایسی ندرح سرائی کی بڑے بڑے نامور ادیب وشاعران سے بہت پیچھے رہ گئے اور پھر ان میں ان کے ساتھ چلنے کی طاقت وتوانائی بھی باقی نہ رہی ذیل میں مدح سرائی کے چند نمونے پیش کئے جارہے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ حیرت واستعجاب میں پڑ جائیں گے اسکی وجہ یہ ہے کہ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی نے یہ شاعری اپنی ذوقِ طبع یا تلذ ذِفن کے اعتبار سے نہیں کی بلکہ اس کے پسِ منظر ایک عظیم مقصد تھا اسی لئے امام احمد رضا شعری تقاضوں کے پابند نہ رہے بلکہ انہوں نے شاعری کو اپنے مقاصد جلیلہ اور فوائد عظیمہ کے تابع کردیا وہ مقصد اپنے پیغامِ عشق کو گھر گھر تک پہونچانا ہے اور قادریت کے فروغ وارتقا کو پایہ تکمیل تک پہونچانا ہے امام احمد رضا یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کے سبھی لوگ اپنے بزرگوں اور اپنے اسلاف کے نقوشِ قدم کی پیروی کریں اور خانقاہوں سے جڑے رہیں اور معمولات اہل سنت پر قائم رہیں تاکہ عشق کا فیضان جاری وساری رہے اسی مقصد کے تحت آپ نے سرکار قادریت کی بارگاہ میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا اور پھر اس کے ہر ایک شعر ومصرعہ میں تاثیری کیفیت کی تمام تر توانائیاں پیدا کردیں۔ پوری صدی گزر جانے کے باوجود اس کی تاثیری کیفیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ میرے امام کا اسلوب شعروسخن مقبول ترین اسلوب ہے جو اب تک نہ میلا ہوا ہے اور نہ ہی کبھی میلا ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اسلوب کے پسِ منظر ان کا خلوص ہے، ان کی محبت ہے، ان کا پیار ہے اور ان کا سوز قلب ہے جو پورے طور پر لفظوں کے پیکر میں ڈھل گیا ہے تیر اس کے ایک ایک روزن سے جھانکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

اسی پاکیزہ شاعری کے ذریعہ امام احمد رضا نے حضرت سیدنا غوث پاک کی مدحت سرائی کی ان کے شخصی اوصاف اور

انفرادی امتیازات نیز کرشمائی کمالات اس طرح واضح فرما دیئے کہ اس کے سنتے ہی ہر ایک دل میں ان کی محبت نے اپنی جگہ بنالی اور پھر وہاں سے قلب کی گہرائیوں میں جا بسی اسی لئے آج ان سے منسلک افراد اپنے گلے میں ان کی محبت کا طوق ڈالے ہوئے ہیں نہ صرف ڈالے ہوئے ہیں بلکہ اس طوق غلامی پر فخر و مباہات کا اظہار بھی کر رہے ہیں اور اسی کو اپنے لئے سرمایۂ آخرت بنا ئے ہوئے ہیں میں سمجھتا ہوں لوگوں میں اس طرح کا ذوق وشوق اور ترغیبی کیفیت بھی امام احمد رضا کی کوششوں کا اثر و نتیجہ دکھائی دیتا ہے خود امام احمد رضا نے اس نظریہ کی وضاحت اس طرح فرمائی آپ تحریر کرتے ہیں کہ

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

دیکھئے یہ نظریہ کتنا وسیع نظریہ ہے جس نے قادریت کو بھی وسیع کر دیا اور پھر اسے دور دور تک پھیلا دیا اس بنیاد پر امام احمد رضا کو ''مجددِ قادریت'' کہنا نہ صرف جائز و درست ہے بلکہ میرا امام اس لقب کا صحیح معنی میں مستحق ہے اور ان ہی کی شخصیت پر یہ لقب جچتا بھی ہے۔

میں اپنے اس مقالہ کے آخر میں امام احمد رضا کے چند اشعار پیش کر رہا ہوں جن میں پُر تاثیر شاعری کے تینوں اوصاف پائے جاتے ہیں۔

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا
سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر، ڈوبے
افقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

☆

اور محبوب ہیں، ہاں پر سبھی یکساں تو نہیں
یوں تو محبوب ہے ہر چاہنے والا تیرا
تاجِ فرقِ عرفا کس کے قدم کو کہئے
سر جسے باج دیں وہ پاؤں ہے کس کا تیرا

☆

اس پہ یہ قہر کہ اب چند مخالف تیرے
چاہتے ہیں کہ گھٹادیں کہیں پایہ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں، اسے منظور بڑھانا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے
کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا
حق سے بد ہو کے زمانے کا بھلا بنتا ہے
ارے میں خوب سمجھتا ہوں معما تیرا

یہ اشعار آپ کے سامنے ہیں ان پر غور کریں اور پھر تجزیہ کریں کہ ان میں تاثیری کیفیت کے تینوں اوصاف پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ اور اس بات پر بھی اپنی توجہ مبذول کریں کے ان اشعار کا ''تجدید قادریت'' اور اس کی توسیع سے کس حد تک تعلق ہے؟ مذکور بالا اشعار کے تعلق سے اپنی سوچ کا زاویہ بدلنا ہوگا۔ اسے ضرورت و ماحول اور زمانہ کے بدلتے ہوئے مزاج تک وسیع کرنا ہوگا قاری اور سامع دونوں کے حوالہ سے ایک سادہ سا تأثر یہی سامنے آتا ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت کی لکھی ہوئی نعت ومنقبت ہے اِسے پڑھیئے/سنئے اور آگے بڑھ جایئے۔ یہ تأثر ہے اور ضرور ہے مگر سائنس کے اس انقلابی دور میں اس تأثر کی کوئی اہمیت نہیں ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس تأثر کو ان رشتوں سے منسلک کر کے دیکھیئے جہاں سے اس تأثر کو جاں بخش حیات مل سکتی ہے وہ رشتے ضرورت اور ماحول ہیں یہ شاعری اس وقت وجود میں آئی جب استعماریت پوری طرح شباب پر تھی، برطانوی مزاج سے ہم آہنگ مزاج اپنے پاؤں پورے ہندوستان میں پسارے ہوئے تھے، اپنے خونی پنجوں سے خوش اعتقادی کو نچوڑ رہے تھے مسلمانوں کے دلوں سے عشق ومحبت، خلوص و پیار اور بزرگوں کے تعلق سے حسن عقیدت نکال باہر کرنا چاہتے تھے اس طرح یہ قوتیں مسلمانوں کو سوکھے ہوئے پتوں کی مانند بے وقار اور بے وزن کر دینا چاہتی تھیں اگر امام احمد رضا چاہتے تو ان حالات سے چشم پوشی اختیار کر سکتے تھے مگر انہوں نے قطعی ایسا نہیں کیا اس لئے کہ انہیں قوم کی امامت اور ملت کی پیشوائی کی ذمہ داری نبھانی تھی۔ وہ اور لوگ ہوا کرتے ہیں جو حالات سے چشم پوشی کر کے صرف اپنی دنیا میں مست رہتے ہیں، جاں بخش جام وجرعات پیتے رہتے ہیں اور پھر تلخی کام ودہن سے کوئی رشتہ نہیں رکھتے۔ میرا امام آگے بڑھا اور قیادت کی باگ ڈور کو اپنے مقدس ہاتھوں میں تھام لیا قلم ودوات سنبھال لئے اور پھر تحفظِ ناموسِ رسالت، صیانت عشق ومحبت، تحفظ عظمت اولیا، تحفظ خانقاہ، تجدیدِ قادریت اور توسیعِ برکاتیت کی ایسی تحریک چلائی کہ اس کے اثرات بہت دور دور تک جا پہونچے اور ہر ایک مسلمان اس کے خوشگوار اثرات کے سبب اپنے قلب وجگر میں ٹھنڈک محسوس کرنے لگا اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ حضور سیدی آل رسول احمدی علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا کو اپنے خدا کے سپرد کیا کہ ان کی ہر تحریک، ان کے اصول ونظریات اور ان کا مسلک کامیاب و کامران ہوگئے ان ہی کی تحریک کا یہ خوشگوار اثر ہے کہ آج خانقاہیں آباد ہیں اور مدارس و مکاتب برقرار ہیں اور ہم جس طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے ہیں عشق ومحبت اور خوش اعتقادی کی بہاریں نظر آتی ہیں جب تک یہ سرسبز شادابی، ہری بھری وادیاں، اور لہلہاتے کھیت کھلیان رہیں گی امام احمد رضا کی یادیں تازہ ہوتی رہیں گیں کیونکہ میرا امام ان افراد وشخصیات میں نمایاں طور پر شامل تھا کہ جن کے بارے میں کسی شاعر نے کہا تھا۔ کہ

مدت کے بعد ہوتے ہیں کہیں پیدا وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

امام احمد رضا کا ادبی نصب العین

از: علامہ محمد فروغ القادری ایم۔اے ورلڈ اسلامک مشن گلاسگو (برطانیہ)

امام احمد رضا کی تحقیق حد درجہ آفاقیت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ان کی طبیعت کا فطری میلان مقصدیت کا حامل ہے۔انہوں نے جس فن کو عنوان سخن بنایا ہے وہ ان کی طرز تحریر اور انداز نگارش کا مرہون منت بن جاتا ہے۔ان کی شعر وشاعری اور ایوان علم کی تشکیل میں فلسفہ حیات سے لیکر مقصود فن تک بہت سے عوامل کارفرما ہیں۔ امام احمد رضا نے نظریہ ادب کی تشریح و توضیح اس درجہ ہمہ جہت پیرائے میں کی ہے کہ وہ اپنے اندر موثر ترین جاذبیت اور جداگانہ اہمیت وانفرادیت سمیٹے ہوئے ہے۔انہوں نے شاعری کو محض الفاظ و حروف کی بازیگری نہ سمجھتے ہوئے اسے کمال فن اور قادر الکلامی کے ساتھ خود شعوری کے احساس سے بھی نوازا ہے۔ان کے شعری لب و لہجے میں فلسفہ،علم عروض،علم معانی و بیان اور اس سے متعلق جدید اصطلاحات نظر آتی ہیں۔شعرائے متقدمین میں یہ اضافی قدریں دور دور تک دیکھنے کو نہیں ملتیں۔میرے نزدیک شاعری مہمات جاں کے ابلاغ کا نام ہے۔دراصل شاعر کی پرسوز شخصیت اس درجہ ہمہ گیر ہوتی ہے کہ وہ حیات کائنات کے ان گنت پوشیدہ اسرار و رموز کو اپنے اندر محیر العقول اور نامیاتی طور پر جذب کرکے بار دگر اسے فن کی صورتوں میں عیاں کرتی ہے۔شاعر کی روح اس درجہ عظیم اور گراں مایہ ہوتی ہے کہ اس کے بوجھ سے جگر کا خون احساس کی روانی کے ساتھ صفحہ قرطاس پر منتقل ہو کر ٹپک پڑتا ہے۔امام احمد رضا محدث بریلوی کے ہاں ضمیر لالہ کی شگفتگی اور جذبہ شوق کی یہ تمام فراوانی علی الاستمداد موجود ہے۔امام احمد رضا ہر لمحہ لوازمات ہنر کے تکمیلی مراحل میں رموز دل سے باخبر ہیں اور یہ واردات قلبی ہی کیف و مستی کے قالب میں ڈھل کر نئی نئی فکر کو ادب وفن کا جامہ پہناتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ وارفتگی شوق کے اظہار میں اپنے محبوب حقیقی کے حضور اس درجہ مودب ہیں کہ دنیائے اردو شاعری میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کی شاعری کوئے دلبراں،آہ شب ہجراں،کشمکش قاصد ورقیب کی بے ہنگم آلودگیوں سے پاک اور مبرا ہے۔وہ اپنے آئینہ وجود میں راز حیات کے محرم اور جبرئیل عشق کے امین ہیں۔انہوں نے نالہ بلبل، خموشی گل اور قفس کی قید تنہائی بیان کرنے کے بجائے ''زلف واللیل'' اور ''چہرۂ والضحیٰ'' کی اس درجہ خوبصورت اور دلکش تشریح فرمائی ہے کہ جسے پڑھ کر روح جھوم اٹھتی ہے۔

امام احمد رضا نے اردو شاعری کے پورے شہرستان کو اٹھا کر سرکار مدینہ علیہ التحیۃ و الثنا کی بارگاہ عظمت ووقار میں پیش کر دیا ہے۔وہ محبوب مجازی کی سحر طرازیوں کے تعاقب میں آبلہ پائی کا شکار ہونے کے بجائے محبوب حقیقی کے دامن کرم میں پناہ دائمی کو حاصل کرنا زندگی اور باعث صد افتخار محسوس کرتے ہیں۔اہتمام شوق کی یہی تشنگی اور مقصود ہنر کا یہی تصور ان کی شاعری اور ان کے ادبی نصب العین کی بنیاد ہے۔امام احمد رضا کا انداز سخن،طرز تحریر اور وسعت کلامی کی جاذبیت متقدمین سے ہرگز مستعار نہیں بلکہ طبقات سخن کے جملہ مدارج میں ان کی انفرادیت ان کے اعزاز فن اور فکری ایجاد کا مرہون ہے۔ان کا دیوان عرش مکان حدائق بخشش کے محض ایک صفحہ کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے قاری کا جملہ فنون کی کتابوں پر کامل

دسترس اور نفس مضمون کی تفہیم کے لئے مکمل درک ضروری ہے۔ انہیں پڑھ کر ان کی دقت نظر، وسعت مطالعہ، حضور ذہنی، مشکل پسندی، تصلب فی الدین، اور طلب وجستجو کی راہوں میں مرحلہ شوق کا پتہ چلتا ہے۔ امام احمد رضا نے مشکل ترین زمین میں استعارات کی دھوپ میں چھاؤں سے آراستہ اس قدر خوبصورت شعر کہے ہیں ناسخ و آتش کے یہاں بھی یہ ظریفانہ اسالیب ومحاورات نظر نہیں آتے۔ انہوں نے تخیلات کی بلند پروازیوں کے لئے ایسے وسیع آفاق تلاش کئے ہیں جس کی طرف اس سے پہلے اردو نعت گوشعراء کی توجہ کبھی بھی منعطف نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ خیالی اور مصنوعی شاعری کو در خور اعتنا سمجھنے سے کنارہ کش رہے۔ اردو شاعری کا فرضی معشوق ان کے ہاں بے معنی ہے۔ وہ جس حسن حقیقی کے دلدادہ ہیں وہ واردات قلبی اور مظاہر فطرت کی رسید میں ہر لحمہ مدد ومعاون ہے

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

ایک جانب عشق رضا کی سرفرازی پھر دوسری طرف ان کی تحریر کا حسن یگانہ یقین جانیے بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ آپ نے عروس اردو کے تمتماتے ہوئے رخسار پر چاندنی کا غازہ مل دیا ہو۔ طبقات سخن کی یہ کاوش عشاقان شوق کیلئے دعوت نظارہ ہے۔ گام گام پر عشق بے نیاز کا جبریل نغمہ سنج ہے۔ سطر سطر سے ایمان و اسلام کے ریگ زاروں میں خلوص و وفا کے نخلستان قطار اندر قطار نظر آتے ہیں۔ لالہ زاروں اور مرغ زاروں کی طرح سرسبز وشاداب آپ کی تحریر اس پر آپ کا فکری انعکاس قاری کے ذہن و دماغ پر خوشگوار حیرت پیدا کرتا ہے۔ عروس علم وحکمت کی حنابندی جس منفرد لب و لہجے میں آپ نے کی ہے یہ آپ ہی کا خاصہ ہے۔ موجودہ صدی میں امام احمد رضا کعبہ عشق کے معمار نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے عشق وعرفان کی تپتی ہوئی زمین پر خون جگر سے گل کاریاں کی ہیں۔ آپ کی نوائے سروش نے عشق رسول علیہ التحیة والثنا کی سرفرازیوں کو دوآتشہ کر کے حریم جمال تک پہنچا دیا ہے۔ بلاشبہ آپ اس حسن خودی کے آئینہ دار ہیں جس نے شمع خیال کو برق حقیقت سے لودی ہے۔ امام احمد رضا کاروان عشق ومحبت کے امیر ہیں۔ ان کے نغموں میں سحر کی بیداری، ان کی فطرت میں مطرب قدس کی نواسنجی، ان کی فکر میں حیرت انگیز رفعت ہے۔ انہوں نے عشق مجازی کے دریوزہ گروں کو عشق حقیقی سے آشنا کیا ہے۔ عشق رسالت اور آپ کی ذات میں کوئی فاصلہ نہیں۔ اگر عشق رسالت کے جملہ معرفات جمع کر دئے جائیں تو امام احمد رضا کا سراپا قرار پائے گا۔ شخصیت اور شاعری کی اس درجہ ہم آہنگی موجودہ صدی میں کہیں اور نظر نہیں آتی ارض طیبہ سے دم واپسیں شب تاریک ہجراں کی تنہائیوں میں لی گئی یہی وہ آہ سوزاں تھی جس کی آگ میں امام عشق ومحبت کا وجود تا حیات سلگتا رہا۔ ان تمام خصوص کے باوجود وہ علم وفن کے تمام شعبہ ہائے قدیم و جدید پر پوری طرح حاوی تھے۔ مشرق ومغرب کے علوم معقول بلکہ پوری ''کائنات'' جوان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح رہتی تھی۔ علوم ومعارف کا ایسا کوئی گوشہ نہ تھا جہاں انہوں نے انتہائی دقت نظر نہ کی ہو۔ امام احمد رضا نے ''انسان کامل'' کے نظریئے کی طرف ساری دنیا کو متوجہ کر کے سارے عالم انسانیت میں ذوق یقین پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور فطرت کے مقابلے میں انسان کی اہمیت خالصہ کو فلک الافلاک تک بلند کر دیا ہے

سچ تو یہ ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے معاصرین اور دیکھنے والوں نے ان جیسا نہیں دیکھا اور نہ انہوں نے خود اپنی نظیر دیکھی۔ اللہ جل شانہ نے انہیں جو قدرت حافظہ اور قوت ادراک و استحضار عطا فرمائی تھی اس کی وساطت انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ،

اصول فقہ، علم کلام، علم توقیت، علم جفر، لغت ونحو، معانی و بیان، علم رجال، سیر وآثار علم نجوم علاوہ ازیں پچاس سے زائد علوم وفنون پر مہارت تامہ اور کمال عبور حاصل کر لیا تھا۔ ماخذ ومراجع کی جتنی بھی کتابیں اس وقت موجود تھیں سب کا انہوں نے بالاستیعاب مطالعہ فرمایا اور تادم حیات ان کے معانی ومفاہیم کو اپنے ''قوی امانت دار'' اور خداداد حافظے میں محفوظ فرمالیا تھا امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی مصروف، پراز حوادث اور تلاطم خیز زندگی میں تصنیفات وتحقیقات اور علمی وفنی آثار کا ایک ایسا ذخیرہ چھوڑا ہے جو اہل علم کی پوری جماعت کے لئے سرمایہ افتخار بن سکتا ہے وہ بجا طور پر ایک نئے عہد کے بانی اور ایک تاریخ آفریں شخصیت کے مالک کہے جا سکتے ہیں۔ علم وفن کے ہر میدان میں امام احمد رضا منفرد بلکہ ایک جہان حیرت نظر آتے ہیں۔ غالبا یہی وجہ ہے کہ گزشتہ پچاس سال سے زائد ہو گئے دنیا بھر کے محققین رضویات پر تحقیق کر رہے ہیں مگر پھر بھی امام احمد رضا ان کی دسترس سے باہر ہیں۔

امام احمد رضا کے یہاں ان کی تحریروں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ متقدمین فقہاومفسرین نے جن باتوں کی وضاحت دو چند صفحات میں کی ہے امام احمد رضا اسے دو چند سطر میں بیان فرماتے ہیں اور اس پر تعجب یہ ہے کہ وہ اپنے منفرد لب ولہجے میں متقدمین کے اقوال سے ذرہ برابر بھی انحراف نہیں کرتے بلا شبہ یہ آپ کے حسن انشاء اور قوت بیاں کا پیکر محسوس ہے۔ امام احمد رضا نے موجودہ ایوان اردو ادب کو اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعہ نئی نئی اصطلاحات وترکیبات سے بھر دیا ہے۔ جذبہ عاشقی وارفتگی شوق اور عشق رسول کی تڑپ امام احمد رضا کی حیات معنوی کا وصف جمیل رہی ہے۔ قضا وقدر نے اس گلشن ہستی میں امام احمد رضا کو اس حسن لالہ رخ کی غزل سرائی کیلئے بھیجا تھا۔ ان کی ذہنی دراکی کے ظہور تو ان کے مختلف النوع علوم کی تصنیفات میں موجود ومستمر ہے۔ ان کی قوت دراکہ اور علمی وفکری بصیرت یقیناً حیرت انگیز ہے اور پھر یہ کہ علم وفن کی ایک کائنات ان کے ذہن ودماغ کے پوشیدہ خدوخال میں عجیب وغریب ضبط وترتیب کے ساتھ موجود ہے۔ ان کا ذہن مدلل باضابطہ اور سلجھا ہوا ہے اور درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے منطق و فلسفہ کے کسی قدیم اسکول میں تعلیم حاصل کی ہے۔ ان کا عام رویہ اور انداز تحریر معقولیت پسند ہے۔ وہ جو زبان لکھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ پر معنی الفاظ سے مملو ہوتی ہے۔ امام احمد رضا علم وفن کا ایسا بحر بیکراں تھے جس میں علوم وفنون کے لاتعداد دریا گرتے ہیں۔ ان کی فکری اختراع اور قلمی زندگی حد درجہ comprihensibve تھی۔ بلا شبہ میدان علم ودانش میں امام احمد رضا کے معاصرین میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ ان کی شخصیت میں بیک وقت کئی سائنس داں گم تھے۔ ایک طرف ان میں ابوالہیثم جیسی فکری بصارت اور علمی روشنی تھی تو دوسری طرف جابر بن حیان جیسی صلاحیت، الخوازمی اور یعقوب کندی جیسی کہنہ مشقی تھی۔ الطبری، الفارابی، رازی، اور بوعلی سینا جیسی دانشمندی اور البیرونی، عمر بن خیام، امام غزالی اور ابن رشد جیسی خداداد ذہانت تھی۔ امام احمد رضا کسی شخص واحد کا نام نہیں بلکہ وہ علم و دانش کے ایک بحر ناپیدا کنار تھے۔ یہ ہمارے لئے نہایت افسوس کا مقام ہے کہ نصف صدی تک اس عظیم شخصیت کے علمی و ادبی کارناموں سے برصغیر ہندوپاک کے مسلمانوں نے سخت بے اعتنائی برتی اور ان کی شخصیت کے ہمہ جہات کارنامے جس تشہیر واشاعت کے مستحق تھے وہ ان کو نہ ملی تاہم خدائے قادر وجبار کا ہزار ہا شکر و احسان ہے کہ ایک عرصہ بعد یہ جمود اب ٹوٹ چکا ہے اور اقطار عالم کے مختلف گوشوں سے ارباب علم ودانش کی ایک جماعت رضویات کی راہ میں بہر گام سرگرم عمل ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے اختتام پر دنیا نے ایک بار پھر امام احمد رضا کی آفاقی عبقریت اور نوک قلم کے طمطراق کو محسوس کیا ہے۔

خانوادۂ اعلیٰ حضرت کی فقہی خدمات

از: مفتی اختر حسین قادری علیمی دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی

اھمیت فقہ اسلام : فقہ اسلامی مذہب اسلام کا وہ عظیم الشان علمی و آئینی ذخیرہ اور بیش قیمت سرمایہ ہے جس کی اہمیت وافادیت اور عظمت و رفعت کا تذکرہ کلام ربانی، حدیث نبوی اور کتب اسلامی وغیرہ میں جا بجا دکھائی دیتا ہے، بلکہ اکناف عالم میں اس سے بہتر آئین آج تک کسی آئین ساز کو پیش کرنے کی جرأت ہی نہ ہوسکی۔ فقہ اسلامی ہی وہ اصول و قانون ہے جو انسان کے جملہ شعبہ ہائے زندگی میں درپیش مسائل کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

علامہ سید ظہیر احمد زیدی تلمیذ صدر الشریعہ سابق استاذ شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ رقم طراز ہیں: ''احکام فقہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہیں، افعال واعمال انسان کا کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس کے لئے فقہ اسلامی میں جواز یا عدم جواز کا حکم نہ بیان کیا گیا ہو۔ اگر کسی مسئلہ اجنبی سے متعلق حکم نہ ملے تو ایسے اصول وقواعد ضرور ملیں گے جن کے ذریعہ وہ حکم معلوم کیا جاسکتا ہے۔ فقہ اسلام نے اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ عالمی تمدن ومعاشرت پر بھی گہرے نقوش قائم کئے ہیں اور ایک بہتر صالح اور فلاحی معاشرہ قائم کیا ہے اور دنیا کی اس طرف رہنمائی کی ہے۔ بہت سے غیر مسلم محققین بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں اور انہوں نے اس کی جامعیت اور ہمہ گیری کا اعتراف بھی کیا ہے۔ (آداب الافتاء، ص ۱۰)

فقہ اسلامی بین الاقوامی سطح پر اپنی اہمیت و جامعیت کا اعتراف اپنوں اور غیروں سب سے کرا چکا ہے۔

دنیا کے کسی قانون ساز ادارہ نے آج تک کوئی ایسا جامع اور مکمل دستور زندگی نہ پیش کیا ہے اور نہ کرسکتا ہے، کیونکہ اسلام کا یہ مدوّن ومرتب قانون کسی انسان کی ذہنی پیداوار کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کا مصدر وماخذ سرچشمہ ہدایت کلام ربانی اور ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کی تدوین و ترتیب کرنے والے برج فضل وکمال کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جن کی فہم وذکاء، تیقظ و بیدار مغزی، دقت نظر اور فراست کاملہ کا اعتراف سب نے کیا ہے۔

فقھائے اسلام: ملت اسلامیہ کے جس طبقہ نے مکمل تندہی، حاضر دماغی، مشقت وجاں فشانی، خداداد صلاحیت و بصیرت اور کدو کاوش سے قرآن وحدیث سے ہزاروں کلیات و جزئیات کا استخراج فرمایا اور اسے اکناف عالم میں نہایت ذمہ

داری و دیانت داری سے پھیلایا، اسی فیروز بخت طبقہ کو تاریخ اسلام اور زبان شرع میں فقہاء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس مقدس جماعت نے آغاز اسلام سے لیکر آج تک اپنی اپنی ژرف نگاہی، دقیقہ سنجی، قوت استدلال اور فکر سلیم کے ذریعہ قوم و ملت کی رہنمائی کی اور ان کی دینی ضرورتوں کو پورا کیا اور کر رہی ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت کرتی رہے گی۔

شہر بریلی اور اجداد اعلیٰ حضرت: یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ خاک ہند کا خمیر علم وفضل، فکر و فن، حکمت و کمال سے گندھا ہوا ہے اس خاک سے ہر کرن اور ہر زمانہ میں علم وحکمت کے ایسے پیکر ابھرے جنہوں نے اپنی مساعی جمیلہ سے تاریک دلوں میں حکمت و دانائی کا چراغ روشن کیا اور تفسیر وحدیث، منطق و فلسفہ، فقہ واصول فقہ کی قندیلیں روشن کیں جس کا اعتراف تاریخ کے ہر ہر برق میں نظر آتا ہے۔

ہندوستان کا وہ علاقہ جسے آج کل ''اتر پردیش'' کہا جاتا ہے اس کی مردم خیز سرزمین سے بڑے بڑے نامور علما وفضلا، ادباء وشعراء اور محققین ومورخین پیدا ہوئے، جن کی دینی، علمی، مذہبی اصطلاحی، سماجی اور سیاسی خدمات کو تاریخ میں نمایاں مقام ملا ہے۔

شہر بریلی اسی صوبہ اتر پردیش کا وہ مشہور مقام ہے جہاں تیرھویں صدی میں چند ایسی شخصیتیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں جن کے گیسوئے علم وحکمت سے ایک جہاں معطر ہے جنہیں دنیا خاندان رضا کے نام سے جانتی ہے۔اس خاندان کے نقوش قدسیہ نے سیاسی، سماجی، اصطلاحی تبلیغی، مذہبی اور دینی خدمات میں وہ نقوش قائم کئے ہیں جو تا قیامت تابندہ اور درخشندہ رہیں گے، خصوصاً فقہ وافتاء میں ان کی عظیم خدمات کے سامنے آج عرب وعجم سجود نیاز لٹا رہے ہیں۔

مفتی نقی علی خاں کے والد ماجد: جب ہم تاریخ روہیلکھنڈ کا مطالعہ کرتے ہیں تو علمی دنیا میں وہاں ایک سے بڑھ کر ایک صاحب فضل وکمال دکھائی دیتے ہیں، مگر تیرھویں صدی کے وسط میں فقہی میدان میں جن شخصیات کا نام سرفہرست نظر آتا ہے ان میں ایک امام العلماء مولانا مفتی رضا علی خاں بریلوی قدس سرہ العزیز ہیں جنہوں نے اپنی ژرف نگاہی، دقیقہ سنجی، عقل سلیم اور خداداد فکری صلاحیت ولیاقت سے اقران وامثال پر فوقیت حاصل کی اور مکمل ۳۴ ربرس تک اپنی فقیہانہ بالغ نظری سے قوم کو مستفیض فرمایا۔

مفتی نقی علی بریلوی قدس سرہ: تیرھویں صدی ہی میں ایک دوسرا عبقری فقیہ جغرافیہ ہند پر اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے مرجع فتاویٰ بن جاتا ہے جسے دنیا امام المتکلمین مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہ کے نام جانتی ہے۔

ماہر رضویات پروفیسر مسعود رقم طراز ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے جو وقت نظر، حدت فکر، فہم صائب اور رائے ثاقب ان کو عطا فرمائی تھی معاصرین میں نظر نہیں آتی''

(حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ص ۸۶)

مولانا رحمٰن علی خاں لکھتے ہیں: ''عمر گراں مایۂ خود باشاعت سنت وازالہ بدعت بسر بردہ''، یعنی تمام زندگی سنت وشریعت کی نشر و اشاعت بدعت وخرافات کے ختم کرنے میں گزاری۔''

(تذکرۂ علماء ہند، ص ۲۴۴)

فقہ و عقائد میں معتمد کامل: مفتی نقی علی خاں قدس سرہ بلاشبہ ایسے فقیہ نکتہ رس اور فقید المثال مفتی تھے جنھوں نے گزشتہ مسائل کو نکھارنے کے ساتھ ساتھ ان کی نوک و پلک کو بھی درست کیا اور پیچیدہ مسائل کی زلفوں کو بھی سنوارا۔ مفتی صاحب کو تعمق نظر، دور اندیشی اور غیر معمولی ذہانت و ذکاوت، اور وسعت مطالعہ، استحضار کلیات و جزئیات میں امتیاز حاصل تھا۔ شارع علیہ السلام کے احکامات وارشادات کے مزاج اور روح تک پہنچنے کا ذوق سلیم بھی انہیں میسر تھا وہ بلاشبہ تیرھویں صدی میں چرخ فکر کے ایسے بدر کامل تھے جن کی نوری شعاعوں کی برکات سے ایک عالم مستفیض ہوا۔ آپ کی فقیہانہ صفات اور آپ کے محققانہ کمالات سے آپ کا فقیہ اعظم ہونا آفتابِ نیم روز کی مانند واضح ہے۔

مرجع فتاویٰ: مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمہ کی بصیرت فقہی اور علمی رسوخ کا تذکرہ ماسبق میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، اس سے یہ نتیجہ نکالنا کوئی امر دشوار نہیں رہ جاتا ہے کہ مفتی صاحب بلاشبہ بزم علمائے محققین کے صدر نشین تھے علمائے کرام آپ کو اپنا معتمد اور مستند عالم بے بدل سمجھتے تھے فقہی عبقریت کی بنا پر اپنے زمانے کے مرجع فتاویٰ تھے، چنانچہ مولانا حسنین رضا خاں صاحب لکھتے ہیں: ''مولانا نقی علی خاں بھی اپنے وقت کے مرجع فتاویٰ تھے'' (سیرت اعلیٰ حضرت، ص ۴۲)

چودہویں صدی ہجری کے نصف اول میں عالم اسلام کے فقیہ امام احمد رضا: مفتی نقی علی خاں قدس سرہ کے نامور و بلند اقبال فرزند شہیر عرب وعجم مفتی عالم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی ہیں جو بریلی شریف میں ۱۸۵۶ء/۱۲۷۲ھ میں اس کائنات میں جلوہ افروز ہوئے، جن کے علم وفن اور تحقیق تدقیق نے مخالف وموافق سب کو اپنا مداح بنا رکھا ہے، عرب وعجم اور غرب میں جن کی تحقیقات علمیہ اور مہارت علوم عقلیہ ونقلیہ کے سامنے سجود نیاز لٹانے والوں کی لمبی قطاریں دکھائی دے رہی ہیں۔ ابوالحسن ندوی رقم طراز ہے: '' کان عالما متبحرا کثیر المطالعة واسع الاطلاع له قلم سیال و فکر حافل فی التالیف (الی ان قال) یندر نظیره فی الاطلاع علی الفقه الحنفی و جزئیاته ''

(نزھة الخواطر، ج ۸/ص ۴۱)

بلا شبہ دو تین صدی کے اندر ان جیسا کوئی فقیہ پیدا نہیں ہوا، اس پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ چودھویں صدی کے مجدد اعظم اور فقیہ اعظم تھے جس کی شہادت میں سینکڑوں کتابیں خصوصاً فقہ حنفی کا انسائیکلو پیڈیا فتاویٰ رضویہ کا ذکر کافی ہے ان کے مطالعہ سے حقیقت خود ہی آشکارا ہو جائے گی۔

چودھویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان کے مفتیٔ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی: عالم اسلام کے اس متبحر عالم امام احمد رضا قدس سرہ نے بارگاہ رب العزت میں ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی تھی اے مالک بے نیاز یارب کریم مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو عرصۂ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے۔" (مفتی اعظم اور ان کے خلفاء، جلد۱، ص۱۹)

مفتی اعظم کی ولادت کے ٹھیک چھ ماہ بعد حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں قدس سرہ بریلی شریف تشریف لائے تو اعلیٰ حضرت کو مبارک باد دیتے ہوئے اس بلند اقبال فرزند کے حق میں یہ بشارت دی اور پیش گوئی فرمائی:

"یہ بچہ دین وملت کی خدمت کرے گا۔ مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہونچے گا، یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے یہ فیض کا دریا بہائے گا۔" (تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ ص۵۰۳)

امام احمد رضا کی دعائے سحر گاہی اور مرشد برحق کی بشارت عظمیٰ کا حسین پیکر اور اولیائے کاملین کی نگاہ عنایت کا عظیم شاہکار آگے چل کر عالم اسلام میں مفتیٔ اعظم ہند کے نام سے مشہور ہوا۔

دیگر اساتذہ کرام کے علاوہ جملہ علوم وفنون کو سرکار اعلیٰ حضرت کی آغوش تربیت میں پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ فقیہ اسلام کی نگاہ کیمیا اثر نے علوم ومعارف کا گنجینہ خصوصاً فقہ، افتاء کا تاجدار بنا دیا۔ جودت طبع، فراست و دانائی، فضل وکمال، فقہی تبحر، دقت نظر، اصابت فکر گویا آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔

مرجع فتاویٰ: حضور مفتیٔ اعظم کی فقہی بصیرت، ژرف نگاہی، جزئیات فقہ پر ید طولیٰ اور اصول کلیات پر کامل دسترس نے آپ کو اپنے عہد میں مرجع فتاویٰ بنا دیا، صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے گوشہ گوشہ سے آئے سوالوں کا جواب آپ نے فقہ حنفی کے روشنی میں عنایت فرمایا اور بے شمار لاینحل مسائل کو حل کیا۔ باتفاق علمائے اہلسنت۔ بلا شبہ آپ کی ذات مرجع فقہ فتاویٰ تھی، چنانچہ نائب مفتیٔ اعظم فقیہ الاثر علامہ مفتی شریف الحق امجدی صاحب رقم طراز ہیں" جب تک حبر امت حضرت مفتیٔ اعظم باحیات تھے، ان کی زندگی سارے علما ومشائخ اور عوام وخاص کا مرجع تھی اور جب کسی بھی نئے یا قدیم حادثہ کے بارے میں علما اور مفتیان کرام کے مابین کوئی فرعی اختلاف ہوتا تو حضرت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کا ارشاد قول فیصل ہوتا، ان کے

فرمان کو سبھی بلا چوں چراں تسلیم کر لیتے ،لیکن حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے بعد ہمارا کوئی مرجع اعظم نہیں رہا۔

(صحیفہ فقہ اسلامی، ج ا رص ۱۲)

اس وقت ہمارے سامنے ایسے مسائل ہیں جو لاینحل پڑے ہیں اور اب حضرت مفتی اعظم ہند جیسا معتمد و مستند مرجع نہیں۔

فقہ کی کلیات و جزئیات پر استحضار کامل: فقہ پر کامل دستگاہ رب تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہے جس کے شکر سے زبان کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی ہے ۔جن نفوس قدسیہ کو یہ نعمت بے بہا حاصل ہے یقیناً وہ لائق صد رشق ہے ۔فقیہ ہونا ایسا مشکل ترین امر ہے جس کا اندازہ بخوبی ایک فقیہ کو ہی ہوسکتا ہے۔

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی تحریر فرماتے ہیں:

''مفتی ہونا آج کل بہت آسان سمجھا جانے لگا ہے۔مشہور ہے بہار شریعت اور فتاوی رضویہ دیکھ کر ہر اردو داں فتویٰ لکھ سکتا ہے لیکن مفتی اور فقیہ ہونا کتنا مشکل ہے یہ وہی جانتے ہیں جو کسی ذمہ دار دارالافتاء کی خدمت پر مامور ہیں ۔مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقیہ ہونا آخیر منزل ہے۔'' (انوار مفتی اعظم ،ص ۲۴۹)

فقیہ العصر شارح بخاری علیہ الرحمہ کے اس بیان سے آپنے بخوبی یہ اندازہ لگالیا ہوگا کہ بلاشبہ فقہ و تفقہ نہایت اہم اور مشکل چیز ہے جس کے لئے تیقظ و بیدار مغزی ،ذہانت و فطانت،کلیات فقہ پر گہری نظر اور جزئیات پر کامل نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔مفتی اعظم لاریب ایک عظیم فقیہ کے جملہ اوصاف کے حامل و جامع تھے۔

مفتی شریف الحق امجدی تحریر فرماتے ہیں:

''بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید پر حکم لکھ دیتا،کبھی کبھی دور دراز کی عبارت تائید لاتا مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دارالافتاء میں نہ تھیں ان کو زبانی لکھوا دیتے ۔میں حیران رہ جاتا یااللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں ،یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں پیچیدہ سے پیچیدہ، دقیق سے دقیق مسائل پر بداہتاً ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔سب جانتے ہیں کہ کلام بہت کم فرماتے مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ علما انگشت بدنداں رہ جاتے ۔کسی مسئلہ میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں تو سب دماغ میں حاضر رہتے۔سب کے دلائل وجوہ ترجیح قول مختار و مفتی بہ پر تیقن اور ان سب اقوال پر اس کی وجہ ترجیح سب از بر۔'' (مفتی اعظم اور ان کے خلفاء، ج ا،ص ۴۵،۵۵)

چند منتخب ملفوظات اعلیٰ حضرت

پیشکش: مولانا محمد شمیم اشرف ازہری موریشس

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقدس و مبارک بارگاہ میں سیاح عالم مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ حاضر خدمت تھے انھوں نے عرض کی حضور سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی گئی۔

ارشاد: حدیث میں ارشاد فرمایا:

یَاجَابِر اِنَّ اللّٰہَ قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ ۔اے جابر بیشک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

عرض: حضور میری مراد دنیا کی ہر چیز سے پہلے سے ہے

ارشاد: اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے چار روز میں زمین اور دو دن میں آسمان یکشنبہ تا چہارشنبہ زمین (اتوار سے بدھ تک) و پنجشنبہ تا جمعہ آسمان نیز اس جمعہ میں بین العصر والمغرب حضرت آدم علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کو پیدا فرمایا۔ (اور جمعرات سے جمعہ تک آسمان اور اسی جمعہ میں عصر اور مغرب کے درمیان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا)۔

عرض: ادنیٰ درجہ علم باطن کا کیا ہے۔

ارشاد: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار سفر کیا اور وہ علم لایا جسے خواص وعوام سب نے قبول کیا۔ دوبارہ سفر کیا اور وہ علم لایا جسے خواص نے قبول کیا عوام نے نہ مانا سہ بارہ (تیسری بار) سفر کیا اور وہ علم لایا جو خواص و عوام کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ یہاں سفر سے سیر اقدام مراد نہیں بلکہ سیر قلب ہے ان کے علوم کی حالت تو یہ ہے اور ادنیٰ درجہ ان سے اعتقاد ان پر اعتماد وتسلیم ارشاد جو سمجھ میں آیا فبہا ورنہ:

”کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُوْلُوْ الْاَلْبَابِ“

(سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے)۔ (کنز الایمان)

حضرت شیخ اکبر اور اکابر فن نے فرمایا ہے کہ ادنیٰ درجہ علم باطن کا یہ ہے کہ اس کے عالموں کی تصدیق کرے کہ اگر نہ جانتا تو ان کی تصدیق نہ کرتا نیز حدیث میں فرمایا ہے۔ **اَغْدُ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ مُسْتَمِعًا اَوْ مُحِباً وَلَا تَکُنِ الْخَامِس فَتُھْلک** ۔صبح کر اس حالت میں کہ تو خود عالم ہے یا علم سیکھتا ہے یا عالم کی باتیں سنتا ہے یا ادنیٰ درجہ یہ کہ عالم سے محبت رکھتا ہے اور پانچواں نہ ہونا کہ ہلاک ہو جائے گا۔

عرض: کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے۔

ارشاد: غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔

عرض: عالم کی کیا تعریف ہے؟

ارشاد: عالم کی تعریف یہ ہے کہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ ہو اور مستقل ہو اور اپنی ضروریات کو کتاب سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے۔

عرض: کتب بینی ہی سے علم ہوتا ہے

ارشاد: یہی نہیں بلکہ علم افواہ رجال لوگوں کی زبانوں سے بھی حاصل ہوتا ہے۔

عرض : حضور مجاہدے میں عمر کی قید ہے۔

ارشاد: مجاہدے کے لئے کم از کم اسی برس درکار ہوتے ہیں باقی طلب ضرور کی جائے۔

عرض :ایک شخص اسی برس کی عمر سے مجاہدات کرے یا اسی برس مجاہدہ کرے۔

ارشاد :مقصود یہ ہے کہ جس طرح اس عالم میں مسببات کو اسباب سے مربوط فرمایا گیا ہے اسی طریقہ پر اگر چھوڑیں اور جذب وعنایت ربانی بعید کو قریب نہ کردے تو اس راہ کی قطع کو اسی برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرمائے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کردیا جاتا ہے۔اور صدق نیت کے ساتھ یہ مشغول مجاہدہ ہو تو امداد الٰہی ضرور کارفرما ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا".

وہ جو ہماری راہ میں مجاہدہ کریں ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھادیں گے (اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے)۔(کنزالایمان)

عرض :یہ تو حضور اگر کسی کا ہو رہے تو ہوسکتا ہے دنیوی ذرائع معاش اگر چھوڑ دئے جائیں تو یہ بھی نہایت دقت طلب ہے اور یہ دینی خدمت (حمایت مذہب اہلسنت و ردفرقہائے باطلہ مثلا وہابیہ دیوبندیہ وغیرھم مرتدین) جو اپنے ذمہ لی ہے اسے بھی چھوڑنا پڑے گا۔

ارشاد:اس کے لئے یہی خدمات مجاہدات ہیں بلکہ اگر نیت صالحہ ہے تو ان مجاہدوں سے اعلیٰ امام ابواسحٰق اسفرائنی جب انہیں مبتدعین کی بدعات کی اطلاع ہوئی پہاڑوں پر ان اکابر علما کے پاس تشریف لے گئے جو ترک دنیا و مافیھا کرکے مجاہدات میں مصروف تھے ان سے فرمایا یا اکلة الحشیش انتم ھھنا و امة محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الفتن۔اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو اور امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتنوں میں ہے۔انہوں نے جواب دیا امام یہ آپ ہی کا کام ہے ہم سے ہو نہیں سکتا۔وہاں سے واپس آئے اور مبتدعین کے رد میں نہریں بہائیں۔

عرض: کیا دنیوی تفکرات کا قلب جاری پر اثر ہوتا ہے (قلب جاری وہ قلب ہے جو خدا اور اس کے رسول مقبول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ذکر مبارک میں جاگتا رہے) (قلب بمعنی دل) دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا۔

ارشاد :ہاں دنیا کی فکریں جاری قلب کی حالت میں ضرور فرق ڈالتی ہیں۔

عرض : سفر کے لئے کون کون سے دن مخصوص ہیں؟

ارشاد: پنجشنبہ (جمعرات) شنبہ (سنیچر) دوشنبہ (پیر) حدیث شریف میں ہے بروز شنبہ (یعنی سنیچر کے دن) قبل طلوع آفتاب (آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے) جو کسی حاجت کی طلب میں نکلے اس کا ضامن میں ہوں (اسی سلسلہ تقریر میں فرمایا) بحمد اللہ دوسرے بار کی حاضری حرمین طیبین میں یہاں سے جانے اور وہاں سے واپس آنے میں انہیں تین دن میں سے ایک دن میں روانگی ہوتی تھی ،اور بفضلہ تعالیٰ فقیر کا یوم ولادت بھی شنبہ ہے (اعلیٰ حضرت کی پیدائش بھی سنیچر ہی کے دن ہوئی)۔

(ولادت ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء بروز سنیچر کو بریلی شریف یوپی ہندوستان میں ہوئی)۔

مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے حیات اعلیٰ حضرت مصنفہ ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کریں۔

آمین بجاہ السید الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

امام احمد رضا شخصیت اور علم وفن

از: عارف علی خاں پدارتھ پور بریلی

اعلیٰ حضرت امام احمدرضا خاں فاضل بریلوی کی پیدائش بریلی شہر کے محلّہ جسولی میں بروز شنبہ ۱۸۵۶ء میں مولانا نقی علی خاں ابن مولانا رضا علی خاں کے دولت کدے پر ہوئی۔ آپ کے اجداد محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں افغانستان سے ملک ہند میں وارد ہوئے۔ ان کی عسکری صلاحیتوں سے متاثر ہوکر بادشاہ وقت نے ممتاز عہدوں پر فائز کیا۔ ابتداء ہی سے آپ کا گھرانہ علمی استعداد اور صلاحیت کا مظہر تھا۔ آپ کے والد مولانا نقی علی خاں اپنے وقت کے جید عالم تھے جنھوں نے کثیر التعداد تصانیف رقم کیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی بچپن ہی سے بڑے ذہین اور شائقین علم تھے ۴؍سال کی عمر میں قرآن پاک کا ناظرہ مکمل کرلیا تھا اور ۶؍سال کی عمر میں ۱۲؍ربیع الاول شریف کے موقع پر ایک بڑے مجمع کے سامنے ممبر پر میلاد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھا۔ ایک مثل ہے ''پوت کے پاؤں پالنے ہی میں دکھ جاتے ہیں'' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے بچپن ہی میں ایسے مشکل اشکال حل فرمادیے جنکا ادراک اہل علم وفن کے لیے دشوار تھا دشوار ہی نہیں عادتاً ناممکن تھا۔

آپ نے اپنی حیات میں تقریباً چودہ سو سے زائد تصانیف رقم فرمائیں بقول مولانا عبد الستار ہمدانی (پور بندر گجرات) امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی تصانیف ۲۱۵؍ علوم وفنون پر مشتمل ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کے علم وفن کا اعتراف حضرت ڈاکٹر مسعود احمد صاحب پاکستان اس انداز میں کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''میں امام احمد رضا بریلوی کو تقریباً ۳۲؍سال سے پڑھ رہا ہوں پھر بھی مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی ایک سمندر ہیں اور میں کنارہ تک بھی نہیں پہونچ پایا ہوں''۔

ڈاکٹر اقبال آپ کے علم وفن کا اعتراف کچھ اس طرح کرتے ہیں

''دورجدید میں مولانا احمد رضا خاں جیسا فقیہ ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا''۔

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے آپ کی ریاضی دانی (mathmetics) سے متاثر ہوکر فرمایا:

''میں نے اس علم کو (علم مثلث) کو حاصل کرنے میں غیر ممالک کے اکثر سفر کئے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہیں ہو سکیں میں تو اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مولانا یہ تو بتایئے آپ کا اس فن میں استاذ کون ہے''۔

آپ متعدد علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے چند کے

اسماءحسب ذیل ہیں۔

علم جفر {foretellingastrolgy} ریاضی {abstractof sceinse} علم طب وحکمت {medicalsciense} علم تکسیر {arithmetic} علم جبر ومقابلہ {equation&algebra} علم رمل {augury} علم الاعداد {numerology} علم سیر و تواریخ {viru&history} علم حرکت {dynamics} علم موسمیات {meteorology} علم حیوانات {zoology} علم کیمیا {chemistry} علم نباتات {botany} علم ہندسہ {geometry} علم نجوم {astronomy} علم نفسیات {psychology} علم جغرافیہ {geography} علم معاشرت {sociology} علم منطق {logic} وغیرھم

اب ذرا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی فن شاعری پر اجمالی گفتگو کر لی جائے۔

اعلیٰ حضرت کی شاعری تمام فنی محاسن سے مزین اپنی مثال آپ ہے۔آپ کی شاعری عشق رسول میں فنا ایسے عاشق کی شاہکار ہے جو فنا فی اللہ فنا فی الرسول کے اعلیٰ مقام پر فائز تھا۔ اعلیٰ حضرت پر جب عشق رسول کی رقت طاری ہوتی تو گنجینۂ الفاظ صفحۂ قرطاس پر موتیوں کی طرح بکھرنے لگتے اور ایسا عمدہ کلام وجود میں آیا جسے دیکھ کر اہل سخن خیرہ ہو گئے۔

ڈاکٹر مسنر تنظیم الفردوس آپ کی نعت گوئی کے متعلق فرماتی ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی داخلی کیفیات کے بیان اور اظہار شیفتگی کے باوصف فنی شکوہ سے عبارت ہے ناقدین نعت نے مولانا کے جذبۂ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو اکثر کیا ہے مگر ان کی نعت کے فنی محاسن ،شعری پختگی اور قادر الکلامی کا تذکرہ بہت کم ہوا ہے''۔

نعت گوئی ایک مشکل صنف ہے اس میں شہرۂ آفاق ادیبوں کے بھی پتے پانی ہوجاتے ہیں کیونکہ اس فن میں مہارت اور اعلیٰ مقام وہی حاصل کرسکتا ہے جو علم قرآن اور علم حدیث میں یکتائے روزگار ہو اور اس کا دل محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مضطرب رہتا ہو۔

مذکورہ بالا اوصاف کے بغیر الوہیت اور ذات پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تنقیص کا خطرہ برقرار رہتا ہے۔

اس کا اعتراف خود اعلیٰ حضرت نے کیا ہے فرماتے ہیں:

''نعت گوئی تلوار پر چلنے کے مترادف ہے''

ایک بات اور اہل فن وادب سوچتے ہوں گے کہ فاضل بریلوی کا فن شاعری میں کوئی نہ کوئی استاد ضرور ہوگا کسی نہ کسی کے سامنے زانوئے ادب ضرور تہہ کیا ہوگا۔اس کا انکشاف مذکورہ ذیل شعر سے ہوجائے گا۔آپ فرماتے ہیں:

''جبیں طبع ہے نا سودا دانم شاگردی
غبار منتِ اصلاح سے ہے دامن دور

ایک جگہ اور آپ فرماتے ہیں:

''نعت گوئی میں نے قرآن سے سیکھی
یعنی احکام شریعت رہے ملحوظ''

مذکورہ بالا اشعار سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا اس فن میں کوئی استاذ نہیں تھا بلکہ قرآن عظیم سے ہی گلہائے نعت عطا ہوئے۔

شاعری کے بھی اپنے قواعد ہوتے ہیں جن میں صنعات کا رول اہم ہوتا ہے۔ ہر قادر الکلام شاعر کلام میں جاذبیت پیدا کرنے کے لئے صنعات کا استعمال ضرور کرتا ہے یہ الگ بات ہے کوئی استعارہ کے استعمال میں مہارت رکھتا ہے تو کوئی تلمیح اور تشبیہ کے استعمال کو فوقیت دیتا ہے لیکن فاضل بریلوی کی ذات واحد ایسی ذات ہے۔ جس نے ہر ایک صنعت میں متعدد اشعار رقم فرمائیں ہیں اگر شک ہو تو ''حدائق بخشش'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

مذکورہ بالا اشعار اپنے اندر تمام رعنائیاں سمیٹے ہوئے ہیں۔ بلاغت کی ایسی حسین چاشنی شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملے، زبان شستہ اور تقدس کی امین ہے۔ اعلیٰ حضرت نے مذکورہ بالا اشعار میں استعارہ، تلمیح، تجنیس ناقص وغیرہ صنعات کا استعمال احسن طریقے سے کر کلام کو گہرائی اور گیرائی کا مرقع بنادیا ہے۔

ہے چرچا ہر جگہ گھر گھر امام احمد رضا خاں کا

از۔علامہ ابراہیم خوشتر علیہ الرحمہ

مہینہ آ گیا خوشتر امام احمد رضا خاں کا
صفر ہے ہر طرح اظفر امام احمد رضا خاں کا
کوئی جانے تو کیا جانے، کوئی سمجھے تو کیا سمجھے
قدم ہے غوث کا اور سر امام احمد رضا خاں کا
جنوبی و شمالی ،شرقی و غربی جسے دیکھو
ہے ہر سنی گدائے در امام احمد رضا خاں کا
یہاں فیضان ہے کس کا امام احمد رضا خاں کا
ہے ہر سائل یہاں بے پر امام احمد رضا خاں کا
بریلی کو چلوں ہر گام پہ امداد کن کہتا
میں دیکھوں روضۂ انور امام احمد رضا خاں کا
دمِ آخر ہو، محشر ہو، وہ سیراب مقدر ہو
جو پی لے جام بھر بھر کر امام احمد رضا خاں کا
تعالیٰ الله! یہ عرسِ سراپا قدس کا منظر
ہے چرچا ہر جگہ، گھر گھر امام احمد رضا خاں کا
یہ خوشتر ہے مگر کس کا؟ یہ بدتر ہے مگر کس کا؟
ہے خوشتر بندۂ بدتر ، امام احمد رضا خاں کا

اعلیٰ حضرت کے زمانۂ تعلیم کا عربی زبان میں ایک عظیم شاہکار

''القول النجیح'' کا تعارف

از۔شیر قادریت علامہ مختار احمد قادری، بہیڑوی

"القول النجیح لإحقاق الحق الصریح" صفات باری تعالیٰ کے موضوع پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا ایک تحقیقی شاہ کار ہے جسے حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب رضوی نے سال گزشتہ پہلی بار شائع کر کے آپ کے ہاتھوں تک پہنچایا ہے۔

علامہ موصوف رضویات سے متعلق جو عظیم کام کر رہے ہیں وہ اب کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے، اس شعبہ میں انہوں نے جو کارنامے انجام دیے ہیں وہ سب نہایت اہم، قابل قدر اور دوسروں کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ مگر اس رسالہ کو تلاش کر کے اسے منظر عام پر لانا ان کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جس پر دنیائے علم ان کی جتنی شکر گزار ہو، کم ہے، کیوں کہ یہ رسالہ اعلی حضرت قدس سرہ کے دور طالب علمی کی تصنیف ہے جس کا لوگوں کو ابھی تک علم نہیں تھا اور نہ سوانح نگار حضرات نے اعلی حضرت کی تصنیفات میں اس کے نام کا ذکر کیا تھا۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے اس رسالہ میں متکلمین کی پہلی دلیل پر جو بحث کی ہے اس بحث میں پیش کیے ہوئے ایک ایراد پر آپ نے جو حاشیہ لکھا ہے اس سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس رسالہ کو آپ نے دور طالب علمی میں تصنیف کیا ہے۔

یہ ایراد آپ نے اپنے قلمی نسخہ میں صفحہ ۲۱/اکیس کی آخری سطر سے "ولو سلمنا" کہہ کر پیش کیا ہے۔ مگر اس سے اگلا صفحہ فی الحال مفقود ہے اس لیے اس ایراد سے تو ہم محروم ہیں مگر "ولو سلمنا" پر لکھا ہوا یہ حاشیہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

"هذا الإيراد مما سمحت به خاطرى إلا أني رأيته بعد ذلک فی "حواشی شرح المواقف" للسيد زاهد حين قرائتی إياها على الوالد العلام فليحفظ كيلا يطعن طاعن منه."

ترجمہ: یہ ایراد ان میں سے ہے جنہیں میرے دل نے پیش کیا مگر اس کے بعد جب میں نے ''والد العلام'' (حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ) کے پاس ''شرح مواقف'' پر (میر) ''سید زاہد'' کے حواشی پڑھے تو ان میں سے مجھے یہ ایراد نظر آیا۔ اسے یاد رکھا جائے تا کہ کوئی طعنہ زنی کرنے والا طعنہ زنی نہ کرے۔

اعلیٰ حضرت کے اس حاشیہ سے یہ بات یقینی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ آپنے یہ رسالہ '' **القول النجیح**''، شرح

مواقف مع میر زاہد پڑھنے سے بھی پہلے تصنیف کیا ہے۔

ہاں اس کا نامکمل حاشیہ "**السعی المشکور**" فراغت کے بعد ۱۲۹۰ھ میں لکھا ہے۔

میرا اپنا یہ خیال ہے کہ آپ نے یہ رسالہ "ملاحسن" اور "شرح عقائد" پڑھنے کے زمانے میں تصنیف کیا ہوگا کیوں کہ "شرح مواقف" سے پہلے درسیات میں یہی ایسی کتابیں ہیں جن میں صفات باری تعالیٰ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور ان سے متعلق مختلف مذاہب کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے جب اس بحث کو پڑھا ہوگا تو آپ کا جذبہ تحقیق جوش پر آیا ہوگا اور قلم برداشتہ یہ رسالہ تصنیف کر دیا ہوگا۔

امام احمد رضا کے سوانح نگاروں نے بیان کیا ہے کہ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں عربی زبان میں "**ھدایۃ النحو**" کی شرح تحریر فرمائی تھی جو آپ کی پہلی تصنیف ہے، مگر اب آپ کی اس تصنیف کا کہیں پتہ نہیں چلتا، اس کے بعد ذکر آتا ہے "**مسلم الثبوت**" کے حاشیہ کا۔ یہ بھی آپ کے دور طالب علمی کی تصنیف ہے، اس کا اصل نسخہ حضور تاج الشریعہ کے ذخیرہ کتب میں اور اس کی نقل کا عکس امام احمد رضا اکیڈمی بریلی میں موجود ہے۔ حضرت ملک العلماء کے بیان کے مطابق آپ نے یہ حاشیہ "**مسلم الثبوت**" پڑھنے کے زمانہ میں تصنیف فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ "ملاحسن" اور "شرح عقائد"، "**مسلم الثبوت**" سے پہلے پڑھی اور پڑھائی جانے والی کتب ہیں۔

حضرت ملک العلماء نے "حیات اعلیٰ حضرت" میں تصنیفات اعلیٰ حضرت کی جو فہرست پیش کی ہے اس میں سب سے پہلے "**ضوء النھایۃ فی اعلام الحمد والھدایۃ**" کا ذکر کیا ہے، اس کا سن تصنیف آپ نے ۱۲۸۵ھ لکھا ہے۔ یہ کتاب بھی اعلیٰ حضرت کے دور طالب علمی کی تصنیف ہوئی، کیوں کہ آپ کی فراغت ۱۲۸٦ھ میں ہوئی ہے۔ مگر یہ دور طالب علمی کے آخری سال کی تصنیف ہوئی اور "**القول النجیح**" کی تصنیف کا زمانہ اس سے بہت پہلے کا ہے۔

لہٰذا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی جو تصنیفات اس وقت مطبوعہ یا قلمی دستیاب ہیں اور آپ کی جتنی تصنیفات کا ذکر ملک العلماء نے اپنی فہرست میں کیا ہے ان سب کے اعتبار سے "**القول النجیح**"، کو اعلیٰ حضرت کی سب سے پہلی تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ یہ رسالہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جس دور میں تصنیف کیا ہے اس وقت اپنی تصنیفات کا نام تاریخی رکھنے کی طرف آپ کی توجہ نہیں تھی اس لیے اس کا نام تاریخی نہیں ہے۔

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اپنی ترتیب دی ہوئی فہرست میں "**السعی المشکور فی إبداء الحق المھجور**" کا نام تو درج کیا ہے جو اسی رسالہ پر بطور "حاشیہ منہیہ" اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا لکھا ہوا نامکمل حاشیہ ہے، لیکن اصل کتاب "**القول النجیح**" کا نام اس فہرست میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ اس قلمی نسخے کو دیکھنے کے بعد خود بخود سمجھ میں

آجاتی ہے۔ (قلمی نسخہ کا اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل ہے)

☆ قلمی نسخہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مطبوعات کی عام روش کے مطابق اصل کتاب کو "حوض" میں لکھا ہے اور حوض کے اوپر، نیچے اور برابر کی خالی جگہوں پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔

☆ پہلے صفحہ میں متن کے اوپر حاشیہ میں جلی خط سے نمایاں طور پر "**السعی المشکور فی إبداء الحق المهجور**" لکھا ہوا ہے جو سرسری نظر میں اصل کتاب کا ہی نام معلوم ہوتا ہے جب کہ اصل کتاب کا نام کہیں الگ لکھا ہی نہیں۔ بلکہ کتاب کی عبارت میں خطبہ کے بعد، تمہید کی ابتدا میں اس کا نام اس طرح ذکر کیا ہے: "**سمیتها بالقول النجیح الإحقاق الحق الصریح**"۔

☆ قلمی نسخہ دیکھنے والا جب اصل کتاب پڑھتے ہوئے اس مقام پر پہنچتا ہے تبھی اسے اس کتاب کا نام معلوم ہوتا ہے۔ پڑھے بغیر صرف پہلے صفحہ کو دیکھنے والا اس کتاب کا نام "**السعی المشکور**" ہی سمجھتا ہے۔ اسی وجہ سے ملک العلماء علیہ الرحمہ کی مرتبہ فہرست میں اس کتاب کا نام نظر نہیں آتا، نہ کوئی دوسرا سوانح نگار اس کا تذکرہ کرتا ہے۔

☆ حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب رضوی نے اس کتاب کے قلمی نسخہ کا عکس کہیں سے حاصل کیا اور اس کے ترجمہ کا کام میرے ذمہ لگا دیا۔ ان کے دوستانہ دباؤ میں، میں نے اس کام کی حامی تو بھر لی مگر جب کام شروع کرنے بیٹھا تو پتہ چلا کہ علامہ موصوف نے مجھے کس دشوار ترین آزمائش میں ڈالا ہے۔

☆ اس قلمی نسخہ میں کل ۵۷/ستاون صفحات ہیں، آخر کے کچھ صفحات غائب ہیں، درمیان میں بھی ایک صفحہ مفقود ہے، جس کی ہم نے موقع پر نشاندہی کر دی ہے۔

☆ اس نسخے کی موجودہ حالت سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ابتداءً اس رسالہ کا مسودہ تحریر کیا تھا، پھر اسکی تبییض شروع کی، تبییض کے ساتھ ہی حاشیہ لکھنا شروع کیا، جس کا نام "**السعی المشکور لإبداء الحق المهجور**" رکھا، مگر تبییض اور حاشیہ نگاری کا یہ کام صرف آٹھ صفحات تک ہوا، پھر شاید زیادہ اہم تصنیفات میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے اس کام کو بعد کے لئے ملتوی کر دیا اور پھر اس کی تکمیل کا موقع نہ مل سکا۔

☆ اس قلمی نسخہ کی صورت حال یہ ہے کہ ۸/آٹھ صفحات مبیضہ کی شکل میں ہیں جن پر باقاعدہ اعلیٰ حضرت کا حاشیہ موجود ہے۔ باقی ۴۸/اڑتالیس صفحات مسودہ کی صورت میں ہیں۔ ان میں صرف چند مقامات پر ہی حاشیہ لکھا گیا ہے اور اس مسودہ کا حال یہ ہے کہ امتداد زمانہ اور بے احتیاطی کی وجہ سے جا بجا سیاہی اڑ گئی ہے اور پورے پورے لفظ بلکہ کہیں کہیں آدھی آدھی سطر غائب ہو چکی ہے۔ بہت سے صفحات پر الفاظ اتنے دھندلا چکے ہیں کہ ان

کو پڑھنا بے حد مشکل ہے۔ متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں اعلی حضرت قدس سرہ نے متن کی عبارت لکھنے کے بعد اس پر کچھ اضافہ کیا اور اضافی عبارت حاشیہ کی خالی جگہ پر تحریر کر دی ہے، اب یہ عبارت متن میں کہاں شامل کی گئی ہے اس کو سمجھنا بھی ایک دشوار مرحلہ ہے۔

☆ ان سارے دشوار مراحل سے ہمیں کسی ظاہری مدد اور رہنمائی کے بغیر تن تنہا ہی گزرنا پڑا اور یہ رب کریم کا بے پایاں فضل واحسان ہے کہ اس نے اپنی توفیق سے یہ سارے مراحل کامیابی کے ساتھ طے کرا دئے۔ رسالہ کو پڑھا۔ جہاں ممکن تھا اصل نسخہ میں الفاظ کو جلی کر کے پڑھنے کے لائق بنایا جہاں ضرورت ہوئی تو پورا صفحہ الگ نقل کیا۔ پھر متن اور حاشیہ کا ترجمہ کیا اور جہاں تک ہو سکا اسے عام فہم بنانے کی کوشش کی۔

☆ جب رسالے کی کتابت ہوگئی تو اس کی تصحیح بھی علامہ موصوف نے میرے ہی ذمہ لگا دی، ان کی فرمائش کی تکمیل کے لیے یہ کام بھی انجام دینا پڑا۔ اب امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ نادر شاہ کار آپ کے ہاتھوں میں ہے اور یہ صرف حضرت علامہ محمد حنیف خان صاحب ہی کی جد و جہد کا ثمرہ ہے۔

☆ رسالہ میں دو تین مقامات پر الفاظ سمجھ میں نہیں آئے وہاں بیاض چھوڑ دی گئی ہے اور اس حصہ کا ترجمہ بھی نہیں کیا گیا ہے۔

مٹا ہے اور نہ مٹ پائے گا چرچا اعلیٰ حضرت کا

نتیجہ فکر: مولانا محمد بلال انور رضوی، نواده بہار

خدا کا شکر، دل اپنا ہے شیدا اعلیٰ حضرت کا
زباں پر ہے سدا جاری ترانہ اعلیٰ حضرت کا

ہمارے دین و ایماں کے محافظ اعلیٰ حضرت ہیں
خدا کے فضل سے ہم پر ہے سایہ اعلیٰ حضرت کا

عقیدہ کیوں نہ ہو محفوظ، کیوں دشمن قریب آئے
ہمارے ہاتھ میں دامن ہے کس کا؟ اعلیٰ حضرت کا

قلم اُن کا ہے بیشک فضل مولیٰ کی حفاظت میں
عطائے مصطفیٰ ہر ایک فتویٰ اعلیٰ حضرت کا

تمام اشعار میں قرآن و سنت کی ضیائیں ہیں
غذائے روحِ ایماں ہر قصیدہ اعلیٰ حضرت کا

زمانہ دنگ ہے جولانی تحریر پر اب تک
کرامت ہے یقیناً ہر رسالہ اعلیٰ حضرت کا

دعا بندوں کو جس مسلک کی قرآں نے سکھائی ہے
خدا شاہد وہی مسلک ہے رستہ اعلیٰ حضرت کا

کلام اعلیٰ حضرت ہے زبانوں پر جہاں بھر میں
جدھر دیکھو نظر آتا ہے جلوہ اعلیٰ حضرت کا

جلیں۔ ہو جائیں جل کر خاک دشمن اعلیٰ حضرت کے
نہ ہوگا حشر تک موقوف شہرہ اعلیٰ حضرت کا

مٹے، مٹتے ہیں مٹ جائیں گے دشمن اعلیٰ حضرت کے
مٹا ہے اور نہ مٹ پائے گا چرچا اعلیٰ حضرت کا

ہے کوئی حجۃ الاسلام کوئی مفتی اعظم
بہارِ باغِ ایماں شاہ زادہ اعلیٰ حضرت کا

مجھے ہے ناز ہوں تاجِ شریعت کے غلاموں میں
بلالؔ! اپنے گلے میں بھی ہے پٹہ اعلیٰ حضرت کا

بریلی شریف ہمارا مرکز کیوں

از۔ مفتی محمد ایوب خان رضوی، خادم التدریس والافتاء منظر اسلام بریلی شریف

بریلی شریف کو مرکز اہل سنت تسلیم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بریلی کو ایک جامع الصفات صاحب کمالات منبع فیوض و برکات میری مراد مجدد مأۃ ماضیہ موید ملت طاہرہ صاحب حجت قاہرہ حجۃ اللہ فی الارضین آیۃ من آیات رب العالمین معجزۃ من معجزات سیدالمرسلین شیخ الاسلام والمسلمین اعلم العلماء برھان الاولیاء تاج الفقہاء قاضی القضاۃ امام اہلسنت والجماعت معدن فصاحت و بلاغت امیرالمومنین فی الحدیث شیخ المشائخ قطب الاقطاب حسان الہند ماہر الفتاوی والشرع کامل التقوی فقیہ اعظم عالم، ثانی امام اعظم، اعلی حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ سے نسبت حاصل ہے، جس نے ایک ہزار سے زائد پچاس علوم وفنون سے زائد میں کتابیں تحریر فرما کر امت مسلمہ کی ہر شعبے میں قیادت ورہنمائی فرمائی ہے۔ آپ کی تمام خوبیوں میں سے ایک عظیم صفت وخوبی جو بہت ہی نمایاں رہی وہ ہے تفقہ فی الدین ۔ اس میدان میں جو کمال وامتیاز آپ کو حاصل ہوا وہ کسی کو حاصل نہ ہوا آپ کے مجموعہ ہائے فتاویٰ کی بارہ جلدیں بنام فتاوی رضویہ اس کی واضح اور روشن دلیل ہیں جس کی عظمت شان بیان و گمان سے ماورا ہے جسے فقہ حنفی کا بلا دغدغہ انسائیکلوپیڈیا قرار دیا جاسکتا ہے جو فتاوی عالمگیری کے بعد فقہ حنفی کے ذخائر میں دوسرا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور اگر یہ کہا جائے تو بھی بجا ہے کہ فتاوی عالمگیری کو کئی سو علمائے کرام نے ملکر تصنیف کیا لیکن فتاوی رضویہ جو دس ہزار سے بھی زائد صفحات پر مشتمل ہے تنہا امام اہلسنت کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ سچ فرمایا جان عاشق وصلی اللہ علیہ وسلم نے من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین یعنی اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے تفقہ فی الدین سے نواز دیتا ہے نیز ترجمہ قرآن کنزالایمان یعنی خزانہ ایمان جو بہت بڑا سرمایہ ہے مسلمانان عالم کو عطا فرمایا جو اصح التراجم و سید التراجم ہے۔ علامہ اختر شاہجہانپوری فرماتے ہیں: مسلمانوں شمع رسالت کے پروانو! اگر خدا توفیق دے تو قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے صرف اور صرف کنزالایمان ترجمہ قرآن ہی پڑھنا، قرآن مقدس کا سب سے صحیح ترجمہ ہے۔ اردو کے باقی جتنے تراجم ہیں ان میں سے اکثر ترجمے بے دینوں نے کئے ہیں اور انہوں نے بعض آیات کا ترجمہ منشائے ربانی کے خلاف کر کے اسلام کے شجر مقدس میں غیر اسلامی عقائد ونظریات کی قلمیں لگا دی ہیں۔ خدا نہ کرے کہ آپ یا آپ کے گھر والے ان ترجموں کو پڑھ کر اپنی دولت ایمان

کو ضائع کر بیٹھیں۔انتہی

کنزالایمان امام اہلسنت کا ترجمہ قرآن جو فصیح و بلیغ علمی ادبی بامحاورہ محتاط عشق رسول سے مملو، پاسِ ادب و لحاظ عظمت انبیاء علیہ السلام کا مظہر و شاہکار ہے۔ ایسا بے مثال ترجمہ معرض وجود میں کیسے آیا؟ آپ سوچتے ہوں گے کہ مجدد اعظم نے پہلے کتب تفاسیر ولغات وغیرہ جمع کی ہونگی۔ پھر مطالعہ کر کے ترجمہ کیا ہوگا جیسا کہ مترجمین کا طریقہ کار ہے مگر عزیز ایسا نہیں ہے۔بس تلمیذ و خلیفہ اعلیٰ حضرت صدر الشریع حضرت مفتی امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کے اصرار پر حضور اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ قرآن کا ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس مستقل وقت نہیں۔ اس لیے آپ دوپہر میں سونے کے وقت یا قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ایک دن صدر الشریعہ کاغذ قلم ودوات لے کر بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حاضر ہو گئے اور یہ مبارک کام شروع ہوگیا۔طریقۂ ترجمہ یہ تھا کہ آپ زبانی آیات کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ لکھتے جاتے۔صدر الشریعہ اور دیگر علمائے کرام اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔ یہ ہے عظمت شان اعلیٰ حضرت۔ فقید المثال فقیہ، فقید المثال مترجم قرآن، فقید المثال عاشق رسول۔لہٰذا بریلی امام اہلسنت فاضل بریلوی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے منسوب ہونے کی وجہ سے مرکز ہے۔ کسی عمارت و دارالعلوم و کالج و یونیورسٹی کی وجہ سے مرکز نہیں ہے۔سچی تو یہ ہے کہ دنیا کی یونیورسٹیوں میں جتنے علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں ان سے کئی گنا زیادہ امام اہلسنت کی ذات کریمہ میں موجود تھے۔کچھ ایسے علوم بھی اللہ رب العزت نے امام احمد رضا کو عطا کیے تھے جن سے آج دنیا کے ہاتھ خالی ہیں۔ اسی لیے خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی قدس سرہٗ بریلی کی مرکزیت کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ:

''تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات منکشف ہوجاتی ہے کہ دنیا کی ہر قوم نے اپنے مرکز کی مضبوطی اور مرکز سے وابستگی کو ہمیشہ مرکز توجہ بنایا ہے۔بفضلہٖ تعالیٰ وبکرم حبیبہ الاعلیٰ بھارت کا کروڑوں سنی مسلمان مطلق العنان یا شتر بے لگام نہیں ہے بلکہ وہ مجدد اعظم دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو مرکزی شخصیت اور بریلی کو اپنا مرکز تصور کرتا ہے۔خدانخواستہ اگر بریلی میں منظر کی ''میم'' اور مظہر کی ''میم'' تک بھی نہ رہ جائے تو بھی بریلی کے مرکز ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ بریلی کی مرکزیت کسی بلند پایہ درسگاہ سے معنون نہیں ہے بلکہ اس کی مرکزیت امام احمد رضا سے منسوب ہے۔ مذاہب باطلہ کے مقابل حق بولتا مسلک اگر ہمیں ملا ہے تو امام احمد رضا کی بارگاہ کرم سے ملا ہے۔ہم کتنے ہی بلند ہوجائیں مگر جہاں ان کا تلوا ہے وہاں تک اپنے سر کی رسائی نہیں۔سنیوں کی اس ملک میں چھوٹی بڑی جتنی بھی درسگاہیں ہیں ان کی آخری کڑی بریلی اور مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہر درسگاہ ودار العلوم کو اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی کارکردگی میں رطب اللسان ہو اور تعریف وتوصیف میں چاہے وہ زمین وآسمان کے قلابے ہی کیوں نہ ملائے مگر کسی درسگاہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی اس طرح تعریف کرے جس سے بریلی شریف کی عزت وآبرو پر آنچ آئے۔ اگر کسی کا ایسا رویہ ہو تو اسکے دل میں بریلی سے کینہ ہے جو میری نظر میں ایک نا قابل معافی جرم ہے۔ ہمارے ایمان وسنیت کی پہچان بریلی و مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ بہر حال بریلی کی مرکزیت اگر بلند وبالا عمارات اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کی بنا پر ہوتی تو بریلی سے زیادہ بلند عمارتیں ودرسگاہیں کالج اور یونیورسٹیاں دوسرے شہروں میں موجود ہیں ان کو مرکز ہونا چاہئے۔ حالانکہ کوئی بھی عاقل سوائے بریلی کے کسی کو مرکز ماننے کے لئے تیار نہیں۔ پتہ چلا بریلی کی مرکزیت صرف اور صرف امام اہل سنت حضور اعلی حضرت کی ذات سے منسوب ہونے کی بنا پر ہے۔ امام اہلسنت کو عرب وعجم کی علمی شخصیات کی جانب سے جو القابات پیش کیے گئے وہ دوسو سے زائد ہیں۔ اللہ رب العزت امام اہلسنت کے فیوض وبرکات سے ہم غلامان رضا کو مالا مال فرمائے۔ بریلی شریف زندہ باد۔ مسلک اعلی حضرت پائندہ باد۔ آمین بجاہ نبیک الکریم علیه الصلوة والتسلیم.

سنو! ہے ”عرس صد سالہ“ امام احمد رضا خاں کا

نتیجہ فکر: مولانا اختر رضا قادری بہیڑوی، بریلوی

جہاں میں چل رہا سکہ امام احمد رضا خاں کا
ہر اک سنی ہے دیوانہ امام احمد رضا خاں کا

نبی کے عشق میں اپنی گزاری زندگی ساری
تو پھر کیوں کر گھٹے رتبہ امام احمد رضا خاں کا

رضا کے نام میں اللہ نے ایسی کشش رکھی
نبی والا ہوا شیدا امام احمد رضا خاں کا

اگر پہچان کرنی ہو یہ اپنا ہے یا بیگانہ
لگا دینا وہاں نعرہ امام احمد رضا خاں کا

بریلی میں یہ اتنی بھیڑ کیوں کر عاشقوں کی ہے
سنو! ہے عرس صد سالہ امام احمد رضا خاں کا

قلم کی نوک سے اعداء کے سر کو کاٹ ڈالا تھا
قلم بھی مثل خنجر تھا امام احمد رضا خاں کا

نہیں آئے گا نجدی، نام دروازہ پہ اے سنی!
جلی حرفوں سے لکھ دینا امام احمد رضا خاں کا

تجھے بھی اہل محشر دیکھ کر اختر کہیں گے یہ
غلام باوفا آیا امام احمد رضا خاں کا

اعلیٰ حضرت کا سفر حج اور وہابیان ہند کی شر انگیزیاں

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی، نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلّہ علی خاں کاشی پور اتراکھنڈ

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ احقاق حق وابطال باطل کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔شر پسند عناصر، باطل جماعتیں، مخالف طاقتیں، آج بھی آپ کے نام سے خائب وخاسر ہیں۔باطل عناصر میں یوں تو بہت سے نام آتے ہیں مگر فرقہ وہابیہ ودیابنہ ان میں سرفہرست ہے۔یہی وجہ تھی کہ اعلیٰ حضرت کے زبان وقلم کی زد پر خاص یہی جماعت رہی۔اور تاحیات آپ باطل جماعتوں خاص کر وہابیہ ودیابنہ کی بیخ کنی میں مصروف رہے۔ان کی ہر فتنہ انگیزی کو مٹانا، ان کے باطل وفاسد عقائد ونظریات کی بخیہ دری آپ کا وطیرہ خاص تھا۔اور یہ بات وہابیہ دیابنہ کے لیے دردسر بن گئی تھی۔ان کے باطل افکار ونظریات کی ترویج میں رکاوٹیں آنے لگیں تو انہوں نے منظّم طور پر اپنے باطل افکار کی ترویج واشاعت سے زیادہ آپ کی مخالفت پر زور دیا۔انہیں مخالفتوں، ریشہ دوانیوں کی ایک مثال ۱۹۰۶ء میں اعلیٰ حضرت کے دوسرے حج کے موقع پر وہابیان نجد کی بے سروپا افواہیں ہیں جن کی قدرے تفصیل ہم باذوق قارئین کی نذر کرتے ہیں۔ملاحظہ ہو:

۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت دوسری بار سفر حج کے لیے تشریف لے گئے اور بہت سی علمی مصروفیات (ہم ان مصروفیات کا اجمالی ذکر آخر میں کریں گے ان شاء اللہ) کے سبب وہاں سے آنے میں تاخیر ہوئی۔تو وہابیہ ودیابنہ ہند نے افواہیں اڑانا شروع کر دیں کہ آپ کو مکہ معظّمہ میں گرفتار کر لیا گیا ہے جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔آپ سے علم غیب کی بابت استفسار کیا گیا تو جواب نہیں بن پڑا۔اسی سلسلے میں روکا گیا ہے۔الغرض جتنی منہ اتنی باتیں ہفت روزہ اخبار پیسہ، لاہور کے ۱۹ر مئی ۱۹۰۶ء یوم شنبہ کے پرچہ میں ایک خبر شائع کی گئی جس میں اعلیٰ حضرت کے سفر حج کی تفصیل جاننے والوں سے تفصیل کا مطالبہ کیا گیا نیز مثبت ومنفی دونوں خبروں کا ذکر کیا گیا۔ملاحظہ ہو اخبار کی درج ذیل خبر:

''پیسہ اخبار کے کثیر التعداد ناظرین میں سے بہت سے اصحاب ایسے بھی ہوں گے۔جو امسال حج کو گئے ہوں گے یا ان کے احباب ومتعلقین میں سے کوئی صاحب سفر حج سے واپس آئے ہوں گے ایسے حضرات سے استفسار ہے کہ اگر ان کو مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کی نسبت (جو کہ امسال حج کو گئے ہوئے ہیں اور ابھی تک حج سے واپس نہیں آئے ہیں۔) کچھ حال معلوم ہو تو مطلع فرماویں۔بعض لوگ کہتے ہیں مولوی صاحب موصوف کی شریف مکہ نے بہت توقیر کی۔اور ان کو روک لیا ہے۔بعض کا بیان ہے کہ بوجہ تاخیر علمائے اسلام کے مولوی

صاحب وہاں گرفتار ہوگئے ہیں۔اوران کی تصانیف کی تحقیقات ہورہی ہے۔ جو صاحب اصل حال سے واقف ہوں مطلع فرماویں۔(ای ڈبلیواز بریلی)۔''[بحوالہ تحفہ حنفیہ]

اخبارالنجم لکھنؤ اوراخباراہل حدیث میں بھی مزخرفات درج ہوئے ہم یہاں اہل حدیث میں نقل مکروفریب سے بھرے ہوئے دوخط اوراس پرمدیراہل حدیث مولوی ثناء اللہ امرت سری کاتعصب وتنگ نظری پرمبنی کذب سے بھراہواتبصرہ پیش کرتے ہیں اس کے بعد اس کے جواب کی طرف رجوع کریں گے۔

مدیراخباراہل حدیث نے اعلیٰ حضرت کاتعارف بڑے ہی بھونڈے انداز میں کرایاہےاورخیر وہ توان کا کام ہےجس ذات نے ان کی دکانداری چوپٹ کردی ہو،ان کا کارخانۂ شرک وبدعت مقفل کررکھاہو،ان کی بولتی بندکردی ہو،ان کاجیناحرام کردیاہو،ان کی علمی لیاقت کی قلعی کھول کررکھ دی ہو،ان کے خودساختہ مذہب ومسلک کے تانے بانے بکھیر کررکھ دئے ہوں، اس کے خلاف ریشہ دوانی ،فتنہ انگیزی،غوغابازی ،کذب بیانی اورافواہ تراشی کےعلاوہ ان کے پاس مزیدکوئی کام بچاہی کب تھا۔

اصحاب علم ارباب دانش مدیراخبارکی درج ذیل تحریر سے مدیر اہلیت ،حیثیت ،قابلیت اوراوقات کااندازہ لگاسکتے ہیں۔لکھتے ہیں:

''ہمارے ناظرین ان مولوی صاحب کوجانتے ہوں گے جونہ جانتے ہوں انہیں اتنی خبرتو ہوگی کہ ندوہ کے مقابلہ میں ایک جدوہ ہوا کرتاہے جن کافتوی ہے کہ ندوہ میں شریک ہونے والے کافرہیں۔اس جدوہ کے بانی مبانی یہی حضرت ہیں آپ کے نزدیک مسلمان وہ ہے جوآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوعالم الغیب جانے وغیرہ پس یہ ہےان حضرت کامختصرساتعارف''

[اخباراہل حدیث]

مدیراخباراپنی بات کوباوزن کرنے کے لیے اپنے معتقد ومرید مولوی عبدالرحمٰن گیلان ضلع مونگیر،کاایک خط نقل کرتے ہیں۔ خط کیاہےجھوٹ اورمکروفریب کی زندہ تصویرہے۔ملاحظہ ہو:

''بخدمت شریف محی السنہ قامع البدعۃ جناب مولانامولوی ابوالوفامحمدثناءاللہ صاحب۔

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته.

ملتمس ہوں کہ آپ مہربانی فرماکراس خبرکوجسے میں اب لکھتا ہوں اپنے پرچہ میں جگہ دیں۔وہ خبر یہ ہے کہ مولوی عبدالغفور صاحب لکھتے ہیں کہ مکہ معظّمہ سے چلتے وقت ایک واقعہ ہوا کہ احمدرضاخاں بریلوی نے مفتی کمال کوجو اب معزول ہیں بلایااورعبدالقادرشیبی کواپنے ساتھ متفق کرکے شریف مکہ کے یہاں یہ استغاثہ پیش کرایاکہ مولوی خلیل احمدسہارنپوری جنہوں نے رسالہ براہین قاطعہ بجواب براہین ساطعہ لکھاہے۔اللہ تعالیٰ کوجھوٹاہونایعنی امکان کذب فعلی اورمدینہ جانے کوحرام اوردرودپڑھنےکوناجائزکہتاہے۔شریف نے یہ کہہ کرٹال دیاکہ جومسلمان ہوگااس کاہرگزعقیدہ ایسانہ ہوگا۔اتفاق سےملاشعیب

مغربی مانکی شریف کے ہاں موجود تھے انہوں نے کہا کہ اگر بیان مستغیث سچ ہے تو قائل کے کلام کا مطلب فلاں فلاں ہوسکتا ہے مولوی خلیل احمد کو ملاشعیب سے نہ دید ہے نہ شنید ے مگر یہ تائید غیبی ہوگئی۔

اسی اثنا میں ایک خط ہندوستان سے اس وقت بذریعہ شیبی بنام شاہ محمد معصوم صاحب آیا جب کہ شاہ صاحب شیبی کے پاس بیٹھے تھے شیبی نے کہا یہ خط کیسا ہے شاہ صاحب نے کہا کہ اس کا مضمون یہ ہے۔احمد رضا گیا ہوا ہے اس شیوہ بزرگان دین واکابر اسلام کو برا کہنے اور کافر بنانے کا ہے۔وہ مولوی رشید احمد گنگوہی ،اور مولوی محمد قاسم صاحب مغفور نانوتوی حتی کہ مولوی اسماعیل شہید اور شاہ ولی اللہ کو کافر کہتا ہے۔اس خط کو سن کر شیبی نے شریف کے یہاں پیش کیا اس میں یہ بھی تھا کہ جو شخص رسول اللہ کو مثل باری تعالیٰ کے عالم الغیب عالم الکلیات والجزئیات ما کان وما یکون نہیں کہتا ہے اس کو بھی کافر کہتا ہے۔ لہٰذا شریف نے احمد رضا کو طلب کر کے کہا کہ تم شاہ ولی اللہ کی تکفیر ثابت کرو۔دکھانے تک نظر بند رہو،کہیں جانے نہ پاؤ گے۔

مولوی خلیل احمد نے اپنا رسالہ مفتی کو دیا اور کہا کہ اس کا ترجمہ کسی شخص معتمد سے کرا کے غور کریں۔چنانچہ انہوں نے اس کام کے لیے مولوی کوثر علی کو تجویز کیا۔مولوی خلیل احمد یہاں مدینہ میں موجود ہیں۔روز چہار شنبہ ان کی ملاقات کو گئے وہ ابن ماجہ تین چار عرب کو پڑھا رہے تھے انہوں نے کہا کہ واقعہ صحیح ہے کہ ہمارے آنے کے بعد دو قافلے مکہ سے آ چکے ہیں مگر احمد رضا خاں ہنوز نہیں آیا۔اس زمانہ میں ایک شیوہ ہو گیا ہیکہ جب کوئی اہل حق مکہ آتا ہے تو خواہ مخواہ اس کو ایذا پہنچانے میں ہمارے حنفی بھائی مکہ تک تعاقب کرتے ہیں **اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون. انتھیٰ بلفظه.** اس کے بعد مولوی صاحب نے ایک خط ....سے روز جمعہ ۲۶؍صفر کو لکھا جس میں واقعہ مذکورہ کے متعلق یہ ہے کہ مکہ معظّمہ سے آتے ہوئے لوگوں سے جو جدہ سے آگبوٹ پر ہمراہ ہوئے معلوم ہوا کہ شریف مکہ نے احمد رضا خاں سے دربارہ سمیع ہونے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب طلب کیا۔انہوں نے دلائل لکھ کر جو دئے ہیں شریف صاحب کے بکس میں بند ہیں۔ملاشعیب مغربی مانکی سے شریف نے تردید پوچھی تو ملانے ۴۰؍حدیثیں وچند آیات قرآنی جو یاد تھیں شریف کے سامنے پڑھیں۔حرمین شریفین میں ایسے عقیدہ پر نفریں کرتے ہیں حتی کہ بدو لوگوں نے جو سنا استغفر اللہ پڑھا۔ع

مجھے الزام دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

مولوی خلیل احمد صاحب سہارنپوری ہماری واپسی کے بعد ایک ہفتہ اور مدینہ طیبہ میں ٹھہر کر ینبوع میں پہنچ گئے تھے۔دوسرے آگبوٹ میں آتے ہوں گے احمد رضا خاں جو ان کے پھنسانے کو گیا تھا خود ہنوز مکہ معظّمہ میں پھنسا ہوا ہے۔

(مولوی عبدالرحمٰن از گیلان ضلع مونگیر)''

[اخبار اہل حدیث امرت سر، ۱۸/مئی ۱۹۰۶ء ۲۳/ربیع الاول ۱۳۲۴ھ، ص ۷، ۸]

قارئین خط ملاحظہ کریں کس طرح کذب بیانی اور دروغ بافی سے کام لیا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی کتابیں پڑھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ جو عقائد ونظریات جس انداز میں خط میں نقل کئے گئے ہرگز ہرگز اہل سنت کے نہیں ۔اور نا کہیں اعلیٰ حضرت نے یہ لکھا ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب وسماعت نبوی پر جس قدر تحریریں اعلیٰ حضرت کی منصۂ شہود پر آئیں لاکھ بار پڑھ لی جائیں کہیں بھی علم نبوی یا کسی اور صفت نبوی کا صفات باری سے موازنہ قیامت تک نہیں ملے گا۔ جس نے تاحیات اس عقیدہ کی ترویج کی ہو کہ

خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

وہ بھلا صفات نبوی کو صفات باری کے برابر کیسے کہہ سکتا ہے۔ جس نے اپنی تحریروں سے یہ باور کرایا ہو کہ ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اللہ پاک نے اپنے فضل سے علم غیب عطا فرمایا ہے۔ جو عطائی کو ذاتی بتا کر الزام تراشی کرسکتے ہیں وہ کیا نہیں کرسکتے۔ ان سے پوچھا جائے کہ اگر اعلیٰ حضرت کا مکہ سے جانا اور نظر بند سے رہائی پانا اپنا مدعا ثابت کرنے پر ٹھہرا ہوا تھا تو کیا وجہ بنی کہ اعلیٰ حضرت ہندوستان واپس آئے؟ آیا اپنا مدعا ثابت کیا تب آئے؟ یا ثابت نہیں کیا بغیر ثابت کئے آ گئے؟ دوسری صورت میں آنے کی کیا سبیل رہی؟ شریف حسین نے بغیر ثبوت دئے کیوں رہا کرایا؟ بہت سے سارے سوالات ہیں جن کے جوابات وہابیہ دیابنہ تا قیامت نہیں دے سکتے۔

خیر اس پر مزید بحث ہم آگے کریں گے فی الحال ایک خط اور ہم نقل کرتے ہیں جو اس خط کے فورا بعد اخبار اہل حدیث میں نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

جناب ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم

عاجز مع الخیر والعافیت ۶/مئی ۱۹۰۶ء روز یکشنبہ کو سفر حج سے غربت کدہ پہنچا ہے بعض وقائع صادقہ مکہ معظّمہ کو درج اخبار کے لیے تحریر کرتا ہوں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے مفتی کمال مکی سے (جواب عہدہ افتاء سے معزول ہیں) ربط حاصل کر کے بوساطت ان کی جناب شریف حسین صاحب کے یہاں اطلاع کی کہ خلیل احمد سہارنپوری جناب باری عزاسمہ کی کذب فعلی کا قائل ہے۔ اور عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولا کرتا ہے ۔شریف صاحب نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہماری دانستہ مسلمان خصوصاً جو حج کرنے کو آیا ہو ہرگز ایسا عقیدہ نہیں رکھتا ہوگا۔ اتفاقاً اس مجلس میں مولانا محمد شعیب صاحب مغربی مانکی جو امام وخطیب حرم محترم ہیں۔ موجود تھے ۔اگر چہ وہ مولوی خلیل احمد کو جانتے بھی نہ تھے مگر بہ تائید مولوی صاحب کے شریف صاحب سے کہا کہ اگر

بالفرض کوئی قائل بھی ہوتو اس کا مطلب اور اس کی غرض کذا و کذا ہوگی۔

الغرض شریف صاحب نے خبر رساں وتہمت دہندہ معاند کاذب سمجھا۔اور جھوٹے اتہام کی طرف توجہ نہ کی۔بے چارے مولوی خلیل احمد کو قبل سے کوئی خبر نہ تھی جب خبر ہوئی تب مفتی کمال کے یہاں جا کر اپنی براءت کے لیے اپنا رسالہ براہین قاطعہ پیش کیا۔چوں کہ وہ رسالہ اردو زبان میں تھا مفتی صاحب نے مولوی کوثر علی صاحب سے جو ان کے نزدیک معتمد اور زبان عربی و اردو کے ماہر تھے تمامی مضمون رسالہ کو لفظ بلفظ سن کر و سمجھ کر خاموش ہو رہے اور مولوی صاحب سے معافی چاہی۔اور اخیر ذی الحجہ میں مولوی خلیل احمد روانہ مدینہ طیبہ ہوئے اور پچیس روز وہاں قیام رکھ کر روانہ وطن براہ ینبع ہوگئے۔بعد چند روز کے اتفاقاً جناب شاہ محمد معصوم صاحب مجددی حنفی سید عبدالقادر شیبی کے یہاں بیٹھے تھے کہ ایک خط ہندوستان سے بنام شاہ صاحب موصوف بذریعہ شیبی صاحب کے پہنچا شیبی صاحب نے پوچھا کہ یہ کیسا خط ہے شاہ صاحب نے کہا کہ اس میں چند مسائل اعتقادیات کے درج ہیں۔ازانجملہ یہ ہے کہ احمد رضا خاں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سمیع ہونے کا قائل ہے۔اور وہ اعتقاد راسخ رکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دور اور نزدیک سے یکساں سنا کرتے ہیں شیبی صاحب کو اس عقیدہ پر بہت تعجب ہوا اور اس خط کو شریف صاحب کے یہاں پیش کر دیا۔

شریف صاحب نے مولانا محمد شعیب سے اس عقیدہ کی تحقیق کی۔آپ نے اس عقیدہ کی بطلان میں چالیس دلیلیں فی البدیہ زبانی پیش کیں۔شریف صاحب نے سنتے ہیں احمد رضا خاں کو باضابطہ طلب کر کے اولاً اس عقیدہ جدیدہ کی تصدیق کرائی۔بعدہٗ اس کی دلیل پوچھی اور اس عقیدہ کی اصل اور اس کا ثبوت طلب کیا۔جب خان صاحب بروقت دلیل وثبوت دینے سے مجبور ہوئے تو نظر بند کر یہ حکم نافذ کیا کہ تا پیش کرنے دلیل اور دکھلانے ثبوت اپنے عقیدہ کے خان صاحب نظر بند رہیں اور مکہ معظّمہ سے باہر جانے نہ پائیں۔اس عقیدہ جدیدہ کو جب اہل عرب حتی کہ بدو لوگوں نے سنا تو سبھوں نے نفریں کیا اور کر رہے ہیں از آنجا کہ راقم ۱۶/اپریل کو جدہ ہو کر غریب خانہ چلا آیا۔مابعد کی مجھ کو خبر نہیں کہ آیا خان صاحب نے دلائل پیش کیں یا نہ۔والسلام۔راقم زیادت حسین بہاری تازہ وارد از عربستان۔''[مرجع سابق،ص۸]

قارئین! اس خط میں بھی وہی کچھ ہے جو پہلے خط میں تھا۔مفہوم بھی ایک سا اور الفاظ بھی اکثر مقامات پر ایک سے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ ایک منظّم سازش کے تحت لکھے گئے خط ہیں۔خط میں لکھا گیا ہے کہ مولوی خلیل صاحب کے حوالے سے جب بتایا گیا تو شریف حسین نے یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا کہ ایک مسلمان اور حج پر آنے والا یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا مگر جب اعلیٰ

حضرت کی بات آئی اور ان کے تعلق سے عقیدے بیان کئے گئے تو باضابطہ طلبی ہوئی ۔کیا وہابیہ ہند بتا سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔شریف حسین نے پہلے والا جواب یہاں کیوں نہیں دیا اور فوراردعمل ظاہر کیوں کیا؟ کیا شریف حسین مولوی خلیل کے رشتہ دار تھے؟ اعلیٰ حضرت کے دشمن تھے؟ بات ایک جیسی تو ردعمل ایک جیسا کیوں نہیں؟ ان سارے سوالات کے جوابات میں پوری زندگی گزر جائے گی مگر وہابیہ جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ دراصل ایسا کچھ ہوا ہی نہیں تھا جو ہوا تھا اس کی تفصیل ان شاءاللہ ہم آگے پیش کریں گے۔

ہم بس یہاں اس قدر عرض کردیں کہ یہ سب اعلیٰ حضرت کو بدنام کرنے، ان کی عظمت وشان کم کرنے، ان کی جلالت علمی کو مطعون کرنے، اور ہتک عزت جیسی گھنونی کوشش کے نتیجہ میں ہو رہا تھا۔ مگر شاید انہیں یہ نہیں پتا تھا کہ ؎

مہ نور می فشاند و سگ بانگ میز ند
مہ را چہ جرم خاصیت سگ ہمیں بود

اخبار اہل حدیث امرت سر، اخبار النجم لکھنؤ وغیرہ اخبارات وہابیہ ہند کے مطابق اعلیٰ حضرت کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس لیے مکہ معظّمہ میں دیر لگ گئی ۔اس طرح کی ساری افواہوں کا دنداں شکن جواب دیتے ہوئے اور حقیقت واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مدیر ماہنامہ تحفہ حنفیہ پٹنہ، مولانا ضیاء الدین صاحب پیلی بھیتی رقم طراز ہیں۔

''ایک صاحب نے اپنا معائنہ یہ بیان کیا کہ اخبار النجم لکھنؤ رقم طراز ہے کہ مولوی احمد رضا خان صاحب سے مکۂ معظّمہ میں درباب علم غیب باز پرس ہوئی اور ان سے کچھ بات بنائے نہ بنی۔ انتہی ۔علی ھذا اخبار اہل حدیث امرتسر وغیرہ میں بھی اسی قسم کے مضمون سے کاغذ سیاہ کیا گیا۔ ہم کو جیسے ہی یہ خبریں دریافت ہوئیں بلا پس وپیش سمجھ میں آ گیا کہ ان کی بناء محض نفسیات پر ہے۔ جو کچھ اخباروں میں درج ہوا وہ خلاف واقع بلکہ عکس لکھا گیا۔حسن کو قبح، خوبی کو برائی بنانے میں تو کوئی بات اٹھا نہیں رکھی مگر بنائے نہ بن پڑی۔ واقعات ایسے لکھے ہیں کہ وہ خود اپنے لکھنے والوں کو کی تکذیب کررہے ہیں۔ اور ان کی خلاف ورزی کا پورا یقین دلا رہے ہیں۔ چوں کہ یہ بات ان کی تحریروں سے بلا تامل سمجھ میں آتی تھیں۔ لہٰذا ہم چپ سادھے بیٹھے تھے۔ اور اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ؎

چو کاری بے فضول من بر آید
مراد روی سخن گفتن نشاید

کیا کہیں بعض صاحبوں نے تحریر پر آمادہ کر ہی دیا اور فرمایا کہ طبیعتیں یکساں نہیں۔ ہر شخص کے خیالات جدا، حالات علاحدہ مصلحت اسی میں ہے کہ احقاق حق وابطال باطل کیا جائے اور احوال واقعی کو رنگ تحریر دیا جائے۔ بنابراں بطور اختصار حالات اصلی کا اظہار کرتا ہوں۔ مفصل کیفیت ان شاءاللہ تعالیٰ چند روز کے بعد شائع کی جائے گی۔

ڈبلو صاحب کی تحریر جس امر کو ظاہر کر رہی ہے اس کے سمجھنے میں زیادہ غور کی حاجت نہیں تاہم ایں جانب کا خامۂ پرزور ازالۂ حجاب اور مقصود دلی وخواہش قلبی کو واشگاف و بے حجاب کیے دیتا ہے۔ ڈبلو صاحب نے ہوشیاری تو بہت کی کہ امر خلاف واقع کو جامۂ سوال سے چھپایا واقع میں اگر ایسی نہ سوجھتی تو قانون ازالۂ حیثیت عرفی نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچا دیتا۔

ڈبلو صاحب نے گرفتاری کی جو وجہ بیان کی اولاً لفظ تاخیر اس محل پر ان کی قابلیت کی نہایت توقیر اور لیاقت کی تشہیر کر رہا ہے۔ اور سادگی و بزرگی کی تصویر کھینچ کر صاف دکھا رہا ہے۔ اگر آپ کا تاخیر علما سے یہ مراد ہے کہ اپنے زمانے کے علما کو بسبب ازدیاد علم وفضل کے پیچھے چھوڑ دینے اور اس مرتبۂ عظمیٰ ومنصب اعلیٰ میں سب سے بڑھ جانے اور سب پر گویا سبقت لے جانے کی وجہ سے گرفتار ہوئے تو اس میں ان پر کون سا جرم عائد ہوا۔

ذالک فضل اللّٰہ یئوتیه من یشاء و اللّٰہ واسع علیم و یختص برحمة من یشاء و هوالعزیز الحکیم.

یہ وجہ گرفتاری اگر ہوگی تو محکمۂ مجانین میں ہوگی۔ آپ تو ماشاء اللہ عاقل وفہیم ہیں اور جس کو تھوڑی بھی عقل وفہم ہوگی وہ اس کو مزید تعظیم وتکریم کی وجہ قرار دے گا اور حقیقت میں وہاں یہی امر پیش آیا۔ سچ فرمائیے کہ آپ ہی کے قول سے امر حق مثل نہار آشکار ہوا یا نہیں۔

ثانیاً اگر تاخیر کو غلط بتائیے اور اس کی جگہ تکفیر بنائیے جیسا کہ آپ کی تحریر کا منشا اور طبیعت کا مقتضا ہے تو یہ بھی وجہ گرفتاری نہیں کہ سلف سے لے کر آج تک علمائے ربانیین و مفتیان دین متین کا یہی دستور کہ جو کوئی از روئے قانون شریعت مطہرہ وبحکم سنت سنیہ قابل تکفیر ہوا اس کی تکفیر فرمائی اور ارشاد دین کی بجا آوری میں ذرا بھی کوتاہی کو راہ نہ دی۔ خود علمائے حرمین طیبین جو لائق تکفیر ہوتا ہے اس کی تکفیر فرمایا کرتے۔ فرمان شرع اقدس کے آگے مخالفین ومتعصبین کی بیہودہ صداؤں پر کان نہیں دھرتے ہیں جب خود ان کا یہ عمل ہے تو اس فعل کی وجہ سے دوسرے علما کو کیوں گرفتار کرنے لگے۔ اس کو بھی سوائے مخبوط الحواس کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔

اس صورت میں اگر آپ کا یہ مقصود مردود ومطلوب معیوب ہوا اور ضرور ہوگا جیسا کہ بدمذہبوں بے ایمانوں کا خیال خام ہے کہ خواہ نخواہ علما کو کافر بنانے اور زبردستی ان پر حکم تکفیر لگانے کی وجہ سے مورد عتاب ہوئے تو یہ بھی پا در ہوا اور بالکل بے جا ہے۔ دشمنانِ دین وایمان کی رٹ اور اہل طغیان وبطلان کی گپ اور بیخ کنانِ اسلام کا جیتا اتہام ہے۔ اہل حق وانصاف بخوبی جانتے ہیں کہ دربارۂ تکفیر فی زماننا ایسا محتاط آدمی معدوم۔ منجملہ تصنیفات کثیرۂ آں علامہ کے صرف رسالۂ **الکوبة الشهابیه** اور **سل السیوف الهندیه** ہی کو دیکھا جائے۔ کہ مولوی اسماعیل دہلوی پر اسی کے اقوال کفریہ شائع شدہ سے متعدد کفریات کو بدلائل قاطعہ بیان فرمایا اور بیسیوں وجہ سے اس پر

لزومِ کفر کو براہینِ قاہرہ ثابت کر دکھایا مگر اللہ اکبر یہ احتیاط کہ کافر نہ فرمایا۔

البتہ جس کے اقوال میں کوئی ضعیف وجہ بھی اسلام کی نہ نکلی بدرجۂ ناچاری اس پر حکمِ کفر لگایا اور محتاط علما کو فضلا کا ساتھ دیا۔ ہاں اصول نیاچرہ وندویہ کے موافق کفار کو اپنا دینی بھائی نہ بنایا۔ منکران ضروریات دین کو دائرۂ اسلام میں داخل نہ فرمایا۔ امکان کذبِ باری تعالیٰ گڑھنے والوں، امکان نظیر ماننے والوں سے رشتۂ اُخوت دینی قائم نہ کیا۔ آپ کے اصول دینی وخیال واہی کی رو سے بے شک اس جرم شدید کے مرتکب ہوئے۔ جناب من اگر آپ کی شریعت باطلہ وملت مردودہ وہاں جاری ہوتی تو وہ اس جرم کا مواخذہ کرتی۔ وہاں تو بلا شبہ دین باطل والوں کی حقیقت ظاہر ہونے پر اس طور خدمت کی جاتی ہے کہ وہیں کے تبرک ہوجاتے ہیں اگر کسی وجہ سے تبرک نہ ہوئے تو اُس خدمت واجبی کا مزہ عمر بھر یاد رہتا ہے۔ چنانچہ آپ کی ملت والوں سے بعض چشیدہ بھی ہیں۔ خیر اس کو آپ جانیں اور آپ کے ہم مشرب۔ مَیں اس میں طول دینا نہیں چاہتا۔ آپ کے حال زار پر رحم کر کے چھوڑ دیتا ہوں۔ سنیے میں نے جو اُس فاضلِ اجل کی مزید احتیاط حکم کفر لگانے میں بیان کی ہے اگر آپ کو اس میں ذرا بھی تردد ہو تو وہ دونوں رسائل مذکورۂ مطبوعہ ملاحظہ فرمالیجیے۔

یہ تو جو کچھ ہوا وہ اس سے بڑھ کر آپ کی راست گوئی و نیک خوئی کا یہ علاج ہے کہ چند سال ہوئے اُس چودھویں صدی کے مجدد نے ایک فتاویٰ تحریر فرمایا جس میں ندوۃ العلماء کا ہو بہو نقشہ اتارا اس کی کارروائیوں کا سچا فوٹو لیا اس کے اقوال کو اسی کی مطبوعہ رودادوں و دیگر مضمونوں سے مع نام کتاب ونشان صفحہ نقل فرما کر ملت قاہرہ کی کسوٹی پر کسا۔ شریعت مطہرہ نے جو کچھ ان پر حکم لگایا اس کو لباس تحریر پہنا کر حرمین شریفین کے علمائے کرام و مفتیان عظام کے ملاحظہ میں پیش کیا۔ اُن بزرگان ملت و پیشوایان شریعت نے علاوہ تصدیق وتصحیح جوابات مسطورۂ آں مفتی عالی صفات کے بے شمار مدائح ومناقب مجیب لبیب مدظلہ تحریر فرمائے۔ اور جلالت وتبحر علمی میں ایسی ایسی پرزور عبارتیں لکھیں اور وہ وہ دعائیں دیں اور القاب جلیلہ مرحمت فرمائے کہ جن کا تعلق دیکھنے سے ہے۔ یہ کرامت وشرافتِ بے نہایت آج تک کسی عالم وفاضل کے لیے معرض ظہور میں نہ آئی۔ چوں کہ اُن بزرگان دین و مقتدایان مسلمین نے اس قدر انکشاف حالات واقعۂ حضرت مجیب فرمایا اور تصدیق جوابات میں تحقیقات کو بڑھایا کہ اصل عبارتِ جوابات سے اُن کی عبارت نے طول پایا لہٰذا ان فتاویٰ کا نام نامی واسم تاریخی **فتاویٰ الحرمین بر جف ندوة المین** (۱۳۱۷ھ) میدان ظہور میں آیا۔ سنیے تو سہی ان فتاویٰ میں حضرت مجیب نے کون سی بات اٹھا رکھی۔ جنہوں نے احاطۂ شرعیہ سے خروج کیا اُن کو کافر قرار دیا اور جنہوں نے اپنی ٹنگڑی لگی رکھی اُن کو ضال مضل وغیرہ ثابت فرمایا۔

اگر علمائے حرمین مکرمین کے نزدیک اس پیشوائے اسلام و مسلمین

کی یہ بات قابل مواخذہ ہوتی تو وہ خود کیوں اسی جرم کے مرتکب ہوتے اور اِن فتاویٰ کی تصحیح میں کیوں بے ساختہ اپنے اپنے دستخط اور مہریں فرماتے اور حضرت مجیب کی لمبی چوڑی تعریفیں لکھتے۔ پس صبح صادق کی طرح روشن ہوگیا کہ آپ کا خیال کسی طور صحیح نہیں جو کچھ آپ نے لکھ کر پیسہ اخبار کا کالم کالا کیا وہ سراپا آپ کی ذاتی و دینی خوبی وصدق گوئی کا سراپا کھینچ رہا ہے ع

مزن بے تامل بگفتار دم

☆

جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی

پا پوش میں لگائی کرن آفتاب کی

بد مذہبی و بے دینی کا برا ہو کہ وہ انسان کو کسی کام کا نہیں رکھتی۔ عقل وفہم سے خالی۔ حیا سے معرا۔ عزت وکرامت سے برطرف کر دیتی ہے۔ نشانۂ تیرِ ملامت بناتی۔ جامۂ رسوائی وذلت پہناتی ہے۔ جہاں کسی نے مذہب کو چھوڑا صراط مستقیم سے منہ موڑا پھر انسانیت سے بھی سروکار نہ رکھا۔ بے تکی ہانکنے بے پر کی اُڑانے میں نہ کچھ شرم نہ ڈر۔

دروغ گوئی خلاف ورزی میں نہ کسی کا خوف نہ خطر۔ جو منہ میں آیا وہ کہہ ڈالا۔ جو دل میں ہوا وہ لکھ مارا۔ ؎

بنطق آدمی بہتر ست از دواب

دواب از تو بہ گر نہ گوئے صواب

ایسا ہی النجم والے صاحب کا بھی صریح اتہام اور بے سر پیر کا کلام ہے کہ جس کی داد سوائے مدہوشوں اور عقل وفہم کے دشمنوں کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب الہ آبادی مہاجر مکۂ مکرمہ نے تو وہیں مکۂ معظّمہ میں بیٹھ کر عالم ما کان و ما یکون علیہ الصلاۃ والسلام کے علم غیب کے متعلق ایک رسالہ کا رسالہ تحریر فرمایا جو چھپ کر علاوہ عرب کے ہندوستان میں بھی شائع ہوا اُن سے تو کچھ مواخذہ نہ کیا گیا اور حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب متع اللہ المومنین بطول حیاتہ و اعزالاسلام والمسلمین بدوام فیوضہ و برکاتہ سے گرفت کی گئی ماشاء اللہ آپ کی سادگی اور حق گوئی قابل مدح و آفرین ولائق قدر وتحسین ہے۔ ایسی بے پر کی اُڑانا آپ ہی کا کام ہے۔ مدک خانے کی گپ سے کسی طرح کم نہیں۔ واہ واہ سبحان اللہ کیا کہنا چہ خوش گفت ست سعدی در وزلیخا۔ الا یا ایہا الساقی ادھر بھی جام دیتا جا۔

حضرات ہم نے ڈبلو صاحب کی تحریر کی صداقت کسی قدر تفصیل سے بیان کردی ہے اسی پر اخبار النجم و اخبار اہل حدیث وغیرہ کی بھی حق گوئی کا اندازہ کر لیجیے آپ ایسی بے سر پیر کی پائیں گے کہ بے ساختہ قہقہہ لگائیں گے۔ ؎

فرض ہے ایسی ابلہی سے خدر

عیب کرنے کو چاہیے ہے ہنر

صاف بے پر کی جو اُڑاتا ہے

اس سے احمق نہیں کوئی بڑھ کر

روز روشن کو رات کردینا
ہے دلیلِ قوی خُرافت پر

جن بزرگوں نے اس بارے میں کاغذ سیاہ کر کے اپنی لیاقت و حقیقت کی شہرت دی۔ ان کی ذاتی خوبیوں کے علاوہ دینی حالت تو حضرات ناظرین کو دریافت ہوگئی ہوگی۔ یا پہلے سے معلوم ہوگی اور یہ بات بھی طشت از بام ہے کہ فی زمانہ احیاے سنت و اماتت کفر و بدعت میں حضرت فاضلِ بریلوی مدظلہ العالی وقف ہورہے ہیں۔ آپ جیسا ناصر و حامی دین متین آجکل کوئی دوسرا نظر نہیں آتا جتنے اہل باطل ہیں وہ سب کے سب اسی وجہ سے آپ کے سخت مخالف ہیں اپنے بخارات نکالنے کے لیے موقع کے منتظر رہتے ہیں۔ مگر بحمد للہ تعالیٰ آج تک ان کی دال نہیں گلی۔ صرف دو ایک مرتبہ ولولۂ طبیعت دکھایا تو وہ خود انہیں کے گلے کا ہار بن گیا۔ اس سے پیچھا چھڑانا مشکل پڑ گیا۔ نہایت ذلیل و خوار ہوئے۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ بالفعل کچھ نہ سوجھی تو یہی بے تکی اُڑائی۔ ”**یریدون لیطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم و اللّٰہ متم نورہ و لو کرہ الکافرون**“ ۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آں کس تف زند ریشش بسوزد

حرمین طیبین کے علما و فضلا نے حضرت فاضل بریلوی مدظلہ العالی کی جس قدر وہم و خیال سے باہر تعظیم و تکریم فرمائی اور جو جو واقعات عجیبہ پیش آئے اور برکات حاصل ہوئے ان کا اظہار ان شاء اللہ تعالیٰ آیندہ کیا جائے گا۔

اے بیخ کنان اسلام! کیوں گھبراتے ہو۔ اس شہسوارِ میدان احیاے سنت غضنفر بیابان اماتت کفر و بدعت نے بعافیت و صحت بتاریخ ۹؍ جمادی الاولی بمبئ کو رونق افروز فرمایا۔ اہل بمبئ تین ماہ پہلے سے آپ کی تشریف آوری کی خوشیاں منا رہے اور طرح طرح کے سامانِ فرح و سرور و تکلفات فرما رہے تھے۔ چناں چہ نہایت اہتمام سے ایک مکانِ عظیم الشان بکرایہ لیا اور اس کو خوب آراستہ و پیراستہ کر کے رکھا صرف تشریف لے جانے اور تشریف لانے کے وقت وہ وہ مراسم تعظیم و آئینِ تکریم بجالائے کہ اگر انہیں کو تفصیل سے لکھا جائے تو واقعی ایک مستقل تحریر ہو جائے۔ اس کو بھی آیندہ پر چھوڑا جاتا ہے۔ ؎

اب تو جاتے ہیں مے کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

ابوالمساکین ضیاء الدین مہتمم تحفۂ حنفیہ پٹنہ بخشی محلّہ۔

۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ۔

[تحفہ حنفیہ، جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ ص ۳۷ تا ۴۴]‘‘

قارئین! مولانا ضیاء الدین صاحب مدیر تحفہ کی تفصیلی تحریر سے وہابیہ ہند کی دروغ گوئی، کذب بیانی، الزام تراشی، اتہام بازی، کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ جاء الحق وزھق الباطل کے بموجب حق و باطل کا فرق واضح ہوگیا۔ مولانا ضیاء الدین صاحب نے اس تحریر کے ایک ماہ بعد رجب المرجب

میں وہابیہ کی جھوٹی، متناقض خبروں کی تردید اوران کی افواہوں کا مسکت جواب دیتے ہوئے ایک طویل تحریر تحفہ حنفیہ پٹنہ میں شائع کی جسے ہم من وعن نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''مہ نور می فشاند و سگ بانگ میزند

مہ را چہ جرم خاصیت سگ ہمیں بود

حضرت عالم اہل سنت عالی جناب مولانا مولوی حاجی احمد رضا خان صاحب مدظلہم الاقدس کے سفر حجاز کے ہر مخالفین نے میدان خالی پاکر اخباروں اشتہاروں کے ذریعے سے جو گنوردند مچایا اوراس صدائے بے ہنگام پر اہل سنت کثرہم اللہ تعالیٰ نے جیسا جیسا ضبط وصبر فرمایا اس سے کون واقف نہیں۔ رات دن بے اصل بے بنیاد اور طرفہ یہ کہ متناقض خبریں شائع ہوتی رہیں سفر دریا کے زمانے میں جہاز کے ڈوب جانے کی وحشت ناک خبر اڑائی گئی۔ جب اعلیٰ حضرت مدظلہ کا مکہ معظمہ پہنچ جانا معلوم ہوگیا تو یہ رنگ بدل کر دوسرا پہلو اختیار کیا کہ وہاں مسئلہ علم غیب اور حضور پرنور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سمیع کہنے پر شریف صاحب نے جواب طلب کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ جب تک جواب نہ دیں یا توبہ نہ کریں زیر حراست رکھے جائیں۔

دوسرے صاحب کہتے ہیں مولوی رشید احمد ومولوی اسماعیل وجناب شاہ ولی اللہ صاحب کو کافر کہنے کا استغاثہ شریف سے ہوا۔ شریف صاحب نے شاہ ولی اللہ صاحب کی تکفیر کی وجہ پوچھی ہے گویا اسماعیل دہلوی وغیرہ خود حضرت شریف صاحب کے نزدیک کافر تھے۔

لہٰذا انھیں ایک کی وجہ دریافت کی حالاں کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کا تو مرتبہ ارفع واعلیٰ ہے حضرت عالم اہل سنت مدظلہ نے باآنکہ طرح طرح سے بوجوہ کثیرہ بقول فقہائے کرام اسماعیل دہلوی پر لزوم کفر قاہر دلیلوں سے ثابت فرمایا جن کا جواب آج تک کسی وہابی صاحب سے نہ ہوسکا۔ باایں ہمہ یہی تصریح فرمائی کہ ہم احتیاط کرتے ہیں کافر نہ کہیں گے۔ دیکھو رسالہ ''سبحن السبوح ''جس کو طبع ہوئے ۱۵؍سال گزرے اور رسالہ'' سل السیوف ''اور رسالہ ''الکوکبۃ الشہابیہ ''جن کے طبع کو آٹھ نو سال ہوئے۔ خیر جب ان مفتری حضرات کو مدینہ منورہ کی حاضری تحقیق ہوئی پھر نہ وہ حراست رہی اور نہ جواب وتوبہ کی ضرورت۔ ایک ہندی کی سفارش پر نجات ملنے کا اظہار فرمایا کہ شریف صاحب کو بھی کورانہ چھوڑا گیا دو حال سے خالی نہیں یا تو معاذ اللہ علم غیب ماننے والے شریعت مطہرہ کے خلاف فتنہ انگیزیوں کے ہادی تھے یا ان کے مخالف شر بپا کرنے اور ہندوستان بھر کے طبائع کو اشتعال دینے والے کذب وافترا کے عادی۔

اگر پہلی صورت تسلیم کی جائے تو شریف صاحب نے ایسے عظیم دینی معاملے میں ایک ہندی کی سفارش پر توجہ پاکر اپنی ذات کو پچھلے دن کے لیے سخت مواخذے میں ڈال دیا تو کسی ادنیٰ درجے کے آدمی کا کام بھی نہیں ہوسکتا۔

اب نہ رہا مگر دوسرا پہلو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ حقانی علما ربانی کملا اپنے مخالفین کی طرف سے ہمیشہ ایسے ہی انعام پایا کیے ہیں بلکہ حقانی اور ربانی ہونے کے لیے اعلیٰ درجے کی شناخت یہی ہے کہ دین کے مخالف مذہب سے آزاد ایسے حضرات کو گالیوں سے یاد کریں اگر ہمارے مسلمان بھائی اس مشت نمونہ ازخروارے کو ملاحظہ کر کے اس مجہول فقرہ: ایک ہندی پر توجہ فرما کر قہری آیات'' **لعنة الله علی الکاذبین**'' کی تلاوت فرماتے تو بیجا نہ تھا مگر صبر احسن و اجمل ہے ہم اس قسم کے فضولیات وخرافات سننے کے ساتھ برابر اس کی جانچ کرتے رہے کہ ہزل کا اہل حق کے قلوب پر کیسا اثر ہوتا ہے **الحمدلله علی احسانه** ذی علم تو ذی علم ہمارے عوام بھائی بھی جس نفرت سے اس سڑے ہوئے ناپاک مادہ کو دیکھتے تھے اس کا اندازہ ہماری قوت سے باہر ہے۔

اس سفید جھوٹ کی سلسلہ جنبانی کو تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا کہ مسافران حجاز کی واپسی ہونے لگی اوران کے باوقعت مشاہدے حرم محترم مکۂ مکرمہ میں عالم اہل سنت کے اعزاز و احترام کو ظاہر کر کے مخالفین کی خباثت پر خاک ڈالنے لگے۔ ہماری عادت ہی نہیں کہ ہم معاندین کے خرافات و ہرزہ گوئی پر توجہ کریں اور ادھر حاجیوں کے بیان نے کامل اطمینان دلا دیا تھا مگر بعض بھائیوں کے اسرار سے بعض عظمائے اہل سنت نے حضرت قبلہ وکعبہ مولانا مولوی عبدالحق صاحب مہاجر الہ آبادی مدظلہ و اُبد فضلہ سے جو چھیالیس ۴۶ سال سے مکۂ معظّمہ میں بکمال زہد وقناعت وورع وعبادت وحرمت وعزت مقیم اور آج حرم محترم میں شیخ الدلائل اور بہت سے موجودین علمائے مکۂ معظّمہ کے استاذ واجب الاعتماد ہیں اور جن کو تمام اکابر حرمین طیبین اعلیٰ درجے کی عزت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں شہادت چاہا کہ اعلیٰ حضرت عالم اہل سنت و جماعت تشریف لے گئے ہیں اور مخالفین نے ایسی خبریں مشہور کر رکھی ہیں ان کے نیاز نامہ کے جواب میں حضرت موصوف کا جو محرر والا نامہ تشریف لایا ہے اور اسے اسی پرچے میں آپ ملاحظہ کر چکے۔

اور ابھی کیا ہوا ہے ان شاء اللہ العزیز بہت کچھ حالات پرچہ ہائے شعبان و رمضان المبارک میں ملاحظہ کریں گے۔ سر دست تحریر پرچۂ اہل فقہ امرتسر بغور پڑھیے جس کو اعتبار نہ ہو وہ ہمارے مہری گرامی نامہ دیکھ لے اور اس پر بھی تذبذب ہو تو خود حضرت کی خدمت والا میں مکۂ معظّمہ متصل حمیدیہ محل کے پتے سے دریافت کر لے۔ **وما علینا الاالبلاغ المبین**۔

(ضیاء الدین مہتمم تحفہ)[تحفہ حنفیہ پٹنہ،رجب،۱۳۲۴ھ ص۴۵ تا۴۷]''

ہم یہاں اہل حدیث کی مزید ریشہ دوانی اور اس پر اخبار اہل فقہ میں زبردست بخیہ دری بھی پیش کر دیں تو بحث مزید مزہ دار اور دلچسپ ہو جائے گی۔ اخبار اہل حدیث نے لکھا کہ:

''مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی مکہ شریف سے وطن میں

آ گئے ہیں لیکن آج تک خان صاحب نے مواخذۂ مکہ کی تکذیب نہیں کی اور نہ کر سکتے ہیں۔ جب تک مولوی صاحب خود تکذیب نہ کریں کسی دوسرے ایرے غیرے کی بات کا اعتبار نہیں فقط نامعلوم''

[غالباً ۱۰/ اگست ۱۹۰۶ء، بحوالہ اہل فقہ ۳۱/ اگست ۱۹۰۶ء ص ۶]

ایڈیٹر اخبار اہل حدیث کی مزخرفات وبکواس کا دنداں شکن جواب دیتے ہوئے مولانا غلام رسول مدرسہ تعلیم القرآن با تجوید القرآن متعلق صدر جامع مسجد کراچی لکھتے ہیں:

''اڈیٹر صاحب کو ان سے ذاتی خصومت ہے یا کیا واللہ اعلم کہ کس عنایت سے اڈیٹر صاحب نے اس شہسوار میدان احیائے سنت وغضنفر بیابان اماتت کفر وبدعت کی بہ عافیت وصحت وطن میں آنے کی خبر بھی تحریر کی۔ ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ قبل ازیں بھی جتنی کچھ تحریریں یا خطوط وعلی ہذا دیگر مضامین جو بہ نسبت مواخذۂ مولانا احمد رضا خان صاحب شائع ہوکر یہاں تک زیادتی کی کہ حضرت مولانا صاحب علم غیب کے متعلق نظر بند یا مقید ہیں۔ بجز تعصب اور نفسانیت کے اور کیا پایا جاتا تھا۔ جب کہ مولانا شاہ عبدالحق صاحب الہ آبادی مہاجر مکۂ مکرمہ نے تو وہیں مکۂ معظمہ میں بیٹھ کر عالم ما کان و ما یکون علیہ الصلاۃ و السلام کے متعلق ایک رسالہ کا رسالہ تحریر فرمایا جو علاوہ عرب کے ہندوستان میں بھی شائع ہوا۔ تو ان سے کچھ مواخذہ نہ کیا گیا اور مولانا احمد رضا خان صاحب سے گرفت کی گئی۔ ماشاء اللہ ایسی نا قابل ثبوت گفتار اڑانا اہل حدیث ہی کا کام ہے۔ غالباً مولانا صاحب کے نظر بند ومواخذہ کیے جانے کی خبر سن کر حضرات اہل حدیث پھولے نہیں سما سکتے ہوں گے (مگر جب کبھی نظیر حسین مولائی کا واقعہ یاد آ جاتا ہوگا تو سر بگریبان تو ضرور ہی ہوتے ہوں گے۔) لیکن جب بعافیت وصحت وطن لوٹ آنے کی خبر شنید میں آئی اور شائع کرنا پڑی تو کچھ نہ کچھ خوئے غیر مقلدیت ظاہر کرنی پڑی۔ بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے کہ مولانا صاحب نے آج تک اس خبر کی تکذیب ہی نہیں کی اور نہ کر سکتے ہیں۔ واہ رے تعصب مگر اڈیٹر صاحب نے آج تک خلاصہ واقعہ مولانا صاحب کا نہ لکھا بلکہ اس آخری لفظ میں بھی تعصب کو نہ چھوڑا باوجودیکہ دیگر اخبارات ورسائل نے بخوبی تکذیب وتردید کی مثل تحفۂ حنفیہ و معزز وطن واہل فقہ وغیرہ۔ (مثل دبدبۂ سکندری رامپور، پیسہ اخبار)

(آج غالباً آٹھ روز کا عرصہ ہوا ہے کہ مولانا الحاج القاری محمد صدیق صاحب افغانی محدث نقشبندی تشریف لائے ہوئے ہیں جن سے بالتحقیق معلوم ہوا آپ فرماتے ہیں کہ بے شک میں نے فاضل صاحب بریلوی کو بچشم خود دیکھا مکۂ معظّمہ میں اور خود بھی وہیں مدرسۂ صولتیہ مکۂ معظّمہ میں عرصۂ دو سال سے مقیم تھا اور جو کچھ پنجابی اخبارات نے شائع کیا بے شک خلاف واقع تھا۔ نہ ان سے کسی قسم کا مواخذہ ہوا نہ تنقید۔ یہ سب کچھ صریح الحاد تھا الا وہی علم غیب کے متعلق غوغا اور شریف کی باز پرس پر

فاضل بریلوی کا جواب تھا۔فقط ۱۲ منہ)

چناں چہ مولوی حکیم حافظ محمد عبدالحمید صاحب فرخ دہلوی اڈیٹر سلطان اخبار و بمبئی پنچ بہادر اپنے اخبار بمبئی پنچ بہادر زمین جو ہفتہ وار شائع ہوتا ہے مولانا صاحب فاضل بریلوی کے متعلق مضمون شائع کیا ہے وہ خود مولانا صاحب کے کلام ہی کا خلاصہ ہے جس سے ناظرین بخوبی اندازہ کرسکیں گے اصل واقعہ کیا تھا اور اخباروں کے طومار نے کیا کچھ کر دکھایا تھا خصوصاً اڈیٹر پنچ بہادر صاحب صفحہ ۴ کالم ۳ میں اول سرخی سے یہ مصرع مرقوم فرماتے ہیں ع

باطل است آنچہ مدعی گوید

مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب کے متعلق جو پنجاب کے اخبارات میں یہ افواہیں اڑی تھیں کہ علم غیب کی بدولت وہ نظر بند کیے گئے ہیں۔اس واقعہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ہم خود بے چین تھے۔اس لیے ہم مولانا صاحب ممدوح کی خدمت مین گئے باوجودیکہ ان کے خلاف پنجابی اخبارات کے حوالے سے پنچ بہادر میں بھی مضمون شائع ہو چکا تھا مگر وہ ہم سے باخلاق وکرم پیش آئے۔اس واقعہ کے متعلق انھوں نے فرمایا یہ سب دشمنوں کا افترا ہے جب میری تحریر کا جواب نہیں دے سکتے تو جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے بدخبریں اڑاتے ہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میرے رسالۂ علم غیب کے متعلق مکۂ معظمہ میں غوغا ضرور ہوا اور شریف صاحب نے باز پرس ضرور کی تھی مگر میں نے اپنی تحریر کو بخوبی ثابت کر دیا یعنی رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل ذاتی و علم غیب عارضی کو بخوبی واضح کر دیا۔

اس پر شریف صاحب وجد میں آ گئے اور غصہ کے ساتھ مخالفوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: **الله يعطى و هؤلاء يمنعون** (اللہ دیتا ہے اور یہ لوگ مانع ہوتے ہیں) اس پر مخالفین شرمندہ ہوئے اور پھر طرح طرح کے شگوفے کھلانے لگے مولوی صاحب نے وہاں بھی ایک رسالہ عجلت کے ساتھ لکھا جس میں مخالفوں کو دندان شکن جواب دیئے گئے وہ بھی شریف مکہ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اس رسالے نے مخالفوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔علم غیب کی بابت بھی ہم نے مولانا صاحب سے استفسار کیا کہ آپ جیسا عالم و فاضل خدا اور رسول کی حد امتیاز کو خاک میں ملا دے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا بات ہے انھوں نے فرمایا کہ لوگوں کی غلط فہمی ہے میں نے یہ ضرور لکھا ہے کہ ما کان وما یکون کا علم رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے مگر اس سے کب یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا علم اس سے بڑھا ہوا نہیں ہے! معترضین اندھے ہیں کم ظرف ہیں کوتہ اندیش ہیں جو کہ خدا کے علم کو ما کان وما یکون (ما کان وما یکون کے معنی ہیں جو ہوا اور ہوگا۔کون ہونا وقت کو ظاہر کرتا ہے حالاں کہ جب کچھ نہ تھا تب بھی خدا علیم کل تھا اور جب سب کچھ فنا ہو جائے گا تب بھی خدا علیم کل ہے اس کا علم ازلی وابدی ہے مولانا کی مراد یہ ہے کہ جو

لوگ کہتے ہیں کہ خدا کو ما کان و ما یکون کا علم ہے وہ خدا کے علم بسیط کو محدود کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم محدود ہے اور خدا کا عطا کیا ہوا ہے پس شرک کس طرح ہوا۔اڈیٹر) کی چار دیواریوں میں بتایا کرتے ہیں وغیرہ۔اس کی بابت آپ لوگ خود فیصلہ کرلیں کہ ما کان و ما یکون کا اجمالی فقرہ غیر محدود علم سے تعلق رکھتا ہے یا محدود علم سے۔فقط یہی پورا اور سچا واقعہ فاضل بریلوی صاحب کا اور کہاں مواخذہ کیے جانے ومقید ونظر بند کیے جانے کا نا قابلِ ثبوت طومار۔فافھم اس پر بھی اگر مخالفین مطمئن نہ ہوں تو باقی آئندہ مکرر ہے کہ اگر کسی حنفی دوست کو مولانا صاحب کے تمام سفر کے واقعے سے زیادہ دل چسپی ہو تو تحفۂ حنفیہ پٹنہ عظیم آباد محلّہ لودیکڑہ مطبوعۂ جمادی الاولیٰ ملاحظہ فرمائیں اور آئندہ پرچہ جات تحفۂ حنفیہ شعبان رمضان کا انتظار کریں ۔

عرفی تو میندیش ز غوغاے رقیبان
آواز سگاں کم نکند رزق گدارا

خادم اہل سنت والجماعۃ خاکسار ابن العلیم احقر غلام رسول عفی عنہ مدرسہ تعلیم القرآن بالتجوید القرآن متعلق صدر جامع مسجد کراچی۔

[اخبار اہل فقہ ،۳۱/اگست ۱۹۰۶ء مطابق ۱۰/رجب ۱۳۲۴ھ ص۶،۷،تحفہ حنفیہ،رجب ۱۳۲۴ھ ص ۴۷،۴۸]''

اخبار اہل حدیث میں مکہ معظّمہ کے حوالے سے دو خط نقل ہوئے جن میں کذب بیانی اور سنی سنائی باتوں کو بیان کیا گیا تھا۔علاوہ ازیں وہ خط لکھنے والے دونوں ناقل تھے اور ہندی وہابی تھے البتہ ہم یہاں مکہ معظّمہ کے معتمد ومعتبر عالم دین جو تھے تو ہندی مگر برسوں سے مکہ معظّمہ میں مقیم تھے۔اور علمائے عرب میں نمایاں حیثیت کے حامل بھی۔حضور اعلیٰ حضرت نے ان کا تعارف کچھ اس طرح پیش فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو:

''حضرت مولانا عبد الحق الہ آبادی کو چالیس سال سے زائد مکہ معظّمہ میں گذرے تھے۔کبھی شریف کے یہاں بھی تشریف نہ لے گئے۔قیام گاہِ فقیر پر دوبار تشریف لائے۔مولانا سید اسماعیل وغیرہ ان کے تلامذہ فرماتے تھے کہ یہ محض خرقِ عادت ہے۔مولانا کا دم بسا غنیمت تھا۔ ہندی تھے،مگر ان کے انوار مکہ میں چمک رہے تھے۔التزاماً ہر سال حج کرتے۔مولانا سید اسماعیل فرماتے تھے کہ ایک سال زمانہ حج میں حضرت مولانا عبد الحق صاحب بہت علیل اور صاحبِ فراش تھے۔نویں تاریخ اپنے تلامذہ سے کہا مجھے حرم شریف میں لے چلو۔کئی آدمی اٹھا کر لائے۔کعبہ معظّمہ کے سامنے بیٹھایا۔زمزم شریف منگا کر پیا اور دعا کی کہ الٰہی! حج سے محروم نہ رکھ! اسی وقت مولیٰ تعالیٰ نے ایسی قوت عطا فرمائی کہ اٹھ کر اپنے پاوں سے عرفات شریف گئے اور حج ادا کیا۔''[الملفوظ،حصہ دوم،ص ۱۹۸]

ظاہر ہے جو اس بلند پایہ کا عالم ہو اس سے کذب کا صدور بعید از قیاس ہے۔علاوہ ازیں مکہ کے حالات ساکن مکہ سے زیادہ بہتر کون جان سکتا ہے۔جب وہابیہ نے غوغا بازی

اور شور مچانا شروع کیا تو ہندوستان سے بہت سے لوگوں نے تحقیق حال کی کوششیں کیں۔انہیں میں سے ایک مولانا عبدالرحیم تھے جو احمد آباد گجرات سے تعلق رکھتے تھے۔انہوں نے حقیقت واقعہ جاننے کے لیے حضرت مولانا عبدالحق مہاجر الٰہ آبادی سے بذریعہ خط رابطہ کیا اور وہابیہ ودیابنہ کی سازشوں، اتہام بازیوں اور بے سروپا افواہوں کا ذکر کرکے حضور اعلیٰ حضرت کے مکہ معظّمہ میں رک جانے کی وجوہات کی تفصیل کا مطالبہ کیا۔جس کے جواب میں حضرت مہاجر الٰہ آبادی نے مولانا عبدالرحیم گجراتی صاحب کے نام ایک خط ارسال فرمایا۔ جس میں حضور اعلیٰ حضرت کے مکہ معظّمہ میں ٹھہرنے کے وجوہات اور وہاں آپ کی سرگرمیوں کے حوالے سے مثبت اور مدح آمیز انداز میں ذکر فرمایا۔مولانا عبدالرحیم صاحب نے منتظم تحفہ مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی صاحب کے نام ایک خط لکھا جس میں واقعہ سے متعلق باتیں تحریر کیں اور ساتھ ہی مہاجر الٰہ آبادی کا خط بھی روانہ کیا۔ہم یہاں قاضی صاحب کے نام مولانا عبدالرحیم صاحب کا خط اور مولانا عبدالرحیم صاحب کے نام حضرت مہاجر الٰہ آبادی کا خط نقل کرتے ہیں۔ملاحظہ ہو:

''**حامدا و مصليا و مسلما اما بعد!** محبی مخلصی حامی دین متین، جناب قاضی عبدالوحید صاحب **دام محبتكم!** بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ کے واضح رائے عالی ہو کہ راقم الحروف نے حضرت مولانا مولوی حاجی محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی **عم فيضه الجلي و الخفي** کی نسبت وحشت اثر خبریں سنیں نیز بعض اخباروں میں بھی دیکھا کہ مکۂ معظّمہ میں ان کے ساتھ لوگ بے لطفی سے پیش آئے چند روز تک اسی طرح کی خبروں کی نہایت گرما گرمی رہی۔ایسی حالت میں بندہ کو مناسب یہ معلوم ہوا کہ مکۂ معظّمہ سے حالت اصلی دریافت کی جائے چناں چہ تاریخ ۳۰ / ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ مطابق ۲۳ / جون ۱۹۰۶ء کو ایک عریضہ رجسٹری کرا کے بنام نامی حضرت مولانا مولوی محمد عبدالحق صاحب مہاجر مکی عم فیضہ کی عالی خدمت میں روانہ کر دیا جس کی رسید بمبئی کے ڈاک خانہ کی میرے پاس موجود ہے۔

راقم نے یہ مضمون لکھا تھا کہ مخالفین نے مولانا بریلوی **عم فيضه الجلي و الخفي** کی نسبت ایسی غلط خبریں اخباروں میں چھپوائی ہیں لہٰذا جو کیفیت سچی وہاں ہوئی ہے اور آپ اُس سے واقف ہوں اُس کو لکھ کر ضرور میری جانب روانہ فرمایئے تا کہ مخالفین کی زبانِ باطل بند ہو جائے۔اور مجھ کو بھی حالت اصلی معلوم ہو جائے۔مولانا ممدوح نے اس عریضے کے جواب میں ایک محبت نامہ تاریخ ۲۳ / ماہ جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ میرے نام پر روانہ کیا ہے۔بندہ اس کی نقل مطابق اصل کے خدمت میں بھیجتا ہے آپ اس کو اپنے تحفۂ حنفیہ کے کسی رسالے میں چھپوا دیجیے۔تا کہ اظہارِ حق و ازہاق باطل بخوبی ہو جائے۔ ممنون و مشکور ہوں گا۔فقط

از احمد آباد گجرات، دکن، محلّہ جمال پور متصل مسجد کانچ رقیمۂ

عبدالرحیم بن پیر بخش عفی عنہما

تاریخ ۲۵/ جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ روز جمعہ

نقل سرنامۂ خط مکۂ معظّمہ

احمد آباد گجرات ، دکن، محلّہ جمال پور متصل مسجد کانچ رسیدہ بخدمت شریف مولانا مولوی عبدالرحیم بن پیر بخش سلمہما اللہ تعالیٰ۔

محمد عبدالحق عفی عنہ از مکۂ معظّمہ زادہا تعظیما وتشریفا محررۂ اول جمادی الآخرہ ۱۳۲۴ ہجری نبوی۔ ٹکٹ چسپاں است۔

حامدا و مصليا

از محمد عبدالحق عفی عنہ بخدمت شریف جناب مولانا بالفضل اولانا جناب مولوی عبدالرحیم صاحب عم فیضہ

بعد وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ عرض آں کہ عنایت نامہ مع اشتہار پہنچا احوال سب معلوم ہوا یہ جو خبر بہ نسبت حضرت مولانا جناب مولوی محمد احمد رضا خان صاحب بددینوں نے اڑائی ہے محض کذب ہے۔ ولا اصل لہ نعوذ باللہ منہ ثم نعوذ باللہ عنہ حضرت مولانا صاحب عم فیضہ کو وہ عزت وآبرو حرمین شریفین میں حاصل ہوئی کہ شاید و باید اور مخالفین مرجفین نے دونوں جگہ بہت کچھ کوشش ذلت دینے میں کی۔ مگر خود ہی ذلیل و خوار ہوئے۔ خابوا وخسروا تمام فضلا وکملا دونوں بقعۂ شریفہ کے آپ کے فضل وکمال کے قائل ہوئے۔ اور آپ کے رسالۂ شریفہ پر تقریظیں لکھیں۔ اور مہروں سے مزین فرمایا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عن قریب بعد چھپنے اس رسالۂ منیفہ کے سب پر یہ امر منکشف ہوجائے گا۔ عیاں راچہ بیاں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ حضرت مولانا صاحب کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ متع المسلمین بطول بقائه آمين بمنه و كرمه . حرراول جمادی الآخرہ ۱۳۲۴ ہجری نبوی۔ بخدمت جملہ احباب سلام مسنون۔ (محمد عبدالحق ۱۳۱۸)[تحفہ حنفیہ پٹنہ، رجب، ۱۳۲۴ھ ص ۴۳ و ۴۴]''

ساتھ ہی مولانا ضیاء الدین صاحب کے نام حضرت مہاجر قدس سرہ کا یہ خط بھی ملاحظہ فرمالیں:

''حامداً و مصلياً

از محمد عبدالحق عفی عنہ بخدمت شریف جناب مولانا بالفضل اولانا جناب مولانا مولوی ضیاء الدین سلمہ اللہ المتین

بعد وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ عرض آں کہ عنایت نامہ لکھا ہوا یکم ربیع الآخر بیسویں رجب روز آخر قریب مغرب کو پہنچا۔ احوال مرقومہ سب معلوم ہوا یہ جو خبر بہ نسبت حضرت مولانا جناب مولوی محمد احمد رضا خان صاحب سلمہ اللہ الواہب بددینوں نے اُڑائی ہے محض کذب ہے لا اصل لہ نعوذ باللہ منہ ثم نعوذ باللہ منہ حضرت مولانا صاحب عم فیضہ کو وہ عزت وآبرو حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیماً وتشریفاً میں حاصل ہوئی کہ شاید و باید اور مخالفین مرجفین نے دونوں جگہ بہت کوشش وسعی ذلت دینے میں کی مگر خود ہی خوار وذلیل ہوئے۔ خابوا و خسروا. تمام فضلا وکملا دونوں بقعۂ شریفہ کے آپ کے فضل وکمال کے قائل ہوئے۔ اور

آپ کے رسالۂ شریفہ پر تقریظیں لکھیں اور مہروں سے مزین فرمایا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ عن قریب بعد چھپنے اس رسالۂ منیفہ کے سب پر یہ امر منکشف ہوجائے گا۔ عیاں راچہ بیاں۔

اور حال آپ کی مقبولیت رسالۂ موصوفہ کا تحریر وتقریر جناب حضرت شیخ الاسلام سلمہ اللہ ذوالجلال والاکرام سے بھی جو کہ بالفعل دارالسلطنت قسطنطنیہ میں اس مرتبہ عالیہ پر مشرف ہیں بہت ہی جلد سب پر واضح ولائح ہوجائے گا ان شاءاللہ تعالیٰ حق سبحانہ وتعالیٰ حضرت مولانا صاحب کی عمر میں برکت عطافرمائے **متع اللہ المسلمین بطول بقائہ آمین بمنہ و کرمہ** حضرت جناب مولانا بعد تشریف لانے کے یہاں چند بار علیل ہوگئے علی الخصوص وقت روانگی قافلہ بعد از فراغ حج یہاں تک اس باعث و بباعث اشتد ادگرما عزم ہونے لگا کہ طائف شریف تا بقاے اشتد ادگرما برعایت رفقا قیام ہووے من بعد سفر زیارت جناب حضرت سرورعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا جائے مگر۔ **" واللّٰہ غالب علیٰ امرہ ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون"** ۔

بود ہر کسے را دگر گو نہ رائے
نباشد مگر آنچہ خواہد خدائے

یکا یک سامان سفر مدینۂ منورہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام ہوگیا اور اعلانیہ حضرت جناب موصوف بے طواف الوداع بعد اشراق کیا اور جم غفیر کے ساتھ مکۂ معظّمہ زادہا اللہ تعالیٰ تعظیماً وتشریفاً سے مدینۂ منورہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام تشریف لے گئے۔ اور بعد حصول زیارت حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متوجہ بطرف ہندوستان ہوئے درحقیقت یہ امر ہے اور مخالفون نے بباعث خبث باطن جو خلاف اس کے مشہور کیا ہے وہ سب کذب وافترا ہے۔ **نعوذ باللہ منہ سبحانک ھذا بھتان عظیم و السلام مع التعظیم و الاکرام.**

مہر
(محمد عبدالحق ۱۳۱۸ھ)"

نیز اسی مضمون کا خط قاضی عبدالوحید صاحب کے نام بھی ارسال کیا گیا جس کی عبارت تحفہ حنفیہ میں بس اس قدر زیادہ درج ہے۔

"بخدمت شریف جناب مولانا مولوی محمد وحید صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مضمون واحد۔ مکرر آں کہ اس عنایت نامہ میں لکھا تھا ٹکٹ ۳/ارسال ہے۔ اس میں کوئی ٹکٹ دستیاب نہ ہوئے اور اطلاعاً عرض ہے اور ٹکٹ ہند یہاں مروج نہیں ہے بے کام ہے"۔

[تحفہ حنفیہ، شوال المکرّم، ۱۳۲۴ھ ص ۴۳، ۴۴]

حضرت مہاجر الہ آبادی کے دونوں خطوط سے یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ اعلیٰ حضرت دینی مصروفیات کے سبب مکہ معظّمہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ گرفتار نہیں کئے گئے تھے بلکہ علمائے مکہ سے حسام الحرمین پر تصدیقات حاصل کررہے تھے۔

علاوہ ازیں کتاب" **الدولة المکیه باالمادة الغیبه**" جو علم غیب نبوی پر ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، عربی میں لکھ کر علمائے عرب سے داد تحسین وصول کر رہے تھے۔ لاجواب نہیں تھے بلکہ جواب دینے ہی کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے اور مولوی خلیل جیسوں کو مکہ سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔

ہم یہاں ایک خط اور نقل کرتے ہیں جس سے مزید واقعہ کی شبیہ نکھر کر سامنے آجائے گی۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب محیؔ ساکن پوکھریروی، کے بلاوے پر تحفہ حنفیہ کے منتظم قاضی عبدالوحید صاحب فردوسی، ایک جلسہ میں تشریف لے گئے تو وہاں مولانا محمد اسحاق صاحب سے ملاقات ہوئی جنہوں نے واقعہ مذکورہ کے بابت تفصیل معلوم کی تو قاضی صاحب نے کچھ باتیں بیان کیں مزید فرمایا کہ آپ حج کو جا رہے ہیں مزید تفصیل وہیں سے معلوم کر لیں۔ مولانا محمد اسحاق صاحب نے حج سے مراجعت کی تو قاضی صاحب کے نام درج ذیل خط تحریر فرمایا جس میں انہوں نے لکھا کہ جب میں نے احناف وشوافع علما و مفتیان کرام سے اعلیٰ حضرت کی بابت اور ان کے عقیدے کی بابت دریافت کیا تو سب نے تعریف و تحسین فرمائی۔ اور جب میں نے وہابیہ کی افواہوں کا ذکر کیا تو انہوں نے '**لعنة الله علی الکاذبین**' کہہ کر وہابیہ کی الزام تراشیوں اور اتہام بازیوں کی تردید فرمائی۔ خط پیش ہے ملاحظہ فرمائیں:

''بعالی خدمت جناب مولانا مولوی قاضی عبدالوحید صاحب بعد سلام مسنون عرض ایں کہ بحمد اللہ و المنہ بندہ سفر حج سے بخیریت تمام مقام جالہ (غریب خانہ) پہنچا۔ حسب الحکم حضرت فاضل بریلوی کی نسبت کما حقہ دریافت کیا۔ شیخ الدلائل مولانا استاذنا عبدالحق صاحب مدظلہ، شیخ العلماء مولانا بابصیل مفتی شافعیہ، شیخ الفقہاء والخطبا مولانا ابوالخیر مفتی حنفیہ، حافظ امام الدین صاحب سیالکوٹی یکے از مشائخ مشہورین وغیرہم سے خود جا کر قدم بوس ہوا اور ہر ایک کو ان کی تعریف میں دفتر بیان کرتے سنا۔ جو جو خبریں ہندوستان میں سنی تھیں ہر ایک کو میں ظاہر کرتا تھا۔ اور وہ حضرات "**لعنة اللّٰه علی الکاذبین**" یا **هذا کذب کذب یا حاشا و کلا**، فرماتے جاتے تھے۔ جب میں نے پوچھا کہ آپ حضرات کے نزدیک عقائد ان کے کیسے تھے؟ مفتی شافعیہ نے طیب طیب فرمایا بقیہ الفاظ مدحیہ بعینہا یاد نہیں رہے۔ مفتی حنفیہ کے یہ الفاظ بعینہا یاد ہیں "**واللّٰہ مارأیت رجلاً مثله نحن معشر العلماء کنا متمنین ان یقیم مولانا سنة او سنتین. انت یا اخی اذا وصلت بریلی اقرأ سلامی بالاشتیاق التام علیه و علی ابنه مولانا حامد رضا انتهی**''.

جنابا! میں نے نقل بالمعنی مناسب نہیں جانا اور شیخ الدلائل کے بیان کے بعد تطبیق خط سابق کی ضرورت نہ دیکھ کر اسی پر اکتفا کیا۔ جس کو اس کے حق ہونے میں اب بھی کلام ہو وہ مجھ سے

اور بین بین ثبوت طلب کرے میں جس جس مستند علما فضلا کے پاس جاتا تھا......تام دوسرے دوسرے لوگوں کو بھی لے جاتا تھا تاکہ شہادت علیٰ الشہادۃ کا کام دے۔افسوس بوجہ عدم تندرستی وکمی زادراہ بریلی نہ جاسکا بذریعۂ عریضہ سلام پہنچاتا ہوں جس قدر پرچے رمضان شریف سے ربیع الاول تک باقی ہیں سب عنایت فرمایئے۔خادم محمد اسحاق ،موضع جالہ ڈاک خانہ جوگیارہ، ضلع دربھنگہ۔'' [تحفہ حنفیہ، جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ ص ۳۶]

حاصل یہ کہ اعلیٰ حضرت کی نسبت وہابیہ ہند نے جو الزام تراشیاں کیں تھیں سابقہ خطوط نے سب کی تردید کردی۔ اور یہ باور کرادیا کہ اعلیٰ حضرت مکہ معظّمہ میں ضرور تار کے تھے، اوراز خود رکے تھے، کسی نے روکا نہیں تھا، وہ وہاں اپنی مرضی کے مالک تھے، جہاں چاہتے جاتے کسی طرح کی کوئی پابندی یا نظر بندی نہیں تھی۔اعلیٰ حضرت جب سفر حج سے واپس تشریف لے آئے تو کئی ماہ تو ملنے ملانے میں لگ گئے اور دیگر مصروفیات میں۔اس کے بعد معتقدین کا اصرار ہوا کہ سفر حج کی روداد خود بھی بیان فرمادیتے تو وہابیہ کے منہ بالکل بند ہوجاتے۔اوراغیار کے ساتھ معتقدین ومحبین کو بھی واقعات کی تفصیل معلوم ہوجاتی۔تو اعلیٰ حضرت نے سفر حج کے واقعات بہت ہی تفصیل سے قلمبند کرائے۔جسے یہاں بعینہ نقل کرنا طوالت کا سبب بنے گا اوراوراق اس تطویل کے متحمل نہیں۔ہم یہاں پوری بحث کا نچوڑ جو بڑے کمال فن کے ساتھ مولانا غلام جابر شمس مصباحی صاحب نے سفر نامہ اعلیٰ حضرت میں تحریر فرمایا یہاں پیش کئے دیتے ہیں۔ملاحظہ ہو:

''بغیر کسی تیاری کے اچانک روانگی، ☆غیر متوقع طور پر والدہ کریمہ کی اجازت، ☆وضو کا پانی رکھا رہا، جب تک واپسی نہ ہوئی، ☆بریلی سے روانگی، ☆راستے میں پریشانی اور سہولت، ☆بمبئی میں استقبال اور تمام تر سہولت، ☆ آناً فاناً ٹکٹ کا مہیا ہونا، ☆بمبئی سے روانگی، ☆کامران میں دس دن قیام، ☆اور مسائلِ شرع کا بیان☆ترکی افسران کا حسنِ انتظام، ☆مزار مبارک کی زیارت، ☆مرض وعلالت، سرکارِ غوثیہ میں استغاثہ اور فوری افاقہ، ☆جدہ میں ورود، خواتین ساتھ، مرد و زن کا ازدہام، مردِ غیب کی آمد اور مدد، ☆جدہ میں بھی سخت علالت، بارگاہِ الٰہی میں دعا، بارگاہِ نبوی میں استغاثہ، مناسکِ حج ادا کرنے تک مکمل راحت وآرام، ☆بعدِ حج کتب خانہ حرم میں حاضری، علما وفقہا، سادات ومشائخ سے ملاقات وتعارف اور علمی مباحثے و مذاکرے، ☆ہندی وہابیوں کی ریشہ دوانی، گورنر مکہ تک رسائی، قاضی مکہ شیخ صالح کمال سے ملاقات، کامل دو گھنٹے دلائل سے لبریز علمِ غیب کے موضوع پر پرمغز تقریر، ☆شاہ سلامۃ اللہ رام پوری کا رسالہ اعلام الاذکیا پر سوال و جواب کی گونج، ☆اعلیٰ حضرت سے شیخ صالح کمال کا شوقِ ملاقات، ☆کتب خانہ حرم کی سیڑھی پر ساتھ ساتھ، ☆الدولۃ المکیۃ کی تقریبِ تصنیف، قاضی مکہ شیخ صالح کمال مکی کی فرمائش، اعلیٰ حضرت کی آمادگی، دو دن کا وقفہ، سخت بخار کی حالت، کتاب کی

تصنیف اور حجۃ الاسلام کی تبییض، شیخ الخطبا شیخ احمد مرداد کی طلبی، اعلیٰ حضرت کی حاضری، علوم خمسہ بڑھانے کی فرمائش، اعلیٰ حضرت کی منظوری، اعجاز و اکرام کے ساتھ واپسی، ☆ملکِ مغرب کے شیخ کبیر صاحبِ تصانیفِ کثیرہ علامۃ السید عبدالحی کا اشتیاقِ ملاقات، ان کو مدینہ جانے کی جلدی، اعلیٰ حضرت کو کتاب کی تکمیل کی تعجیل، آخر تشریف لائے اور اجازتیں لکھوائیں، ☆الدولۃ المکیۃ کی تکمیل، شیخ صالح کمال مکی کا کامل مطالعہ وکمالِ فرح، گورنر مکہ کے دربارِ عام پیش، وہابیہ کا اعتراض، قاضی مکہ کی تنبیہ، پھر اعتراض، پھر تنبیہ، گورنرِ مکہ کا عتاب و پھٹکار، آدھی رات تک آدھی کتاب ختم، وہابیہ نابکار پر اوس پڑ گئی، ساری تدبیر الٹی، مکہ کے نوجوان لڑکے وہابیہ کا مذاق اڑانے لگے، اب دھوم دھام سے تقریظیں لکھی جانے لگیں، وہابیہ کی شیطانی چال، شیخ احمد مرداد کو دھوکہ، فضیلۃ السید اسماعیل خلیل نے یہ چال بے کار کر دی، ☆ وہابیہ کا ایک اور وار، یہ وار بھی بے کار، سفید جھوٹ کا سہارا، خود احمد راتب پاشا نے پانسہ پلٹ دیا، ☆ الدولۃ المکیۃ کے ساتھ ساتھ حسام الحرمین پر بھی تقاریظ کا طویل سلسلہ، خلیل احمد انبیٹھوی سے قاضی مکہ شیخ صالح کمال کا مکالمہ، تقدیس الوکیل پر قدیم تقریظ میں زندیق لکھ چکے تھے، قاضی مکہ کی سخت گرفت اور خلیل احمد انبیٹھوی مکہ سے فرار، قاضی مکہ نے محافظِ کتب حرم فضیلۃ السید اسماعیل خلیل کو خط لکھا اور خلیل احمد کے فرار ہونے کی اطلاع دی، ☆ قاضی مکہ کا عربی خط اور اس کا اردو ترجمہ، ☆ علما و مشائخ مکہ کی دعوتیں اور ضیافتیں، مقامی و آفاقی ملاقاتیوں کا ہجوم، علالت وعلاج کا ماحول، سید اسماعیل کو اشعار کا ہدیہ اور ان کا سرور و اشتیاق، ☆ شیخ الدلائل علامہ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی کی جلالتِ شان اور علمی مقام، ☆مفتی حنفیہ مکہ مکرمہ شیخ عبد اللہ بن صدیق کے ملنے کی کیفیت، رسالہ کفل الفقیہہ کی تصنیف و تبییض، شیخ جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی کا استعجاب وانبساط، شدید علالت ومرض اور ہندی وترکی ڈاکٹروں کا علاج، زمزم شریف کی خوبیاں، باسی پانی پینے کی حکیم وزیر علی کی ممانعت، تین مہینے قیامِ مکہ میں چار من زمزم شریف کا استعمال، ☆ سید اسماعیل خلیل مکی کی بریلی آمد، زمزم شریف کا ذکر، مکہ سے زمزم بھیجنے کی پیش کش، سیدِ عالی کا بابِ عالی ترکی کا سفر اور وصال، ☆ علالت ونقاہت کا زور، ملاقاتیوں کا ازدہام، علمائے مکہ کی طرف سے پلنگ کا انتظام، اجازات وسندات لینے والوں کی بھیڑ، تصنیفی سرگرمیاں، اجازت ناموں کی تسوید، مدینہ منورہ جانے کی شدید تڑپ، مرض و بیماری کی حالت اور ضعف و کمزوری، مشائخ مکہ کی کچھ رکنے اور افاقہ ہونے کی خواہش و گذارش، شیخ صالح کمال مکی کا پایہ علم وادب، اجازت وخلافت سے سرفراز، اپنے عہدِ قضا کے فیصلوں کا سنانا، اعلیٰ حضرت کی اصلاح وترمیم سے خوش ہونا، ☆اذان واقامت اور تکبیرات و انتقالات میں لحن وترنم پر بحث، خطبہ میں اعمامِ کرام حضرت امیر حمزہ وعباس کے ساتھ ابو طالب کی شمولیت، پاسِ شرع کی خاطر بھرے دربارِ الٰہیہ میں اعلیٰ حضرت کا جرات مندانہ احتجاج، ☆ اعلیٰ حضرت کی زیارتِ مدینہ کی شدید تڑپ اور علمائے مکہ کی طولِ

قیام کی شدید خواہش، ☆والد ماجد علیہ الرحمہ کا خواب میں تشریف لانا اور باون برس فرمانا، خواب میں پیر بھائی کی زیارت، ان کی قبر میں اترنا اور لازوال خوشبو کا محسوس کرنا، والدِ ماجد کے فرمان ابھی تو باون برس مدینہ میں کی وجہِ جمیل اور تعبیرِ جلیل، ☆فضیلۃ السید اسماعیل خلیل کی طرف سے طائف میں قیام کی پیش کش، شیخ صالح کمال ملکی کی طرف سے شادی کی تجویز، اعلیٰ حضرت کا جواب، مرض کی شدت ونقاہت اور چالیس زینے چڑھنا، اترنا، مسجدِ حرام میں مردِ غیب کا خیریت معلوم کرنا اور پانی دم کرکے دینا اور شفایاب ہونا، ☆نمازوں کا اہتمام اور حنفی وقتوں کا التزام، ہم حنفی ہیں، نہ کہ یوسفی اور شیبانی، علما ومشائخ کا امامت کے لئے مجبور کرنا، اس ضمن میں کثیر مسائل وجزئیات کا بیان کرنا، ، ☆شیخ عمر صحی کا مکان کرایہ پر لینا، پھر عمر رشیدی بن ابوبکر رشیدی کا اپنے مکان پر لے جانا، بالاخانہ پر وسطانی در میں نشست، کبوتروں کی آمد ورفت، دروازوں اور طاقچوں پر قبضہ جمائے رہنا، تنکے لانا اور گرانا، کبوتروں کا لحاظ کرنا، کبوتروں سے صلح وجنگ، پرندہ اور جانور، کون سا فاسق اور کون سا غیر فاسق، حرم شریف میں ان پرندوں اور جانوروں کا حکم، ☆ایک جملہ تمنائی کا، سلطانی حمام میں نہانا، باہر نکلنا، ابر کا چھانا اور برستے مینہ میں طوافِ کعبہ کرنا، ایک مردِ غیب کا برآمد ہونا اور عورتوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا، جی بھر کر سنگِ اسود کا باطمینان بوسہ لینا، منیٰ سے آمد اور منیٰ کو روانگی، ☆علومِ حدیث کی سندِ عالی وجید کی تلاش، مگر آپ ہی کی سندِ حدیث سب سے عالی وجید، یوں ہی جفار وجفر داں کی جستجو، مگر جو ملے، آپ ہی سے سیکھنے لگے، بلکہ بریلی تک تشریف لائے اور کئی کئی مہینے قیام کیا، ☆علمِ جفر سے توجہ ہٹانے کی غرض، ایک امیر وکبیر کا سوال، سید شاہ مہدی میاں مارہروی کی سفارش، ایک مریضہ کی موت کی نشاندہی، جب کہ اس فن میں کوئی استاذ نہیں، سوائے ایک قاعدہ کے، جو حضرت نوری میاں مارہروی نے تذکرۃً تعلیم فرمائی، شیخ اکبر کی کتابوں سے استفادہ، **سفر السفر عن الجفر بالجفر** کی تصنیف، ☆شیخ عبد الغفار بخاری بریلی میں، حضرت نوری میاں قبلہ مارہروی کی ہدایت، بخاری صاحب کا آٹھ مہینے قیام، سنگاپور سے یادآوری کا خط، چین کو روانگی، شیخ حسین شامی مدنی جیسا بے طمع عرب، شیخ ابراہیم شامی مدنی کی آمد، شیخ سید احمد خطیب کے خطوط، شیخ سید محمد مدنی کی تشریف آوری، ☆اب مدینہ طیبہ روانگی، مرض وضعف وکمزوری سے نڈھال، علمائے مکہ مکرمہ کی ممانعت، حمال اونٹ اور اشرفیاں لے کر روانہ، ڈاکٹر رمضان آفندی کا علاج، صفر المظفر کو کعبہ تن سے کعبہ جاں کی طرف کوچ، سرکارِ ابد قرار سے استعانت ودستگیری، مرض وضعف میں دفعۃً افاقہ، اہلِ مکہ کی آنکھیں بھر آئیں، جنگل کی تاریک رات روشن، حبشی ملاح کا سیدنا غوثِ اعظم سیدی احمد کبیر، سید احمد رفاعی، سیدی اہدل، پکارنا، چوتھے دن رابغ، رابغ کے سردار شیخ حسین کے بھائی کا مقدمہ کا شرعی فیصلہ، خادمِ خاص حاجی کفایت اللہ سے سامان رہ گیا، بئیرِ شیخ پر وقتِ فجر، کرچ کا ڈول اور رسی ندارد، عمامہ باندھ کر پانی نکال کر وضو کرنا اور نماز کی ادائیگی، من جانب

اللہ سواری کا انتظام، سردارِ رابغ، حمال اور اونٹ، سب مہربان، چھٹے دن مدینہ طیبہ، عربی لباس میں حاضری، چھوٹے ہوئے سامان دوسرے ہی دن مدینہ طیبہ پہنچ گئے، ☆ اہلِ مدینہ سراپا مشتاق و مہربان، مدینہ پاک میں دن قیام، بارھویں ربیع النور یہیں ہوئی، ملنے والے وعظما کی قطار در قطار، مولانا کریم اللہ مہاجر مدنی کی حاضری، مصروشام و بغداد کے علما و مشائخ نے الدولۃ المکیۃ کی نقلیں لیں اور تقاریظ لکھیں، اجازت و خلافت لینے والوں کی بے تابی، شیخ الدلائل حضرت سید محمد سعید مغربی کا اشتیاق، حضرت مولانا سید عباس رضوان، حضرت تاج الدین الیاس مفتی حنفیہ سابق، حضرت شیخ عثمان بن عبدالسلام داغستانی، حضرت مولانا سید مامون البری، حضرت مولانا احمد جزائری، حضرت مولانا ابراہیم خربوطی مفتی حنفیہ وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم، کا اشتیاق، الدولۃ المکیۃ اور حسام الحرمین کی تقاریظ کی دھوم دھام، سید احمد برزنجی کی تقریظ، قبا شریف میں تقاریظ، سید عبداللہ کے مکان پر مجلس، اعلیٰ حضرت کا مسکت جواب، شیخ سید کے دل میں غبار، شیخ عبدالقادر طرابلسی کا سوال، مولانا حامد رضا خان کا جواب، قبا شریف کی حاضری، سید الشہدا حضرت امیر حمزہ کے مزار پر، ☆ دن قیام کے بعد وطن واپسی، علما و مشائخ کا دور تک مشایعت کرنا، ہندوستان آنے کے بعد بھی سند و اجازت ناموں کی درخواستیں آنا اور روانہ کرنا، حجاز اقدس کا گرم ماحول، تپتا ہوا ریت اور موسم، علامہ نذیر احمد اور حاجی کفایت اللہ یاد رکھی جانے والی خدمت و محبت، مدینہ، جدہ، عدن، کراچی ہوتے ہوئے ساحلِ بمبئی پر پر جوش خیر مقدم، نوساری، احمد آباد، اجمیر شریف ہوتے ہوئے ایک ماہ بعد بریلی ورود، ہر جگہ مخلصانہ استقبالیہ، خیر مقدم، جوش و خروش، جشنِ فتح کا سماں، اپنوں کا دل باغ باغ، غیروں کا دل داغ داغ، مگر کچھ اپنے بھی حسد و جلن اور آتشِ مخالفت میں جل کر راکھ۔''

[سفر نامۂ اعلیٰ حضرت، ص۹ تا ۱۳]

آخر میں خود اعلیٰ حضرت سے وہابیہ کی ریشہ دوانیوں، فتنہ انگیزیوں، الزام تراشیوں سے متعلق بیان اور آپ کی فتح و نصرت کی داستان بابرکت ملاحظہ ہو:

''**وھابیہ خذلھم اللہ تعالیٰ** کو **بفضلہ تعالیٰ** شدید ذلتیں اور ناکامیاں ہوئیں۔ **المرجوفون فی المدینہ** کی وراثت سے یہاں یہ اڑا رکھی تھی کہ معاذ اللہ فلاں قید ہو گیا۔ بمبئی آکر یہ خبر سنی۔ احباب نے مجلسِ بیان منعقد کی اور چاہا کہ اس کی نسبت کچھ کہہ دیا جائے۔ واحدِ قہار نے ان کا کذب خود ہی سب پر روشن فرما دیا تھا۔ مجھے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں اتنا ہوا کہ آیہ کریمہ: ''**انا فتحنا لک فتحاً مبیناً**'' کا بیان کیا اور اس میں فتحِ مکہ مکرمہ اور اس سے پہلے صلح حدیبیہ کی حدیث ذکر کی۔ اس میں کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام فرما کر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ معظّمہ بھیجا۔ یہاں انہیں دیر لگی۔ کافروں نے اڑا دیا کہ وہ مکہ میں قید کر لئے گئے۔ میرے آنے سے پہلے ہی اطراف سے لوگوں نے مولانا عبدالحق (الہ آبادی مہاجر مکی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو استفسارِ واقعات کے خطوط لکھے۔ جس کے جواب انہوں نے وہ دیئے کہ سنیوں کا دل باغ باغ ہو گیا اور وہابیوں کا کلیجہ داغ داغ۔ والحمد للہ رب

العالمین۔ ان میں سے بعض جواب میرے دیکھنے میں آئے۔ جن میں فرمایا ہے کہ یہ خبیث کذابوں کا کذبِ خبیث ہے۔اس کوتو مکہ معظّمہ میں وہ اعزاز ملا۔ جوکسی کونصیب نہیں ہوتا۔ وہابیہ کی تو کیا شکایت کیا وہ پورے اعداء ہیں اور کیوں نہ میرے دشمن ہوں کہ میرے مالک و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ ان کے افتراؤں نے بعض جاہل کچے سنیوں کو بھی میرا مخالف کر دیا تھا۔ یہ بہتان لگا کر کہ یہ معاذ اللہ حضرت شیخ مجدد کو کافر کہتا ہے اور جب مکہ معظّمہ میں علمِ غیب کا مسئلہ بفضلہٖ تعالیٰ باحسنِ وجوہ روشن ہو گیا، علمِ الٰہی اور علمِ نبوی کا غیر متناہی فرق میں نے واضح کر دیا۔ تو اب یہ جوڑی کہ عیاذاً باللہ یہ قدرتِ نبوی قدرتِ الٰہی کے برابر کہتا ہے۔ کچے ناسمجھ لوگ آیہ کریمہ :
''یَاایُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ'' پر عمل نہ کرنے والے ان کے داؤں میں آ گئے۔ مدینہ طیبہ میں ایک ہندی صاحب شیخ الحرم عثمان پاشا کے یہاں کچھ دخیل تھے۔ ایک مدرسہ کے نام سے ہندوستان وغیرہ سے چندہ منگاتے۔ یہ بھی انہیں کذابوں کی باتوں سے متاثر ہوئے۔ میں ابھی مکہ معظّمہ ہی میں تھا۔ یہاں جو فتح وظفر مولیٰ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی اور پھر میرے عزمِ حاضری سرکارِ اعظم کی خبر مدینہ طیبہ پہنچی، ان صاحب نے اپنے زعم پر کہ مجازی حاکمِ شہر کے یہاں رسائی ہے۔ یہ لفظ فرمائے کہ وہاں تو اس نے اپنا سکہ جما لیا۔ آنے تو دو۔ یہاں آتے ہی قید کرا دوں گا۔ مولیٰ عزوجل کی شان، میری سرکار سے ان کو یہ جواب ملا کہ میں ابھی مکہ معظّمہ ہی میں ہوں، ان کی نسبت دھوکے سے چندے منگانے کا دعویٰ ہوا اور جیل خانے بھیج دیئے گئے۔ جب میں حاضر ہوا ہوں، وہ میعاد کاٹ کر آ چکے تھے۔ مسجدِ کریم میں مجھ سے ملے اور فرمایا میں تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا علماء وعظماء کی تشریف آوری کا ہجوم آپ دیکھتے ہیں۔ مجھے تنہائی نصف شب کو ملتی ہے۔ کہا میں اسی وقت آوں گا۔ میں نے کہا اس وقت بندش ہوتی کہا میری بندش نہ ہوگی۔ تشریف لائے اور کلماتِ اشتمالت و استعفا کے فرمائے۔ میں نے معاف کیا اور میرے دل میں بحمدہ تعالیٰ اس کا کچھ غبار بھی نہ تھا۔ پھر ہندوستان تشریف لا کر بھی مجھ سے ملے۔ اظہارِ نام کی ضرورت نہیں۔ ع:

چوں باز آمدی ماجرا در نوشت

[الملفوظ، حصہ دوم، ص۲۲۳ تا ۲۲۵]

الحاصل: وہابیہ ہند نے اعلیٰ حضرت کے خلاف جوافواہیں اڑائیں، بے سروپا الزام تراشیاں کیں اور جوناپاک منصوبے بنائے بحمداللہ تعالیٰ وہ سب خاک میں مل گئے۔ اعلیٰ حضرت کو رسوا کرنے والے خود رسوا اور ذلیل وخوار ہو گئے۔ مگر اعلیٰ حضرت کے اقبال، شان، شوکت، دبدبہ، عزت، جلالت علمی، وقار اور مقبولیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ شاید اسی موقع کے لیے عرفی نے کہا تھا ؎

عرفی تو میندیش ز غوغای رقیبان
آواز سگان کم نکند رزق گدارا

اللہ پاک ہمیں اعلیٰ حضرت کی سچی محبت عطا فرمائے۔ اور مذہب امام اعظم، مسلک اعلیٰ حضرت پر استقامت دے۔ اور اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم.

اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ

از: مفتی محمد سلیم بریلوی، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

خلیفہ کا لغوی معنی:۔ خلیفہ عربی زبان کا لفظ ہے جو قرآن و حدیث میں بھی متعدد مقام پر وارد ہوا ہے۔ اس کا فعل ثلاثی مجرد میں ''خـلـف یـخـلـف'' باب'' نـصـر ینصر'' سے آتا ہے۔ جس کا معنی ہے کسی کا ''جانشین، قائم مقام اور نائب ہونا'' یا کسی کو اپنا نائب، جانشین اور قائم مقام بنانا۔ اس طرح ''خلیفہ'' کا معنیٰ ہوتا ہے ''جانشین، نائب، قائم مقام اور ایسا حاکم و بادشاہ جس کے اوپر کوئی حاکم اور بادشاہ نہ ہو۔ ''خلافت'' کا لغوی معنیٰ ہے ''نیابت، جانشینی اور قائم مقامی''

(لسان العرب جلد دوم حرف الخاء مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، مصباح اللغات)

''لغات کشوری'' میں خلیفہ کا معنی یوں بتا یا ''جانشین، ولیعہد''۔ (لغات کشوری صفحہ ۲۶۶ فصل خ۔ل)

خلیفہ کا وسیع اور اصطلاحی مفہوم: اصطلاح اور عرف میں خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو کسی عظیم ذات اور بے مثال شخصیت کے مخصوص پیغامات و احکامات کی تبلیغ و ترسیل، نیابت کے طور پر ''مدبر امور'' ہوا کر اس کے اوامر و نواہی اور اس کے مقصود و مطلوب کے نفاذ میں حد درجہ کوشش کرے۔ اس کے اہداف و مشن کی تکمیل کے لئے اس کا معاون و مددگار اور اس کا دست و بازو بن کر ہر موقع پر اس کا ساتھ دے، جدوجہد کرے اور اصل کے بنائے ہوئے خاکہ میں اس کی منشا کے مطابق رنگ بھرے۔

خلافت کا سلسلہ زریں:۔ کسی کو نائب و خلیفہ بنانے اور انہیں خلافت سے سرفراز کرنے کی تاریخ نئی نہیں ہے بلکہ اس کا سلسلہ بہت پرانا اور قدیمی ہے۔ بلکہ یہ سلسلہ کائنات کی ابتدائے آفرینش سے تسلسل کے ساتھ مختلف صورتوں میں متعدد ناموں اور کئی دیگر تعبیروں کے ساتھ یونہی چلا آرہا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جب تک چاہا تو اس کی ذات وصفات ''کنز مخفی'' کی صورت میں جلوہ افروز رہی مگر جب اس کی مشیّت اور اس کا ارادہ ہوا کہ اس کی ذات وصفات کی معرفت کے جلووں سے کائنات متعارف ہو، اس کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو، اس کی قدرت کے جلوے ملاحظہ کرے، اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرے، اس کی بندگی کا حق ادا کرے، اس کے معبود ہونے کا اقرار و اعتراف کرے، اس کے

محبوب کے مقام و مرتبے کا ادراک کرے، ان کی شانِ محبوبی کے جلوے اور مناظر دیکھے۔حق و باطل میں تفریق و تمیز کر کے اللہ و رسول کے احکام پر عمل پیرا ہو، محبوبان خدا اور دشمنانِ خدا میں امتیاز کر کے بچوں کا دامن تھامے اور بروں کو ''دودھ سے مکھی کی طرح'' اپنے ذہن و دماغ اور اپنے رشتوں، ناطوں سے نکال کر ان سے اجتناب وتنفر کرے۔ اللہ کا مطیع و فرمانبردار بن کر، نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین کے راستے پر چل کر انعامات ربانیہ کو حاصل کرے تو اس نے "خلق الانسان "(ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا) کی صورت میں ہمارے نبی ﷺ کو اپنے نور سے پیدا فرما کر ان کے سرِ مبارک پر'' نیابتِ مطلقہ'' اور'' خلافتِ عامہ'' کا ''تاج زریں'' سجا کر انہیں ''عالم امکان کا شاہ'' اور ''خلق کا آقا'' بنا دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ہمارے آقا ﷺ کو اپنا سب سے ''پہلا خلیفہ مطلق'' منتخب فرمایا۔

حضرت آدم عالم اجساد کے خلیفہ اول:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب عالم اجساد، عالم دنیا اور روئے زمین پر حضرت انسان کو پیدا فرمانا چاہا تو حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ و السلام کو پیدا فرما کر پوری روئے زمین اور'' عالم اجساد'' کا انہیں خلیفۂ اول بنادیا۔قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

"واذ قال ربك للملٰئكة انی جاعل فی الارض خليفة"۔(سورۂ بقرہ آیت ۳۰ پ ا رکوع ۴)

ترجمہ: اور اے محبوب! یاد کرو اس وقت کو جب کہ تمہارے رب نے فرشتوں کو فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔(کنز الایمان)

تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر کے تحت یوں فرمایا گیا کہ " يخلفنی فی تنفيذ احكامی فيها وهو اٰدم" (تفسیر جلالین صفحہ ۷ مطبوعہ مجلس برکات مبارک پور)

ترجمہ: جو میرے احکام واوامر کے اجراء اور زمین میں میرے ان احکامات کے نفاذ وتنفیذ میں میری نیابت کرے۔خلیفہ سے مراد آیت میں حضرت آدم ہیں۔

خلیفہ کی تفسیر میں صاحب جلالین نے " وهو آدم "بیان کیا تھا اس پر مفتی ارشاد حسین صاحب رامپوری علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید اور جلالین کے محشی اپنے حاشیۂ جلیلہ نافعہ میں فرماتے ہیں:''قوله: "وهو اٰدم" فهو ابو البشر والخليفة الاول باعتبار عالم الاجساد و اما باعتبار عالم الارواح فهو سيدنا محمد ﷺ۔

(حاشیہ تفسیر جلالین صفحہ ۷ مطبوعہ مجلس برکات مبارکپور)

ترجمہ: یعنی زمین میں خلیفہ بنائے جانے سے مراد حضرت آدم ہیں جو ابوالبشر ہیں اور عالم اجساد کے اعتبار

سے خلیفۂ اول ہے ورنہ عالم ارواح کے اعتبار سے خلیفہ اول تو ہمارے نبی ﷺ ہیں۔

حضرت داؤد کے زمینی خلیفہ ہونے کا ذکر:۔ قرآن کریم میں ایک جگہ حضرت داؤد علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلے میں فرمایا گیا "یٰداؤدانا جعلنٰك خليفة فى الارض فاحكم بين الناس بالحق"۔

(سورہ صٓ آیت ۲۶ پا ۲۳ رکوع ۱۱)

ترجمہ: اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر۔ (کنز الایمان)

اس آیت کے تحت "خليفة فى الارض" کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل نے تحریر فرمایا "خلق کی تدبیر پر آپ کو مامور کیا اور آپ کا حکم نافذ فرمایا"۔

(حاشیہ کنز الایمان)

تفسیر جلالین میں اس کی تفسیر یوں کی گئی کہ "تدبر امر الناس"۔ (تفسیر جلالین صفحہ ۳۸۲)

ترجمہ: یعنی حسن تدبیر و تدبر کے ساتھ لوگوں کے معاملات کی انجام دہی کے لئے تمہیں اپنا نائب بنایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے کائنات میں اپنا سب سے پہلا خلیفۂ اعظم اور نائبِ مطلق جس ذات کو بنایا وہ ہمارے نبی ﷺ ہیں اس لئے جتنے انبیائے کرام بھی دنیا میں تشریف لائے ان سب کے سردار ہمارے آقا ﷺ ہی ہیں۔ سارے انبیاء آپ ہی کی نیابت میں اللہ رب العزت کے احکامات کی ترسیل و تبلیغ اور اس کے اوامر و نواہی کی تنفیذ و تثبیت کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔

سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مضمون کے اثبات کے لئے اپنے رسالہ "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین"۔ ۱۳۰۵ھ کو تصنیف فرمایا۔ اس رسالہ میں آپ نے بتایا کہ:

"حضور پُر نور سید عالم ﷺ کا افضل المرسلین و سید الاولین والآخرین ہونا قطعی ایمانی، یقینی، اذعانی، اجماعی، ایقانی مسئلہ ہے"۔

(صفحہ ۴۵ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث پاک میں بھی اس کا تذکرہ یوں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"رضوان خازن جنت نے بعد ولادت حضور سید الکونین ﷺ کو اپنے پروں کے اندر لے کر گوش (کان) اقدس میں عرض کی: حضور کے ساتھ نصرت کی کنجیاں ہیں، رعب و دبدبہ کا جامہ حضور کو پہنایا گیا ہے جو حضور کا چرچہ سنے گا اس کا دل ڈر جائے گا اور جگر کانپ اٹھے گا اگر چہ حضور کو نہ

دیکھا ہو"یا خلیفة الله" (اے اللہ کے خلیفہ!)

(تجلی الیقین صفحہ ۲۷)

ہمارے نبی ﷺ، اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں اس کو بیان کرتے ہوئے سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علامہ ابن حجر مکی کی کتاب ''جوہر منظم'' سے ایک اقتباس یوں نقل فرمایا کہ:

''هو خليفة الله الاعظم الذى جعل خزائن كرمه و موائد نعمه طوع يديه و تحت ارادته يعطى من يشاء"۔

ترجمہ: یعنی وہ اللہ کے وہ خلیفہ اعظم ہیں کہ حق جل وعلا نے اپنے کرم کے خزانے، اپنی نعمتوں کے خوان سب ان کے ہاتھوں کے مطیع ان کے ارادے کے زیر فرمان کر دیئے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔(ایضا ۳۱۹)

نکتہ:۔قرآن عظیم کا نظم و اسلوب بھی کتنا معنی خیز ہے کہ حضرت آدم کے لئے یہاں سورۂ بقرہ میں اور حضرت داؤد کے لئے سورۂ صٓ میں خلیفہ بنائے جانے کا جب ذکر فرمایا تو ''فی الارض'' کی قید کے ساتھ خلیفہ بنائے جانے کا مژدہ سنایا گیا تاکہ قرآن پڑھنے والے یہ سمجھ لیں کہ ان انبیائے کرام کی خلافت خاص جگہ کے لئے ہے۔ ان کی خلافت و نیابت مطلق اور عام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ حدیث پاک میں جب ہمارے آقا ﷺ کی خلافت کا ذکر ہوا تو بنا کسی قید کے مطلقاً آپ کو ''یا خليفة الله'' سے تعبیر فرمایا گیا جس کا لازمی مفاد و مفہوم اور نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت آدم اور دیگر انبیاء صرف زمین کے خلیفہ ہیں اس کے برخلاف ہمارے آقا ﷺ ابتدائے آفرینش سے آخر تک سارے جہانوں میں اللہ کے خلیفہ اعظم اور اس کے نائبِ مطلق ہیں کیونکہ آپ کی خلافت و نیابت عامہ، مطلقہ، دائمہ اور مستقلہ ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ خلافت کے اس ''سلسلہ زریں'' کا آغاز ہمارے آقا ﷺ کے نور کی تخلیق سے اس طرح ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ سب سے پہلے خلیفہ ہوئے۔ دنیا میں آپ کی تشریف آوری تک سارے انبیائے کرام آپ ہی کی نیابت میں دنیا کے اندر لوگوں کو رشد و ہدایت کی سوغات عطا فرماتے رہے اور آپ کی آمد آمد کا مژدۂ جانفزا بھی سناتے رہے۔ اس طرح قیامت تک آنے والے تمام دینی و مذہبی پیشوا اور رہنما سب آپ ہی کی نیابت کا حق ادا کرنے کے لئے قدرت کی جانب سے بھیجے جاتے رہیں گے۔

انبیائے کرام کے نائبین وخلفاء:۔اللہ رب العزت کے احکام، ارشادات، پیغامات اور اس کے اوامر و نواہی کی ترسیل و تبلیغ اور تنفیذ و ترویج نیز اس کے بتائے ہوئے راستے کو دکھانے اور لوگوں کو حق و باطل کا فرق بتانے کے

لئے یوں تو انبیائے کرام کا یہ سلسلہ زریں عالم اجساد اور روئے زمین پر حضرت آدم سے چلا آرہا ہے مگر ہر دور کے انبیائے کرام نے اس ارفع واعلیٰ اور عظیم مقصد، مبارک و مسعود ہدف، اس ربانی مطلوب ومقصود اور پیغام الٰہی کی ترویج واشاعت اور اس کی تعمیل وتکمیل کے لئے اپنے کچھ اعوان وانصار اور اصحاب واخیار منتخب فرما کر انہیں اس طرح تیار کیا کہ وہ اس عظیم اور مقدس مشن کی تکمیل میں ان کا ساتھ دینے کے لائق وصالح بن جائیں۔ ان کو ایسی تعلیمات وہدایات سے مزین وآراستہ کیا کہ جن کی وجہ سے وہ ان کی ظاہری زندگی میں بھی ان کا ساتھ دیں اور پھر ان کے اس ظاہری دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی یہ حضرات ان کی اس تحریک اور ان کے اس مقدس پیغام و مشن کو زندہ رکھیں۔ خود بھی ان کے معین کردہ اہداف تک پہونچنے کی سعی کریں اور دنیا والوں کو بھی اس تک پہنچانے کی کوششیں کریں، امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ ان کی تعلیمات کو زندہ رکھیں اور ان کے بتائے ہوئے طریقے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کریں۔ قرآن کریم کی تفسیروں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں انبیائے کرام کے ان اعوان وانصار کا تذکرہ متعدد مقامات پر ملتا ہے۔

شروع میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے روئے زمین پر دنیا بسانے، انسانوں کو اپنی ذات وصفات کے جلووں سے متعارف کرانے اور اپنی بے شمار حکمتوں کے پیش نظر حضرت آدم کو پیدا فرمایا تھا۔ اس عظیم مقصد کی تکمیل کیلئے یہ بات ضروری تھی کہ حضرت آدم کی پیدائش کے بعد ان کی نسل انسانی صورت میں دنیا کے اندر بسے جس کے لئے ایک شریک حیات اور ایک رفیق سفر کی صورت میں کسی ایسی ہستی کا معرض وجود میں آنا ضروری تھا کہ جو اس مبارک ومسعود اور بے مثال مقصد میں ان کی نیابت کرے، ان کا ساتھ دے، ان کا دست و بازو بنے اور ان کی معین ومددگار ہو چنانچہ اس کے لئے حضرت آدم کی بائیں پسلی سے ''حضرت حوا'' کو پیدا فرما کر ان کے مقصد کی تکمیل کے لئے انہیں ان کا معین ومددگار بنایا گیا۔

دنیا میں بس جانے کے بعد نسلاً بعد نسلٍ خلافت و نیابت کا یہ سلسلہ یونہی آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ طوفان نوح کے بعد جب دنیا دوبارہ بسائی گئی تو حضرت نوح نے بھی اپنے منتخب اعوان وانصار بنائے۔ جب حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا زمانہ آیا اور ان کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ ''انی جاعلك للناس اماما'' یعنی میں نے تمہیں لوگوں کا امام بنایا۔

(سورۂ بقرہ آیت ۱۲۴ رکوع ۱۵)

یہ سن کر حضرت ابراہیم نے عرض کی کہ یہ منصب امامت و خلافت ان کی اولاد و ذریت کو بھی عطا فرمایا جائے۔ چنانچہ ان کی اولاد میں سے بھی بے شمار انبیائے کرام پیدا فرما کر اسی مطلوب ربانی کی تکمیل کا سامان مہیا فرمایا گیا۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کو اللہ رب العزت نے منصب نبوت وخلافت سے سرفراز کئے جانے کا جب مژدہ سنایا تو آپ نے اپنے معین و مددگار کے روپ میں اپنے بھائی حضرت ہارون کو اس منصب امامت و خلافت کے عطا کرنے کی استدعا فرماتے ہوئے عرض کی:

"واجعل لی وزیرا من اھلی" (سورۂ طٰہٰ آیت ۲۹ رکوع ۱۱)

ترجمہ: اور میرے لئے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر کردے۔ (کنزالایمان)

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کی بارگاہ میں جب یہ دعا کی تو انہیں اس کی قبولیت کا مژدہ یوں سنایا گیا کہ:

"قال سنشد عضدك باخيك" (سورۂ قصص آیت ۳۵)

ترجمہ: فرمایا: قریب ہے کہ ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے قوت دیں گے۔ (کنزالایمان)

چنانچہ حضرت موسیٰ کو حضرت ہارون کی شکل میں ایک ایسا معین و مددگار عطا فرمایا کہ جنھوں نے اللہ رب العزت کی جانب سے حضرت موسیٰ کو تفویض کی گئی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں ان کی مدد بھی کی اور ہر موقع پر ان کی نیابت بھی جیسا کہ جب وہ کوہِ طور پر توریت لینے تشریف لے گئے تو ان کی غیر موجودگی میں ان کی نیابت کرتے ہوئے قوم موسیٰ کی نگہبانی بھی فرمائی۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے ربانی پیغامات کو دنیا والوں میں پہنچانے کے لئے اپنے کچھ خاص جانثاروں کی ایک جماعت کو منتخب فرمایا جنہیں قرآنی زبان میں "حواری" اور "انصار" کے نام سے تعبیر فرمایا گیا۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک جگہ یوں ہے:

"فلما احس عیسیٰ منھم الکفر قال من انصاری الی اللہ ط قال الحواریون نحن انصار اللہ ج اٰمنا باللہ ج"

(سورہ آل عمران آیت ۹۲)

ترجمہ: پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا (یعنی یہودیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے کفر پر قائم ہیں) تو بولا: کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف؟ حواریوں نے کہا: ہم دین خدا کے مددگار ہیں۔ اللہ پر ایمان لائے۔

(کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت صدرالافاضل نے تحریر فرمایا کہ ''حواری وہ مخلصین ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے مددگار تھے اور آپ پر اول ایمان لائے۔ یہ بارہ اشخاص تھے''۔ (حاشیہ کنزالایمان)

صحابۂ کرام:۔ اللہ کی طرف سے اس دنیا میں جب ہمارے نبی ﷺ اسلام کی عظیم نعمت لے کر تشریف لائے تو اس عظیم ذمہ داری کی انجام دہی کے لئے آپ نے صحابہ کرام کی مقدس جماعت کو ان تمام خوبیوں سے بحسن وخوبی اور بوجہ کمال مزین وآراستہ فرمایا کہ جن خوبیوں کی وجہ سے اس ''امانت ربانی'' کو یہ مقدس جماعت دنیا کے خطہ خطہ تک پہونچانے کے لائق وصالح بن جائے۔ امور تبلیغیہ کی تبلیغ و ترسیل، عقائد اسلامیہ کی ترویج واشاعت، شریعت اسلامیہ کی بالادستی کے قیام، احکام الٰہیہ کے نفاذ اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے صحابۂ کرام کی یہ مقدس جماعت مکمل جانثاری کے ساتھ اپنے آقا کی نیابت میں شب وروز جدو جہد کرے۔ ہر آن، ہر لمحہ، ہر جگہ اور ہر موقع پر اپنے آقا کا ساتھ دے، ان پر پروانہ وار ساتھ دینے کا جذبہ رکھے۔

چنانچہ حقیقت میں ہوا بھی یہی کہ صحابہ کرام کی اس عظیم جماعت نے آقا ﷺ کی نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے منشائے الٰہی اور منشائے رسول کے مطابق دین کی مثالی اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد انہوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام اور پیغام اسلام کی حفاظت و پاسبانی اور اس کی تبلیغ وترسیل کی بلکہ اپنے بعد والوں کو بھی اس مشن کے فروغ اور اس تحریک کو زندہ رکھنے اور ہر طرح کے باطل فتنوں کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لئے تیار بھی کیا اور افراد سازی کا فریضہ بھی بحسن وخوبی انجام دیا۔

احادیث کریمہ کو روایت کرنے والے مخصوص صحابہ کرام نے بھی اپنے کچھ مصاحبین تیار کئے کہ جنہوں نے ان کی مرویات کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھائی۔ جیسے حضرت عبد اللہ ابن مسعود کے مصاحب خاص حضرت علقمہ وغیرہ، حضرت عبداللہ ابن عباس کے مصاحب حضرت امام مجاہد اور حضرت امام ضحاک اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصاحب خاص حضرت نافع وغیرہ۔ ان جیسی شخصیات نے صحابہ کرام کی نیابت میں آقا کریم ﷺ کی احادیث کریمہ کو دنیا والوں تک پہنچانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

خلافتِ فقہیہ:۔ صحابۂ کرام کے بعد تابعین اور تابعین کے بعد تبع تابعین کی مبارک جماعتوں نے اپنے اپنے دور میں آقا کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی اس نیابت وخلافت کا بجا طور پر حق ادا فرمایا۔ ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے دور میں اپنے مصاحبین کے ذریعہ امت مسلمہ کی دینی وشرعی ذمہ

داریوں کی انجام دہی فرمائی۔ ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے کچھ مخصوص مصاحبین تھے جنہوں نے اپنے اپنے اماموں کے فقہی مذہب کی تبلیغ وترسیل اوران کی حفاظت و صیانت میں خوب جانفشانی کی۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب حنفی کی ترویج و اشاعت کی ذمہ داریاں جن مصاحبین نے بحسن وخوبی انجام دیں ان میں سے حضرت امام ابی یوسف، حضرت امام محمد، حضرت حسن بن زیاداور حضرت امام زفر جیسی شخصیات مشہور ومعروف ہیں۔

خلافتِ طریقت اور اس کا پس منظر:۔ بغداد میں خلافت عباسیہ پر جب زوال کے بادل منڈرانے لگے اور دین کے نام پر نت نئے فتنے جنم لینے لگے، مذہب اسلام کی آبیاری اوراس کی ترویج و اشاعت میں اسلامی حکومت و خلافت ازکار رفتہ اور غیر مؤثر ثابت ہونے لگیں، علوم اسلامیہ کے نام پر دنیاداری اور مال و دولت کے حریص علمائے سوء نے دین و مذہب کی خالص اسلامی تعلیمات میں باطل کی آمیزش کرنا شروع کردی تو ایسے میں اللہ رب العزت کے مخلص، بے لوث اہل دل اور صاحب نظر افراد کی ایک مقدس جماعت نئے عزم، پاکیزہ جذبے اور مقدس مقصد کے ساتھ دینی و مذہبی خدمات کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی کہ جسے بعد میں ''صوفیائے کرام'' کے نام سے جانا گیا۔اس جماعت نے دنیا کے ہنگاموں سے دور رہ کر، گوشۂ تنہائی میں اقامت گزیں ہوکر خلق خدا کے قلب و ذہن میں جاگزیں ہونے والی باطل افکار ونظریات کی آلودگیوں سے ان کے قلوب واذہان کے تزکیہ وتطہیر اور اسلامی تعلیمات پر باطل افکار ونظریات کی جمی ہوئی تہوں کو صاف کر کے علم کو''نورِ علم'' سے مزین و آراستہ کرنے کے لئے ''خانقاہی نظام'' اور''طریقۂ تصوف'' کی بنیاد وطرح ڈالی۔ یہی وہ عظیم مقصد، ہدف، مقصود، مطلوب اور تحریک و مشن تھا کہ جس کے لئے انہوں نے اپنی ہستیوں کو مٹا کر اور اپنے وجود کو فنا کر کے خلق خدا کو معرفت الٰہی کا درس دیا۔عطیات ربانی سے انہیں مزین کیا۔اللہ ورسول کی تعلیمات سے انہیں قریب کیا۔ دنیا کی آلودگیوں میں گھر جانے والے علم کو ان آلودگیوں سے پاک وصاف کرکے اسے''نورعلم'' کی صورت میں ڈھال کر اللہ کے بندوں کو اس کی لازوال برکتوں سے از سرنو آشنا کیا۔مجاہدہ کرا کر، ریاضتیں کروا کر، چلہ کشی کی مشقت خیز وادیوں سے گزار کر، معرفت وسلوک کے جام پلا کر، نفس کشی کی بھٹی میں تپا کر انہیں''کندن'' بنانے کی جگہ جگہ مبارک ومقدس تحریکیں چلائیں۔خود بھی اس مشن کی تکمیل کے لئے جدو جہد کی۔ اس عظیم تحریک کو زندہ رکھنے،اسے مفید ومؤثر بنانے ،اس کے پیغامات اوراس کی تعلیمات کو عام سے عام تر کرنے کے لئے ان حضرات نے اپنے'' خلفائے

طریقت'' کا ایک ایسا زریں سلسلہ قائم کیا کہ جس کا ایک سرا رسول اکرم ﷺ سے متصل ہوتا تو دوسرا متعدد واسطوں سے ہوکر ان خلفاء تک پہنچتا۔ مبارک و مسعود ہستیوں، عظیم و بے مثال نفوس قدسیہ اور بافیض شخصیات کی انہیں مضبوط کڑیوں کے باہمی اور اٹوٹ رشتۂ اتصال کا نام ہی'' سلسلہ'' ہے اور اسی کو'' سلسلۂ طریقت'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ نقشبندیہ جیسے سلاسل طریقت اسی عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے معرض وجود میں آئے۔ ان تمام سلاسل طریقت کے تاریخ ساز خلفاء نے اپنے مشائخ سلسلہ کی تعلیمات کو وسیع پیمانے پر فروغ دیکر ہر دور میں امت کے اندر ایسی جماعتیں تیار کی جو حق کی علمبردار بنیں۔ ان کے وجود مسعود کی برکتوں سے مذہب و مسلک کو تحفظ حاصل ہوا۔ ان کی مقدس ہستیاں حق کا معیار اور صداقت کی کسوٹی بن گئیں۔ سیدنا سرکار غوث اعظم اور سرکار غریب نواز جیسی عظیم ہستیاں اسی سلسلے کی قابل تقلید اور لائق اتباع شخصیتیں ہیں۔

سلسلۂ تلمذ:۔ سلسلہ طریقت کے علاوہ ایک'' سلسلہ تلمذ'' بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ شاگرد اپنے شیخ سے ظاہری تعلیم حاصل کرتا ہے اور پھر یہ شاگرد و تلمیذ اس تعلیم کو اپنے شاگردوں کے سینوں میں اتارتا ہے۔ اس طرح اس تعلیم کی برکتوں سے وہ مذہب و مسلک اور قوم و معاشرے کی خدمت کرتا ہے۔

تعلیم و تعلم کا نظام جب تک کلاس روم، درس گاہی کمروں، سبجیکٹس، سلیبس اور نصاب تعلیم کی تعیین و تحدید، پیریڈ و گھنٹی کی حد بندیوں، عصری دانش کدوں کے نظام کی زنجیروں سے آزاد تھا اور تعلیم و تعلم پر خانقاہی نظام کی بالا دستی تھی تب تک اس پاکیزہ و باعظمت اور شخصیت ساز نظام میں پہلے سلسلہ طریقت اور سلسلۂ تلمذ یہ دونوں سلسلے ایک ساتھ چلا کرتے تھے۔ ایک ہی شیخ سے علم و عمل کی ظاہری آراستگی کے ساتھ ذہن و قلب اور روح و باطن کی بھی تطہیر ہوتی۔ شیخ طریقت تصوف و سلوک اور معرفت و حقیقت کی وادیوں کی سیر کرانے کے ساتھ علوم ظاہرہ اور فنون مفیدہ سے بھی انہیں آراستہ و پیراستہ کرتا۔ تعلیم کے لعل و گہر عطا کرنے کے ساتھ طریقت و روحانیت کے موتیوں سے بھی نواز کر انکی شخصیت کو ایسا نکھارتا کہ وہ جو بولتے اسے خدائی بولی کہا جاتا، وہ جو کرتے اسے خدائی کام سے تعبیر کیا جاتا، وہ ایک نگاہ ڈال دیتے تو خاک کو سونا بنا دیتے، ان کی نگاہِ کیمیا کا یہ اثر ہوتا کہ جس پر ایک نگاہ ڈال دیتے آن کی آن میں ان کے دل کی دنیا ہی بدل جاتی۔ وہ رہتے تو فرش زمین پر مگر دیکھتے عرش اور لوح محفوظ تک۔ وہ پہنتے تو'' گدڑیاں'' مگر وہ ان کے اندر بے مثال'' لعل و گہر'' چھپائے رہتے۔ وہ شریعت و طریقت

اور حقیقت و معرفت کا بے مثال ''سنگم'' ہوتے۔شریعت و طریقت کے درمیان ''بال'' اور ''مانگ'' کا اٹوٹ و مضبوط رشتہ قائم رکھتے۔''طریقت کی نہروں'' کے ساتھ ''شریعت کے منبع و سرچشمہ'' سے بھی مضبوط تعلق جوڑے رکھتے۔

خانقاہ برکاتیہ:۔ شریعت و طریقت کے اسی ''عظیم سنگم'' کے ایک ''پیکرِ جمیل'' کا نام ہے ''خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ''۔ یہاں کے ''صاحب دل'' اور'' صاحب نظر'' صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت نے شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے اس پاکیزہ سنگم کی ہر دور میں لاج رکھی۔یہاں کے مشائخ طریقت علم باطن کے ساتھ علم ظاہر سے بھی آراستہ ہوتے۔معرفت و حقیقت کے جام پلانے کے ساتھ وہ اپنے مریدین و متوسلین اور خلفاء و تلامذہ کو علم ظاہر کے زیور سے بھی آراستہ فرماتے۔علم کے ساتھ ان کی شخصیات کو ''نورعلم'' سے بھی روشن و منور کرتے۔کردار و عمل اور نظر و فکر کی اصلاح کے ساتھ ان کی ''شخصیت سازی'' اور ''پرسنالٹی ڈیولپ'' کرنے کا بھی فریضہ انجام دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس خانقاہ کو برصغیر میں آج بھی نہایت قدر و منزلت اور اعتبار و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

امام احمد رضا خانقاہ برکاتیہ میں:۔ اس خانقاہ کے انہیں اختصاصات و امتیازات کی وہ ایسی روحانی و عرفانی کشش تھی جو امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ جیسے'' آسمان علم و فن'' کے'' آفتاب نصف النہار'' کو مارہرہ مقدسہ کی بابرکت سرزمین پر کشاں کشاں لے گئی۔۱۲۹۴ھ کو سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد بزرگوار علامہ نقی علی خاں، تاج الفحول، محبّ رسول حضرت علامہ عبدالقادر بدایونی، اپنے استاذ مرزا عبد القادر بیگ کی معیت میں خاتم الاکابر، مرشد کامل حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی برکاتی علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو اپنے مرشد کے ہاتھوں پر فروخت کر دیا۔

(حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۱۲۱۔۱۲۲ مفہوماً و معارف رضا سالنامہ ۱۹۹۳ء صفحہ ۱۹۰)

حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ نے اسی مجلس میں سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی علم و فضل، ان کی صفائی قلب، پاکیزگیٔ ذہن، شفافیتِ روح اور ان کی بے مثال ظاہری و باطنی خوبیوں کو اپنی نگاہ ولایت سے ملاحظہ فرما کر انہیں طریقت کے سارے سلاسل قدیمہ و جدیدہ کی خلافت کے ساتھ احادیث مرویہ خاص کر حدیث مسلسل بالاولیت، چاروں مصافحات، دیگر علوم و فنون، اذکار و اشغال، اوراد و وظائف اور ادعیہ ماثورہ کی اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔جن ۱۲؍سلاسل طریقت کی

آپ کو اجازت وخلافت عطا فرمائی گئی وہ مندرجہ ذیل ہیں:
(۱) سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ (۲) سلسلہ قادریہ قدیمہ (۳) سلسلہ قادریہ اہدلیہ (۴) سلسلہ قادریہ منوریہ (۵) سلسلہ چشتیہ قدیمہ (۶) سلسلہ چشتیہ جدیدہ (۷) سلسلہ سہروردیہ قدیمہ (۸) سلسلہ سہروردیہ جدیدہ (۹) سلسلہ نقشبندیہ علائیہ (۱۰) سلسلہ بدیعیہ (۱۱) سلسلہ علویہ منامیہ (۱۲) سلسلہ عالیہ قادریہ رزاقیہ۔

اجازت وخلافت کا طریقہ:۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ چونکہ اسی مذکورہ خانقاہی نظام کے ایک عظیم مبلغ و ترجمان اور طبقۂ صوفیہ کے ''صف شکن مجاہد'' تھے۔ اس لئے سلسلۂ تلمذ اور سلسلۂ خلافت وطریقت کا آپ نے وہی طریقہ اپنایا کہ جو آپ کے مشائخ سلسلہ اور دیگر صوفیہ سے تسلسل کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ چونکہ آپ کو اکیس علوم وفنون اپنے اساتذہ، خاص کر والد ماجد حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ اور سرکار نور حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمہ سے باقاعدہ پڑھ کر حاصل ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ دس علوم وفنون کی آپ کو دیگر اہل علم، نقاد علماء سے اجازت حاصل تھی جنہیں آپ نے مذکورہ بالا اکیس علوم وفنون کی مدد سے حاصل کیا تھا۔ نیز اٹھائیس علوم وفنون وہ ہیں کہ جنہیں آپ نے کسی استاذ سے نہ قراًتاً حاصل کیا نہ سماعاً حاصل کیا اور نہ مذاکرتاً بلکہ یہ ۲۸ر علوم و فنون آپ کو وہبی طور پر اپنی نظر وفکر سے حاصل ہوئے۔ (**الاجازات المتینہ**، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف، مفہوما)

آپ مذکورہ بالا ان تمام انسٹھ ۵۹ر علوم وفنون، ان کے کتب وحواشی اور اپنی جملہ تصنیفات کی اجازت وخلافت تین طرح سے علماء ومشائخ کو عطا فرمایا کرتے تھے:

پہلا طریقہ:۔ آپ اپنے یہاں آنے والے شائقین تحصیل علوم وفنون کو یہ تمام علوم وفنون اور ان کے کتب وحواشی باضابطہ طریقہ تدریس کے مطابق پڑھاتے۔ کئی مہینوں اور کئی سالوں تک طلبہ آپ کی درسگاہ علم وفن سے تعلیم حاصل کرتے اس کے بعد آپ ان تمام علوم وفنون اور ان کے کتب وحواشی کی روایت کرنے کی انہیں اجازت عطا فرمانے کے ساتھ انہیں سلاسل طریقت کی بھی اجازت و خلافت سے سرفراز فرماتے۔

دوسرا طریقہ:۔ وہ علماء اور مشائخ جو علوم وفنون میں کامل و مکمل ہوتے اور آپ سے تبرکاً سندِ اجازت و خلافت حاصل کرنے کی گزارش کرتے تو آپ ایسے حضرات کو حدیث ''مسلسل بالاولیت'' کا اسماع کرا کر اور ان سے چاروں مصافحات کر کے انہیں اپنے تمام علوم وفنون اور ساری مرویات وتصنیفات کی روایت کرنے کی اجازت کے ساتھ انہیں سبھی سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت

سے نواز دیتے۔

تیسرا طریقہ:۔ کبھی آپ اجازت وخلافت کے طلبگاروں کو اپنے تمام علوم وفنون، سبھی مرویات اور سبھی سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت سے بنا کسی روایت کا اسماع کرائے ہوئے انہیں نواز دیتے۔ یہ وہ حضرات ہوتے کہ جو پہلے سے علوم وفنون اور معرفت وحقیقت کی نعمتوں سے مالا مال ہوتے۔ بس انہیں اعلیٰ حضرت جیسی علوم وفنون اور معرفت وروحانیت کی بے مثال شخصیت سے اپنی سند کا رشتہ جوڑ نا مقصود ہوتا۔

اعلیٰ حضرت کے خلفاء کی تعداد:۔ اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ آسمان علم و فضل اور افق حقیقت ومعرفت کے ایسے درخشندہ سورج ہیں کہ جو اپنے دامن میں علوم وحکمت اور معرفت و روحانیت کے نہ جانے کتنے بدر کامل اور روشن ومنور ستارے سمیٹے ہوئے ہیں۔ آپ جہاں ایک طرف ''ناموس رسالت'' کے محافظ و پاسبان تھے وہیں ایک سچے عاشق رسول بھی تھے۔ ایک طرف آپ سواد اعظم جماعت اہل سنت کے مضبوط ترین'' مبلغ و ترجمان'' تھے تو دوسری طرف آپ طبقۂ صوفیاء کے ''صف شکن مجاہد'' بھی تھے۔ آپ نے جہاں مذہب اسلام کی صحیح تعلیمات، سچے افکار و نظریات، عقائد حقہ اور معمولات صحیحہ کو اپنے خداداد علم و فضل سے مدلل ومبرہن فرمایا وہیں مذہب حنفی کا بھی زبردست علمی انداز میں تحفظ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے انہیں ایک خاص مقصد کی تکمیل کے لئے پیدا فرمایا تھا۔ قدرت کی جانب سے مجددیت کے تاج زریں کا آپ کو عطیہ بھی ملا تھا اور اسلاف کرام کے مقدس دینی و مذہبی اور مسلکی ومشربی ہدف، مقصود، مطلوب اور تحریک ومشن کی عظیم ذمہ داریاں بھی آپ کو تفویض کی گئی تھیں۔ آپ نے بھی اپنی تمام تر مذہبی ومسلکی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے ہر طرح کے دنیاوی عیش وآرام کو تج کران کی انجام دہی فرمائی جس کی وجہ سے پوری دنیائے اسلام کے خطے خطے کے عوام وخواص کی دینی وشرعی ضرورتوں میں آپ ان کے مرجع و ماویٰ بن گئے۔ اپنے وقت کی مشاہیر وعباقر شخصیات کے دلوں کو قدرت کی جانب سے ان کے لئے مسخر کر دیا گیا تھا۔ ہر ایک آپ ہی کی زلف کا اسیر نظر آتا ہے۔ جو مسئلہ کہیں حل نہ ہوتا اس کے حل کے لئے نگاہیں آپ ہی کی طرف مرکوز ہوتیں۔ عجم سے لے کر عرب تک ہر جگہ اور ہر خطہ کے علماء و مشائخ آپ کے علوم وفنون کی برکتوں سے مالا مال ہوتے۔ ایک ایک وقت میں سیکڑوں سوالات آپ کے یہاں جمع ہوجاتے۔ علوم وفنون کے شائقین اور طلبہ آپ سے اکتساب فیض کرنے کے لئے پروانہ وار آپ کے اردگرد جمع

رہتے۔ درس و تدریس کی محفلیں بھی سجتیں اور فقہ و فتاویٰ کا گلستاں بھی لہلہاتا۔ معرفت و سلوک کے جام بھی تقسیم ہوتے اور علم و فن کے موتی بھی لٹائے جاتے۔ بیعت و ارشاد کے ذریعہ خلق خدا کو اللہ و رسول کی صحیح ترین معرفت کا راستہ بھی دکھایا جاتا اور رد و طرد، مباحثہ و مناظرہ کے ذریعہ اللہ و رسول کے دشمنوں کی سرکوبی بھی کی جاتی۔ وہ ایک ایسا بے مثال ''مطب'' تھا کہ جس میں امام احمد رضا جیسے ''طبیب حاذق'' کی نگرانی و رہنمائی میں مذہب و مسلک کے محافظ و پاسبان تیار اور ٹرینڈ کئے جاتے۔ دنیا کے خطے خطے تک اپنے اسلاف اور اپنے اکابر کے مشن ''مشن تحفظ ناموس رسالت''، ''مشن تحفظ عظمتِ اسلاف و اکابر'' اور ''مشن تحفظ مذہب و مسلک'' کی ترسیل و تبلیغ اور ترویج و اشاعت کے لئے ''شخصیت سازی''، ''افراد سازی'' اور ''پرسنالٹی ڈیولپ مینٹ'' کا یہ ایک ایسا ''مطب'' اور ایک ایسا افراد ساز ''کارخانہ'' تھا جس میں علوم و حکمت، معرفت و حقیقت، تصوف و سلوک، علم ظاہر اور علم باطن کے مقدس و پاکیزہ ''سانچوں'' میں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو بے مثال دینی و مذہبی مبلغ و رہنما اور ''علمائے ربانیین'' کی ''خدا بھاتی'' صورتوں میں ڈھالا جاتا۔ علوم و حکمت اور معرفت و روحانیت کے شائقین کو امام احمد رضا کے اس علمی و روحانی ''مطب'' اور ان کی اس ''شخصیت ساز'' بارگاہ میں آکر بے پناہ ذہنی و روحانی سکون ملتا۔ شخصیت سازی، کردار سازی، افراد سازی، اور پرسنالٹی ڈیولپ کرنا کسے کہتے ہیں یہ کوئی امام احمد رضا سے سیکھے۔

بہرحال آپ کے خلفاء کی صحیح تعداد بیان کرنا نہایت مشکل ترین امر ہے۔ بس اتنا کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے خلفاء عالم اسلام کے بے شمار خطوں میں تھے۔ کیونکہ آپ خانقاہی نظام کی شفافیت کے علمبرادر تھے۔ سلسلہ قادریہ کے فروغ و احیاء کے لئے حد درجہ کوشاں رہتے۔ اپنے تلامذہ کو علوم و فنون کے ساتھ معرفت و روحانیت اور تزکیہ و تطہیر کا لباس زیب تن کراتے۔ اس لئے آپ اپنے تلامذہ کو عموماً علوم ظاہرہ کی اجازت دینے کے ساتھ انہیں علوم باطنہ اور سلاسل طریقت کی بھی اجازت و خلافت سے نوازتے۔

پروفیسر مسعود صاحب نے اعلیٰ حضرت کے خلفاء کی تعداد کے بارے میں متعدد جگہ کچھ اشارئیے پیش فرمائے ہیں۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا بریلوی کے خلفاء ہندوستان و پاکستان، حجاج مقدس، اور دوسرے بلاد اسلامیہ میں پھیلے ہوئے ہیں''۔
(حیات مولانا احمد رضا بریلوی مطبوعہ سیالکوٹ بحوالہ خلفائے محدث بریلوی صفحہ ۸)

ایک جگہ یوں تحریر فرمایا:

''فاضل بریلوی کے بے شمار خلفاء تھے جو پاک و ہند اور

حرمین شریفین میں پھیلے ہوئے تھے ''الاجازات المتینہ'' کے مطالعہ سے حرمین شریفین میں آپ کے خلفاء کی تعداد کا ایک سرسری اندازہ ہوتا ہے''۔ (خلفائے محدث بریلوی صفحہ ۸)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''ہندوستان و پاکستان اور ممالک اسلامیہ خصوصاً حرمین شریفین میں مولانا بریلوی کے بکثرت خلفاء تھے جن کی تعداد سو ۱۰۰ سے متجاوز ہے۔

(حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی بحوالہ خلفائے محدث بریلی صفحہ ۸)

آپ کے خلفاء کا علمی مقام و مرتبہ اور ان کی عظمت و رفعت کیا تھی اس کے سلسلے میں پروفیسر مسعود صاحب کا یہ اقتباس پڑھے جانے کے لائق ہے:

''حضرت فاضل بریلوی کے خلفاء میں بعض تو ایسے بھاری بھرکم ہیں کہ ان کے حالات اور ان کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ افسوس ابھی تک کما حقہ کام نہیں کیا گیا ورنہ دنیا دیکھتی کہ ہندوستان کے آسمان علم و دانش سے طلوع ہونے والا آفتاب اپنے دامن میں کتنے چاند سمیٹے ہوئے تھا۔ (خلفائے محدث بریلوی صفحہ ۵۱)

ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ کے صفحہ نمبر ۱۲/ پر مدیر ماہنامہ ''الرضا'' حضرت علامہ حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت کے ۵۰/ خلفائے برصغیر کی فہرست ذکر کرنے کے بعد ''نوٹ'' کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''اس وقت صرف بعض اہالیٔ ہند کے اسماء محض یادداشت سے لکھے ہیں۔ علمائے عرب وافریقہ ان سے علیحدہ ہیں۔ نیز بہت ممکن ہے کہ بعض ضروری نام رہ گئے ہوں جو اطلاع ملنے پر آئندہ شائع کر دیئے جائیں گے''۔

(ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۱۲)

اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ دنیا کے خطے خطے میں پھیلے ہوئے تھے جن کی وجہ سے آج ہر جگہ سنیت کی بہاریں نظر آتی ہیں اور تقریباً ہر وہ خطہ جہاں اہل سنت و جماعت کا وجود ہے وہ اعلیٰ حضرت کے ذکر اور چرچے سے روشن و منور ہے۔ اس بات کو پروفیسر مسعود صاحب نے یوں بیان فرمایا:

'' آپ کے خلفاء کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ایک طرف صوبہ مدراس، صوبہ بنگال اور صوبہ بہار میں آپ کے خلفاء پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان اور تیسری طرف صوبہ سندھ (پاکستان) اور صوبہ راجستھان میں، صوبہ سی۔ پی اور یو۔ پی تو گویا آپ کے زیر نگیں تھے۔ دائرہ خلفاء کی یہ ہمہ گیری شاید معاصرین صوفیہ میں کسی کو حاصل نہ ہو سکی۔ آپ کے خلفاء

پاک و ہند کے مختلف شہروں میں موجود تھے۔ مثلا بنگلور، مدراس، کلکتہ، عظیم آباد، جبل پور، آرہ، محمود آباد، میرٹھ، مرادآباد، بجنور، نگینہ، باندہ، اعظم گڑھ، کچھوچھہ، پیلی بھیت، الور، پرتاب گڑھ، کوٹلی لوہاراں، کراچی، کھروٹہ، سیالکوٹ، لاہور، آگرہ، مگدھ وغیرہ وغیرہ۔ پھر نہ صرف پاک و ہند بلکہ بلاد عرب، افریقہ، اور انڈونیشیا وغیرہ میں بھی آپ کے خلفاء موجود تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ، طرابلس، فابلس وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان خلفاء نے مجموعی طور پر حضرت فاضل بریلوی کے پیغام کو کہاں کہاں پہنچایا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں آپ کے معتقد اور جاں نثار موجود نہ ہوں''۔

(خلفائے محدث بریلوی صفحہ ۳۰)

مذہب و مسلک کی ترویج و اشاعت اور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو دنیا کے ہر حصے میں پہونچانے کا جو زریں کارنامہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں، تحریروں، فتووں، شہزادوں اور آپ کے خلفاء و تلامذہ نے انجام دیا اس کا ایک سرسری جائزہ ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے یوں پیش فرمایا کہ:

''ایسے ہی سلسلہ قادریہ برکاتیہ کے ایک جلیل القدر عالم دین، عظیم روحانی پیشوا، حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ سے مقبولیت پانے والے حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ ہیں۔ جنہوں نے دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے ہزاروں فتاویٰ تحریر کئے اور ایک ہزار سے زائد دین اسلام کے حوالے سے کتب تصنیف فرمائیں۔ مسلمانوں کو دوست اور دشمن کی پہچان بتائی اور حضور اکرم ﷺ کی محبت کو دلوں میں روشن کیا، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی کی اپنی ذاتی خدمات ایک طرف اسلامی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھنے کے لائق ہیں، تو دوسری طرف ان کے ۱۰۰/ سے زیادہ تربیت یافتہ خلفاء اور ہزاروں تلامذہ کی خدمات دینی بھی برصغیر کی تاریخ کا ایک انمول حصہ ہے۔ امام احمد رضا نے برصغیر میں بالخصوص تحفظ ختم نبوت، تعظیم نبی مصطفیٰ ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ کی خدمات کا جو بیڑا اٹھایا تھا ان کے تلامذہ اور خلفاء نے اس کو آگے بڑھانے میں چار چاند لگائے، آپ کے متعدد خلفاء نے مختلف جہتوں میں کام کیا، مثلاً فقہی، معاشرتی اور معاشی مسائل، تحریک جدو جہد آزادی، تبلیغ اسلام، روحانی اور طریقت کے افکار، رد مذاسب باطلہ ادیان وغیر ہا''۔

(تجلیات خلفاء اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۵)

اعلیٰ حضرت نے دیگر صوفیا کی طرح صرف اپنے خلفاء کی تعداد و کمیت بڑھانے کا کام نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایسے ہی افراد کو اپنا خلیفہ منتخب فرمایا کہ مذہب و مسلک کی

ترویج واشاعت میں جوان کی طرح بے لوث جذبوں سے معمور تھے اور جوان سے علم وعمل کی دولت بے بہا حاصل کر کے اپنے آپ کوان کی کسوٹی پر کھرا اتار چکے تھے۔اس سلسلے میں خلفائے اعلیٰ حضرت کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر مسعود صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت بڑی متحرک اور فعال (Dynamic) تھی، اس بلا کی حرکت اور جہد وعمل کی قوت معاصرین میں نظر نہیں آتی۔آپ نے یہی جذبہ عمل اپنے خلفاء میں منتقل کیا، چنانچہ اکثر خلفاء علم وعمل کا روشن مینارہ نظر آتے ہیں۔انہوں نے پاک و ہند اور بیرونی دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اور مسلک اہل سنت و جماعت کی اشاعت کی اور ملت اسلامیہ کو رسول کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کا سچا فدائی و پرستار بنایا۔ انہوں نے (خلفائے اعلیٰ حضرت نے) اس مقصد کے لئے تبلیغی دورے کئے۔تعلیمی اور فلاحی ادارے قائم کئے، اخبارات ورسائل جاری کئے۔

(خلفائے محدث بریلوی صفحہ ۳۱)

اس کے بعد پروفیسر مسعود صاحب نے اعلیٰ حضرت کے خلفاء کے ذریعہ قائم کئے گئے تعلیمی اور فلاحی اداروں کی تفصیلات، خلفائے اعلیٰ حضرت کی دیگر دینی، مذہبی، مسلکی اور علمی واصلاحی خدمات بیان کرنے کے بعد خلفائے اعلیٰ حضرت کی اخبار و رسائل کے حوالے سے صحافتی خدمات کا بھی احاطہ فرمایا ہے۔ نیز خلفائے اعلیٰ حضرت کے تبلیغی دوروں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

بر صغیر کے خلفاء: مذکورہ تفصیلات سے یہ بات کافی حد تک ثابت ہوچکی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے بے شمار خلفاء اور تلامذہ تھے جو دنیا کے بیشتر ممالک اور خطوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

قرآن وحدیث، اقوال اسلافِ کرام اور مذہب اسلام کی معتبر ومستند کتابوں کی روشنی میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ و الرضوان نے مذہب اسلام اور عقائد حقہ اور معمولات صحیحہ کی ترویج واشاعت کے لئے جو خطوط ومنشور متعین فرما کر ان خلفاء اور تلامذہ کی جو تربیت فرمائی تھی اور جن کی انہیں تلقین و تاکید کی تھی ان کی روشنی میں ان حضرات نے عالم اسلام کے بیشتر خطوں تک حتی الامکان مذہب ومسلک کی نشر واشاعت فرمائی۔

یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ ان خلفاء اور تلامذہ کی صحیح اور متعین تعداد وتحدید بیان کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ البتہ سب سے صحیح اور مستند ترین خلافت ان لوگوں کی ہے کہ جن کی تصریح خود سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی ہے یا ان کے شاہزادگان نے یا ان حضرات نے کہ جو شب وروز سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

بارگاہِ علم وفن میں رہتے تھے جیسے حضرت علامہ حسنین رضا خاں، حضرت ملک العلماء اور حضرت صدر الشریعہ وغیرہم۔ یا جن کی گواہی خود ان خلفاء کو بارگاہ امام سے عطا کی جانے والی سند اجازت وخلافت دیتی ہو۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالہ سے بر صغیر ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے تعلق رکھنے والے خلفاء کی تین فہرستوں کا ہمیں سراغ ملتا ہے اور اس کے علاوہ عرب وافریقہ وغیرہ سے تعلق رکھنے والے خلفاء کے ناموں اور تعداد کی معرفت حاصل کرنے کا سب سے مستندترین ماخذ اور حوالہ " الاجازات المتینہ لعلماء بکة و المدینة" نامی رسالہ ہے جسے متعلقہ عرب وافریقہ کے خلفاء کو عطا کی جانے والی خلافتوں اور اجازتوں کے چشم دید گواہ، شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدی سرکار حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے عربی زبان میں ۱۳۲۵ھ کو مرتب فرمایا۔

اعلیٰ حضرت کے ذریعہ جاری کی گئی پہلی فہرست:۔ اعلیٰ حضرت نے وہابیہ ودیابنہ کے ردّ میں "الاستمداد علی اجیال الارتداد "نامی قصیدہ تحریر فرمایا تو اس کے ضمن میں ''ذکر احباب ودعائے احباب'' کی سرخی کے تحت اپنے چودہ خلفاء کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

حامد منی انا من حامد☆ حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں

(۱) شہزادہ اکبر حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں

عبد السلام سلامت جس سے☆ سخت آفات میں آتے یہ ہیں

(۲) عید الاسلام حضرت علامہ عبد السلام جبل پوری

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے☆ اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(۳) ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین رضوی بہاری

میرا امجد مجد کا پکا☆ اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں

(۴) صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی رضوی اعظمی

میرے نعیم الدین کو نعمت☆ اس سے بلا میں ستاتے یہ ہیں

(۵) صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی

احمد واشرف حمد وشرف لے☆ اس سے ذلت پاتے یہ ہیں

(۶) حضرت علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی

مولانا دیدار علی کو☆ کب دیدار دکھاتے یہ ہیں

(۷) علامہ دیدار علی رضوی محدث الوری

مجبور احمد مختار ان کو☆ کرتا ہے مرجاتے یہ ہیں

(۸) علامہ احمد مختار صدیقی میرٹھی

اک اک وعظ عبد الاحد پر☆ کتنے نتھنے پھلاتے یہ ہیں

(۹) سلطان الواعظین علامہ عبد الاحد رضوی پیلی بھیتی

بخش رحیم پہ رحمت جس سے☆ آرے کے نیچے آتے یہ ہیں

(۱۰) فقیہ النفس حضرت مفتی رحیم بخش رضوی آروی

جو ہر منشی لعل پہ ہیرا☆ کھا مرنے کو منگاتے یہ ہیں

(۱۱) حضرت علامہ منشی محمد لعل خاں مدراسی کلکتہ

آل الرحمٰن برہان الحق ☆ شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

(۱۲) سیدی سرکار مفتی اعظم ہند

تازہ ضرب شفیع احمد سے ☆ کہنہ بخار اٹھاتے یہ ہیں

(۱۳) امین الفتویٰ حضرت علامہ شفیع احمد بیسلپوری

دے حسنین وہ تقبیع ان کو ☆ جس سے برے کھسیاتے یہ ہیں

(۱۴) حضرت علامہ حسنین رضا خاں بریلوی

ماہنامہ ''الرضا'' کی جاری کردہ دوسری فہرست: اعلیٰ حضرت کو ایک بار یہ اطلاع ملی کہ کچھ لوگ ہندوستان کے مختلف خطوں میں مال و دولت کی تحصیل کی غرض سے اپنے آپ کو ان کا خلیفہ بتاتے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں چنانچہ ایسے ہی دھوکے باز افراد سے مسلمانوں کو بچانے کی غرض سے آپ نے ایک مختصر تحریر بنام ''ضروری اطلاع'' اپنے دستخط کے ساتھ شائع کرائی۔ یہ تحریر ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ کے صفحہ نمبر ۹/ پر مدیر ماہنامہ ''الرضا'' حضرت علامہ حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے شائع فرمائی۔

مذکورہ ''ضروری اطلاع'' نامی تحریر کے اختتام کے بعد حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے ''اعلان'' کی سرخی لگا کر ایک مختصر ''ادارتی نوٹ'' کے ساتھ برصغیر سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ حضرت کے ۵۰/ خلفاء کی ایک فہرست بھی منسلک فرمائی ہے جو ''الرضا'' کے صفحہ ۹ تا ۱۲/ پر مندرج ہے۔ اس فہرست کی خوبی یہ ہے کہ اس میں خلفاء کے نام کے ساتھ ان کا مکمل پتہ، ان کی علمی صلاحیت، عرفی حیثیت اور ان کے دینی، مذہبی، مسلکی اور علمی و قلمی منصب کو بھی انتہائی مختصر و جامع انداز میں واضح فرمایا ہے۔ ''ضروری اطلاع'' نامی اعلیٰ حضرت کی مذکورہ تحریر مندرجہ ذیل ہے:

ضروری اطلاع

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدهٗ و نصلی علی رسوله الكريم

برادران اہلسنت کو اطلاع:۔

فقیر کے پاس شکایتیں گزریں، بعض صاحب باوصف بے علمی، دنیا طلبی کے لئے وعظ گوئی کرتے ہوئے اکناف ہند میں دورہ فرماتے اور یہاں سے اپنا علاقہ انتساب بتاتے ہیں، جس کے سبب فقیر سے محبت کرنے والے حضرات دھوکہ کھاتے ہیں، اس شکایت کے رفع کو یہ سطور مسطور۔

یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دینی کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا، نہ احباب ''علمائے شریعت'' یا برادران طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی، بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعت دین و حمایت سنت (سنیت) میں ''جلب منفعت مالی'' کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً

لوجہ اللہ ہو۔ ہاں! اگر بلا طلب، اہل محبت سے کچھ نذر پائیں، رد نہ فرمائیں کہ اس کا قبول سنت ہے، یہاں سے نسبت ظاہر فرمانے والے صاحبوں کے پاس فقیر کی دستخطی، مہری ''سند علمی'' یا ''اجازت نامۂ طریقت'' ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ زبانی دعوے پر عمل پیرا نہ ہوں۔ والسلام

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ۔

''ضروری اطلاع'' نامی اعلیٰ حضرت کی اس تحریر کے بعد اور اعلیٰ حضرت کے پچاس خلفاء کی فہرست کے اوپر ''اعلان'' کے نام سے درج وضاحتی تحریر اور ''ادارتی نوٹ'' کی صورت میں مدیر ماہنامہ ''الرضا'' حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ کا تین سطری یہ ''اطلاع نامہ'' مندرجہ ذیل ہے:

''فقیر مدیر (حضرت علامہ حسنین رضا خاں) عرض کرتا ہے کہ مزید اطلاع کے لئے بعض حضرات کے اسمائے گرامی تحریر کئے جاتے ہیں جن کا علاقہ اعلیٰ حضرت مدظلہ سے خصوصیت کے ساتھ ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ علم میں کامل ہیں۔ ان سے مسائل بھی پوچھے جائیں اور ان کا بیان بھی سن کر فیض پائیں''۔

(ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۹)

مذکورہ وضاحتی تحریر کے ساتھ مدیر ماہنامہ ''الرضا'' بریلی حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے پچاس خلفائے اعلیٰ حضرت کی جو فہرست شائع فرمائی ہے وہ فقیر راقم الحروف (محمد سلیم بریلوی) کی جانب سے لگائی گئی سرخی ''پچاس خلفاء کی فہرست'' کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے۔

﴿پچاس خلفاء کی فہرست﴾

۱۔ صاحبزادہ جناب مولانا الحاج مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب۔ محلّہ سوداگران بریلی۔ عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت ومجاز طریقت ہیں۔

۲۔ صاحبزادہ جناب مولانا مولوی محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب۔ محلّہ سوداگران بریلی، عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت ومجاز طریقت ہیں۔

۳۔ جناب مولانا مولوی حکیم امجد علی صاحب ساکن اعظم گڑھ۔ وارد حال محلّہ سوداگران بریلی، عالم، فقیہ، مصنف، واعظ، مناظر، حامی سنت ومجاز طریقت۔

۴۔ جناب مولانا الحاج الشاہ مولوی سید ابوالمحمود احمد اشرف صاحب۔ درگاہ شریف کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد (وارث سجادہ) عالم، فاضل، مناظر، ، واعظ، خوش بیان، تلمیذ اعلیٰ حضرت، حامی سنت۔

۵۔ جناب مولانا الحاج مولوی احمد مختار صاحب۔ صدیقی ۲۳۶ محلّہ مشائخاں، میرٹھ، عالم، فاضل، واعظ، خوش بیان ومجاز طریقت۔

۶۔ جناب مولانا مولوی سیدی محمد آصف صاحب ۔کانپور محلّہ فیل خانہ قدیم، عالم ومجاز طریقت۔

۷۔ جناب مولانا سید احمد صاحب الوری، صاحبزادہ جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب۔ عالم، مدرس، واعظ، مناظر، مجاز طریقت۔

۸۔ جناب مولانا مولوی امام الدین صاحب۔کوٹلی لوہاراں ،مغربی ضلع سیالکوٹ۔عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۹۔ جناب مولانا مولوی احمد بخش صاحب۔ ڈیرہ غازی خاں۔ عالم، فاضل، کامل، مدرس، واعظ، مناظر، مفتی، مجاز طریقت۔

۱۰۔ جناب مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب ۔پشاور ، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۱۔ جناب مولوی سید احمد حسین صاحب ۔میرٹھ ، مجاز طریقت۔

۱۲۔ جناب مولانا مولوی احمد حسن خاں صاحب امروہی۔ حیدرآباد، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۳۔مداح الحبیب جناب مولوی جمیل الرحمٰن خاں صاحب بریلی محلّہ بہاری پور۔(نزد مسجد بی بی جی بڑودہ بینک کے سامنے۔محمد سلیم بریلوی) میلاد خواں ،خوش الحان مداح سرکار دو جہاں (ﷺ)۔

۱۴۔جناب مولانا مولوی حکیم حبیب الرحمٰن خاں صاحب۔ مدرس اول مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت، عالم فاضل، مدرس، مجاز طریقت۔

۱۵۔ جناب مولانا مولوی حبیب اللہ صاحب۔خطیب مسجد خیر نگر میرٹھ۔عالم، مجاز طریقت۔

۱۶۔ جناب مولانا مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب بہاری۔ مدرس مدرسہ عربیہ مدراس، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۷۔ جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب ۔مفتی جامع (مسجد) آگرہ۔ساکن الور، عالم، فاضل، مفتی، کامل، مدرس، واعظ، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۱۸۔ جناب مولانا مولوی رحم الٰہی صاحب۔ مدرس مدرسہ اہلسنت (جامعہ رضویہ منظر اسلام) محلّہ سوداگران بریلی۔ عالم، فاضل، مدرس مجاز طریقت۔

۱۹۔ جناب مولانا مولوی محمد رحیم بخش صاحب آرہ۔ اعلیٰ مدرس وبانی فیض الغرباء۔عالم، مدرس، مفتی، مناظر واعظ و مجاز طریقت۔

۲۰۔ جناب مولانا مولوی سرفراز احمد صاحب ۔محلّہ مہکڑی کھوہ، مرزاپور، عالم، واعظ ومجاز طریقت۔

۲۱۔ جناب مولوی شفیع احمد خاں صاحب (بیسلپوری) مدرس، مدرسہ اہلسنت (منظر اسلام) بریلی۔وامین الفتویٰ بدار الافتاء (اعلیٰ حضرت کا دار الافتاء) عالم، مفتی، واعظ، مناظر ومجاز طریقت۔

۲۲۔ جناب مولانا مولوی شمس الدین صاحب۔ ضلع ناگور قصبہ باسنی (راجستھان) علاقہ جودھپور، عالم، مدرس ومجاز طریقت۔

۲۳۔ جناب مولانا مولوی ظہیر الحسن صاحب۔ ساکن اعظم گڑھ، عالم، مدرس ومجاز طریقت۔

۲۴۔ جناب مولانا مولوی ظفر الدین صاحب بہاری۔ پروفیسر مدرسہ عربیہ خانقاہ شہسرام۔ عالم، فاضل، کامل، مفتی، مصنف، مدرس، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت، ملقب از جانب اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس بہ ''ولدی الاعز'')

۲۵۔ جناب مولانا مولوی محمد عبد السلام صاحب ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب ''عید الاسلام''، عقب کوتوالی جبلپور۔ عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۲۶۔ جناب مولانا مولوی حکیم محمد عبد الاحد صاحب۔ خلف الرشید حضرت مولانا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ ملقب از جانب اہلسنت مدراس بہ ''سلطان الواعظین''۔ مہتمم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت۔ عالم، واعظ، مناظر، مدرس، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۲۷۔ جناب مولانا الحاج المولوی محمد عبد العلیم الصدیقی۔ ۲۳۶ محلّہ سوداگران مشائخاں میرٹھ، عالم، فاضل، واعظ، خوش بیان، مجاز طریقت۔

۲۸۔ جناب مولانا المولوی عبد الباقی برہان الحق صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا عید الاسلام۔ عالم، فاضل، مفتی، واعظ، مصنف، مجاز طریقت، ملقب از حضرت قبلہ بہ ''نورعینی''

۲۹۔ جناب مولانا مولوی عبد الحکیم خان صاحب۔ ساکن شاہجہانپور ضلع میرٹھ۔ عالم، مدرس، مصنف، صوفی، مجاز طریقت۔

۳۰۔ جناب مولانا مولوی عبد الحق صاحب۔ پنجابی۔ مدرس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت، عالم، مدرس، مفتی، مجاز طریقت۔

۳۱۔ جناب مولانا مولوی ابوعبد القادر عبد اللہ صاحب۔ کوٹلی لوہاراں مغربی، ضلع سیالکوٹ، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۳۲۔ جناب مولانا مولوی حاجی عبد الجبار صاحب بنگالی۔ عالم مجاز طریقت۔ (بنگلہ دیش)

۳۳۔ جناب مولانا مولوی حافظ سید عبد الرشید صاحب مظفر پوری۔ عالم، مجاز طریقت۔

۳۴۔ جناب مولانا مولوی عبد الکریم صاحب۔ چتوڑ گڑھ علاقہ میواڑ (راجستھان) عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۳۵۔ جناب مولانا مولوی الحاج عبد الرحمٰن صاحب۔ جے پور، تکیہ آدم شاہ، وارد حال مدینہ طیبہ۔ عالم، مدرس، مجاز طریقت۔

۳۶۔ جناب حاجی محمد عیسیٰ خاں محمد صاحب۔ دھوراجی، کاٹھیاواڑ، حامی سنت۔

۳۷۔ جناب سیٹھ عبد الستار اسماعیل صاحب۔ گونڈل، کاٹھیاواڑ، حال مقیم رنگون، (ورما) سورتی بازار، حامی

سنت وفرار دہندہ تھانوی از رنگون۔

۳۸۔ جناب مولانا مولوی عبد العزیز صاحب ۔مدرس مدرسہ جامع مسجد پیلی بھیت۔عالم،مجاز طریقت۔

۳۹۔ جانب مولانا مولوی غیاث الدین صاحب۔ بہار، عالم،واعظ،مجاز طریقت۔

۴۰۔ جناب مولانا مولوی سید فتح علی شاہ صاحب ۔کھروٹہ سیداں،ضلع سیالکوٹ۔عالم،واعظ،مجاز طریقت۔

۴۱۔جناب قاضی قاسم میاں صاحب۔پور بندر، کاٹھیاواڑ،حامی سنت،مجاز طریقت۔

۴۲۔ جناب حاجی مولوی منشی محمد لعل خاں صاحب۔ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب ''حامی سنت،ماحی بدعت''۔۲۲ رنمبر، زکریا اسٹریٹ،کلکتہ۔ناصر ملت،عدو بدعت،مجاز طریقت۔

۴۳۔ جناب مولانا مولوی محمد شریف صاحب ۔کوٹلی لوہاراں مغربی،ضلع سیالکوٹ،عالم،واعظ،مجاز طریقت۔

۴۴۔جناب مولانا الحاج المولوی منیر الدین صاحب بنگالی۔عالم،،مجاز طریقت۔

۴۵۔جناب مولانا مولوی محمود جان صاحب۔جام جودھپور، کاٹھیاواڑ، عالم، واعظ، مناظر، مصنف،حامی سنت،مجاز طریقت۔

۴۶۔ جناب مولانا مولوی سید محمد عمر ظہیر الدین الہ آبادی۔ عالم،مجاز طریقت۔

۴۷۔ جناب مولانا مولوی حکیم محمد نعیم الدین صاحب۔مہتمم مدرسۂ اہلسنت مرادآباد، چوکی حسن خاں، عالم، فاضل، مناظر،مصنف،واعظ،حامی سنت،مجاز طریقت۔

۴۸۔جناب مولانا مولوی حاجی سید نور احمد صاحب۔ چاٹ گام (بنگلہ دیش)عالم،واعظ، مجاز طریقت و مجاز حضرت مفتی حنفیہ بمکہ معظمہ شیخ صالح کمال رحمۃ اللہ علیہ۔

۴۹۔ جناب مولانا مولوی محمد یعقوب علی خاں صاحب۔ بلاسپور،ضلع رامپور،عالم،واعظ،مجاز طریقت۔

۵۰۔ جناب حاجی،حافظ،قاری محمد یقین الدین صاحب۔ ساکن محلّہ ملوکپور،بریلی، امام تراویح اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس مجاز طریقت۔

(ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف ،شمارہ ۴،۵ رماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۹ تا ۱۲)

نوٹ:۔اس فہرست میں بریکٹ کے اندر کی عبارات کا اضافہ راقم (محمد سلیم بریلوی) نے کیا ہے۔

مذکورہ فہرست میں خلفائے اعلیٰ حضرت کے احوال وکوائف دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ ایک ماہر فن خاکہ نگار بھی تھے۔ آپ نے انتہائی جامع انداز میں خلفاء کے احوال وکوائف کا اس طرح اندراج کیا ہے کہ چند الفاظ ہی میں خلفاء کی علمی،فنی،عرفی اور واقعی حیثیت کا احاطہ ہوجاتا ہے۔

چونکہ اس فہرست کو اعلیٰ حضرت کی مذکورہ تحریر کی تائید حاصل ہے اور یہ فہرست اعلیٰ حضرت کی دستخط شدہ مذکورہ تحریر کے ساتھ آپ ہی کی حیات میں شائع ہوئی تھی۔ اس لئے اس فہرست کا انتساب اگر آپ کی طرف کردیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

اس فہرست کے اختتام پر مدیر ماہنامہ ''الرضا'' حضرت علامہ حسنین رضا خاں صاحب نے جو ادارتی نوٹ لگایا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

''(نوٹ) جو حضرات باوصف نسبت خاصہ اپنے اسماء اس فہرست میں نہ پائیں، اپنی خدمات سنت (سنیت) کا ذکر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس کو اطلاع دیں کہ اس وقت صرف بعض اہالیٰ ہند کے اسماء محض یاد داشت سے لکھے ہیں۔ علمائے عرب وافریقہ ان سے علیحدہ ہیں نیز بہت ممکن ہے کہ بعض ضروری نام رہے گئے ہوں جو اطلاع ملنے پر آئندہ شائع کردیئے جائیں گے۔ جن صاحب کے بیان اوصاف میں میری ناواقفی سے کمی ہوئی تو اس کی معافی چاہتا ہوں چونکہ فرق مراتب دشوار تھا اس لئے ترتیب اسماء ''بترتیب حروف تہجی'' رکھی گئی ہے۔

(ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۱۲)

واضح رہے کہ مدیر ماہنامہ ''الرضا'' حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ کی ''اعلان'' نامی تحریر اور فہرست کے اختتام پر لگے ''نوٹ'' کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فہرست اعلیٰ حضرت کے سارے خلفاء کی نہیں ہے بلکہ ''بعض'' خلفاء کی ہے کہ جن کے نام حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ کو مذکورہ شمارے اور مذکورہ فہرست کی ترتیب کے وقت یاد آئے اور اتنی بات بھی طے ہے کہ اس فہرست کے جاری ہونے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت نے بہت سے علماء ومشائخ کو اجازت وخلافت سے نوازا ہوگا۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت کا ہر آنے والا دن گزر جانے والے دن سے زیادہ مقبولیت بھرا ہوتا تھا۔ جیسے جیسے آپ کی عمر شریف بڑھتی جارہی تھی ویسے ویسے آپ کی تصانیف، فتاویٰ اور آپ کے علم وفن کا شہرہ دن دونی رات چوگنی ترقی کررہا تھا جس کی وجہ سے علماء ومشائخ پروانہ وار آپ پر نثار ہورہے تھے۔ کوئی آپ سے شرف تلمذ حاصل کرنے آپ کی بارگاہ میں آتا تو کوئی اجازت وخلافت حاصل کرنے کی غرض سے کیونکہ آپ کی عمر کے آخری سالوں میں جلیل القدر علماء ومشائخ کا آپ کے اردگرد ہجوم سا رہنے لگا تھا جو اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ آخری ماہ و سال اور آخری دنوں میں آپ سے بے شمار علماء ومشائخ نے اجازت وخلافت اور شرف تلمذ حاصل کیا تھا اگرچہ ہمیں ان کی تفصیلات اور ان کے ناموں کا پتہ نہیں چلتا۔

﴿اعلیٰ حضرت کی تیسری فہرست﴾

اعلیٰ حضرت کے ذریعہ مرتب کی گئی ایک اور فہرست کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جس میں آپ نے پچاس سے زیادہ خلفاء کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر مجید اللہ صاحب قادری نے ''تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں ''عرض مؤلف'' کے تحت اس کی تصریح یوں فرمائی ہے کہ:

''خود اعلیٰ حضرت کے قلم سے ان کے خلفاء کی ایک طویل فہرست ملتی ہے جس میں پچاس سے زیادہ کا آپ نے تذکرہ فرمایا ہے''۔

(تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، عرض مؤلف صفحہ ۴)

لیکن افسوس کہ کافی تلاش کرنے کے بعد بھی اس فہرست تک فقیر راقم الحروف (محمد سلیم بریلوی) کی رسائی نہ ہوسکی۔

حالات خلفائے اعلیٰ حضرت کی جمع وتدوین کے سلسلہ میں پیش رفت:

آپ پڑھ چکے کہ اعلیٰ حضرت، حضرت حجۃ الاسلام اور مدیر ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف حضرت علامہ حسنین رضا خاں صاحب نے اپنی حیات ہی میں خلفاء کا ایک سرسری جائزہ پیش فرما دیا تھا۔ بعد والے افراد کی یہ ذمہ داری تھی کہ اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ کی تعداد اور ان کے حالات وغیرہ پر کام کرتے مگر اعلیٰ حضرت کے وصال کو کئی دہائیاں گزر جانے کے باوجود باضابطہ انداز میں اس طرف کوئی خاص پیش رفت نہ ہوسکی۔ البتہ انفرادی طور پر ضمنی انداز میں کچھ اہل قلم نے ان خلفاء میں سے چند کے حالات تحریر فرمائے اور کچھ خلفاء کے تعلق سے اشارئیے بھی پیش فرمائے۔ اس سلسلہ میں پروفیسر مسعود صاحب، علامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب، محترم جناب محمد میاں قصوری صاحب اور ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کے نام بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں۔

خلفائے اعلیٰ حضرت پر باضابطہ انداز میں اب تک جو کام سامنے آئے ہیں اجمالی طور پر ان کا ایک سرسری سا جائزہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

﴿۱﴾ پروفیسر مسعود صاحب:

پروفیسر مسعود صاحب نے مختلف اوقات میں اعلیٰ حضرت سے رشتہ و تعلق رکھنے والی گیارہ شخصیات کے حالات قلم بند فرمائے تھے جو مختلف رسائل وجرائد اور متعدد کتابوں کی تقدیم کی صورت میں شائع ہوئے۔ اگر چہ پروفیسر مسعود صاحب نے ان گیارہ شخصیات پر اعلیٰ حضرت کے خلفاء ہونے کی حیثیت سے مضامین تحریر نہیں فرمائے تھے اور نہ ہی انہیں خلفائے اعلیٰ حضرت کے طور پر اپنے ان مضامین میں متعارف کرایا تھا مگر ان مقالات و مضامین کو محترم عبد الستار طاہر مسعودی صاحب نے مرتب کر کے ایک گلدستہ کی صورت میں سجا کر بحیثیت خلفائے

اعلیٰ حضرت متعارف کرایا ہے جسے رضا اکیڈمی لاہور نے ''خلفائے محدث بریلوی'' کے نام سے ۱۹۹۸ء میں پہلی بار شائع کیا۔ پھر ۲۰۰۵ء میں ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی'' نے اس کی دوبارہ اشاعت کی۔ اس میں مندرجہ ذیل گیارہ خلفاء کے حالات ہیں:

(۱) حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں بریلوی
(۲) سیدنا مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی
(۳) علامہ مفتی تقدس علی خاں بریلوی
(۴) سید محمد محدث کچھوچھوی (محدث اعظم ہند)
(۵) ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین رضوی
(۶) علامہ مفتی برہان الحق جبلپوری (حضرت برہان ملت)
(۷) صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی
(۸) صدر الافاضل علامہ مفتی نعیم الدین مرادآبادی
(۹) مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی
(۱۰) قطب مدینہ علامہ ضیاء الدین مدنی
(۱۱) قاضی عبد الوحید عظیم آبادی

(خلفائے محدث بریلوی)

﴿۲﴾ علامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب:۔

حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے بھی مختلف مواقع پر اعلیٰ حضرت کے خلفاء کے حوالے سے چند مقالات اور مقدمات تحریر فرمائے تھے۔ آپ نے بھی یہ مضامین خلفائے اعلیٰ حضرت کی حیثیت سے نہیں لکھے تھے بلکہ آپ کا مقصود محض ان حضرات کے حالات قلم بند کرنا تھا۔ انہیں خلفائے اعلیٰ حضرت ثابت کرنا بنیادی مقصد نہ تھا مگر ان تمام مقالات کو خلفائے اعلیٰ حضرت کی حیثیت سے جناب محترم عبد الستار طاہر مسعودی صاحب نے ''خلفاء امام احمد رضا'' کے نام سے مرتب کیا۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۹ء میں ''رضا اکیڈمی لاہور'' سے شائع ہوا۔ اس میں سولہ خلفاء کے حالات پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) مناظر اسلام مولانا امام الدین قادری رضوی
(۲) مفتی تقدس علی خان قادری رضوی
(۳) مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری
(۴) علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی
(۵) مولانا مفتی غلام جان ہزاروی لاہوری
(۶) عارف ربانی مولانا سید فتح علی شاہ قادری
(۷) ابوالفیض مولانا صوفی قلندر علی سہروردی
(۸) صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی
(۹) امام المحدثین سید محمد دیدار علی شاہ الوری
(۱۰) ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین رضوی قادری بہاری
(۱۱) مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی
(۱۲) مولانا محمد عمر الدین ہزاروی

(۱۳) پروفیسر مولانا سید سلیمان اشرف بہاری
(۱۴) فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف قادری (کوٹلوی)
(۱۵) حضرت مولانا محمد ضیاء الدین قادری رضوی
(۱۶) مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی
(خلفائے امام احمد رضا صفحہ ۳)

﴿۳﴾ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا:۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کی طرف سے باضابطہ انداز میں سب سے پہلے اس سلسلہ میں قابل قدر اور لائق مبارک باد پیش رفت ہوئی۔ اس موضوع پر ''محترم جناب محمد میاں قصوری صاحب'' نے ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' کے تذکروں اور احوال و کوائف پر مشتمل ایک مسودہ تیار کر کے ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی'' کو بھیجا جسے نظر ثانی اور حذف و اضافہ کے بعد مرتب کرنے کے لئے پروفیسر مسعود صاحب اور سید وجاہت رسول صاحب نے ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کے حوالے کر دیا ساتھ ہی کچھ چیزوں کی نشان دہی بھی کر دی تا کہ ان کی روشنی میں اس مسودے کو قابل اشاعت بنایا جاسکے۔ چنانچہ ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے اس پر نظر ثانی کر کے عرب کے اٹھائیس (۲۸) خلفاء کے حالات و کوائف کا اس میں اضافہ کیا اس کے ساتھ ہی برصغیر کے جن خلفاء کو محترم جناب محمد میاں قصوری صاحب نے جمع کیا تھا اس میں بھی آٹھ دس خلفاء کا مزید اضافہ کیا۔ اس طرح ''برصغیر'' کے باون (۵۲) اور ''عرب و افریقہ'' کے ۲۸ رخلفاء میں سے کچھ کے مفصل اور کچھ کے مجمل حالات و تذکرہ پر مشتمل یہ حسین و ضخیم گلدستہ ۱۹۹۲ء میں ''تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت'' کے نام سے منظر عام پر آیا۔

۳۰/۲۵ خلفاء کے ناموں کا اجمالا وضمنا ذکر کر کے انہیں اس فہرست میں شامل نہ کیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ ''مرتبین کو ان خلفاء کے متعلق حتمی معلومات حاصل نہ ہو سکیں کہ وہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ہیں یا نہیں''۔ (مفہوما)

(تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت (عرض مؤلف)، تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۶)

﴿۴﴾ حضرت علامہ بدرالدین صاحب قادری رضوی:۔

سوانح اعلیٰ حضرت کے مصنف حضرت علامہ بدرالدین صاحب قادری رضوی علیہ الرحمہ نے بھی ''سوانح اعلیٰ حضرت'' میں ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں سے چند مشاہیر کے ناموں کی ایک فہرست دی ہے اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک چار سطری نوٹ بھی لگایا ہے۔ یہ فہرست اور فہرست سے اوپر ان کا نوٹ یہ دونوں ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں۔

''حرمین شریفین، افریقہ اور ہندوستان وغیرہ کے جن اکابر علمائے اسلام و حامیان دین کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

اجازت و خلافت حاصل ہوئی ان میں چند مشہور و معروف حضرات کے اسمائے گرامی الاجازات المتینہ، الاستمداد وغیرہ سے نقل کر کے ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) مجمع الفضائل منبع الفواضل، عالم کامل مولانا سید محمد عبدالحی بن سید عبدالکبیر کتانی حسنی ادریسی فاسی محدث بلاد مغرب (افریقہ)

(۲) رئیس العلماء سابق مفتی حنفیہ مولانا شیخ صالح کمال مکی۔

(۳) فاضل جلیل مولانا سید اسماعیل مکی محافظ کتب خانہ حرم شریف۔

(۴) صاحب صدق وصفا مولانا سید مصطفےٰ بن مولانا سید خلیل مکی۔

(۵) حضرت مولانا سید ابوحسین محمد مرزوقی، امین الفتوئ مکی۔

(۶) حضرت مولانا شیخ اسعد دہان مکی۔

(۷) حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن شیخ دہان مکی۔

(۸) فاضل یگانہ مولانا علامہ شیخ محمد عابد بن حسین مکی مفتی مالکیہ۔

(۹) حضرت مولانا شیخ علی بن حسین مکی۔

(۱۰) حضرت مولانا شیخ جمال بن محمد امیر مکی۔

(۱۱) حضرت مولانا شیخ عبداللہ بن مولانا شیخ احمد ابوالخیر میرداد مکی۔

(۱۲) حضرت مولانا سید عبداللہ دحلان مکی۔

(۱۳) حضرت مولانا شیخ بکر رفیع مکی۔

(۱۴) حضرت مولانا شیخ حسن عجیمی۔

(۱۵) حضرت مولانا سید سالم بن عیدروس بارعلوی حضرمی۔

(۱۶) حضرت مولانا سید علوی بن حسن الکاف حضرمی۔

(۱۷) حضرت مولانا سید ابوبکر بن سالم بارعلوی حضرمی۔

(۱۸) حضرت مولانا سید محمد بن عثمان دحلان مکی۔

(۱۹) حضرت مولانا شیخ محمد یوسف، مدرس مدرسہ رحمت اللہ مہاجر مکی۔

(۲۰) حضرت مولانا شیخ عبدالقادر کردی مکی، تلمیذ رئیس العلماء مولانا شیخ صالح کمال۔

(۲۱) حضرت مولانا شیخ عبداللہ فرید بن مولانا عبدالقادر کردی مکی۔

(۲۲) حضرت مولانا سید عمر بن سید ابوبکر مکی۔

(۲۳) حضرت مولانا شیخ احمد خضراوی مکی۔

(۲۴) حضرت مولانا سید مامون بری مدنی۔

(۲۵) شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید مدنی۔

(۲۶) حضرت مولانا شیخ بن حمدان محرسی مدنی۔

(۲۷) فاضل ربانی مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی۔

(۲۸) شاہزادہ اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی۔

(۲۹) شاہزادۂ اصغر مفتی اعظم ہند مصطفےٰ رضا خاں بریلوی۔

(۳۰) حضرت صدر الشریعہ خاتم الفقہاء مولانا امجد علی اعظمی۔

(۳۱) صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی۔

(۳۲) شیخ المحد ثین مولانا سید دیدار علی محدث لاہوری۔

(۳۳) مبلغ اعظم مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی۔

(۳۴) ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین فاضل بہاری۔

(۳۵) فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی (پنجاب)

(۳۶) حامی سنت مولانا محمد عبدالسلام جبل پوری۔

(۳۷) سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی۔

(۳۸) فاضل کامل مولانا رحیم بخش آروی شاہ آبادی۔
(۳۹) مفتی سی، پی مولانا برہان الحق جبل پوری۔
(۴۰) عالم نبیل مولانا محمد شفیع احمد بیسلپوری۔
(۴۱) فاضل جلیل مولانا حسنین رضا بریلوی۔
(۴۲) ناشر سنیت قاطع وہابیت حضرت حاجی لعل محمد مدراسی۔
(۴۳) مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی۔
(۴۴) عالم حقانی مولانا سید فتح علی شاہ کھروڑہ سیدان پنجاب۔
(۴۵) مولانا ابو محمد امام الدین کوٹلی سیالکوٹ (پنجاب)
(سوانح اعلیٰ حضرت مطبوعہ قادری کتاب گھر صفحہ ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹)

﴿۵﴾ ناشر رضویات حضرت علامہ محمد حنیف خاں بریلوی:

فخر بریلی، ناشر رضویات حضرت علامہ مفتی محمد حنیف خاں صاحب رضوی، بانی و مہتمم امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف نے جب ''جامع الاحادیث'' مرتب فرمائی تو اس کے مقدمہ میں اعلیٰ حضرت کے چند مشہور و معروف خلفاء کی ایک فہرست ''مشاہیر خلفائے ہند و پاک'' کی سرخی کے ساتھ اس میں شامل فرمائی کہ جس میں مندرجہ ذیل نام ہیں:

(۱) شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی۔
(۲) سند المحدثین مولانا سید دیدار علی صاحب، الوری
(۳) قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین صاحب مدنی
(۴) مجاہد اسلام مولانا احمد مختار صاحب میرٹھی
(۵) مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی
(۶) عمدۃ المتکلمین مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری
(۷) صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی
(۸) صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی
(۹) مولانا سید ابو البرکات الوری
(۱۰) مولانا مفتی غلام جان صاحب ہزاروی
(۱۱) مفسر اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں صاحب، بریلوی (نبیرۂ اکبر)
(۱۲) مولانا حاجی محمد لعل خاں صاحب کلکتوی
(۱۳) شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں صاحب لکھنوی ثم پیلی بھیتی
(۱۴) امین الفتوی مولانا محمد شفیع صاحب بیسلپوری
(۱۵) برہان ملت مولانا مفتی برہان الحق صاحب جبلپوری
(۱۶) مولانا عمر الدین صاحب ہزاروی
(جامع الاحادیث مقدمہ صفحہ ۳۹۵)

﴿۶﴾ مولانا محمد شاہد القادری صاحب:۔

''ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت'' کے محاورے کی رو سے سب سے زیادہ خلفاء کا احاطہ مولانا الحاج محمد شاہد القادری صاحب کلکتوی نے کیا ہے۔ انہوں نے ۲۰۱۶ء میں ۹۸ رویں عرس رضوی کے موقع پر برصغیر یعنی ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے تعلق رکھنے والے ۹۲ / خلفائے اعلیٰ حضرت کے حالات قلم بند کر کے

''تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت'' کے نام سے شائع کیا۔ اس میں مرتب موصوف نے ۵۲؍خلفاء تو وہیں رکھے جو ''تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں تھے البتہ ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے جن ۲۵؍۳۰ خلفاء کے حالات کو احتیاط کا پہلو اپناتے ہوئے درج کرنے سے اپنے قلم کو روک لیا تھا ان سب کے حالات کا مولانا شاہد القادری صاحب نے اپنی اس کتاب میں اضافہ کر دیا ہے۔ ''تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں خلفائے عرب وافریقہ کے نام سے ۲۸؍ خلفاء کے جو حالات تھے انہیں مولانا شاہد القادری صاحب نے اپنی اس کتاب میں درج نہیں کیا اور نہ ہی ان کا کوئی ذکر کیا بلکہ اس میں انہوں نے صرف بر صغیر سے تعلق رکھنے والے خلفاء ہی کے حالات قلم بند فرمائے ہیں۔ اب ہم ذیل میں مولانا شاہد القادری صاحب کی کتاب میں درج ۹۲؍خلفاء کی وہ فہرست پیش کر رہے ہیں جن میں اولاً ۵۰؍خلفاء تو اسی ترتیب سے ہیں کہ جن کا ذکر مدیر ماہنامہ ''الرضا'' حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف، شمارہ ۴،۵؍ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۹ تا ۱۲؍ پر درج اپنی ۵۰؍خلفاء والی فہرست میں کیا ہے۔ بقیہ ۴۲؍خلفاء کے نام ''تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت'' کی فہرست سے من وعن لئے گئے ہیں۔ نیز ۵؍خلفاء کے ناموں کا فقیر راقم الحروف (محمد سلیم بریلوی) نے کچھ قرائن کی بنیاد پر اضافہ کیا ہے۔ اس طرح برصغیر کے خلفاء کی یہ فہرست ۹۷؍شخصیات کے ناموں پر مشتمل ہے۔

اعلیٰ حضرت کے ۹۷؍خلفائے برصغیر کی فہرست:

۱۔ صاحبزادہ جناب مولانا الحاج مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب۔ محلّہ سوداگران بریلی۔ عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت ومجاز طریقت ہیں۔

۲۔ صاحبزادہ جناب مولانا مولوی محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب۔ محلّہ سوداگران بریلی، عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت ومجاز طریقت ہیں۔

۳۔ جناب مولانا مولوی حکیم امجد علی صاحب ساکن اعظم گڑھ۔ وارد حال محلّہ سوداگران بریلی، عالم، فقیہ، مصنف، واعظ، مناظر، حامی سنت ومجاز طریقت۔

۴۔ جناب مولانا الحاج الشاہ مولوی سید ابوالمحمود احمد اشرف صاحب۔ درگاہ شریف کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد (وارث سجادہ) عالم، فاضل، مناظر، ، واعظ، خوش بیان، تلمیذ اعلیٰ حضرت، حامی سنت۔

۵۔ جناب مولانا الحاج مولوی احمد مختار صاحب۔ صدیقی ۲۳۶ محلّہ مشائخاں، میرٹھ، عالم، فاضل، واعظ، خوش بیان ومجاز طریقت۔

۶۔ جناب مولانا مولوی سیدی محمد آصف صاحب۔ کانپور

محلّہ فیل خانہ قدیم، عالم ومجاز طریقت۔

۷۔ جناب مولانا سید احمد صاحب الوری، صاحبزادہ جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب۔ عالم، مدرس، واعظ، مناظر، مجاز طریقت۔

۸۔ جناب مولانا مولوی امام الدین صاحب۔ کوٹلی لوہاراں، مغربی، ضلع سیالکوٹ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۹۔ جناب مولانا مولوی احمد بخش صاحب۔ ڈیرہ غازی خاں۔ عالم، فاضل، کامل، مدرس، واعظ، مناظر، مفتی، مجاز طریقت۔

۱۰۔ جناب مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب۔ پشاور، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۱۔ جناب مولوی سید احمد حسین صاحب۔ میرٹھ، مجاز طریقت۔

۱۲۔ جناب مولانا مولوی احمد حسن خاں صاحب امروہی۔ حیدرآباد، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۳۔ مداح الحبیب جناب مولوی جمیل الرحمٰن خاں صاحب۔ بریلی محلّہ بہاری پور۔ (نزد مسجد بی بی جی بڑودہ بینک کے سامنے۔ محمد سلیم بریلوی) میلاد خواں، خوش الحان مداح سرکار دو جہاں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

۱۴۔ جناب مولانا مولوی حکیم حبیب الرحمٰن خاں صاحب۔ مدرس اول مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت، عالم فاضل، مدرس، مجاز طریقت۔

۱۵۔ جناب مولانا مولوی حبیب اللہ صاحب۔ خطیب مسجد خیر نگر میرٹھ۔ عالم، مجاز طریقت۔

۱۶۔ جناب مولانا مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب بہاری۔ مدرس مدرسہ عربیہ مدراس، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۷۔ جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب۔ مفتی جامع (مسجد) آگرہ۔ ساکن الور، عالم، فاضل، مفتی، کامل، مدرس، واعظ، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۱۸۔ جناب مولانا مولوی رحم الٰہی صاحب۔ مدرس مدرسہ اہلسنت (جامعہ رضویہ منظر اسلام) محلّہ سوداگران بریلی۔ عالم، فاضل، مدرس مجاز طریقت۔

۱۹۔ جناب مولانا مولوی محمد رحیم بخش صاحب آرہ۔ اعلیٰ مدرس وبانی فیض الغرباء۔ عالم، مدرس، مفتی، مناظر واعظ و مجاز طریقت۔

۲۰۔ جناب مولانا مولوی سرفراز احمد صاحب۔ محلّہ مہکڑی کھوہ، مرزاپور، عالم، واعظ ومجاز طریقت۔

۲۱۔ جناب مولوی شفیع احمد خاں صاحب (بیسلپوری) مدرس، مدرسہ اہلسنت (منظر اسلام) بریلی۔ وامین الفتویٰ بدار الافتاء (اعلیٰ حضرت کا دار الافتاء) عالم، مفتی، واعظ، مناظر ومجاز طریقت۔

۲۲۔ جناب مولانا مولوی شمس الدین صاحب۔ ضلع ناگور قصبہ باسنی (راجستھان) علاقہ جودھپور، عالم، مدرس ومجاز طریقت۔

۲۳۔ جناب مولانا مولوی ظہیر الحسن صاحب۔ساکن اعظم گڑھ، عالم، مدرس ومجاز طریقت۔

۲۴۔جناب مولانا مولوی ظفر الدین صاحب بہاری۔ پروفیسر مدرسہ عربیہ خانقاہ شہسرام۔ عالم، فاضل، کامل، مفتی، مصنف، مدرس، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت، ملقب از جانب اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس بہ ''ولدی الاعز'')

۲۵۔ جناب مولانا مولوی محمد عبد السلام صاحب ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب ''عید الاسلام'' عقب کوتوالی جبلپور۔ عالم ،فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۲۶۔ جناب مولانا مولوی حکیم محمد عبد الاحد صاحب۔خلف الرشید حضرت مولانا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ ملقب از جانب اہلسنت مدراس بہ'' سلطان الواعظین''۔ مہتمم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت۔ عالم، واعظ، مناظر، مدرس، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۲۷۔جناب مولانا الحاج المولوی محمد عبد العلیم الصدیقی ۔ ۲۳۶ محلّہ سوداگران مشائخاں میرٹھ، عالم، فاضل، واعظ، خوش بیان، مجاز طریقت۔

۲۸۔ جناب مولانا المولوی عبد الباقی برہان الحق صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا عید الاسلام۔ عالم، فاضل، مفتی، واعظ، مصنف، مجاز طریقت، ملقب از حضرت قبلہ بہ ''نور عینی''

۲۹۔ جناب مولانا مولوی عبد الحکیم خان صاحب ۔ساکن شاہجہانپور ضلع میرٹھ۔عالم، مدرس، مصنف، صوفی، مجاز طریقت۔

۳۰۔جناب مولانا مولوی عبد الحق صاحب۔پنجابی۔ مدرس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت، عالم، مدرس، مفتی، مجاز طریقت۔

۳۱۔ جناب مولانا مولوی ابو عبد القادر عبد اللہ صاحب۔کوٹلی لوہاراں مغربی، ضلع سیالکوٹ، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۳۲۔ جناب مولانا مولوی حاجی عبد الجبار صاحب بنگالی۔ عالم مجاز طریقت۔(بنگلہ دیش)

۳۳۔جناب مولانا مولوی حافظ سید عبد الرشید صاحب مظفر پوری۔عالم، مجاز طریقت۔

۳۴۔جناب مولانا مولوی عبد الکریم صاحب۔چتوڑ گڑھ علاقہ میواڑ (راجستھان) عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۳۵۔جناب مولانا مولوی الحاج عبد الرحمٰن صاحب۔جے پور، تکیہ آدم شاہ، وارد حال مدینہ طیبہ۔عالم، مدرس، مجاز طریقت۔

۳۶۔ جناب حاجی محمد عیسیٰ خاں محمد صاحب ۔دھوراجی، کاٹھیاواڑ، حامی سنت۔

۳۷۔ جناب سیٹھ عبد الستار اسماعیل صاحب۔گونڈل، کاٹھیاواڑ، حال مقیم رنگون ،(ورما) سورتی بازار، حامی سنت وفرار دہندہ تھانوی از رنگون۔

۳۸۔ جناب مولانا مولوی عبد العزیز صاحب۔مدرس مدرسہ جامع مسجد پیلی بھیت۔عالم، مجاز طریقت۔

۳۹۔ جانب مولانا مولوی غیاث الدین صاحب۔ بہار، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۰۔ جناب مولانا مولوی سید فتح علی شاہ صاحب۔ کھروٹہ سیداں، ضلع سیالکوٹ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۱۔ جناب قاضی قاسم میاں صاحب۔ پوربندر، کاٹھیاواڑ، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۲۔ جناب حاجی مولوی منشی محمد لعل خاں صاحب۔ ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب "حامی سنت، ماحی بدعت" ۲۲ نمبر، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ۔ ناصر ملت، عدو بدعت، مجاز طریقت۔

۴۳۔ جناب مولانا مولوی محمد شریف صاحب۔ کوٹلی لوہاراں مغربی، ضلع سیالکوٹ، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۴۔ جناب مولانا الحاج المولوی منیر الدین صاحب بنگالی۔ عالم،، مجاز طریقت۔

۴۵۔ جناب مولانا مولوی محمود جان صاحب۔ جام جودھپور، کاٹھیاواڑ، عالم، واعظ، مناظر، مصنف، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۶۔ جناب مولانا مولوی سید محمد عمر ظہیر الدین الہ آبادی۔ عالم، مجاز طریقت۔

۴۷۔ جناب مولانا مولوی حکیم محمد نعیم الدین صاحب۔ مہتمم مدرسۂ اہلسنت مرادآباد، چوکی حسن خاں، عالم، فاضل، مناظر، مصنف، واعظ، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۸۔ جناب مولانا مولوی حاجی سید نور احمد صاحب۔ چاٹ گام (بنگلہ دیش) عالم، واعظ، مجاز طریقت و مجاز حضرت مفتی حنفیہ بمکہ معظّمہ شیخ صالح کمال رحمۃ اللہ علیہ۔

۴۹۔ جناب مولانا مولوی محمد یعقوب علی خاں صاحب۔ بلاسپور، ضلع رامپور، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۵۰۔ جناب حاجی، حافظ، قاری محمد یقین الدین صاحب۔ ساکن محلّہ ملوکپور، بریلی، امام تراویح اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس مجاز طریقت۔

(ماہنامہ "الرضا" بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۹ تا ۱۲)

نوٹ:۔ واضح رہے کہ حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے اس فہرست میں اپنا نام بحیثیت خلیفۂ اعلیٰ حضرت ذکر نہیں فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆

(مولانا شاہد القادری صاحب کے اضافہ کیے ہوئے اسماء)

(۵۱) علامہ حسن رضا خاں بریلوی

(۵۲) مفتی محمد رضا خاں بریلوی

(۵۳) علامہ حسنین رضا خاں بریلوی

(۵۴) مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی

(۵۵) خادم اعلیٰ حضرت حاجی کفایت اللہ بریلوی

(۵۶) مفتی عزیز غوث بریلوی

(۵۷)علامہ عبدالحی پیلی بھیتی
(۵۸) علامہ عزیز الحسن پھپھوندوی
(۵۹)مفتی حشمت علی بریلوی
(۶۰)علامہ اسماعیل محمود آبادی
(۶۱)علامہ سید محمد کچھوچھوی (محدث اعظم)
(۶۲)علامہ مشتاق احمد کانپوری
(۶۳)علامہ ہدایت رسول لکھنوی
(۶۴)علامہ خواجہ احمد حسین امروہوی
(۶۵)علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی
(۶۶)علامہ ضیاء الدین پیلی بھیتی
(۶۷)علامہ نثار احمد کانپوری
(۶۸)علامہ غلام شوق احمد فریدی سنبھلی
(۶۹)علامہ نور الحسن لکھنوی
(۷۰) قاضی عبدالرحیم عظیم آبادی
(۷۱)مفتی رحیم بخش مظفر پوری
(۷۲)علامہ سید سلیمان اشرف بہاری
(۷۳)علامہ سید عبدالرحمٰن بیتھوی
(۷۴) قاری بشیر الدین جبلپوری
(۷۵)الحاج سید عبدالرزاق کٹنی
(۷۶)شاہ سید حسین علی اجمیری
(۷۷)شاہ سید غلام علی اجمیری
(۷۸)علامہ محمود الحسن زیدی الوری
(۷۹)مولانا عمر بن ابوبکر کھتری
(۸۰)علامہ حامد علی فاروقی پرتاب گڑھی
(۸۱)علامہ شہاب الدین شافعی کیرلا
(۸۲)مفتی غلام جان ہزاروی
(۸۳)مفتی عمر الدین ہزاروی
(۸۴)علامہ عبدالسلام باندوی
(۸۵)صوفی قلندر علی ملتانی
(۸۶)علامہ عبدالغفور شاہ پوری
(۸۷)شاہ میر مومن جنیدی
(۸۸)علامہ نور الحسن نگینوی
(۸۹)علامہ ضیاء الدین مدنی
(۹۰)علامہ تقدس علی خاں بریلوی
(۹۱)پروفیسر محمد الیاس برنی
(۹۲)مولانا اکبر علی شاہ پوری

مذکورہ بالا یہ ۹۲رخلفاء تو وہ ہیں کہ جن کا ذکر ''تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں مذکور ہے۔ اب ہم ذیل میں اضافہ جدیدہ کے طور پر ۱۵رایسے خلفاء کے ناموں کا ذکر کررہے ہیں کہ جن کے ناموں کی صراحت ہمیں بحیثیت تلمیذ وشاگرد حیاتِ اعلیٰ حضرت اور ''الملفوظ'' میں ملی ہے اگرچہ مذکورہ کتابوں میں ان کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت

ہونے کی تصریح نہیں ہے لیکن عموما اعلیٰ حضرت اپنے شاگردوں کو ''سند علمی'' کے ساتھ انہیں ''سند خلافت طریقت'' سے بھی نوازتے تھے لہذا اس قرینہ کی وجہ سے ہم نے یہاں خلفاء والی فہرست میں اور آگے تلامذہ والی فہرست میں ان ناموں کو بھی شامل کرلیا ہے۔ چونکہ تذکرہ نگار حضرات نے ان کا ذکر تلامذہ کی حیثیت سے بھی کہیں نہیں کیا ہے۔لہذا یہ نام اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۹۳) مولانا عبدالغفار صاحب بخاری

(۹۴) حضرت مولانا سید شاہ غلام محمد صاحب درگاہ کلاں بہار شریف

(۹۵) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اوگانوی

(۹۶) حضرت مولانا محمد نذیر الحق صاحب رمضان پوری

(۹۷) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب بہاری

(حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۹/و ۱۵۵ جلد اول مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

۴۷ خلفاء کے تعلق سے ایک وضاحت:۔ شمار نمبر ۵۱/سے شمار نمبر ۹۲/تک جن شخصیات کے مذکورہ بالا فہرست میں نام درج ہیں ان میں سے کچھ حضرات تو وہ ہیں کہ جن کی خلافت کے قوی ترین شواہد اہل علم کے پاس موجود ہیں البتہ کچھ شخصیات ان میں وہ بھی ہیں کہ محققین علماء اور محتاط اہل قلم اعلیٰ حضرت کی طرف ان کی خلافت کے انتساب کو ''اسناد صحیح'' اور ''مضبوط ترین شواہد'' نہ مل پانے کی وجہ سے کمزور اور غیر مستند جانتے ہیں، ان کو یقینی طور پر ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' کی صورت میں قبول نہیں کرتے اور اپنی کتابوں، اپنی تحریروں اور مضامین و مقالات میں ان کا ذکر ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' کے نام سے نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر شیر بیشۂ اہلسنت، حضرت علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ کے خلیفہ اعلیٰ حضرت ہونے کی سوائے ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم صاحب اور حضرت محمد حنیف خاں صاحب رضوی بریلوی کے اور کسی نے تصریح نہیں کی بلکہ اکثر محققین انہیں اعلیٰ حضرت کا خلیفہ تسلیم ہی نہیں کرتے۔ البتہ علامہ محمد حنیف خاں صاحب رضوی کے حوالے سے ابھی دو دن پہلے ایک صاحب نے بتایا کہ جب اُن سے علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ہونے کی تصدیق کے سلسلہ میں معلوم کیا تو آپ نے ان کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ہونے کا انکار کیا۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب کی تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے مولانا شاہد القادری صاحب نے خلفائے اعلیٰ حضرت کی اپنی فہرست میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اس وجہ سے ہم نے اسے برقرار رکھا ورنہ ذاتی طور پر تو راقم بھی ڈاکٹر غلام یحییٰ صاحب سے اس سلسلے میں اتفاق نہیں رکھتا۔

اسی طرح علامہ تقدس علی خاں علیہ الرحمہ کہ

جنہوں نے اپنی کسی بھی تحریر میں نہ تو اپنے آپ کو خلیفہ اعلیٰ حضرت کے طور پر متعارف کرایا اور نہ ہی کسی تقریر یا کسی مجلسی گفتگو میں کسی کے سامنے اس بات کی صراحت کی جبکہ ان کے شب و روز کے مصاحبین خاص کر ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی'' کے ارباب حل و عقد اور ذمہ داران کہ جن سے حضرت کے بہت گہرے مراسم اور ان کے ساتھ حضرت کی نشست و برخاست رہتی تھی وہ آج بھی موجود ہیں نیز ان میں سے زیادہ تر حضرات رضویات پر لکھنے والے اہل قلم ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی حضرت علامہ تقدس علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ہونے کی تصریح نہ کی ورنہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا شائع ہونے والی کتاب '' تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں ان کا ذکر بطور خلیفہ ضرور ہوتا۔ خود پروفیسر مسعود صاحب سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ مگر پھر بھی انہوں نے ''خلیفۂ اعلی حضرت'' کی تصریح کے ساتھ ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی نام اس فہرست میں ہیں۔

خلفائے اعلیٰ حضرت پر مستند مآخذ:۔ خلفائے اعلیٰ حضرت کے سلسلے میں سب سے مستندترین مآخذ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ ''الاستمداد''۔

☆ ماہنامہ الرضا کی مطبوعہ ''پچاس خلفاء والی فہرست''

☆ اعلیٰ حضرت کے قلم سے تحریر کی ہوئی ''پچاس سے زائد خلفاء'' والی فہرست۔

☆ حضرت حجۃ الاسلام کا رسالہ ''الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ'' جسے آپ نے ۱۳۲۵ھ میں مرتب فرمایا۔

نوٹ:۔ یہ رسالہ سال گزشتہ ۹۹ رویں عرس رضوی کے موقع پر امام احمد رضا اکیڈی بریلی سے شائع ہونے والے'' رسائل رضویہ'' کی ۲۶ رویں جلد میں شامل ہے۔

☆ خلفاء کے ورثہ، نسل، اہل خانہ اور ان کے احباب کے پاس پائے جانے والے اعلیٰ حضرت کے دستخط و مہر سے مزین خلافت نامے۔ جیسے حضرت علامہ عبد الغفور، شاہ پوری جیسی وہ شخصیات کہ ان کا نام اعلیٰ حضرت، ماہنامہ الرضا اور حجۃ الاسلام والی فہرستوں میں تو نہیں ہے البتہ ان کے پاس خلافت نامہ موجود تھا جو آج بھی ان کے اخلاف و اہل خانہ کے پاس پایا جاتا ہے۔

☆ یا جن کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ہونے کی گواہی اعلیٰ حضرت کے شہزادوں یا اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں شب و روز رہنے والے خلفاء، تلامذہ اور خدام و اقارب نے دی ہو۔ جیسے سرکار مفسر اعظم ہند کہ جن کی خلافت کی تصریح خود حضرت حجۃ الاسلام کے اس رجسٹرڈ وقف نامہ میں ملتی ہے جو آپ نے مؤرخہ ۳۰ ر اگست ۱۹۳۸ء کو تحریر فرمایا تھا۔ یہ

وقف نامہ مؤرخہ ۲؍ستمبر ۱۹۳۸ء کو بریلی تحصیل میں رجسٹرڈ ہوا۔اس رجسٹرڈ وقف نامہ کی کاپی فقیر راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ اس وقف نامہ میں ایک جگہ حضرت حجۃ الاسلام تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے خلفِ اکبر''ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں'' کو حضور پُرنور''اعلیٰ حضرت'' قبلہ قدس سرہ نے اپنا ''مجاز وماذون'' بشرطِ علم فرمایا تھا''۔(رجسٹرڈ حامدی وقف نامہ)

علمائے عرب میں اعلیٰ حضرت کی مقبولیت کے جلوے:۔

سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا دوسرا سفرحج ۱۳۲۳ھ میں ادا فرمایا۔آپ کی علمی زندگی اور عالمی پیمانے پر آپ کی شہرت ومقبولیت میں یہ سفرحج و زیارت نہایت کامیابی و کامرانی کی سوغات لے کر آیا۔اس سفر کے عالمی سطح پر نہایت نتیجہ خیز اثرات مرتب ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کا پورے عالم عرب میں غلغلہ بلند ہوگیا۔عرب دنیا کے اہل علم وفن نے آپ کے علم وفضل کا کھلے بندوں اعتراف کیا۔اس کی تقریب یہ ہوئی کہ ۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو مناسک حج سے فارغ ہونے کے بعد آپ کا مشغلہ ومعمول یہ رہا کہ آپ کتب خانۂ حرم محترم میں بلا ناغہ تشریف لے جاتے۔طواف و زیارت اور حرم محترم میں حاضری کے ساتھ زیادہ تر اوقات کتب خانہ حرم میں جاکر کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتے۔کتب خانۂ حرم میں پہلی دفعہ آپ جس روز گئے تو ایک اتفاقی واقعہ یہ پیش آیا کہ محافظ کتب حرم اور مکۃ المکرّمہ کے جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا سید اسماعیل خلیل آفندی مکی علیہ الرحمہ سے آپ نے کچھ کتابیں مطالعہ کے لئے نکلوائیں۔آپ کے شہزادے حضرت حجۃ الاسلام ساتھ میں تھے۔ اعلیٰ حضرت مطالعہ میں اور حضرت حجۃ الاسلام ان سے گفتگو میں مصروف ہوگئے۔سید صاحب موصوف کئی سال پہلے سے غائبانہ طور پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے علم وفن اور فضل وکمال کے معترف تھے۔اس کی وجہ اعلیٰ حضرت کا ردندوہ پر ۱۳۱۶ھ میں تحریر کیا ہوا ''فتاویٰ الحرمین بر جف ندوۃ المین'' نامی رسالہ تھا۔اس رسالہ کا ان علمائے عرب نے مطالعہ کرنے کے بعد اسے اپنی گرانقدر اور گراں بہا تقریظات سے مزیّن فرمایا تھا۔ان تقریظات میں اعلیٰ حضرت کے لئے اعلیٰ درجہ کے بے شمار کلمات دعا وثنا تحریر فرمائے تھے۔ یہ تمام تقریظات ترجمہ کے ساتھ کتابی شکل میں ۱۳۱۷ھ کو ممبئی سے شائع بھی ہوچکی تھیں۔ حجۃ الاسلام سے گفتگو کے درمیان ''قبل زوال رمی'' کے تعلق سے ایک مسئلہ پر گفتگو شروع ہوگئی۔کتب خانہ میں موجود کچھ حضرات نے مولانا سید اسماعیل خلیل مکی علیہ الرحمہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہاں کے علماء نے جواز پر فتویٰ دیا

ہے۔ اعلیٰ حضرت سے بھی معلوم کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ''خلاف مذہب ہے''۔ سید صاحب موصوف چونکہ ابھی تک صورتاً آپ سے واقف نہ تھے، انہوں نے ایک متداول کتاب کے حوالے سے فرمایا کہ ''اس میں جواز کو علیہ الفتویٰ لکھا گیا ہے''۔ آپ نے فرمایا: ''ممکن ہے کہ روایت جواز ہو مگر علیہ الفتویٰ نہ ہوگا''۔ متعلقہ کتاب دیکھی گئی تو سید صاحب موصوف نے اس کتاب میں وہی پایا جو اعلیٰ حضرت نے فرمایا تھا۔ انہوں نے حجۃ الاسلام سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ حجۃ الاسلام نے جب اعلیٰ حضرت کا سید صاحب موصوف کے سامنے نام لیا تو وہ مسرت وشادمانی کے عالم میں والہانہ طور پر اعلیٰ حضرت سے لپٹ گئے۔ اسی درمیان ایک دن آپ مکۃ المکرّمہ کے سابق قاضی اور مفتیٔ حنفیہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال کی خدمت میں تشریف لے گئے جہاں علم غیب کے سلسلے میں آپ نے تقریباً دو گھنٹے تک آیات قرآنیہ، احادیث رسول اور اقوال ائمہ کی روشنی میں آقا کریم ﷺ کے علم غیبِ عطائی کے تعلق سے مع مالہ و ماعلیہ انتہائی نفیس گفتگو فرمائی جسے حضرت شیخ صالح کمال صاحب ہمہ تن گوش ہوکر خاموشی کے ساتھ بغور سنتے رہے۔ اعلیٰ حضرت جب خاموش ہوئے تو انہوں نے اپنی الماری سے ایک کاغذ نکالا جس میں حضرت علامہ مفتی سلامت اللہ رامپوری علیہ الرحمہ کے ''اعلام الاذکیاء'' نامی رسالہ کی عبارت "هو الاول و الآخر و الظاهر و الباطن وهو بكل شئى عليم" جوانہوں نے آقا کریم ﷺ کے تعلق سے لکھی تھی، وہ اعلیٰ حضرت کے پاس لے کر آئے۔ اس کاغذ میں اسی عبارت کے تعلق سے چند سوالات تھے جس کا شیخ صالح کمال صاحب جواب تحریر فرما رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کوانہوں نے یہ کاغذ دکھا کر فرمایا کہ ''آپ کا آنا اللہ کی رحمت تھا ورنہ مولوی سلامت اللہ کے کفر کا فتویٰ یہاں سے چلا جاتا''۔

(الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۷، ۸ مطبوعہ مکتبہ قادریہ سدھارتھ نگر یوپی و حیات اعلیٰ حضرت جلد اول صفحہ ۴۲۲ تا ۴۲۵ رضا اکیڈمی ممبئی)

اس گفتگو کے بعد ۲۵ / ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو شیخ صالح کمال صاحب اعلیٰ حضرت کو تلاش کرتے کتب خانۂ حرم میں پہونچ گئے۔ اعلیٰ حضرت سے سلام ومصافحہ کیا پھر کتب خانہ کے دفتر میں ایک علمی نشست ہوئی جس میں حضرت سید اسماعیل خلیل آفندی، ان کے بھائی حضرت مولانا سید مصطفےٰ خلیل آفندی، ان دونوں حضرات کے والد ماجد حضرت علامہ سید خلیل آفندی اور دیگر اہل علم تشریف فرما تھے۔ علم غیب کے تعلق سے پانچ سوالوں پر مشتمل ایک پرچہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال صاحب نے یہ کہہ کر اعلیٰ

حضرت کی بارگاہ میں پیش کیا کہ وہابیہ نے شریف مکہ ''محترم علی پاشا'' کے ذریعہ ان سوالات کے جواب کا مطالبہ کیا ہے۔آپ نے ان سوالات کے جوابات مفصل تحریر فرمائے۔شیخ الخطباء کبیر العلماء حضرت علامہ شیخ ابو الخیر میرداد کہ جن کی عمر اس وقت ۷۰ رسال سے اوپر تھی اور جنہوں نے اعلیٰ حضرت کے تعلق سے فرمایا تھا کہ:

"اناااقبل ارجلکم، انا اقبل نعالکم" کہ میں آپ کے قدموں کو بوسہ دوں، میں آپ کے جوتوں کو بوسہ دوں۔ان کی خواہش وعرض پر علم غیب سے متعلق مذکورہ پانچ سوالات کے جوابات کے ساتھ ''علوم خمسہ'' کی بحث کا بھی اضافہ فرمایا اس طرح پانچ سوالات کے جوابات اور علوم خمسہ غیبیہ کے مباحث پر مشتمل ان تفصیلات کو''الدولة المکية بالمادة الغيبية'' کے نام سے رسالہ کی شکل میں مرتب فرما کر شیخ صالح کمال صاحب کے سپرد یہ رسالہ کردیا۔شیخ صالح کمال صاحب نے شریف مکہ جناب علی پاشا کے دربار میں ایک ہی نشست میں آدھی کتاب سنائی۔شریفِ مکہ علمی شخصیت کے مالک تھے بغور سنتے رہے۔وہابیہ الجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ شریف یہ کتاب نہ سن پائے مگر اس کتاب کے دلائل قاہرہ سن کر شریف مکہ نے بآواز بلند فرمایا " اللہ یعطی و ھؤلآء یمنعون "یعنی اللہ تو اپنے حبیب ﷺ کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں۔رات زیادہ ہوجانے کی وجہ سے پھر دربار برخاست ہوگیا۔

(الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۱۰ رمطبوعہ مکتبہ قادر یہ سدھارتھ نگر یوپی و حیات اعلیٰ حضرت جلد اول صفحہ ۴۲۴ تا ۴۳۰ رضا اکیڈمی ممبئی)

مکۃ المکرّمہ میں اس کتاب کی شہرت عام سے عام تر ہوگئی۔ہرطرف اعلیٰ حضرت کے علم وفضل کا ڈنکا بجنے لگا۔اہل علم نے اس کی متعدد نقلیں لینا شروع کردیں۔حرمین طیبین کے جلیل القدر علماء و مشائخ بھاری بھرکم القاب وآداب اور تعریف ومناقب پر مشتمل تقریظیں اور تائیدات لکھنے لگے۔وہابیہ کا گلی کوچوں میں مذاق اڑایا جانے لگا۔ہرطرف اعلیٰ حضرت کے علم وفن کے چرچے ہونے لگے۔بڑے بڑے علما آپ کے پاس آکر علمی مذاکرات کرکے آپ سے علوم وحکمت کے لعل گہر حاصل کرتے۔اسی درمیان ''کرنسی نوٹ'' کے تعلق سے مولانا عبداللہ میرداد اور مولانا حامد احمد محمد جدادی کے استفتاء اور گزارش پر آپ نے ایک دوسرا رسالہ " کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" تحریر فرمایا۔اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ یہ جلیل القدر علماء اور مشائخ آپ کے علم وفضل کے ایسے معترف ہوئے کہ آپ پر پروانہ وار نثار ہونے لگے۔آپ سے فقہی اور کلامی مسائل

پر گفتگو کرتے ۔لاینحل مسائل کا حل معلوم کرتے ۔روز بروز آپ کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا یہاں تک کہ حضرت علامہ شیخ عبد الحق مہاجر الہ آبادی علیہ الرحمہ جنہوں نے ''تفسیر مدارک التنزیل'' پر سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ''اکلیل'' نامی حاشیہ تحریر فرمایاہے،ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا کریم اللہ پنجابی صاحب نے فرمایا کہ:

"انی مقیم بالمدینة الامینة منذ سنین ویاتیها من الهند الوف من العالمین فیهم علماء و صلحاء و اتقیاء۔ رایتهم یدورون فی سکك البلد۔ لا یلتفت الیهم من اهله احد، وأری العلماء والکبار العظماء الیك مهر عین وبالاجلال مسرعین۔" ذلك فضل الله یوتیه من یشآء و الله ذو الفضل العظیم۔

(الاجازات المتینة صفحہ ۳۴۵ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

ترجمہ: میں کئی سالوں سے مدینہ منورہ میں رہ رہا ہوں، ہندوستان کے ہزاروں اہل علم علماء،صلحاء اور اہل تقویٰ کو یہاں آتے ہوئے دیکھتا چلا آرہا ہوں۔ وہ یہاں کے گلی کوچوں میں گھومتے رہتے ہیں مگر کوئی ان کی طرف توجہ و التفات تک نہیں کرتا۔مگر تعجب کی بات ہے کہ میں یہاں آپ کے علم وفضل کی ایسی حیرت انگیز مقبولیتِ عوام و خواص دیکھ رہا ہوں کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء اور مشائخ آپ کی طرف پروانہ وار سبقت کررہے ہیں اور آپ کی تعظیم وتکریم میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں ان کے درمیان ایک ہوڑ سی مچی ہوئی ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

آپ کی مقبولیت کا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت حجۃ الاسلام فرماتے ہیں کہ:

'' وضع الله له فی ارضه القبول فکانما نودی فی مکة یا اهل الصفا! اهرعوا! فقد جاء عبد المصطفیٰ ،فراینا العلماء الیه مهر عین، و اکابر العظماء الی اعظامه مسرعین، فمنهم من یقتبس من انوار علمه و ضیائه، ومنهم من یلتمس البرکة فی لقاء محیاه و هذا جاء فسأل و استفتی، وهذا جلیل یعرض علیه ماکان افتی حتی ان الجلة الجلیلة الممتازة طلبوا منه برکة الاجازة، و دخل کبار فی بیعة الطریقة وقام مخدوموا الکرام بخدمته الانیقة"۔ (الاجازات صفحہ ۳۴۱)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین میں آپ کی ایسی مقبولیت رکھ دی گویا کہ قضاء و قدر کے کارکنان سے

قدرت نے یہ اعلان کروادیا کہ اے اہل صفا جلدی کرو!، جلدی چلو! کہ مصطفےٰ ﷺ کا غلام آیا ہوا ہے۔ہم نے دیکھا کہ یہاں کے علمائے کرام آپ کی بارگاہ میں پروانہ وار انتہائی تیز گامی کے ساتھ دوڑے چلے آرہے ہیں۔آپ کی تعظیم وتوقیر میں سبقت وسرعت کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ پروانوں کا ایک ہجوم ہے۔کوئی آپ کے علمی انوار وبرکات سے فیض حاصل کررہا ہے تو کوئی آپ کے علمی جاہ وحشمت کو ملاحظہ کررہا ہے۔کوئی مسئلہ دریافت کرکے فتویٰ حاصل کررہا ہے تو کوئی اپنے فتووں کی تصدیق کرا رہا ہے۔ کوئی اپنی کتاب پر تقریظ لکھوا رہا ہے۔ یہاں تک کہ انتہائی جلیل القدر اور ممتاز علمی شخصیات کو میں نے دیکھا کہ وہ آپ سے اجازت وخلافت کی گزارش کررہے ہیں اور بڑے بڑے علماء اور اکابر آپ کے دست حق پرست پر بیعت کررہے ہیں۔ وہ بزرگ علماء کہ جو عوام وخواص کے مخدوم ہیں وہ بھی آپ کی خدمت بجالانے کو اپنی سعادت مندی سمجھ رہے ہیں۔

عرب وافریقی ممالک کے خلفاء کی تعداد:۔

ماہ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ سے تقریبا ۹؍ربیع الآخر بروز ہفتہ ۱۳۲۴ھ تک آپ حرمین طیبین میں رہے۔تقریبا تین مہینے تک مکۃ المکرّمہ میں آپ کا قیام رہا اور بقیہ ایام آپ نے مدینہ طیبہ میں گزارے۔اس عرصہ کے درمیان دونوں حرم محترم میں بے شمار علماء ومشائخ نے سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت بھی کی اور علمی استفادہ کرکے شرف تلمذ بھی حاصل کیا۔حرمین طیبین سے تعلق رکھنے والے علماء ومشائخ کے علاوہ ایام حج میں دور دراز کے ممالک سے تشریف لائے ہوئے نہ جانے کتنے علماء ومشائخ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے اجازت وخلافت حاصل کی۔جب تک مکۃ المکرّمہ میں رہے تب تک مکۃ المکرّمہ میں اور جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو وہاں پر حتی کہ جب آپ مدینہ طیبہ سے ہندوستان واپسی کے سفر کے لئے پابرکاب تھے تب تک آپ سے یہ علماء ومشائخ اجازتیں حاصل کرتے رہیں جن میں سے زیادہ تر کو آپ نے زبانی اجازتیں عطا فرمائیں۔ ہندوستان واپس آجانے کے بعد بھی بذریعہ خط وکتابت یہ علماء اور مشائخ اجازتیں طلب فرماتے رہے تو ان کو بذریعہ ڈاک بریلی شریف سے خلافت نامے ارسال کئے گئے۔اس سلسلے میں خود سیدی سرکار اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

''رخصت کے وقت قافلے کے اونٹ آلئے ہیں۔ پابرکاب ہوں اس وقت تک علماء کو اجازت نامے لکھ کردیئے ،وہ سب (حرمین طیبین میں عطا فرمائے گئے تحریری اجازت نامے) تو ''الاجازات المتینة'' میں

طبع ہوگئے اور یہاں آنے کے بعد دونوں حرم محترم سے درخواستیں آیا کیں اور اجازت نامے لکھ کر گئے ، یہ درج رسالہ نہیں۔

(الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۳۶ مطبوعہ مکتبۂ قادریہ اٹوا بازار سدھارت نگر یوپی)

زبانی کتنے افراد کو اجازت وخلافت سے نوازا اس کی تعیین انتہائی مشکل ترین امر ہے بس اتنا کہا جاسکتا ہے کہ بے شمار علمی اور روحانی و مذہبی شخصیات کو آپ نے اپنی اجازت وخلافت سے نوازا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے ''الاجازات المتینہ ''میں کئی جگہ اس بات کی تصریح فرمائی کہ فلاں کو تحریری اجازت اور بہت سے علماء کو زبانی اجازت عطا فرمائی (مفہوما) جیسا کہ مکۃ المکرّمہ کی مقدس سرزمین پرآپ کی بارگاہ میں اجازت وخلافت لینے والوں کے ازدھام کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر حضرت حجۃ الاسلام تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ثم تتابع الناس "یعنی پھر تو اجازت وخلافت حاصل کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ (الاجازات صفحہ ۳۴۴)

ایک دوسری جگہ حضرت حجۃ الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

" وقد طلب هنالك عدة من العلماء الاجازة فاجاز باللسان اكثر من اجازه لان عبد المصطفىٰ فی حضرة المصطفیٰ۔ عليه افضل صلوات الله ۔ فی شغل شاغل عمن سوا ہ "

(الاجازات صفحہ ۳۴۵)

ترجمہ:۔اور (مدینہ منورہ میں بھی) متعدد علمائے کرام نے اجازتیں مانگی۔ آپ نے اکثر کو صرف زبانی اجازتیں عطا فرمائیں اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام مصطفیٰ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں ایسا مصروف ومشغول ہوگیا کہ نبی اکرم ﷺ کے دربار میں حاضری اور اپنے آقا کی طرف لو لگانے کے سوا کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔

علامہ سید عبدالحی صاحب کو تحریری اجازت وخلافت دیئے جانے کے واقعہ کے ضمن میں حجۃ الاسلام نے لکھا کہ:

" وكان معه شاب صالح من طلبة علم الكريم يدعی حسين جمال بن عبد الرحيم "

ترجمہ:۔ موصوف کے ساتھ ایک جوان صالح ،علم دین کے طالب حسین جمال بن عبدالرحیم بھی تھے''۔

انہوں نے بھی اجازت وخلافت کی گزارش کی:

"فاجازه والدی اجازة باللسان" تو والد بزرگوار نے انہیں زبانی اجازت عطا فرمادی اوران سے ارشاد فرمایا کہ حضرت سید صاحب کو جو خلافت نامہ دیا ہے اس کی نقل لے کر اس میں اپنا نام لکھ لیں''۔

(الاجازات المتینہ صفحہ ۳۴۲۔۳۴۳ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)

حضرت حجۃ الاسلام نے ایک اور جگہ یوں تحریر کیا کہ:

ترجمہ: ''حضرت مولانا شیخ صالح کمال صاحب جب والد بزرگوار اعلیٰ حضرت کی زیارت کو تشریف لائے تو ان کے ساتھ فضل وکمال کے گھرانے ''دحلان'' کے دیگر دو اہل علم اور اصحاب فضیلت بھی تھے۔ انہوں نے بھی اجازتیں مانگیں۔ آپ نے سب کو زبانی اجازتیں بخشیں۔

(ایضا۴۱۶)

ایک مقام پر یوں تحریر فرمایا:

ترجمہ: ''ازاں بعد مستجیزین کا تانتا بندھ گیا۔ سندیں طلب کرنے والے علماء و مشائخ پے در پے بکثرت آنے لگے تو حضرت والد ماجد نے ان کے لئے سند کا چوتھا نسخہ تالیف فرمایا جو مختصر بھی ہے اور جامع بھی اور تھوڑے الفاظ پر مشتمل ہونے کے باوجود نافع بھی اور آپ نے مجاز کے نام کی جگہ خالی چھوڑ کر اس نسخے کی متعدد نقلیں کروالیں جب کوئی عالم دین سند لینے آتا تو والد ماجد خالی جگہ ان کا نام لکھ کر یہ نسخہ ان کے حوالے کر دیتے۔ (ایضا مفہوما ۴۱۷)

اسی سے کچھ آگے تحریر فرمایا:

ترجمہ: ''بعض کو (زبانی اجازت وخلافت دے کر) جناب شیخ صالح کمال صاحب کے سپرد کیا کہ ان کے پاس سے لکھوالیں اور بعض سے وعدہ فرمایا''

(ایضا مفہوما ۴۱۷)

حضرت مولانا سید شیخ محمد عبد الحی صاحب کو اجازت و خلافت مؤرخہ ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو یوں عطا فرمائی کہ انہوں نے سب سے پہلے ''حدیث بالاولیت'' کا سماع کیا اس کے بعد آپ نے انہیں تمام مرویات ماذونہ کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ:

ترجمہ: ''میں نے انہیں طریقت کے ان تمام سلسلوں کی بھی اجازت دی جن کی مجھے اجازت ہے''۔

(ایضا۴۳۴مفہوما واختصارا)

جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی علمائے عرب کے ساتھ دیگر ممالک سے حج و زیارت کے لئے تشریف لائے ہوئے بے شمار مشائخ کو آپ نے زبانی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور بعض کو تحریری خلافت نامہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔ جنہیں ہندوستان واپسی کے بعد بھیج دی گئیں۔ جیسا کہ ماقبل میں حضرت حجۃ الاسلام کے حوالے سے اس کی صراحت گزری۔

ان تمام تفصیلات سے یہ واضح ہوگیا کہ بہت سے علمائے عرب اور دیگر خطوں کے مشائخ عظام کو حرمین طیبین میں اعلیٰ حضرت نے اپنے دوسرے سفر حج زیارت کے موقع پر اپنی اجازت وخلافت سے نواز تھا۔ مگر ان تمام حضرات کے ناموں کی صراحت اور ان کے احوال و کوائف کا سراغ ہمیں کہیں نہیں ملتا۔ اسی طرح بریلی

شریف واپسی کے بعد بھی بہت سے علماء و مشائخ کو جو تحریری اجازت نامہ بھیجے گئے ان کا بھی کہیں اب تک سراغ نہیں لگ پایا۔ البتہ جن حضرات کو مکۃ المکرّمہ اور مدینہ طیبہ میں تحریری اجازتیں عطا فرمائی گئیں یا حرمین طیبین میں جن کو مختصر تحریری اجازت نامے دیئے گئے اور تفصیلی اجازت نامے بھیجنے کا وعدہ کیا گیا پھر ہندوستان واپسی کے بعد حسب وعدہ انہیں یہ اجازت نامے ارسال کئے گئے ان سب کو حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے "الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ و المدینۃ" میں تفصیل کے ساتھ نام بنام درج فرما دیا ہے۔ ان کی تعداد ۲۷/اور اگر سید عمر صاحب کے مستقبل قریب میں متولد ہونے والے بچے کو ''بشرط علم وعمل'' اور ''بشرط بیٹا ہونے'' کے دی جانے والی اجازت وخلافت کو بھی شمار کرلیا جائے تو ان کی تعداد ۲۸/ہوتی ہے۔

حضرت سید حسین مدنی بن شیخ عبدالقادر مدنی جو بعد میں بریلی شریف تشریف لائے اور انہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے تعلیم حاصل کی خاص طور پر ''علم جفر'' کی تعلیم، ان کو بھی اعلیٰ حضرت سے شرف تلمذ کے ساتھ شرف اجازت و خلافت بھی حاصل ہے۔ ان کی اجازت وخلاف کا ثبوت خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے تصریحی بیان مشمولہ الملفوظ وحیات اعلیٰ حضرت، سے ملتا ہے، تو ان کو لے کر یہ تعداد ۲۹/تک پہونچتی ہے۔

اس کے علاوہ سید حسین مدنی صاحب کے بھائی سید محمد ابراہیم صاحب بھی بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں تشریف لائے تھے اگر چہ ان کی اجازت وخلاف اور شرف تلمذ حاصل کرنے کی تصریح نہیں ملتی مگر قرائن کی بنیاد پر انہیں بھی اس میں شامل کرلیا جائے تو یہ فہرست ۳۰/تک پہونچتی ہیں۔

یونہی سید حسین مدنی صاحب کے تیسرے بھائی حضرت سید محمد مدنی صاحب بھی بریلی شریف تشریف لائے تھے اگر ان کو بھی اس فہرست میں شامل کرلیا جائے تو ان خلفائے عرب وافریقہ کی تعداد ۳۱/تک پہونچتی ہے۔

واضح رہے کہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرمین طیبین کے علماء ومشائخ کے لئے ارتجالاً وہاں پر سات اجازت نامے اور سندیں فصیح و بلیغ عربی زبان میں تحریر فرمائی تھیں جو حسب موقع اور حسب مراتب مذکورہ بالا ۲۷/اور دوسرے احتمال (سید عمر صاحب کے پیدا ہونے والے بچے) کے اعتبار سے ۲۸/جلیل القدر علماء و مشائخ کو عطا فرمائی گئیں۔ ان ۲۸/شخصیات میں حضرت سید حسین مدنی صاحب، ان کے دونوں بھائی سید محمد ابراہیم مدنی اور سید محمد مدنی صاحبان کا ذکر نہیں ہے۔ اب ہم ذیل میں اجازت نامہ کے ان ساتوں نسخوں کا اجمالی

تعارف اور کن کن حضرات کو یہ دیئے گئے ان کا اجمالی خاکہ پیش کررہے ہیں:

(۱) اجازت نامہ کا پہلا نسخہ:۔

سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اجازت نامہ مکۃ المکرّمہ کے زمانہ قیام اور "الدولة المكية" تحریر فرمانے کے اوقات میں مؤرخہ ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو تحریر فرمایا۔ اس اجازت نامہ کی ابتداء تسمیہ کے بعد یوں ہوتی ہے۔

" الحمد لله احد من لا احد له، و سند من لا سند له" الخ۔

(الاجازات صفحہ ۳۵۳)

اس اجازت نامہ کا اختتام یوں ہوتا ہے:

" و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين و الصلوٰة والسلام علىٰ سيد المرسلين محمد و اٰله و اصحابه اجمعين "۔ (الاجازات صفحہ ۳۵۶)

اس کے بعد آخر میں اعلیٰ حضرت کے اس پر دستخط ہے۔

سند کا یہ پہلا نسخہ آپ نے محدث مغرب، محدث عرب و عجم، عالم کامل، مجمع فضائل، منبع فضائل، حضرت علامہ مولانا سیدنا شیخ محمد عبدالحی بن شیخ کبیر سید عبدالکبیر کتانی، حسنی، ادریسی فاسی کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ حضرت شیخ عبدالحی صاحب کو جس وقت یہ اجازت وخلافت دی گئی اس وقت تک شیخ موصوف ۵۰/کتابیں تصنیف فرما چکے تھے جو علم حدیث اور دیگر علوم دینیہ سے متعلق تھیں۔

ان کے ساتھ حضرت مولانا شیخ حسین جمال بن عبدالرحیم بھی تشریف لائے تھے جو اس وقت ایک نوجوان عالم و فاضل تھے۔ انہوں نے بھی چلتے وقت اجازت و خلافت کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں عرض کی تو وقت کی قلت کے باعث آپ نے انہیں زبانی اجازت وخلافت سے نواز کر فرمایا کہ:

"شیخ عبدالحی صاحب کے اجازت نامہ سے نقل لے کر اس پر اپنا نام تحریر کر لینا"۔

اس طرح سند کا یہ پہلا نسخہ مندرجہ ذیل دو حضرات کے حصے میں آیا:

(۱) محدث مغرب، محدث عرب وعجم، عالم کامل، مجمع فضائل، منبع فضائل حضرت علامہ مولانا سیدنا شیخ محمد عبدالحی بن شیخ کبیر سید عبدالکبیر کتانی، حسنی، ادریسی فاسی۔ مکہ شریف۔

(۲) عالم جلیل، فاضل نبیل، حضرت مولانا شیخ حسین جمال بن عبدالرحیم۔ مکہ شریف۔

(الاجازات المتینہ صفحہ ۳۵۴۔۳۵۶، ۳۴۲، ۳۴۳/ اختصاراً و مفهوماً)

(۲) اجازت نامہ کا دوسرا نسخہ:۔

اجازت نامہ، خلافت نامہ اور سند کا یہ دوسرا نسخہ آپ نے ابتداءً حضرت شیخ صالح کمال، سید اسماعیل خلیل آفندی اور

ان کے بھائی سید شیخ مصطفےٰ خلیل آفندی کے لئے تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ صالح کمال صاحب مؤرخہ ۲۸ / ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو سرکار اعلیٰ حضرت سے ملاقات کرنے کی غرض سے تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ ''خاندان دحلان'' کے دو دوسرے اہل علم بھی تھے۔ ان حضرات نے اعلیٰ حضرت سے اجازت و خلافت عطا فرمانے کی گزارش کی تو آپ نے ان سب حضرات کو اسی وقت زبانی اجازت و خلافت عطا فرمادی۔ حضرت شیخ صالح کمال صاحب نے تحریری اجازت نامہ کی گزارش کی تو آپ نے ادباً تحریری اجازت نامہ دینے میں توقف فرمایا مگر وہ جب بھی ملاقات کو تشریف لاتے تو تحریری اجازت نامہ کا مطالبہ ضرور فرماتے۔ اسی درمیان حضرت مولانا سید اسماعیل خلیل اور ان کے بھائی حضرت مولانا سید مصطفےٰ خلیل صاحبان نے بھی تحریری اجازت وخلافت کی پرزور انداز میں اپیل وگزارش کی تب آپ نے کافی تفصیلی انداز میں اپنے تمام علوم وفنون کی روایت، تمام تصانیف، سبھی مرویات، سارے سلاسل طریقت، تمام اشغال، اذکار اور سبھی اوراد و وظائف کی اجازت پر مشتمل ایک سند اجازت کا مسودہ مؤرخہ ٦ / صفر المظفر ۱۳۲۴ھ کو تحریر فرمایا جس کی تبییض و تکمیل مؤرخہ ۹ / صفر المظفر ۱۳۲۴ھ کو ہوئی۔ اس سند اور خلافت نامہ کا آپ نے تاریخی نام "الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البھیۃ" (١٣٢٤ھ) تجویز فرمایا۔

الاجازۃ الرضویہ کا اضافہ شدہ جدید نسخہ:

وطن واپسی کے بعد ۱۳۲٦ھ میں اسی دوسرے نسخے میں آپ نے مزید اضافے فرمائے۔ آپ کو کتنے علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی ان کا ذکر فرمایا۔ کتنے علوم وفنون آپ کو ''کسبی'' طور پر حاصل ہوئے ان کی صراحت کی اور کتنے علوم وفنون آپ کو من جانب اللہ ''وہبی'' طور پر بغیر کسی سے پڑھے حاصل ہوئے ان سب کو صراحتاً بیان فرمایا۔

غرض کہ'' الاجازۃ الرضویہ ''نامی یہ اجازت نامہ آپ نے کافی اہتمام کے ساتھ نہایت مفصل انداز میں ایک مرتبہ مکۃ المکرمہ اور دوبارہ ''جدید انداز'' اور ''مزید اضافہ'' کے ساتھ بریلی شریف میں مرتب فرما کر حجاج کرام کے ہاتھوں ان علماء کو ارسال فرمایا کہ جن سے وطن واپسی کے بعد تفصیلی اجازت نامہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

الاجازۃ الرضویہ کی ادبی ولسانی خوبیاں:۔

یہ اجازت نامہ عربی زبان و ادب کا ایک عظیم نمونہ ہونے کے ساتھ'' صنعتِ براعت استہلال''، ''صنعت تشیع''، ''صنعت تلمیح'' اور ''نثر مسجع'' کا بھی ایک عظیم شاہکار ہے۔ اس میں آپ نے خطبہ کے اندر حدیث

کے تمام اقسام مثلاً ''حدیث متواتر''، ''حدیث مشہور''، ''حدیث آحاد''، ''حدیث صحیح''، ''حدیث حسن''، ''ضعیف''، ''مرفوع''، ''متصل''، ''معضل'' اور احادیث کے مجموعے کے اقسام مثلاً ''جامع''، ''مسند''، ''سنن''، ''صحاح''، ''مستدرک'' وغیرہ کا نہایت ہی علمی وادبی انداز میں استعمال فرمایا ہے۔ اسی طرح شیخ صالح کمال صاحب کا صراحتا نام ذکر نہیں فرمایا بلکہ ان کی تعریف میں ''صنعت توشیح'' کا استعمال کرتے ہوئے عربی زبان میں ایسے اشعار تحریر فرمائے ہیں کہ جن کے ہر ہر مصرعہ کا پہلا حرف الگ کر کے ان سب کو جمع کیا جائے تو ''صالح کمال'' بنتا ہے۔ یونہی شیخ اسماعیل خلیل صاحب کی مدح میں جو عربی زبان میں اشعار آپ نے تحریر فرمائے ہیں ان کے بھی اشعار کے ہر مصرعہ کا پہلا حرف الگ کر کے جمع کرنے پر ان کا نام ''اسماعیل خلیل'' بنتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت شیخ صالح کمال صاحب، محافظ کتب حرم حضرت سیدنا شیخ اسماعیل خلیل مکی آفندی اور ان کے بھائی شیخ سید مصطفےٰ خلیل آفندی کے لئے نثر ونظم میں ایسے القاب وآداب بیان فرمائے ہیں کہ جو ایک طرف عربی زبان وادب کا بہترین نمونہ ہیں تو دوسری طرف ''صنعت تلمیح'' کا بھی اعلیٰ شاہکار ہیں۔ اس سند کا عربی متن ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عربی زبان و ادب پر کس قدر عبور حاصل تھا کہ ارتجالا آپ نے اتنی خوبیوں کے ساتھ عربی زبان میں یہ سند تحریر فرمائی۔

اس سند کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

''الحمد لله المسلسل احسانه المتصل انعامه، غير "منقطع" ولا "مقطوع" فضله و اكرامه، ذكره "سند" من لا سند له، و اسمه احد من لااحد له و افضل الصلوات العوالى المنزول واكمل السلام "المتواتر"، "الموصول" على اجل "مرسل"، كشاف، كل "معضل"، "العزيز" الاعز "الخ (الاجازات صفحہ ۳۶۰)

اس کا اختتام یوں ہوتا ہے:

"ويوجبان لنا فى الدنيا و الآخرة الحفظ و الصون ، آمين آمين يا ارحم الراحمين.

اولاً آپ نے یہ سند مذکورہ بالا تین حضرات ہی کے لئے تحریر فرمائی تھی مگر جب کچھ جلیل القدر علماء نے اسی مفصل سند کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں وطن واپسی کے بعد بھیجنے کا وعدہ فرمالیا۔ ہندوستان آ کر آپ مختلف دینی کاموں، تصنیف وتالیف اور رد وہابیہ وغیرہ میں ایسے مصروف ہوئے کہ بہت دنوں تک ان حضرات کو یہ اجازت نامہ نہ بھیج پائے۔ اس درمیان برابر تقاضہ کے خطوط ان حضرات کی طرف سے آتے رہے چنانچہ ایک خط

حضرت سید مامون بری کا آیا جو انہوں نے محرم ۱۳۲۶ھ میں تحریر فرمایا تھا۔ دو خط حضرت مولانا سید اسماعیل خلیل کے آئے جن میں سے پہلا انہوں نے مؤرخہ ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ کو اور دوسرا ۱۲/ رجب ۱۳۲۴ھ کو تحریر فرمایا تھا۔ چنانچہ ان حضرات کی گزارشوں کے مدنظر اعلیٰ حضرت نے ''الاجازۃ الرضویہ'' نامی دوسری سند جدید اضافوں کے ساتھ ۱۳۲۶ھ کی مختلف تاریخوں میں حجاج کرام کے ہاتھوں ان حضرات کے پاس ارسال فرمائیں۔ چنانچہ شیخ مصطفیٰ کمال، سید اسماعیل خلیل اور ان کے بھائی سید مصطفیٰ خلیل ان حضرات کو مؤرخہ ۷/ شوال ۱۳۲۶ھ کو کچھ احباب کے ہاتھ، حضرت سید مامون بری مدنی کو شوال ۱۳۲۶ھ میں پنجاب کے رہنے والے کچھ حجاج کرام کے ہاتھ ارسال فرمائیں۔ اسی طرح مکۃ المکرمہ کے ۱۲/ دیگر علماء کہ جن سے آپ نے مفصل سند بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا اور وقتی طور پر ان حضرات کو اجازت نامہ کا چوتھا نسخہ جو مختصر اور ایک فارمیٹ کی صورت میں تھا وہ دیدیا تھا تو ایسے ۱۲/ حضرات کو آپ نے ۱۳۲۶ھ میں دوبارہ سند کا دوسرا نسخہ ارسال فرمایا۔ اس طرح سند کا یہ دوسرا نسخہ جن حضرات کو ملا ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں جن کی تعداد ۱۶/ تک پہونچتی ہے۔

(۱) حسنۃ الزمان، برکت الآوان، طیب الوجود وطیب الجود، صالح افعال، صدیق الاقوال، ابو الافضال، ابن الکمال حضرت مولانا شیخ صالح کمال، مفتی حنفیہ وسابق قاضی مکۃ المکرّمہ (مکۃ المکرّمہ)

(۲) محافظ کتب حرم حضرت مولانا سید شیخ اسماعیل خلیل مکی آفندی (مکۃ المکرّمہ)

(۳) حضرت مولانا سید شیخ مصطفیٰ خلیل مکی آفندی (یہ حضرت شیخ سید اسماعیل خلیل صاحب کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۴) حضرت مولانا سید شیخ مامون بری مدنی

(۵) امین الفتوی ومکین التقوی حضرت مولانا سید ابو حسین محمد مرزوقی (مکۃ المکرّمہ)

(۶) حسنۃ الزمان حضرت مولانا شیخ اسعد دہان (مکۃ المکرّمہ)

(۷) عالم جلیل فاضل نبیہ حضرت مولانا شیخ عبد الرحمٰن دہان (یہ حضرت مولانا شیخ اسعد دہان کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۸) مفتی مالکیہ عالم جلیل فاضل نبیل حضرت علامہ شیخ عابد بن حسین (مکۃ المکرّمہ)

(۹) حضرت مولانا شیخ علی بن حسین (یہ حضرت شیخ عابد بن حسین کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۱۰) عالم جلیل حضرت شیخ جمال بن محمد امیر (یہ حضرت شیخ عابد اور حضرت علی کے بھتیجے ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۱۱) عالم نبیہ حضرت علامہ شیخ عبد اللہ میر داد بن جہبذ کبیر،

عالم شہیر حضرت علامہ ابو الخیر میر داد (یہ اعلیٰ حضرت کے مرید بھی ہیں اور ان کے والد صاحب ہی نے ''انا اقبل ارجلکم'' الخ کہ: ''میں آپ کے پیروں کو بوسہ دوں، آپ کے جوتوں کو بوسہ دوں''، فرمایا تھا)۔

(۱۲) سید جلیل حضرت مولانا شیخ عبداللہ دحلان (مکۃ المکرّمہ)

(۱۳) حضرت شیخ محترم مولانا بکر رفیع (مکۃ المکرّمہ)

(۱۴) حضرت مولانا شیخ حسن عجیمی

(۱۵) فلذۃ کبد المدینہ شیخ الدلائل حضرت مولانا شیخ سید محمد سعید بن سید جلیل حضرت مولانا سید محمد مغربی (مدینہ طیبہ)

(۱۶) ذو المجد والکرم مولانا شیخ عمر دحلان مدنی

(الاجازات صفحہ ۳۶۶،۳۶۷، ۳۶۸)

(۳) اجازت نامہ کا تیسرا نسخہ:۔

اجازت نامہ کی یہ تیسری تحریر نہایت مختصر ہے جو آپ نے حضرت مولانا شیخ جلیل شیخ احمد خضراوی مکی کے لئے تحریر فرمائی۔ یہ باقاعدہ سند اور اجازت نامہ کی صورت میں نہ تھی بلکہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ جانے کے لئے پابرکاب تھے اس وجہ سے آپ نے قلت وقت کے باعث حضرت شیخ احمد خضراوی کی ''یاداشت ڈائری'' ہی کے ایک صفحہ میں تقریبا تین سطری یہ اجازت نامہ تحریر فرما کر دستخط کر دیئے تھے۔ اس تحریر کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

"الشیخ الجلیل البری عن المساوی" اور اختتام یوں ہوتا ہے "فلم یبق عندنا نسخۃ و کانت بالغۃ فی الوجازۃ" (الاجازات صفحہ ۳۸۵)

واضح رہے کہ اس تیسرے اجازت نامہ پر کوئی تاریخ اور سن نہیں ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ نہایت عجلت میں یہ تحریر لکھی گئی تھی وہ بھی ان کی مملوکہ یاداشت کی ڈائری میں جس کی وجہ سے حضرت حجۃ الاسلام ''الاجازات'' میں اس کی تاریخ نقل نہ کر سکے۔

(۴) اجازت نامہ کا چوتھا نسخہ:۔

ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہندوستان واپسی کا جیسے جیسے وقت قریب آ رہا تھا ویسے ویسے مکۃ المکرّمہ، مدینہ منورہ اور دنیا کے دیگر خطوں سے تشریف لائے علمائے کرام کا اشتیاق بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے پر کمر بستہ تھا۔ ہر ایک کی یہ آرزو تھی کہ اسے شرف تلمذ، شرف بیعت یا شرف اجازت و خلافت حاصل ہو جائے۔ ان کے اس اشتیاق اور ان کی اس عقیدت و محبت نیز دربار رسول میں اپنی حاضری کی مصروفیات کے باعث آپ نے ایک ایسی عام سند تیار فرمائی کہ جس کا مضمون آپ نے عمومی رکھا۔ گویا کہ یہ سند ایک ''فارمیٹ'' اور ''خاکہ'' کی صورت میں تھی جس طرح آج کل ہمارے

یہاں مشائخ طریقت یا علمی دانش کدے ایک عام مضمون تیار کرکے اس کی متعدد کاپیاں چھپوا کر رکھ لیتے ہیں اور اپنے خلفاء یا تلامذہ کو ان کا نام، ولدیت، پتہ اور جاری کرنے کی تاریخ ڈال کر ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اسی طرح کی یہ چوتھی سند تیار کی تھی جس میں خطبہ اور" و بعد فقد سألنی " کے بعد خالی جگہ چھوڑ دی تھی۔ اجازت و خلافت کے متمنی حضرات جب آتے تو ان کا نام ان کے حسب مراتب القاب و آداب سے مزین کرکے اس خالی جگہ کو پر کر دیا جاتا پھر انہیں یہ اجازت نامہ دیدیا جاتا ساتھ ہی جس دن دیا جاتا وہ تاریخ بھی رقم کر دی جاتی۔ اس چوتھی سند کا مضمون خطبہ سے یوں شروع ہوتا ہے:

"الحمد لله احد من لا احد له "الخ۔

پورے خطبہ کے بعد:

" و بعد فقد سألنی "ہے۔

اس کے بعد خلفاء کے نام۔ پھر

"و انا حل بالبلد الحرام اجازة مرويات عن مشائخی الكرام"۔ الخ ہے۔

اخیر میں"و الصلوٰة و السلام علی سيد المرسلين محمد و آله واصحابه اجمعين ۔ آمين "ہے۔

اس کے بعد دستخط ہیں۔(الاجازات صفحہ ۳۸۵،۳۹۳/اختصارا)

یہ چوتھی سند مندرجہ ذیل حضرات کو عطا فرمائی گئی۔

(۱) فاضل جلیل، سید جمیل، جامع فضائل انسیہ، قامع رذائل دنسیہ حضرت مولانا شیخ سید ابو حسین محمد مرزوقی بن سید عالم کبیر سید عبدالرحمٰن مکی علیہ الرحمہ (اوائل صفر ۱۳۲۴ھ میں بمقام مکۃ المکرّمہ موصوف کو یہ سند اجازت عطا فرمائی گئی)

(۲) ذوالقدر المنیع والفخر البدیع حضرت مولانا بکر رفیع مکی (بمقام مکۃ المکرّمہ مورخہ ۳/صفر ۱۳۲۴ھ کو انہیں اجازت و خلافت سے نوازا گیا)

(۳) شیخ اسعد حضرت مولانا شیخ اسعد دہان بن عالم عامل، فاضل کامل، عارف باللہ حضرت شیخ احمد دہان مرحوم (انہیں مؤرخہ ۷/صفر ۱۳۲۴ھ میں بمقام مکۃ المکرّمہ یہ سند اجازت عطا فرمائی گئی)

(۴) فاضل ابن فاضل حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن دہان بن عارف باللہ حضرت علامہ شیخ احمد دہان مرحوم (انہیں مؤرخہ ۷/صفر ۱۳۲۴ھ میں بمقام مکۃ المکرّمہ یہ سند اجازت عطا فرمائی گئی)

(۵) فاضل اجل، کامل افضل، سابق مفتی مالکیہ ابن مفتی مالکیہ حضرت مولانا شیخ محمد عابد بن علامہ شیخ حسین مکی مرحوم (مؤرخہ ۹/صفر ۱۳۲۴ھ بروز جمعرات بمقام مکۃ المکرّمہ انہیں اجازت و خلافت سے نوازا گیا)

(۶) حضرت مولانا شیخ محمد عابد صاحب کے بھائی فاضل

نبیل، فقیہ جلیل، صاحب تصانیف بہیہ حضرت مولانا شیخ علی بن شیخ حسین مکی مرحوم (مؤرخہ ۹ر صفر ۱۳۲۴ھ بروز جمعرات بمقام مکۃ المکرّمہ انہیں اجازت و خلافت سے نوازا گیا)

(۷) مذکورہ بالا دونوں بھائیوں کے نوجوان بھتیجے، عالم جلیل، فاضل نبیل حضرت مولانا شیخ محمد جمال بن شیخ محمد امیر بن شیخ حسین مکی مرحوم (مؤرخہ ۹ر صفر ۱۳۲۴ھ بروز جمعرات بمقام مکۃ المکرّمہ انہیں اجازت و خلافت سے نوازا گیا)

نـــوٹ : ان تینوں حضرات نے اس مختصر چوتھی سند کے علاوہ جب ''الاجازۃ الرضویہ'' نامی بنا اضافہ جدیدہ والی اس مفصل سند کے لئے بھی گزارش کی کہ جو آپ نے حضرت شیخ صالح کمال، شیخ اسماعیل خلیل اور شیخ مصطفےٰ خلیل کو وقتی طور پر عطا فرمائی تھی نیز اضافہ جدیدہ کے ساتھ مزید تفصیلات سے مزین کر کے ہندوستان واپسی کے بعد بریلی شریف سے بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ تب آپ نے ان سے فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال صاحب کے پاس جو دوسری سند کا نسخہ ہے اس نسخے سے نقلیں لے لیں۔

(۸) فاضل کامل، عامل عالم، امام حرم بر مصلیٰ حنفی حضرت مولانا شیخ عبداللہ میر داد بن علامہ اجل، زاہد عابد حضرت مولانا شیخ احمد ابی الخیر میر داد (یہ اعلیٰ حضرت کے مرید بھی تھے۔ انہیں مؤرخہ ۸ر صفر ۱۳۲۴ھ کو مکۃ المکرّمہ میں خلافت سے نوازا گیا)۔

(۹) فاضل جلیل، نبیہ نبیل، مولانا شیخ حسن عجیمی مکی بن قاضی فاضل شیخ عبدالرحمٰن مرحوم (یہ موصوف حضرت مولانا حسن بن علی عجیمی مکی مالکی قدس سرہٗ جو صاحب تصانیف کثیرہ و معروفہ ہیں ان کی اولاد و نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں ۸ر صفر ۱۳۲۴ھ کو مکۃ المکرّمہ میں اجازت و خلافت سے نوازا گیا)

(۱۰) عالم سالم حضرت مولانا سید سالم بن عیدروس بارعلوی حضرمی (۱۱ر صفر ۱۳۲۴ھ کو انہیں یہ اجازت نامہ عطا فرمایا گیا)

(۱۱) ولد صالح، شاب مفلح، ملتزم فی الحرم الکریم حضرت سید علوی بن حسن کاف حضرمی

(۱۲) حضرت مولانا سید ابوبکر بن سالم بارعلوی حضرمی

نـــوٹ: حضرت حجۃ الاسلام ''سید ابوبکر موصوف'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''مجھے یہ یاد نہیں کہ انہیں اعلیٰ حضرت نے تحریری سند عطا فرمائی تھی یا ان کے والد صاحب حضرت سید سالم بن عیدروس کو جو سند دی تھی اسی سے نقل کرنے کے لئے فرمایا تھا''۔

(۱۳) فاضل جلیل، کامل نبیل حضرت مولانا سید عبد اللہ دحلان بن علامہ کبیر، امام شہیر حضرت مولانا سیدنا و شیخنا سید احمد بن زینی دحلان، تغمدہ اللہ بالرحمۃ و

الـــــرضـــوان۔(انہیں ۲۴؍صفر ۱۳۲۴ھ کو اجازت عطا فرمائی۔ واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو پہلے سفر حج کے موقع پر جبکہ اعلیٰ حضرت کی عمر شریف محض ۲۲؍سال تھی اور آپ اپنے والدین کے ساتھ حج کرنے تشریف لائے تھے اس موقع پر حضرت شیخ سید احمد بن زینی دحلان علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنی اجازت وخلافت سے نوازا تھا اور آپ کے علم وفضل اور آپکی عظمت ورفعت کے سلسلے میں دعائیں فرمائی تھیں۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد اول، الملفوظ حصہ دوم)

(۱۴) حضرت مولانا سید محمد بن عثمان دحلان (ان کو مدینہ طیبہ کے سفر پر نکلے والے دن اجازت عطا فرمائی۔

(۱۵) فاضل کامل حضرت مولانا شیخ محمد یوسف، مدرس مدرسہ مولانا رحمت اللہ۔ علیہ رحمۃ اللہ۔(انہیں ۲۴؍صفر ۱۳۲۴ھ کو اجازت عطا فرمائی گئی۔

(الاجازات صفحہ ۳۸۵ تا ۳۸۸ اختصاراو مفہوما)

ایک غلط فہمی کا ازالہ: مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ چوتھی سند ۱۵؍علماء ومشائخ کو عطا فرمائی گئی تھی جو ایک فارمیٹ کی صورت میں تھی۔ یوں تو ان کی تعداد ۱۵؍ہے مگر ان میں سے دس حضرات وہ بھی ہیں کہ جن کو سند کا وہ دوسرا نسخہ کہ جس کا نام ''الاجازۃ الرضویہ'' ہے وہ بھی دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔اس لئے ''الاجازۃ الرضویہ'' جن ۱۶؍شخصیات کو دی گئی ہے ماقبل میں مذکور فہرست کے ضمن میں ان دس افراد کا بھی ذکر ہے۔اس طرح یہ دس شخصیات وہ ہیں کہ جنہیں ''الاجازۃ الرضویہ'' نامی سند کا دوسرا نسخہ بھی ملا اور اس چوتھی سند کا یہ نسخہ بھی جو ایک فارمیٹ کی صورت میں ہے، وہ بھی ملا۔ ایسا نہیں ہے کہ دوسری سند کے ضمن میں مذکورہ بالا جن دس ناموں کا ذکر ہے وہ الگ ہیں اور چوتھی سند میں ۱۵؍خلفاء کے ضمن میں مذکور یہ دس شخصیات علیحدہ ہیں بلکہ ان دس شخصیات کی شمولیت ''الاجازۃ الرضویہ'' نامی سند کے دوسرے نسخے میں بھی ہے اور پندرہ شخصیات کو دی گئی اس چوتھی سند میں بھی۔ اس لئے ان حضرات کے نام دونوں فہرستوں میں مکرر ذکر ہوئے ہیں۔جس سے کچھ حضرات کو اشتباہ ہو گیا اور انہوں نے ان مکرر ناموں کو الگ الگ شمار کر کے خلفائے عرب کی تعداد میں کافی اضافہ کر دیا۔جیسا کہ ''خلفائے محدث بریلوی'' کے نام سے ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا'' نے جو کتاب شائع کی ہے اس میں ان حضرات کو الگ الگ خلیفہ شمار کر کے خلفائے عرب کی تعداد اکتالیس ۴۱؍تک پہونچا دی گئی ہے۔یہی نہیں بلکہ اس کتاب میں مندرجہ ذیل کچھ تسامحات بھی نظر میں آئے ہیں۔

☆ پہلی سند دو حضرات کو ملی تھی مگر ''خلفاء محدث بریلوی'' نامی اس کتاب میں صرف ایک کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ چوتھی سند اعلیٰ حضرت نے مذکورہ بالا ۱۵/شخصیات کو عطا فرمائی مگر اس کتاب میں صرف ۱۲/ کا ذکر ہے۔
☆ شیخ ابوحسین محمد مرزوقی کو یہاں شیخ ابوالحسن لکھا گیا۔
☆ اس کتاب کی فہرست کے نمبر شمار ۱۸/ میں ''شیخ حسین مالکی'' کو چوتھی سند پانے والا خلیفہ قرار دیا گیا جبکہ یہ شیخ محمد عابد کے والد صاحب ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت کے سفر حرمین طیبین سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ شیخ محمد عابد صاحب کی سند میں ان کے نام کے ساتھ اعلیٰ حضرت نے'' مرحوم'' لکھا ہے تو ایسی صورت میں یہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ کیسے ہوسکتے ہیں؟
☆ ''شیخ صالح کمال مکی'' کا نام بھی اس کتاب میں چوتھی سند پانے والوں کی فہرست میں بھی درج ہے جبکہ انہیں سند کا صرف دوسرا نسخہ دیا گیا تھا چوتھا نہیں۔
☆ اسی فہرست میں ''شیخ عبداللہ میر داد'' کے والد گرامی اور "انا اقبل ارجلکم" کے قائل ''شیخ الخطباء حضرت شیخ احمد ابوالخیر میر داد'' کا بھی نام ہے حالانکہ اعلیٰ حضرت سے انہیں اجازت وخلافت نہیں۔
☆ پانچویں سند اعلیٰ حضرت نے ''شیخ عبدالقادر کردی مکی'' اوران کے فرزند ''حضرت شیخ عبداللہ فرید مکی'' کو عطا فرمائی تھی جبکہ مذکورہ کتاب میں صرف والد کا ذکر ہے بیٹے کا نہیں۔
☆ اس کتاب کے مرتب صاحب موصوف نے ایک دوسری کتاب کے حوالے سے ''شیخ عبداللہ فرید مکی'' کا ذکر جداگانہ انداز میں کیا ہے مگر نام ''شیخ فرید'' تحریر کیا گیا ہے حالانکہ اعلیٰ حضرت کی تحریر کے مطابق ان کا نام ''شیخ عبد اللہ فرید'' ہے ''شیخ فرید'' نہیں۔
☆ اسی طرح ''شیخ عبداللہ فرید'' کے ذکر سے پہلے ''سید علوی بن حسین'' کا نام ''تقدیم الملفوظ مطبوعہ کراچی'' کے حوالے سے درج کیا گیا ہے جبکہ اعلیٰ حضرت کے خلفائے عرب وافریقہ میں اس نام کے کوئی خلیفہ نہیں۔ ایسا معلوم پڑتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ''سید علوی بن حسن'' ہی کو ''علوی بن حسین'' کردیا گیا ہے۔
☆ یونہی ''شیخ عمر بن حمدان محرسی مالکی'' جنہیں سند کا دوسرا نسخہ دیا گیا تھا ان کا نام دوسری سند پانے والوں میں دو الگ الگ شخصیت بنا کر ایک کو ''شیخ عمر محروسی'' اور دوسرے کو ''عمر بن حمدان'' کے ناموں سے درج کیا گیا ہے حالانکہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت کے نام ہیں۔ نیز ''الاجازات المتینہ'' کے مطابق یہ ''محرسی'' ہے ''محروسی'' نہیں۔
(تفصیل کے لئے خلفاء محدث بریلوی صفحہ ۹ تا ۱۶ کا مطالعہ فرمائیں۔ ان صفحات میں کافی اغلاط درآئے ہیں جن کی تصحیح نہایت ضروری ہے۔ امید ہے کہ ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا'' کے ذمہ داران اور اس کتاب کے مرتب، عالی

جناب محترم محمد عبد الستار طاہر صاحب مسعودی اس جانب توجہ کر کے کرم فرمائیں گے۔)

اجازت نامہ کا پانچواں نسخہ: اعلیٰ حضرت نے یہ اجازت نامہ مؤرخہ ۱۰؍صفر المظفر ۱۳۲۴ھ کو بمقام مکۃ المکرمہ ''حضرت علامہ مولانا شیخ عبد القادر کردی'' اور ان کے کمسن فرزند ''حضرت مولانا شیخ عبداللہ فرید'' صاحبان کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ اس سند کی ابتداء:

" الحمد لله على ما انعم و علم " الخ سے ہوتی ہے۔ اور اس کا اختتام

"والله رزقنا جميعا النور و البهاء آمين والحمد لله رب العالمين" پر ہوتا ہے۔

(الاجازات صفحہ ۳۹۳، ۳۹۴ اختصارا)

اس طرح یہ سند مندرجہ ذیل دو افراد کو حاصل ہوئی:

(۱) حضرت علامہ مولانا شیخ عبد القادر کردی مکی۔ (یہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال صاحب کے شاگرد رشید بھی ہیں)

(۲) شیخ عبد القادر صاحب کے فرزند حضرت مولانا شیخ عبداللہ فرید مکی۔

اجازت نامہ کا چھٹا نسخہ:۔ یہ اجازت نامہ اعلیٰ حضرت نے مؤرخہ ۱۱؍صفر شب جمعہ ۱۳۲۴ھ کو مکہ شریف میں ''حضرت علامہ مولانا سید محمد عمر بن سید ابو بکر رشیدی صاحب'' کے لئے تحریر فرمایا۔ اس سند کی ابتداء:

'' الحمد لله وحدهٗ و السلام على من لا نبى بعدهٗ " الخ سے ہوتی ہے۔

اور اس کا اختتام " و ياتى فى الشاهد لما تصوره الخيال آمين " پر ہوتا ہے۔

(الاجازات صفحہ ۳۹۴ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

واضح رہے کہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سند کا یہ چوتھا نسخہ اگر چہ حضرت مولانا سید محمد عمر بن سید ابو بکر رشیدی مرحوم کے لئے ہی تحریر فرمایا تھا مگر ان کی عرض پر آپ نے ''بشرط علم و عمل'' اور ''بشرط فرزند'' مستقبل قریب میں ان کے یہاں متولد ہونے والے بچے کو بھی اپنی اسی اجازت و خلافت سے ان الفاظ میں نوازا تھا کہ:

'' وقد جرت سنة العلماء بالاجازة لمن سيولد فضلا عمن يوجد فاجبت مسؤله و حققت مأموله واجزته بالقرآن و الحديث والفقه و الاصول " الخ

ترجمہ: علماء ومشائخ کی یہ سنت چلی آرہی ہے کہ پیدا ہو چکے کم سن بچوں کو تو وہ اجازت دیتے ہی ہیں ان کے علاوہ وہ مستقبل قریب میں پیدا ہونے والے بچوں کو بھی اجازت سے نوازتے ہیں۔ اسی لئے میں نے بھی ان کے

والد محترم کی عرض کو قبول کرتے اور ان کی تمنا کی تکمیل کرتے ہوئے اس آنے والے بچے کو قرآن وحدیث اور فقہ واصول وغیرہ اپنے تمام علوم وفنون کی اجازت بخشی۔

اسی موقع پر ان کے والد صاحب نے فرمایا کہ میں اس بچے کا نام آپ کے نام پر ''احمد رضا'' رکھوں گا۔ اعلیٰ حضرت نے آقا کریم ﷺ کے تینوں خلفاء کے ناموں سے تبرک حاصل کرنے کی غرض سے جواباً ارشاد فرمایا کہ ''نہیں۔ بلکہ ان کا نام آپ ''عثمان'' رکھنا تاکہ ان کا نسب یوں بنے کہ'' سید عثمان بن سید عمر بن سید ابو بکر''۔''اسی مجلس میں حضرت شیخ صالح کمال صاحب بھی موجود تھے انہوں نے اعلیٰ حضرت اور حضرت مولانا سید عمر صاحب دونوں کے ارشادات میں تطبیق دیتے اور بیچ کی صورت نکالتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ'' پہلے بیٹے کا نام'' سید عثمان'' رکھیں اور دوسرے بیٹے کا نام اپنی خواہش کے مطابق اعلیٰ حضرت کے نام پر''احمد رضا''رکھیں''۔

(الاجازات صفحہ ۳۹۵/اختصاراً ومفہوماً)

اب اس بات کا پتہ نہ لگ سکا کہ ان کے یہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی یا بیٹی کی۔ اگر بیٹے کی پیدائش ہوئی ہو اور اعلیٰ حضرت کی خواہش کے مطابق انہوں نے ان کا نام ''سید عثمان'' رکھا ہو تو ایسی صورت میں سند کا یہ چھٹا نسخہ پانے والی مندرجہ ذیل دو شخصیتیں ہوں گی۔

(۱) حضرت علامہ مولانا سید محمد عمر بن سید ابو بکر رشیدی مکی

(۲) ''سید عثمان بن سید عمر بن سید ابو بکر'' (متوقع)

اجازت نامہ کا ساتواں نسخہ:۔ یہ اجازت نامہ اور سند کا یہ ساتواں نسخہ اعلیٰ حضرت نے بمقام مدینہ منورہ مؤرخہ ۹/ ربیع الآخر بروز ہفتہ ۱۳۲۴ھ کو'' شیخ الدلائل حضرت مولانا سید شیخ محمد سعید مغربی بن حضرت شیخ سید محمد مغربی علیہ الرحمہ'' کے لئے مختصراً تحریر فرما کر ان کے سپرد کر دیا تھا اور ''الاجازۃ الرضویہ'' والا تفصیلی دوسرا نسخہ ہندوستان پہونچ کر بھیجنے کا ان سے وعدہ فرمالیا تھا۔ اس سند کی ابتدا تسمیہ و تحمید کے بعد یوں ہوتی ہے:

" الحمد لله احد من لا احد له ''الخ۔

اور اس کا اختتام" و افضل الصلوٰة والسلام علی هذا الحبيب الكريم و اٰله و صحبه و ذريته اجمعين ۔ اٰمين" پر ہوتا ہے۔

(الاجازات صفحہ ۳۹۶، ۳۹۷ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

ہندوستان واپسی پر حسب وعدہ انہیں ''الاجازۃ الرضویہ'' نامی اجازت نامہ کا تفصیلی نسخہ بھی بھیج دیا گیا۔ اس طرح انہیں سند کا ساتواں نسخہ بھی ملا اور سند کا دوسرا نسخہ بھی۔ اسی لئے ان کا نام'' الاجازۃ الرضویہ'' نامی خلافت نامہ پانے والی شخصیات کے فہرست میں بھی ماقبل میں

مذکور ہوا ہے۔

حضرت مولانا سید حسین مدنی کو اجازت و خلافت:۔ ''حضرت مولانا سید حسین مدنی بن حضرت مولانا سید عبد القادر مدنی'' سرکار اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں اس وقت تشریف لائے جب آپ سفر حج وزیارت سے ہندوستان واپس تشریف لا چکے تھے۔ یہ اعلیٰ حضرت کے گھر پر چودہ مہینے رہے اور انہوں نے اعلیٰ حضرت سے ''علم جفر'' اور ''علم اوفاق وتکسیر'' حاصل کئے۔انہیں کے لئے اعلیٰ حضرت نے عربی زبان میں " اطائب الاکسیر فی علم التکسیر '' نامی رسالہ تحریر فرمایا تھا۔ان کا پورا واقعہ ''الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۲۹ تا ۳۰ مطبوعہ مکتبہ قادریہ اٹوا بازار سدھارت نگر یوپی'' میں مذکور ہے۔انہیں اعلیٰ حضرت سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا اور شرف خلافت بھی۔اس طرح ان کی اجازت وخلافت کا ثبوت ''الملفوظ'' سے بھی ملتا ہے۔

یونہی ان کے چھوٹے بھائی ''حضرت مولانا سید ابراہیم مدنی'' بھی اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بریلی شریف ان سے پہلے تشریف لائے تھے۔مگر'' الملفوظ'' میں ان کے ذکر کے ضمن میں اس بات کی تصریح نہیں ملتی کہ انہوں نے یہ سفر صرف اعلیٰ حضرت سے ملاقات کی غرض سے کیا تھا یا اعلیٰ حضرت سے تعلیم حاصل کرنے کیلئے ۔ بہرحال سید ابراہیم مدنی کے خلیفہ یا شاگرد ہونے کی کوئی مضبوط دلیل اور واضح تصریح نہ مل سکی۔اتنا ضرور ہے کہ یہ چار بھائی ہیں جن میں سے'' سید حسین مدنی، سید ابراہیم مدنی اور سید محمد مدنی'' مختلف اوقات میں بریلی شریف تشریف لائے تھے۔البتہ ان کے بڑے بھائی ''سید احمد خطیب مدنی'' کہ جنہوں نے ''الدولۃ المکیۃ'' پر علمائے شام کی تقریظیں لکھوانے میں کافی کوششیں کی تھیں اور اعلیٰ حضرت سے ان کی باقاعدہ خط وکتاب اور مراسلت بھی تھی،ان کی آمد بریلی شریف میں نہیں ہوئی۔

اس طرح ''الاجازات المتینہ'' اور'' الملفوظ'' کے ذریعہ ہمیں اعلیٰ حضرت کے خلفائے عرب وافریقہ کے جو نام دستیاب ہو سکے ان کی مجموعی تعداد ۳۱ رہوتی ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

(۱) محدث مغرب، محدث عرب وعجم، عالم کامل، مجمع فضائل، منبع فضائل حضرت علامہ مولانا سیدنا شیخ محمد عبد الحی بن شیخ کبیر سید عبد الکبیر کتانی، حسنی، ادریسی فاسی۔مکہ شریف۔

(۲) عالم جلیل، فاضل نبیل، حضرت مولانا شیخ حسین جمال بن عبد الرحیم۔مکہ شریف۔

(۳) حسنۃ الزمان، برکۃ الآوان، طیب الوجود وطیب الجود، صالح افعال، صدیق الاقوال، ابو الافضال، ابن الکمال حضرت مولانا شیخ صالح کمال، مفتی حنفیہ وسابق قاضی مکۃ المکرّمہ(مکہ شریف)

(۴) محافظ کتب حرم حضرت مولانا سید شیخ اسماعیل خلیل مکی آفندی (مکہ شریف)

(۵) حضرت مولانا سید شیخ مصطفےٰ خلیل مکی آفندی (یہ حضرت شیخ سید اسماعیل خلیل صاحب کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۶) حضرت مولانا سید شیخ مامون بری مدنی

(۷) امین الفتوی ومکین التقوی حضرت مولانا سید ابو حسین مرزوقی (مکۃ المکرّمہ)

(۸) حسنۃ الزمان حضرت مولانا شیخ اسعد دہان (مکۃ المکرّمہ)

(۹) عالم جلیل فاضل نبیہ حضرت مولانا شیخ عبد الرحمٰن دہان (یہ حضرت مولانا شیخ اسعد دہان کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۱۰) مفتی مالکیہ عالم جلیل فاضل نبیل حضرت علامہ شیخ عابد بن حسین (مکۃ المکرّمہ)

(۱۱) حضرت مولانا شیخ علی بن حسین (یہ حضرت شیخ عابد بن حسین کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۱۲) عالم جلیل حضرت شیخ جمال بن محمد امیر (یہ حضرت شیخ عابد اور حضرت علی کے بھتیجے ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۱۳) عالم نبیہ حضرت علامہ شیخ عبداللہ میر داد بن جہبذ کبیر، عالم شہیر حضرت علامہ ابو الخیر میر داد (یہ اعلیٰ حضرت کے مرید بھی ہیں اور ان کے والد صاحب ہی نے" انا اقبل ارجلکم "الخ کہ"میں آپ کے پیروں کو بوسہ دوں، آپ کے جوتوں کو بوسہ دوں"، فرمایا تھا)

(۱۴) سید جلیل حضرت مولانا شیخ عبداللہ دحلان (مکۃ المکرّمہ)

(۱۵) حضرت شیخ محترم مولانا بکر رفیع (مکۃ المکرّمہ)

(۱۶) حضرت مولانا شیخ حسن عجیمی

(۱۷) فلذۃ کبد المدینہ شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید (مدینہ طیبہ)

(۱۸) ذو المجد والکرم مولانا شیخ عمر دحلان مدنی

(۱۹) حضرت مولانا شیخ جلیل شیخ احمد خضراوی مکی

(۲۰) عالم سالم حضرت مولانا سید سالم بن عید روس بار علوی حضرمی

(۲۱) ولد صالح، شاب مفلح، ملتزم فی الحرم الکریم حضرت سید علوی بن حسن کاف حضرمی

(۲۲) حضرت مولانا سید ابو بکر بن سالم بار علوی حضرمی

(۲۳) حضرت مولانا سید محمد بن عثمان دحلان

(۲۴) فاضل کامل حضرت مولانا شیخ محمد یوسف، مدرس "مدرسہ مولانا رحمت اللہ"۔ علیہ رحمۃ اللہ۔

(۲۵) حضرت علامہ مولانا شیخ عبدالقادر کردی مکی۔

(۲۶) حضرت مولانا شیخ عبداللہ فرید مکی۔

(۲۷) حضرت علامہ مولانا سید محمد عمر بن سید ابو بکر رشیدی مکی

(۲۸) "سید عثمان بن سید عمر بن سید ابو بکر" (تولد ہونے والے متوقع فرزند)

(۲۹) حضرت مولانا حسین مدنی بن حضرت مولانا سید

عبدالقادر مدنی۔

(۳۰) حضرت مولانا سید محمد ابراہیم مدنی بن حضرت مولانا سید عبدالقادر مدنی۔

(۳۱) حضرت مولانا سید محمد مدنی بن مولانا شیخ عبدالقادری مدنی شامی۔

ایک ضروری وضاحت:۔ ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی'' سے شائع ہونے والی کتاب ''تذکرۂ خلفاء اعلیٰ حضرت'' میں عرب و افریقہ کے خلفاء کی جو فہرست پیش کی گئی ہے ان میں یہ تعداد ۲۸ر ہے مگر اس فہرست میں چند چیزیں ایسی نظر میں آئی ہیں کہ جن کی وضاحت ضروری ہے:

(۱) ''شیخ عبدالرحمٰن دہان'' اور ''شیخ عبدالقادر کردی'' کا نام خلفاء کی نہ تو فہرست میں ہے اور نہ ہی خلفاء کے حالات میں حالانکہ ''الاجازات المتینہ'' میں ان دونوں ہی کے خلفاء ہونے کی تصریح موجود ہے۔

(۲) مذکورہ کتاب کی فہرست کے نمبر شمار دس پر ''شیخ عابد حسین مالکی'' کا نام درج ہے جبکہ اس نام کے اعلیٰ حضرت کے کوئی خلیفہ نہیں ہاں ''شیخ عابد بن حسین'' نام کے خلیفہ ضرور ہیں۔

(۳) مذکورہ کتاب کی فہرست کے نمبر شمار ۱۶ر پر ''شیخ عمر بن حمدان محراسی'' درج ہے جبکہ ''الاجازات المتینہ'' میں ''محرسی'' لکھا ہوا ہے۔

(۴) فہرست کے نمبر شمار ۱۹ر پر ''شیخ ابوالحسن محمد بن عبدالرحمٰن مرزوقی'' لکھا گیا ہے۔ اور صفحہ نمبر ۸۰ پر جہاں ان کے حالات درج کئے گئے ہیں وہاں ''سید ابوالحسن محمد بن عبد الرحمٰن'' ہے حالانکہ ''الاجازات'' میں ''ابوالحسین'' ہے۔

(۵) ''شیخ محمد سعید بن محمد بابصیل'' کو مذکورہ کتاب میں اعلیٰ حضرت کا شاگرد و خلیفہ لکھا ہے حالانکہ اس کا ثبوت نہ تو ''الاجازات المتینہ'' سے ملتا ہے، نہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' سے، نہ ''الدولۃ المکیۃ'' کی تقریظ سے اور نہ ہی ''الملفوظ'' سے۔ نیز اس پر کوئی حوالہ بھی پیش نہیں کیا گیا ہے۔ خلفائے اعلیٰ حضرت کے تعلق سے جن مآخذ تک فقیر راقم الحروف (محمد سلیم بریلوی) کی رسائی ہوسکی اس میں کہیں بھی صراحتاً یا اشارتاً ان کے خلیفہ ہونے کا ثبوت نہ مل سکا جس کی وجہ سے ہم نے اپنی فہرست میں ان کا نام خلفاء کے ساتھ شامل نہ کیا۔

(۶) سید محمد ابراہیم مدنی کو مذکورہ کتاب میں ''حضرت مفتی محمود احمد رفاقتی'' علیہ الرحمہ کے حوالے سے صفحہ ۹۷ پر اعلیٰ حضرت کا خلیفہ و شاگرد لکھا ہے۔ ''الملفوظ'' کے حوالے سے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ان کے آنے کا تو پتہ چلتا ہے مگر اجازت و خلافت اور شرف تلمذ کی تصریح نہیں ملتی یونہی ''حیات اعلیٰ حضرت'' میں بھی تصریح نہیں ہے اور نہ

ہی ''الاجازات المتینہ'' میں۔ ممکن ہے کہ جب یہ بریلی شریف تشریف لائے تھے تو تبھی انہیں اجازت بھی ملی ہو اور شرف تلمذ بھی حاصل ہوا ہو۔ اس احتمال کے پیش نظر ہم نے اپنی فہرست میں ان کا نام بھی شامل کرلیا۔

(۷) سید محمد ابراہیم مدنی صاحب کے علاوہ ان کے بھائی سید محمد مدنی صاحب بھی بریلی شریف حاضر ہوئے تھے جس کی تصریح ''الملفوظ'' کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں گزری، ان کا ذکر ''تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں نہیں ہے۔ مگر جس طرح ایک احتمال و امکان کی وجہ سے سید محمد ابراہیم صاحب کا نام ہم نے شامل کیا ہے ویسے ہی سید محمد مدنی صاحب کا بھی نام درج کرلیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ

آپ اگرچہ آج جیسے کسی اصطلاحی اور عرفی مدرسہ میں باقاعدہ مدرس بن کر تعلیم تو نہ دیتے لیکن پھر بھی آپ کی پرکشش علمی وروحانی اور عبقری وہمالائی شخصیت کے اردگرد بڑے بڑے فارغ التحصیل علماء'' هل من مزید '' کا ''نعرۂ مستانہ'' اور '' آوازۂ مجذوبانہ'' لگاتے اس طرح ہجوم کئے رہتے جیسے کہ شمع کے اردگرد پروانوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ حضرت ملک العلماء فرماتے ہیں کہ:

'' اعلیٰ حضرت نے کتب درسیات سے فراغت کے بعد تدریس و افتاء و تصنیف کی طرف توجہ فرمائی۔ ابتداء میں تدریس کی طرف توجہ بہت زائد تھی، بریلی شریف میں کوئی مدرسہ نہ تھا اس لئے فقط اعلیٰ حضرت کی ذات مرجع طلبہ و علماء تھی۔ جن کو علمی چشمے سے فیضیاب ہونا ہوتا وہ اعلیٰ حضرت کا قصد کرتے اور کامیابی حاصل کرتے۔ الغرض اعلیٰ حضرت کا ایک زمانہ تدریس و تعلیم کا بڑے زور وشور کا گزرا ہے جس میں دور دور سے طلبہ دوسرے مدرسوں کو چھوڑ کر یہاں حاضر ہوتے اور اس چشمۂ علم ونظر سے فیضیاب ہوتے''۔

(حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

حضرت ملک العلماء ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں کہ:

'' آپ نے درس وتدریس بھی کسی مدرسہ میں مدرس ہوکر یا اپنا ہی مدرسہ قائم کرکے نہیں کی، لیکن ایک زمانہ میں مرجع طلبہ رہے۔ دور دور سے طلبہ آکر مستفید ہوتے رہے۔ سہارنپور اور دیوبند کا مدرسہ اپنی طولانی عمر وقدامت کی وجہ سے بہت مشہور تھا لیکن وہاں کے چند طلبہ دیوبند اور گنگوہ چھوڑ کر درس حدیث و فقہ کے لئے بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو یہاں کے طلبہ کو سخت تعجب ہوا اور ان لوگوں نے آنے والے طلبہ سے پوچھا کہ: طلبہ کو '' ثمه خیرا " کا مرض ہوتا ہے۔ ایک جگہ پڑھ رہے ہیں وہاں سے پڑھنا چھوڑ کر دوسری جگہ چل دیئے، وہاں سے تیسری جگہ لیکن یہ عموماً ایسی جگہ ہوتی ہے

کہ دوسری جگہ وہاں کی تعریف ہوتی ہو۔آپ لوگ دیوبند اور گنگوہ سے بریلی کس طرح پہونچے؟ اس لئے کہ وہابی مدرسوں میں اس کی توتوقع ہی نہیں کہ کسی اہل سنت عالم کی تعریف کریں اور وہ بھی اعلیٰ حضرت جیسے ''رادِّ وہابیہ'' کی۔ان لوگوں نے کہا کہ: ''ٹھیک ہے کہ وہاں مولانا کی مدح وثنا نہیں ہوتی مگر ایک بات کہنے پر وہ بھی مجبور ہوتے تھے۔ جب کوئی تذکرہ نکلتا تو اخیر میں ٹیپ کا بند یہ ضرور ہوتا تھا کہ ''قلم کا بادشاہ ہے''۔جس مسئلہ پر قلم اٹھادیا پھر نہ کسی موافق کو اضافہ کی ضرورت رہتی ہے اور مخالف کو انکار کی ۔ یہی صفت ہماری کشش کا باعث ہوئی، جو دیوبند و گنگوہ کو چھوڑ کر بریلی پہنچے''۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

اعلیٰ حضرت کے علم وفضل کے اس گلستاں میں کتنے خوشنما اور عطر بیز پھول کھلے اس کا احاطہ نہایت ہی دشوار امر ہے۔ جیسا کہ حضرت ملک العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ:

''۱۲۸۶ھ سے ۱۳۴۰ھ تک ۵۴ رسال کے عرصہ میں کتنے سونہیں، کتنے ہزار طلبہ آپ کے علوم کی روشنی سے فیضیاب ہوئے؟ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ ان کا کوئی رجسٹر تو تھا نہیں جس میں سب کا نام داخلہ کے وقت لکھ لیا جاتا ہو اور تصنیفات کے ذریعہ آپ کے علوم وفیوض سے مستفیضین کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی جائے، تو یہ قریب ناممکن ہے کہ ان کا شمار ہزار ہا ہزار سے بالا ہو کر لکھو کھا تک پہونچا ہے۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳ رسال دس مہینے کی عمر میں شعبان ۱۲۸۶ھ میں تمام درسیات سے فراغت پاکر بے شمار طلبہ کو علوم اسلامیہ کی دولت سے مالا مال کیا۔حضرت ملک العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ:

''۱۲۸۶ھ سے لے کر ۱۳۴۰ھ تک ۵۴ رسال کے عرصے میں کتنے سونہیں، کتنے ہزار طلبہ آپ کے علوم کی روشنی سے فیضیاب ہوئے''۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

ان طلبہ کا باقاعدہ کوئی ریکارڈ یا رجسٹر نہیں تھا اس لئے نام بنام سارے تلامذہ کا احاطہ دشوار ہی نہیں بلکہ آج ناممکن ہے۔حضرت ملک العلماء اس مشکل امر کی صراحت یوں فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت نے چونکہ باضابطہ کسی مدرسہ میں مدرس بن کر نہیں پڑھایا جو رجسٹر داخلہ سے طلبہ کا نام معلوم کیا جائے یا فارغ التحصیل طلبہ ہی کا نام رجسٹر فارغ التحصیل سے حاصل کیا جاسکے''۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد اول صفحہ ۱۲۵ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے تمام تلامذہ اور شاگردوں کا احاطہ کرنا بہت مشکل چیز ہے۔ البتہ جگہ جگہ کچھ تلامذہ کے نام ضرور ملتے ہیں مثلاً حیات اعلیٰ حضرت میں حضرت ملک العلماء نے چند مشاہیر تلامذہ کے نام ذکر فرمائے ہیں۔ صرف نام ہی نہیں بلکہ ان کی دینی، مذہبی، مسلکی، علمی اور عرفی حیثیت پر بھی اجمالاً روشنی ڈالی ہے۔ ملک العلماء فرماتے ہیں:

''اس لئے حضور اعلیٰ حضرت کے شاگردوں میں جو مشہور ہوئے اور تصنیفات وغیرہ سے جو دینی خدمت کی ان میں بعض لوگوں کے اسمائے گرامی اس جگہ لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کے شاگردوں میں خصوصیت کے ساتھ فقہ سے توغل اور تصنیفات کی طرف توجہ اور وعظ و تقریر کا رنگ ضرور موجود ہے''۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد اول صفحہ ۱۲۵ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

مذکورہ بالا اقتباس کے بعد حضرت ملک العلماء نے جن مشہور تلامذہ اور شاگردوں کے نام ذکر کئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) جناب مولانا مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب۔ محلّہ بہاری پور (بریلی شریف)

(۲) جناب مولانا مولوی سید امیر احمد صاحب۔ محلّہ ذخیرہ بریلی۔

(۳) جناب مولانا مولوی حسن رضا خاں صاحب حسن۔ برادر اوسط اعلیٰ حضرت

(۴) جناب مولانا مولوی محمد رضا خاں صاحب۔ برادر خورد اعلیٰ حضرت

(۵) جناب مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحب۔ حجۃ الاسلام، صاحبزادۂ اکبر

(۶) جناب مولانا مولوی حافظ یقین الدین صاحب۔ محلّہ ملوک پور بریلی

(۷) جناب مولانا مولوی حافظ سید عبد الکریم صاحب محلّہ ذخیرہ بریلی

(۸) جناب مولانا مولوی منور حسین صاحب بریلوی

(۹) جناب مولانا مولوی حاجی سید نور احمد صاحب چاٹگامی (بنگلہ دیش)

(۱۰) جناب مولانا مولوی واعظ الدین صاحب۔ مصنف ''دفع زیغِ زاغ''

(۱۱) جناب مولوی سید عبد الرشید صاحب عظیم آبادی

(۱۲) جناب مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی

(۱۳) جناب مولوی عبد الاحد صاحب سلطان الواعظین پیلی بھیتی

(۱۴) جناب مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب کچھوچھوی

(۱۵) جناب مولانا سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی

(حیات اعلیٰ حضرت جلد اول صفحہ ۱۲۵۔۱۲۶)

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ کی ایک فہرست حضرت علامہ بدرالدین احمد قادری رضوی علیہ الرحمہ نے بھی پیش فرمائی ہے جس میں انہوں نے ۱۹؍تلامذہ کا نام ذکر فرمایا ہے یہ فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) حضرت مولانا حسن رضا خاں برادر اوسط اعلیٰ حضرت (۲) حضرت مولانا محمد رضا خاں برادر خورد اعلیٰ حضرت (۳) شہزادہ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں (۴) سلطان المناظرین مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی (۵) محدث اعظم ہند مولانا سید محمد جیلانی کچھوچھوی (۶) ملک العلماء مولانا سید ظفرالدین فاضل بہاری (۷) سلطان الوعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی (۸) برادر زادہ اعلیٰ حضرت مولانا حسنین رضا خاں (۹) مولانا نواب سلطان احمد خاں بریلوی (۱۰) مولانا سید امیر احمد بریلوی (۱۱) مولانا حافظ یقین الدین بریلوی (۱۲) مولانا سید حافظ عبد الکریم بریلوی (۱۳) مولانا حاجی سید نور احمد چاٹگامی (۱۴) مولانا منور حسین بریلوی (۱۵) مولانا واعظ الدین مصنف ''دفع زیغ زاغ'' (۱۶) مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی (۱۷) مولانا سید شاہ غلام محمد بہاری (۱۸) مولانا سید حکیم عزیز غوث بریلوی (۱۹) مولانا نواب مرزا بریلوی

(سوانح اعلیٰ حضرت مطبوعہ قادری کتاب گھر بریلی صفحہ ۳۲۶)

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ کی ایک فہرست حضرت علامہ مفتی محمد حنیف خاں صاحب رضوی بریلوی مدظلہ نے ''جامع الاحادیث'' کے مقدمہ میں پیش فرمائی ہے جن میں ۱۴؍تلامذہ کے نام ذکر فرمائے ہیں۔ یہ فہرست مندرجہ ذیل ہے:

(۱) استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں صاحب بریلوی (برادر اوسط)

(۲) حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی (خلف اکبر)

(۳) مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب بریلوی (خلف اصغر)

(۴) ابوالمحمود مولانا سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی

(۵) ملک العلماء مولانا ظفرالدین صاحب بہاری

(۶) عیدالاسلام مولانا عبدالسلام صاحب جبلپوری

(۷) سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد صاحب پیلی بھیتی

(۸) ابوالفیض صوفی قلندر علی صاحب سہروردی سیالکوٹی

(۹) محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی

(۱۰) مولانا حافظ یقین الدین صاحب۔ برنی (بریلی شریف)

(۱۱) مولانا رحیم بخش صاحب آروی

(۱۲) مولانا مفتی اعجاز ولی خاں صاحب بریلوی

(۱۳) مولانا حسنین رضا خاں صاحب بریلوی (برادر زادہ)

(۱۴) مولانا رحیم بخش صاحب مظفر پوری

(جامع الاحادیث مقدمہ صفحہ ۳۹۴۔۳۹۵)

تلامذہ کی ایک فہرست ''تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت''، میں بھی درج کی گئی ہے جو مندرجہ ہے:

(۱) علامہ حسن رضا خاں بریلوی
(۲) مفتی محمد رضا خاں بریلوی
(۳) علامہ حامد رضا خاں بریلوی
(۴) علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی
(۵) علامہ حسنین رضا خاں بریلوی
(۶) علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی
(۷) علامہ سید محمد اشرف کچھوچھوی (محدث اعظم ہند)
(۸) مفتی سید غیاث الدین رجہتی۔(نوادہ، بہار)، (مزار مبارک شہسرام)
(۹) علامہ سید عبد الرحمٰن بیتھوی
(۱۰) علامہ شہاب الدین کویا شالیاتی شافعی
(۱۱) علامہ سید دیدار علی الوری
(۱۲) علامہ سید ابو البرکات لاہوری
(۱۳) صوفی قلندر علی ملتانی
(۱۴) علامہ سید ہدایت رسول لکھنوی

(نوٹ: ''تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت'' کی تصریح کے مطابق شمار نمبر ۱ر سے شمار نمبر ۱۴ر تک مذکورہ بالا ان ۱۴ر شخصیات کو سرکار اعلیٰ حضرت سے شرف تلمذ کے ساتھ شرف خلافت بھی حاصل تھا۔)

(۱۵) مفتی سید عزیز غوث بریلوی
(۱۶) علامہ یقین الدین بریلوی
(۱۷) علامہ عبد الاحد پیلی بھیتی
(۱۸) علامہ عزیز الحسن پھپھوندوی
(۱۹) مفتی حشمت علی بریلوی
(۲۰) مفتی امجد علی اعظمی
(۲۱) صوفی جمیل الرحمٰن بریلوی
(۲۲) علامہ سید محمد حسین بریلوی میرٹھی
(۲۳) علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی
(۲۴) علامہ حکیم یعقوب علی خاں رامپوری
(۲۵) مفتی برہان الحق جبلپوری
(۲۶) مفتی رحیم بخش مظفر پوری
(۲۷) مفتی ظفر الدین بہاری (ملک العلماء)
(۲۸) علامہ شمس احمد باسنوی
(۲۹) علامہ ظہیر الحسن اعظمی
(۳۰) مفتی رحیم بخش آروی
(۳۱) علامہ الحاج منیر الدین بنگالی
(۳۲) علامہ حامد علی رائے پوری
(۳۳) مفتی غلام جان ہزاروی
(۳۴) علامہ سید فتح علی سیالکوٹی
(۳۵) علامہ احمد بخش قادری

(۳۶) علامہ امام الدین کوٹلوی

(۳۷) علامہ عبدالغفور شاہ پوری

(۳۸) علامہ تقدس علی خاں بریلوی

(۳۹) علامہ سید عبدالرشید عظیم آبادی

(نوٹ:۔ ''تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت'' کی صراحت کے مطابق شمار نمبر ۱۵ر سے شمار نمبر ۳۹ ر تک مذکورہ بالا ان ۲۵ر حضرات کو سرکار اعلیٰ حضرت سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا، شرف بیعت بھی اور شرف خلافت بھی۔)

(تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت صفحہ ۵۸۔۵۹۔۶۰)

دیگر تلامذہ:۔ واضح رہے کہ ان ۳۹ ر تلامذہ اور شاگردوں میں ان چند حضرات کا کوئی ذکر نہیں کہ جنہوں نے اعلیٰ حضرت سے تعلیم حاصل کی اور اس بات کی صراحت خود اعلیٰ حضرت نے ''الملفوظ'' میں فرمائی۔ اسی طرح ان کا بھی ذکر نہیں کہ جو اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں مدینہ طیبہ سے بریلی شریف حاضر ہوئے اگر چہ یہ صراحت تو نہیں ملتی کہ انہوں نے تعلیم حاصل کی یا محض ملاقات کی غرض سے حاضر ہوئے۔ یہ دو شخصیتیں ہیں۔ بہر حال ایسے تمام حضرات کے ناموں کا اضافہ ہم ''الملفوظ'' اور دیگر حوالوں سے ذیل میں کر رہے ہیں مگر نمبر شمار میں تسلسل قائم رکھنے کے لئے مذکورہ بالا نمبر شمار ''۳۹'' کے آگے سے درج کر رہے ہیں:

(۴۰) مولانا عبدالغفار صاحب بخاری

(۴۱) مولانا سید حسین مدنی بن مولانا سید عبدالقادر مدنی (مدینہ شریف)

(۴۲) مولانا عبدالرحمٰن آفندی ترکی شامی (مدینہ شریف)

(۴۳) مولانا عبدالرحمٰن دہان بن مولانا احمد دہان (مکہ شریف)

(۴۴) مولانا سید ابراہیم مدنی بن مولانا سید عبدالقادر مدنی شامی

(۴۵) مولانا سید محمد مدنی بن سید مولانا عبدالقادر مدنی شامی

(۴۶) حضرت مولانا سید شاہ غلام محمد صاحب۔ درگاہ کلاں، بہار شریف

(۴۷) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اوگانوی

(۴۸) حضرت مولانا محمد نذیر الحق صاحب رمضان پوری

(۴۹) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب بہاری

(۵۰) حضرت مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی

(الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۲۶ ر ۲۷ ر ۲۹ ر ۳۰ مطبوعہ مکتبہ قادریہ اٹوا بازار سدھارتھ نگر۔ یوپی۔ حیات اعلیٰ حضرت جلد اول صفحہ ۳۰۱ تا ۳۰۸ و ۱۵۵ ر مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

نمبر شمار ۴۰ ر تا ۵۰ ر مذکورہ بالا گیارہ حضرات کے تلامذہ اعلیٰ حضرت ہونے کی مختصر سی صراحت ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مولانا عبدالغفار صاحب بخاری، حیدر آباد سے تعلق رکھتے تھے ''علم جفر'' کی تکمیل کے لئے مارہرہ مقدسہ تشریف لائے تھے۔ حضرت سرکار سیدنا ابو الحسین احمد

نوری کہ جن سے اعلیٰ حضرت نے ۱۲۹۴ھ میں علم جفر کا صرف ایک قاعدہ سیکھا تھا، آپ نے اعلیٰ حضرت کو یہ حکم دیا کہ آپ مولانا عبدالغفار بخاری کو یہ فن پڑھائیں چنانچہ آپ نے انہیں اٹھ مہینے تک نہایت انہماک کے ساتھ اس فن کی تعلیم دی حتی کہ کبھی کبھی تو سردیوں میں رات کے دو بج جاتے۔ بعد میں یہ سنگا پور چلے گئے اور وہیں سے انہوں نے ایک خط اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بھیجا تھا جس کا ذکر اعلیٰ حضرت نے ''الملفوظ'' میں کیا ہے۔

(الملفوظ صفحہ ۲۹ مفہوماواختصارا)

(۲) مولانا سید حسین مدنی صاحب مدینہ طیبہ سے بریلی تشریف لائے تھے۔ چودہ مہینے اعلیٰ حضرت کے گھر پر رہ کر ''علم جفر''، ''علم اوفاق'' اور ''علم تکسیر'' کی بھرپوراور کامیاب انداز میں تعلیم حاصل کی حتی کہ اعلیٰ حضرت نے ''علم جفر'' سے متعلق اپنا رسالہ اوراس کی جدولیں جنہیں آپ نے تیار کیا تھا یہ سب انہیں کی نذر کردیں۔

(الملفوظ صفحہ ۲۷۔وحیات اعلیٰ حضرت جلداول صفحہ ۳۰۸ مفہوماواختصارا)

(۳) مولانا عبدالرحمٰن آفندی ترکی شامی نے مدینہ طیبہ میں اعلیٰ حضرت سے ''علم جفر'' کی کچھ تعلیم حاصل کی۔

(الملفوظ صفحہ ۲۶ مفہوماواختصارا)

(۴) مولانا عبدالرحمٰن دہان بن مولانا احمد دہان مکی نے بھی مکۃ المکرّمہ میں کئی گھنٹے خلوت میں رہ کر ''علم جفر'' کے تعلق سے اعلیٰ حضرت کے ساتھ علمی مذاکرہ کیا جس کے نتیجہ میں مولانا عبد الرحمٰن کے پاس جواس فن کا ایک ناقص قاعدہ تھا اس کی قدرے تکمیل ہوگئی۔(الملفوظ صفحہ ۲۶ مفہوماواختصارا)

(۵) حضرت مولانا سید ابراہیم مدنی، حضرت مولانا سید حسین مدنی صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں جو سید حسین صاحب کے بریلی شریف آنے سے پہلے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں آئے۔حضرت مفتی محموداحمد رفاقتی علیہ الرحمہ کی تصریح کے مطابق آپ ہی کی تجویز اور آپ ہی کے نام پر اعلیٰ حضرت کے پوتے حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کا نام ''محمد ابراہیم رضا خاں'' رکھا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ بریلی شریف میں آپ کی آمد حضرت مفسر اعظم ہند کے زمانہ ولادت میں ہوئی۔کافی دنوں قیام رہا۔قرین قیاس یہ ہے کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ علم وفن سے ضرور اکتساب فیض کیا ہوگا۔بریلی شریف سے آپ ملک روس میں واقع ''قازان'' نامی خطہ میں تشریف لے گئے۔

(الملفوظ صفحہ ۳۰ مفہوماواختصارا)

(۶) حضرت مولانا سید محمد مدنی بن حضرت مولانا سید عبد القادر مدنی شامی یہ بھی اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بریلی شریف تشریف لائے تھے۔یہ سید حسین مدنی صاحب اور

سید محمد ابراہیم مدنی صاحب کے بھائی ہیں۔ سید صاحب موصوف سب سے آخر میں بریلی شریف تشریف لائے۔ یہ چار بھائی تھے۔ ان کے بڑے بھائی سید احمد مدنی صاحب بھی اعلیٰ حضرت سے بہت محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ علمائے شام سے الدولۃ المکیۃ پر تقریظیں لکھوانے میں ان کا بہت اہم کردار ہے۔ ان کو چھوڑ کر باقی تینوں بھائی بریلی شریف آئے تھے۔ سید حسین صاحب بریلی شریف سے تبت چین چلے گئے تھے اور سید ابراہیم صاحب قازان، روس تشریف لے گئے تھے۔ ان کی والدہ صاحبہ اپنے دونوں بیٹوں کے فراق سے بہت پریشان تھیں۔ کافی عرصہ بعد سید حسین صاحب والدہ صاحبہ کے پاس مدینہ طیبہ لوٹ آئے تھے جس کی خبر اعلیٰ حضرت کو ان کے چھوٹے بھائی سید محمد مدنی صاحب نے بریلی شریف آکر دی۔ قرین قیاس یہی ہے کہ جس دربار میں شب وروز علوم حکمت اور معرفت وروحانیت کے بیش بہا موتی لوٹنے پر شائقین علم وفضل ہمہ وقت سبقت کرتے ہیں وہاں یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنی دور دراز کا سفر کر کے کوئی شخص آئے اور ان بیش بہا موتیوں سے اپنے دامن کو پُر نہ کرے۔

(ماخوذ از الملفوظ صفحہ ۳۰ مفہوما واختصارا)

(۷،۸،۹،۱۰) اعلیٰ حضرت کے تلامذہ کا اب تک جتنے تذکرہ نگاروں نے ذکر فرمایا ہے ان میں مندرجہ ذیل پانچ حضرات کا ذکر کہیں نہیں ملتا:

(۱) حضرت مولانا سید شاہ غلام محمد صاحب درگاہ کلاں بہار شریف

(۲) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اوگانوی

(۳) حضرت مولانا محمد نذیر الحق صاحب رمضان پوری

(۴) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب بہاری

حالانکہ یہ حضرات حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کے ساتھیوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرت ملک العلماء کے زمانہ تعلیم میں بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت کے یہاں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ عید کے موقع پر اعلیٰ حضرت اپنے شہزادگان، عزیز و اقارب اور دیگر اہل خانہ کو جب ''عیدی'' تقسیم فرماتے تو اپنے یہاں پڑھنے والے طلبہ کو بھی کمال شفقت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ''عیدی'' کی سوغات سے نوازتے۔ چنانچہ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ اپنے اس چشم دید واقعہ کا بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ بات بھی مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی ماہ مبارک رمضان شریف میں بریلی شریف رہنا ہوا اور اس تعطیل میں مکان نہ آیا، تو عید الفطر کے دن جس طرح (اعلیٰ حضرت) تمام عزیزوں کو ''عیدی'' تقسیم فرماتے، مجھے (ملک

العلماء) اور دوسرے خاص طلبہ مثلاً مولوی سید عبد الرشید صاحب کو پاوی عظیم آبادی، مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب، درگاہ کلاں بہار شریف، مولوی محمد ابراہیم صاحب اوگانوانی، مولوی اسماعیل صاحب بہاری سب کو علیٰ قدر مراتب تہواری عطا فرماتے''۔
(حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۱۵۵ جلد اول مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)
(۱۱) حضرت علامہ مفتی اعجاز ولی خاں علیہ الرحمہ کے تلمیذ اعلیٰ حضرت ہونے کی صراحت حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب رضوی بریلوی مدظلہ نے جامع الاحادیث میں دی گئی تلامذۂ اعلیٰ حضرت کی فہرست میں کی ہے۔ جس کا ذکر ہم نے ماقبل میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ قطب مدینہ حضرت علامہ ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ کے حالات و سوانح پر مشتمل کتاب ''سیدی ضیاء الدین احمد القادری'' میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ مفتی اعجاز ولی خاں صاحب نے اعلیٰ حضرت سے تحصیل علم کی ابتداء فرمائی تھی۔ حضرت مفتی اعجاز ولی خاں حجۃ الاسلام کے داماد علامہ تقدس علی خاں علیہ الرحمہ کے بھائی تھے۔ دراصل اعلیٰ حضرت کے دادا حضرت علامہ مفتی رضا علی خاں علیہ الرحمہ کے چھوٹے بھائی حکیم تقی علی خاں کے بڑے شہزادے حکیم ھادی علی خاں کے دوسرے فرزند سردار ولی خاں کے چار شہزادے تھے۔ مفتی اعجاز ولی خاں ان چار شہزادوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اگر ابھی بھی ڈھونڈ کھکوڑ اور تتبع و تلاش کی جائے تو اعلیٰ حضرت کے کئی تلامذہ کو پردۂ خفا سے منظر عام پر لایا جا سکتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ اب تک تلامذۂ اعلیٰ حضرت کے ناموں کی جو تصریحات و تفصیلات تذکرہ نگار حضرات نے بیان فرمائی ہیں ان کی مجموعی تعداد صرف ۳۹ر تھی۔ یہ ۱۱ر شخصیات وہ ہیں کہ جن کے نام الملفوظ، حیات اعلیٰ حضرت اور دیگر جگہوں پر جا بجا مذکور تھے۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت عموماً اپنے طلبہ کو سند فراغت کے ساتھ سند اجازت وخلافت بھی عطا فرماتے تھے۔ اس اعتبار سے اب برصغیر کے خلفاء کی مجموعی تعداد ۷۹ر ہو جاتی ہے۔

(نوٹ: اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ کے جتنے نام ہمیں مل سکے ہم نے انہیں یہاں درج کر دیا۔ تتبع و تلاش اور تحقیق و تفتیش کا دروازہ کھلا ہے۔ محققین تحقیق و تلاش کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ مستقبل میں یہ محققین و ماہرین ہماری تساہلی کے باعث پردۂ خفا میں روپوش ہو چکے ان خلفاء و تلامذہ کے ناموں اور ان کے حالات کو تتبع و تلاش کے بعد ضرور منظر عام پر لائیں گے۔ لعل الله يحدث بعد ذلك امرا ط۔

قصیدۂ نعمانیہ کے تین اشعار کی تشریح

(از :- افادات نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضور مفسر اعظم ہند حضرت مفتی محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں علیہ الرحمہ

پیشکش: مفتی محمد معین الدین خاں، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام

نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادۂ حضور حجۃ الاسلام مفسر اعظم ہند حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں گلستان رضا کے اس خوشنما اور عطر بیز پھول کا نام ہے کہ جس کی بھینی بھینی خوشبو سے آج تک پوری جماعت اہل سنت معطر نظر آرہی ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ''لسان رضا'' بنا کر اس دنیا میں پیدا فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے پوری زندگی لسان رضا بن کر معمولات اہل سنت، مسلک اعلیٰ حضرت اور سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات کی نشر واشاعت کے لیے وقف کر دی تھی۔ یوں تو آپ گونا گوں خوبیوں کے حامل تھے مگر آپ کا سب سے نمایاں وصف یہ تھا کہ آپ شب وروز انتہائی مخلصانہ طور پر مذہب ومسلک کی خدمت کرتے رہتے۔ وہ آپ عیش وعشرت کی زندگی کو تج کر رات ودن ''منظر اسلام'' کی تعمیر وترقی اور عروج وارتقاء، مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت کے لیے گاؤں گاؤں، خطہ خطہ دور دراز کے شہروں کا دشوار گزار سفر فرماتے ، ''منظر اسلام'' کے لیے اپنی اہلیہ کے زیور تک قربان کر دیتے۔ فروغ اہل سنت اور اشاعت افکار رضا کے لیے آپ نے ۱۹۶۰ء میں ''ماہنامہ اعلیٰ حضرت'' جاری فرمایا۔ آپ مسلسل اس میں قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح پر مشتمل عمدہ مضامین تحریر فرماتے۔ سیدنا سرکار امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور ومعروف قصیدۂ نعمانیہ کے تین اشعار کی تشریح پر مشتمل سرکار مفسر اعظم ہند کا یہ عمدہ ونفیس اور دلائل وبراہین سے مزین مضمون حاضر ہے۔ اپنی عادت کے مطابق سرکار مفسر اعظم ہند نے ان اشعار سے اہل سنت کے عقائد مثلاً عظمت مصطفیٰ، شفاعت مصطفیٰ، اختیارات مصطفیٰ، ندائے یا رسول اللہ، زیارت روضۂ انور اور سرکار سے توسل واستعانت جیسے عقائد اہل سنت کو نہایت ہی نفیس انداز میں ثابت فرمایا ہے۔ اس مضمون میں کہیں کہیں توضیحی الفاظ کا قوسین میں راقم نے اضافہ کیا ہے۔ (محمد سلیم بریلوی)

(۱) یا سید السادات جئتك قاصدا

ارجو رضاك واحتمی بحماكا۔

''اے سیدوں کے سید! آپ کے دربار میں بالقصد حاضر ہوا ہوں۔ آپ کی رضا کا امیدوار، آپ کی مدد کا طلبگار رہوں۔''

اس میں ندا ہے، بالقصد حاضری ہے، مدد کی طلب ہے جسے اہل زیغ وضلال شرک وبدعت بتا رہے ہیں۔ یہ حضرت امام اعظم ہیں۔ دیوبندی جن کے مقلد بنتے ہیں یہ دعویٰ (یعنی دعوئے تقلید) کہاں تک صحیح و درست ہے (حضرت امام اعظم) تابعی ہیں صحابہ کرام کو دیکھنے والے۔ دین کے اعلم۔ احادیث کے واقف من رأنی بعد وفاتی عند قبری كان كمن زارنی فی حیاتی۔ یعنی جس نے میری زیارت کی بعد میرے انتقال کے میری قبر شریف کے نزدیک گویا اس نے میری زیارت کی میری حیات میں۔ اس ہی کے مثل حدیث مشکوٰۃ شریف حضرت ابن عمر سے ہے۔ حدیث آخر من جاء نی

زائداً لاتحمله حاجة الازیادتی کان حقاً علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامة۔ جومیری زیارت کوآیا اوراسے کوئی حاجت نہیں سوائے میری زیارت کے اس کا میرے اوپرحق ہے کہ میں اس کا شفیع ہوجاؤں قیامت کے دن۔ اورحدیث ہے مسلم شریف میں انا سید ولد اٰدم یوم القیامة۔ میں تمام اولادآدم کا (سردار) ہوں قیامت کے دن۔

حضرت امام نووی (۶۰۰ھ تقریباً) اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''علامہ قاضی عیاض مالکی شفاء میں تحریرفرماتے ہیں السید هوالذی یفزع الیه فی النوائب و الشدائد۔ (وفی المحنة یلجأ) یعنی سیدوہ ہوتا ہے جس کی طرف پناہ لیتے ہیں۔ بھاگ کرآتے ہیں مشکلات ومصائب میں یعنی تمام اولادآدم میری پناہ لے گی اپنی تمام مشکلات میں روز قیامت۔ اورحضرت شیخ نے مدارج میں لکھا کہ جب لوگ پل صراط سے پھسلیں گےتو کہیں گے وامحمداہ یعنی یارسول اللہ! المدد۔ اورروز قیامت حق ہوگا ناحق وکفر نہ ہوسکے گا۔ اس لیے کہ حق ظاہر ہوجائے گا اور جواس حق پرعملاً واعتقاداً دنیا میں قائم رہا تو اس پرروز قیامت قائم رہے گا اورنفع پائے گا۔ مثلاً لا اله الله محمد رسول الله حق ہے۔ جس نے اس کوکہااورا س پراعتقادرکھا تو روز قیامت اس کے کہنے کا نفع پائے گا اوراگر دنیا میں اس پراعتقادوعمل نہ تھا اس پرایمان سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ ویثبت الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیاة الدنیا فی الآخرہ۔ یعنی ''اللہ تعالیٰ ثابت رکھتا ہے اہل ایمان کوحق بات پر دنیا وآخرت میں'' تو (لہٰذا) جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا سید ومولیٰ حاجت روا ومشکل کشا دنیا میں نہیں جانتا۔ اور یارسول اللہ المدد پرعقیدہ وعمل یہاں نہیں رکھتا وہ حضور کی طرف روز قیامت کس طرح پناہ لے گا؟ جوآج ان کی طرف پناہ لیتے ہیں وہ کل ان کی طرف اپنے مصائب ومشکلات میں پناہ لیں گے۔ جوآج یارسول اللہ المدد کہتے ہیں وہ کل صراط پر یارسول اللہ المدد کہہ سکیں گے اوراس کا نفع پائیں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں:-

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

حدیث سے معلوم ہوا کہ پل صراط پرسخت پھسلن ہے۔ لوگ پھسلیں گے تو یارسول اللہ المدد کہیں گے مگر جونجد کے کانٹوں میں پھنس گئے وہ یہ نہ کہہ سکیں گے۔ وہ گرجائیں گے۔ والعیاذ باللہ۔

(۲) انت الذی لما توسل اٰدم
من زلة بك فازو هوابا کا

یعنی'' آپ ہی وہ ہیں کہ جب حضرت آدم نے آپ کو وسیلہ بنایا تو وہ کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے باپ ہیں۔''

اس کے باوجود آپ سے توسل کررہے ہیں اوراس کی بنیاد اس اقرار پر ہے کہ آدم علیہ السلام بھی آپ کے مرتبہ کی بلندی اورآپ کی فضیلت کے معترف ہیں۔ باپ تو بیٹے کا دامن

پکڑ کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو رہے ہیں اور وہ احمق (وہابی ودیوبندی) جو دعویٰ برابری کا کرتے ہیں بھائی بن رہے ہیں اور دامن مبارک سے توسل کو شرک قرار دے رہے ہیں۔

اور حدیث توسل آدم علیہ السلام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے روایت کیا اس کو حضرت امام حدیث علامہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اسناد صحیح سے اور کہا علامہ حافظ ذہبی نے (جو متقدمین ائمہ حدیث سے ہیں) توسل کو لازم پکڑو یہ ہدایت و نور ہے۔اور تصریح فرمائی امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور صحیح کہا اس کو حضرت حاکم امام حدیث نے اور علامہ قاضی عیاض اور علامہ ابن حجر نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔جن میں طعن کی گنجائش نہیں۔جس کے راوی سب ثقہ ہیں۔جن میں کوئی وضاع وکذاب نہیں (ہاں وضاع کذاب وہ ہیں جو اس حدیث صحیح کو موضوع کہتے ہیں بلا دلیل کے۔محض اتباع ہوا کرتے ہیں یعنی اپنی خواہش نفسانی سے)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بھی اس حدیث کی تصحیح کرتا ہے جسے اس باب میں تحقیق درکار ہے وہ الدرر السنیہ کا مطالعہ کرے جو دار العلوم ہذا (منظر اسلام) کی مطبوعات میں سے ہے۔

حضرت محمد بن سلیمان الجزولی دلائل الخیرات میں تحریر فرماتے ہیں حضور کی نعت (تعریف) میں۔اقرب رسل الله الی الله وسیلة۔(یعنی) سب رسولوں سے زیادہ قریب تر وسیلہ آپ ہیں اللہ کی طرف۔اس سلسلہ میں بخوف طوالت بہت (سے) مضامین کو ترک کرتا ہوں صرف صحیح بخاری سے حضرت عطا کی یہ حدیث ذکر کرتا ہوں اور صرف ترجمہ پر اختصار کرتا ہوں۔

حدیث یہ ہے کہ توریت شریف میں حضور کا ذکر اس طرح ہے ''اے محبوب میں نے بھیجا تجھے گواہ بنا کر، خوشخبری سنانے والا، ڈرانے والا۔پناہ اپنی امت کے لیے۔تو میرا خاص بندہ ہے'' (حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی) نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ حقیقت اس مقام کی اور کمال اس مرتبہ کا تیرے سوا کسی کے لائق نہیں تو میرا رسول ہے تمام خلق کی طرف۔تیرا نام متوکل رکھا سخت مزاج نہیں۔بازاروں میں اونچی آواز سے بولنے والا نہیں، برائی سے برائی کو دفاع نہیں کرتا بلکہ معاف فرماتا ہے اور درگزر فرماتا ہے، حق تعالیٰ قبض روح نہ فرمائے گا جب تک ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کردے یفتح به اعینا وآذانا صما وقلوبا غلفا۔اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے کافۃ خلق (یعنی تمام مخلوق) کہ جنکی طرف وہ رسول ہیں اندھی آنکھیں روشن فرمائے گا۔بہرے کانوں کو سنوائی عطا کرے گا۔بند دلوں کو کھولے گا۔(الیٰ آخر الحدیث)

تو اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اور وسیلے سے بینائی عطا فرمائے گا۔سنوائی عطا فرمائے گا۔اهدی به بعد الضلالة ''ان کے ذریعہ گمراہ کو ہدایت فرمائے گا'' فقیری کے

بعدان کے ذریعہ توانگری عطا فرمائے گا۔ تو جن کو یہ ذریعہ ووسیلہ قبول نہیں تو یہ وہ ہیں کہ کبھی بینا نہ ہونگے۔ کبھی شنوا (سننے والے) نہ ہونگے۔ ان کے دل نہ کھلیں گے۔ وہ ہدایت نہ پائیں گے۔

(۳) واللہ لوان البحار مدادهم
والعشب اقلام جعلن لذاك.

"(یعنی) خدا کی قسم آپ کی نعت تحریر کرنے کے لئے اگر سمندر روشنائی اور درخت قلم بنادیے جائیں" (پھر بھی)۔

(٤) لم یقدر الثقلان تجمع نزره
ابداوما اسطاعواله ادراکا.

"تو جن وانس آپ کی چند صفتیں بھی جمع نہیں کر سکتے اور ابد تک وہ نہ سمجھ پاتے (سکتے)"۔

حضرت امام اعظم کے ان دو اشعار سے ہمیں قرآن شریف کی ان آیات کی تفسیر وتاویل معلوم ہوئی۔ قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولوجئنا بمثله مدداط قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الهکم اله وّاحد.

ترجمہ: - اے محبوب! تم فرمادو اگر ہوں سمندر روشنائی میرے رب (رب محمد) کے کلمات (میرے رب کی باتوں) کے لیے تو ضرور سمندر ختم ہو جائیں گے اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگر چہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔ تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

تو یہاں حضرت امام اعظم کے فرمان سے معلوم ہوا کہ رب کے کلمات سے مراد نعت مصطفیٰ ﷺ ہے کہ نعت مصطفیٰ اگر لکھی جائے تو سمندر ختم ہو جائیں اگر چہ اتنے سمندر اور بنوادیے جائیں۔

اور حدیث شریف میں: ان اللہ وملائکته یصلون علی النبی۔ کی تفسیر آئی کہ اللہ تعالیٰ نعت بیان فرماتا ہے اپنے محبوب کی۔ تو (معلوم ہوا کہ) ثنائے حبیب۔ کلمات رب ہیں۔

اور حضرت عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ صفحہ ۹۴ ر پر مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں: قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولوجئنا بمثله مدداً۔ (اور دوسری آیت) ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام والبحر یمده من بعده سبعة ابحر لنفدت کلمات الله۔ "مراد بایں کلمات نزد اہل تحقیق فضائل کمالات وحقائق ومعارف است کہ حضرت ذوالجلال والاکرام برخاصگان درگاہ خود از انبیاء واصفیا خصوصاً بر سید انبیاء وسند اصفیاء افاضہ نمودہ۔ والا آنچہ صفت حق وشیون ذات مطلق است منزہ ومقدس است کہ بایں تمثیل وتنظیر نمایند۔

ترجمہ: - مراد ان کلمات سے اہل تحقیق کے نزدیک فضائل و

کمالات وحقائق و معارف ہیں کہ حضرت ذوالجلال والاکرام نے اپنے خاصان بارگاہ (یعنی) انبیاء واصفیا پرخصوصاً سید انبیاء و سند اصفیاء (سرکار دو عالم ﷺ) پر افاضہ فرمائے ۔الا (ورنہ) صفت حق و شانہائے باری تعالیٰ منزہ و مقدس ہیں کہ ان کی یہ (اشجار وسمندر وغیرہ سے مثال دینا) تمثیل ہوں''۔

دوسری آیت کا ترجمہ ہے''اگر روئے زمین کے (تمام درخت) درخت قلمیں بنا دی جائیں اور سمندر روشنائی اس کے بعد سات سمندر اور بھی تو رب کے کلمات ختم نہ ہوں''۔

اب آیت کریمہ کا خیال فرمائے: منه اٰيٰت محكمٰت هن ام الكتٰب واخر متشابهات۔فاما الذين فى قلوبهم زيغ فيتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة۔

قرآن شریف کی کچھ آیتیں محکم ہیں کہ وہ اصل کتاب ہیں اور دوسری کچھ متشابہات ہیں کہ جن کے دلوں میں زیغ (گمراہی وعناد رسول) ہے وہ آیات متشابہات کی پیروی کرتے ہیں فتنہ چاہنے کے لیے۔تو یہاں پہلی آیت: قل لو كان البحر...... محکم ہے اور دوسری آیت: قل انما انا بشر مثلكم...... متشابہ ہے۔

تو (وہ) کچھ بدنصیب (کہ) جن کا حصہ آخرت میں (کچھ بھی) نہیں ہے (وہ) محکمات سے روگردانی کرتے ہیں۔ فضائل و کمالات نبوت سے اعراض کرتے ہیں اور متشابہات کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ہم دونوں ہی پر ایمان لاتے ہیں۔

حضرت علامہ امام (شیخ شرف الدین محمد بن سعید) بوصیری (م ۶۹۷ھ) قصیدہ بردہ (شریف) میں فرماتے ہیں ۔

محكمات فما يبقين من شبه

لذى شقاق ولا يبغين من حكم

ترجمہ:-''یعنی'' آیات محکمات نے ذی شقاق (عداوت والے) کے لیے شبہ باقی نہ چھوڑا اور اب کسی فیصلہ کرنے والی کی حاجت نہیں۔

اللهم نعوذبك من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق۔وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه واٰله وصحبه وبارك وسلم۔

(ماخوذ از ماہنامہ اعلیٰ حضرت شمارہ فروری ۱۹۶۶ء ص ۳۰ تا ۳۲)

خوشخبری

حضرت صاحب سجادہ مدظلہ کے حکم وارشاد پر اُن کے دادا جان حضور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کی کتاب ''چہل حدیث''عرس صد سالہ کے موقع پر منظر عام پر آرہی ہے۔مزید ۱۰؍رسائل مفسر اعظم اور مقالات مفسر اعظم کی تخریج و ترتیب کا کام جاری ہے ۔ان شاء اللہ ''عرس حامدی'' کے موقع پر حضرت مفسر اعظم ہند کی تقریباً تمام تصنیفات اور تمام مقالات ومضامین ترتیب جدید کے ساتھ دیدہ زیب انداز میں آپ حضرات کے سامنے ہوں گے۔(ادارہ)

عقائد اہلِ سنت احادیثِ کریمہ کی روشنی میں

(از :-افادات نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضور مفسر اعظم ہند حضرت مفتی محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں علیہ الرحمہ
پیشکش:-مفتی محمد افروز عالم نوری، استاذ و مفتی منظر اسلام

علم غیب کے اثبات پر مشتمل ''حدیثِ حذیفہ'' کی تشریح پر مشتمل سرکار مفسر اعظم ہند کا یہ عمدہ و نفیس نکات سے بھرپور اور دلائل و براہین سے مزین مضمون حاضر ہے۔اپنی عادت کے مطابق سرکار مفسر اعظم ہند نے ''معارف الحدیث'' کے نام سے اس حدیث حذیفہ کے ذریعہ عقائد اہل سنت کو نہایت ہی نفیس انداز میں ثابت فرمایا ہے۔اس مضمون میں ذیلی سرخیوں، مرکزی عنوان اور کہیں کہیں قوسین میں توضیحی الفاظ کا راقم نے اضافہ کیا ہے۔(محمد سلیم بریلوی)

عن حذیفة رضی الله تعالیٰ عنه قال قام فینا رسول الله ﷺ مقاما . ماترک شیئا یکون فی مقامه ذالک الی قیام الساعة الاحدث به حفظه من حفظه و نسیه من نسیه قد علمه اصحابی هؤلاء و انه لیکون منها الشئی قدنسیة فاراه فاذکره کما یذکر الرجل وجه الرجل اذا غاب عنه ثم اذاراٰه عرفه (متفق علیه)

ترجمہ: فرمایا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے۔کہا کھڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان اور وعظ کہا۔نہ چھوڑی بیان کرنے سے کوئی چیز جو ہونے والی ہے قیامت تک مگر بیان کردی آپ نے اسی مقام میں جس میں کھڑے تھے۔یاد رہا اسے جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔اس کو میرے ساتھی خوب جانتے ہیں۔میں بھی کچھ چیزیں بھول گیا ہوں پھر یاد آجاتی ہیں جب انکو دیکھتا ہوں (کہ یہ تو وہی ہے جیسا کہا تھا رسول اللہ ﷺ نے) جیسا کہ ایک شخص جب غائب ہو جاتا ہے تو وہ بھولا دیا جاتا ہے پھر بعد مدت کے دیکھا جاتا ہے تو یاد آجاتا ہے پہچانا جاتا ہے۔

علم غیب کا اثبات:۔ اس حدیث میں اخبار غیب ہے جیسا کہ اسی باب میں سب غیب ہیں جن کی خبر دی ہے رسول اللہ ﷺ نے **و عنه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول تعرض الفتن علی القلوب کالحصیر عود اعودا فای قلب اُشربها نکتت فیه نکتة سوداء و ای قلب انکرها نکتت فیه نکتة بیضاء حتی تصیر علی قلبین علیٰ ابیض مثل الصفا ولا تضره فتنة مادامت السمٰوٰت والارض والآخر اسود مربادا**

کالکوز مجخیا لایعرف معروفا ولا ینکر منکر الا ماشرب عن هواه (مسلم)
انہیں حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے کہ آپ نے فرمایا فتنے بار بار پیہئے در پیہئے اس طرح پیش کئے جائیں گے دلوں پر کہ جس طرح چٹائی کے تنکے ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں (فتنے کے معنے ہیں گمراہی) پس وہ دل کہ جسے پلادیا گیا فتنہ (جیسے سفید کپڑا رنگ میں رنگین ہوجاتا ہے) تو اس دل میں ایک نقطہ سیاہ پڑ جاتا ہے جو رفتہ رفتہ سیاہ پہاڑ ہوجاتا ہے جیسے الٹا (اوندھا ہوا) لوٹا کہ پانی ایمان کا اس میں ایک قطرہ بھی نہیں۔ وہ دل نہیں پہچانتا معروف کو اور نہیں انکار کرتا منکر کا یعنی اسے معروف و منکر کی پہچان نہیں۔ **الا ماشرب عن هواه** مگر وہی نفسانیت جو اسے پلادی گئی ہے (رواہ مسلم) یعنی دلیل سے قائل معقول و معترف بھی ہوجائیگا۔ مگر دل سے مانے گا نہیں۔ کہے گا پھر وہی جو کہتا رہا تھا۔ (یعنی وقتی طور پر دلائل سن کر اعتراف تو کرے گا مگر بعد میں پھر وہی کہتا رہے گا۔)

تشریح حدیث: حدیث کا یہ فرمان **کالحصیر عودا عودا** مثل بنارے چٹائی کے (یعنی چٹائی کے پھندے) بار بار لوٹنا جیسے چٹائی کا بنارا بار بار لوٹتا ہے ویسے ہی حال ہے فتنوں کا کہ بار بار لوٹ کر آتے ہیں ہر بار اس کو لوٹانا پڑتا ہے۔ ایک بار ہی اگر فتنہ دل پر اثر کر جائے معاذ اللہ۔ **فای قلب اشر بها نکتت له نکتة سوداء** جو جو قلب اس کو پلادیا گیا (جام شیخ نجدی کے پیشاب کا) تو اس دل پر نقطہ سیاہ پڑ جائے گا جو رفتہ رفتہ سیاہ پہاڑ ہوجائے گا۔ (یعنی جس دل پر بھی یہ فتنہ گمراہی اثر کر جائے تو وہ دل سیاہ ہوکر گستاخ و بے دین ہوجاتا ہے۔ اور جو دل فتنہ کا انکار کرتا رہا اس دل پر ایک نقطہ سفید (نور کا) پڑ جائیگا جو رفتہ رفتہ نور کا سفید پہاڑ ہوجائے گا۔ اس دل پر فتنہ فتنۂ وہابیت و دیوبندیت) قیامت تک اثر نہ کر پائے گا۔ (یعنی وہ دل جو اللہ کے کرم سے اس گمراہیت و بدمذہبیت سے محفوظ رہتے ہیں وہ عشق و عرفان اور ادب و تعظیم کے ایمانی نور سے منور رہتے ہیں بریلوی۔

قلب۔ اعلیٰ حضرت کی نظر میں: اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ قلب کی مثال ایک پیالے کی طرح ہے کہ قلب مرشدین کرام کے نیچے ہے۔ انوار فیضان پہلے تو قلب محمد رسول ﷺ پر (اس پیالے میں) گرتے ہیں اس سے ابل کر اولیاء کے قلب پر گرتے ہیں اس طرح قلب مرشد پر فیضان ہوتا ہے۔ قلب مرشد (پیر کامل) سے قلب مسترشد (مرید صادق) پر بہتے ہیں لہٰذا جو پیالہ سیدھا ہے وہ بھرا ہوا ہے اور جو پیالہ اوندھا ہے اس میں ایک قطرہ بھی نہیں ہے معاذ اللہ۔ (یعنی جس طرح اوندھے اور الٹے پیالہ میں پانی نہیں رک سکتا اسی طرح وہ دل جو محبت رسول سے روگرداں ہوکر اوندھے ہوجاتے ہیں ان میں نور ایمان اور فیضان عرفان نہیں سما سکتا۔

معرفت کیلئے نورِ ایمانی ضروری: اور معرفت اسی نور سے ہوسکتی ہے جو دل میں ودیعت کیا ہوا ہے جب نور سے وہ دل خالی ہے تو معرفت کیسی؟ تو ایسا دل **لا یعرف معروفا ولا ینکر منکرا** نہیں پہچانتا معروف کو نہ منکر کو کیونکہ اس میں معرفت نہیں۔ معرفت کے معنے ہیں جاننا اور پہچاننا اور معروف کا معنی ہے جانا

اور پہچانا ہوا۔ تو معروف کا جب پیالہ اوندھا ہوگیا کہ اس میں فیضان معرفت آتا ہی تھا نبی کریم ﷺ کے دربار دُر(گہر) بار سے تو اب معرفت کیسی۔ اب تو تو اوندھا ہوگیا نبی کریم ﷺ سے اور اولیائے کرام سے تو معرفت کا فیضان تجھ سے بالکل منقطع ہوگیا تو اب **لا یعرف معروفا و لا ینکر منکرا** کا مصداق ہے العیاذ باللہ تعالیٰ۔

معروف کا لغوی و اصطلاحی معنی: معروف کے لغوی معنی وہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے نیز لغوی معنی میں اور اصطلاحی معنی میں مناسبت ضروری ہے۔ معروف کا معنی نیکی اور بھلائی اور منکر کا معنی ہے برائی۔ اور دراصل لغوی معنی ہے معروف کا جانا پہچانا ہوا۔ اور منکر کا معنی ہے اجنبی۔ جانا ہوا، پہچانا ہوا، نہیں۔ جیسے وہ لوگ جو آتے جاتے ہیں وہ جانے پہچانے ہوئے ہوتے ہیں۔ اجنبی مرد اور عورت وہ لوگ ہیں جو نئے ہیں۔ جانے پہچانے ہوئے نہیں ہیں۔

معمولات اہلِ سنت معروف ہیں اور ان سے روکنا منکر ہے: تو معروف (یعنی) جانا پہچانا ہوا وہ ہے جو ہمارے درمیان پہلے سے موجود ہے جیسے سورۂ فاتحہ برائے ایصال ثواب مشہور و معروف ہے، جانی پہچانی ہوئی چیز ہے، معروف ہے یعنی نیکی ہے بھلائی ہے۔ جیسے مجلس میلاد، قیام، درود وسلام بھی کہ یہ بھی مشہور و معروف ہیں نہ صرف ہمارے زمانہ میں۔ نہ صرف ہمارے ملک میں۔ نہ صرف ہمارے شہر میں بلکہ مشہور و معروف و متعارف ہیں سب زمانوں میں سب شہروں میں۔ اس کے مقابلہ میں منکر ہے، اجنبی ہے۔ تو اجنبی، بدعت منکر تو اس کا، یعنی میلاد و فاتحہ وغیرہ ان تمام چیزوں کا انکار ہے۔ منکر اس کا مصداق ہے (یعنی فاتحہ عرس، میلاد، قیام، اور صلوٰۃ وسلام وغیرہ یہ تمام چیزیں پہلے سے ہوتی آرہی ہیں تو یہ معروف و مشہور کے زمرہ میں ہیں البتہ ان تمام مستحسن و نیک امور کا انکار یہ نئی چیز ہے جو ''منکر'' کے زمرہ میں آتی ہے کہ یہ ایک نئی اور اجنبی چیز ہے مگر چونکہ ان وہابیوں اور دیوبندیوں کے دلوں میں گمراہی کی سیاہی پھیل چکی ہے لہٰذا حدیث شریف کے فرمان کے مطابق یہ ''معروف و منکر'' میں تمیز نہیں کر پاتے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ بریلوی) **لایعرف معروفا و لا منکرا** . یہ منکر مردود اس دلیل سے قائل ہونے والا نہیں کہ حدیث کا فرمان ہے **الا ما اشرب عن هواه**۔ قرآن میں ہے **فان آمنوا بمثل ماآمنتم به فقد اهتدوا و ان تولوا فانما هم فی شقاق**۔ پھر اگر ایمان لائیں (مان جائیں) جس طرح تم ایمان لائے ہو (تم مانے ہو) پھر تب تو یقیناً راہ پائی اور اگر نہ مانیں تو وہی مجرم ہیں اختلاف کے سبب۔

اب ہم معرفت اور معروف سے بحث کر رہے ہیں اور ہمارے سامنے تفاسیر مثل مدارک التنزیل اور تفسیر خازن رکھی ہوئی ہیں۔

ولما جاء هم کتاب من عند الله مصدق لمامعهم و کانوا من قبل (ای من مبعث النبی ﷺ) یستفتحون(ای یستنصرون به) علی الذی کفروا(یعنی مشرکی العرب اذا قاتلوهم قالوا اللهم انصر بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجدنعته فی التوراة) فلما جاء هم ما عرفوا کفروا به فلعنة الله

علی الکافرین. اور پھر جب آئی یہود کے پاس کتاب (قرآن حکیم) اللہ کے پاس سے اس کی تصدیق کرتی ہوئی جوان کے ساتھ ہے (یعنی توریت) اور حال یہ ہے کہ قرآن ورسول آنے سے قبل اور بعثتِ نبوی سے پہلے وہ یہودی مدد مانگتے تھے کافروں کے خلاف (یعنی مشرکین عرب کے خلاف اور دعا میں یہ کہتے تھے۔

"**اللھم انصر بالنبی المبعوث فی اٰخر الزمان الذی نجد نعتہ فی التوراۃ**"۔اے ہمارے اللہ! ہماری مدد فرما اس نبی کے وسیلہ سے جو مبعوث ہوگا آخر زمانہ میں وہ کہ اس کی نعت و اوصاف پاتے ہیں (لکھی ہوئی) توریت میں۔**فلماجاء ھم ماعرفوا**" تو تب وہ تشریف لایا کہ جس کو وہ خوب "**ماعرفوا**" کی طرح جانتے اور پہچانتے تھے تو منکر ہو بیٹھے "تو اللہ کی لعنت کافروں پر"۔ "**ماعرفوا**" کے تحت ہے مدارک میں ای ماعرفوہ اور خازن میں ہے ای **الذی عرفوہ یعنی محمدا صلی اللہ علیہ و سلم ای عرفوا نعتہ و صفتہ**.

☆

معمولاتِ اہلِ سنت معروف اوران سے روکنا منکر ہے

قبر میں تعظیم رسول: حدیث میں ہے جب میت کو قبر میں رکھا جائے گا اور قبر بند کردی جائے گی تو دو فرشتے آئیں گے (منکر نکیر) جو مردے کو بٹھادیں گے اس سے تیسرا سوال کریں گے۔ ماکنت تقول فی ھذا الرجل ۔اس مرد کے بارے میں تو کیا کہا کرتا تھا۔ یہ سوال سرکار دو عالم ﷺ کے بارے میں ہوگا۔تو مومن حسب عادت امر معروف پر عمل کرے گا،قدمبوسی کرے گا اور تعظیم کیلئے کھڑا ہو جائے گا اور درود وسلام پڑھنا شروع کرے گا،حضور سے استعانت کرے گا۔ بے خود ہو جائے گا نہایت مسرور ہوگا آپ کی زیارت پر اور یہ مسرت اس کی ابدی مسرت کا باعث ہو جائے گی۔اور منافق اپنی عادت پر اٹھے گا، نہ کھڑا ہوگا، نہ تعظیم کرے گا، نہ قدمبوسی، نہ دست بوسی ۔ بلکہ وہی ہمسری و سرکشی وتمرد، جس منکر کا وہ عادی تھا اسی پر از خود عمل کرے گا۔ نکتہ یہ ہے اور اسی کیلئے مضمون کو دوبارہ ضبط تحریر میں لایا گیا کہ مومن معروف پر عمل کرے گا ۔ اور منافق منکر پر ،منکر کو آپ پہچان چکے ۔ اب یہاں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ ایک فرشتے کا نام ہے "منکر" دوسرے کا نام ہے "نکیر" "جس کے معنی ہیں عذاب کے یعنی جو منکر پر عمل کرتا ہے اس کا واسطہ منکر (فرشتے) سے پڑتا ہے اور اسے نکیر (نامی فرشتہ) عذاب دیتا ہے۔ جو معروف پر عمل کرتا ہے خصوصاً وقت امتحان وسوال قبر اس کا واسطہ (یعنی عذاب دینے کا واسطہ) منکر نکیر سے نہیں پڑتا۔تو منکر ونکیر ان کیلئے ہے ہمارے لئے نہیں ۔ جیسے ہی ہمارے عمل بالمعروف کو دیکھیں گے ہمیں چھوڑ کر چل دیں گے۔ اور ان پر "بقامع حدید" (لوہے کی گرزوں کی مار) کی ضربات لامتناہی سے قیامت قائم ہو جائیگی۔اس سفر کی بعض تقاریر میں یہ اہم نکتہ بیان ہوا جسے یہاں مشرحاً لکھ دیا گیا۔

اسلاف کی یادگاروں کو قائم رکھے ہوئے ہیں حضرت سبحانی میاں

از۔ داماد امام النحو ،خلیفۂ شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں ، علامہ محمد ایوب اشرفی ، صدر المدرسین والخطیب محدث اعظم مشن بولٹن، یو کے

صاحب سجادۂ آستانۂ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں دام ظلہ اپنے اسلاف کی یادوں کو بحسن وخوبی باقی رکھے ہوئے ہیں۔ وقت پر عمدہ انداز میں اپنے بزرگوں کے اعراس کا اعلیٰ انتظام ، منظر اسلام کے تعلیمی نظام میں نکھار و سدھار کے لیے بہتر سے بہتر اقدامات، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کے لیے عمدہ منصوبہ بندی غرض کہ حضرت سبحانی میاں صاحب مرکز ومسلک کے استحکام اور عروج وارتقا کے لیے مثبت انداز میں کام کر رہے ہیں۔ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت سیدی سرکار امام احمد رضا قدس سرہ کے عرس صد سالہ کی مناسبت سے حضرت ''ماہنامہ اعلیٰ حضرت'' کی طرف سے ''عرس صد سالہ نمبر'' کی اشاعت فرما رہے ہیں۔ اس سے پہلے منظر اسلام کے صد سالہ کے موقع پر بھی انہوں نے ۴؍ قسطوں میں ضخیم نمبر نکالے تھے۔ عرس صد سالہ کے پروگراموں میں مصروفیت کے باعث میں کوئی مضمون تو نہ لکھ سکا مگر دل کے جذبات اس بات پر مجبور کر رہے تھے کہ حضرت صاحب سجادہ کو اس عظیم کام پر ضرور مبارکباد پیش کی جائے۔ یہاں یورپ میں اس وقت ہر خطہ اور ہر علاقہ رضا رضا کے نعروں سے گونج رہا ہے۔ ہر طرف اعلیٰ حضرت کے نام پر محفلوں کا انعقاد ہو رہا ہے۔ کئی پروگرام میں تو فقیر خصوصی خطیب کی حیثیت سے شریک رہا اور ایک دو فقیر کی سرپرستی میں منعقد ہو رہے ہیں۔ صد سالہ عرس رضوی کے عنوان پر ۴؍ پروگرام ابھی اکتوبر کے آخری اور نومبر کے پہلے ہفتہ میں ہالینڈ کی سرزمین پر منعقد ہوں گے جن میں راقم بحیثیت خصوصی خطیب شریک ہو رہا ہے۔ غرض کہ ہر جگہ رضا کے نام کی دھوم ہے اور اہل نظر واہل دل اس وقت یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آج پھر دنیا کو امام احمد رضا کی ضرورت ہے، تعلیمات اعلیٰ حضرت کی ضرورت ہے اور تحریکات امام احمد رضا کی ضرورت ہے۔

ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' سنیوں کا وہ رسالہ ہے کہ جو اپنے روز قیام سے اب تک تسلسل کے ساتھ نکل رہا ہے۔ اہل سنت کا یہی وہ قدیمی رسالہ ہے کہ جو جاری ہونے کے بعد اب تک بند نہ ہوا، ورنہ افق صحافت پر نہ جانے کتنے ستارے طلوع ہوئے اور پھر اپنوں کی بے حسی کی وجہ سے غروب ہو گئے۔ بلاشبہ خانقاہ رضویہ کے سجادگان کی دیگر خوبیوں کے ساتھ ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اپنے ادوار میں مرکز اہل سنت کے پلیٹ فارم سے صحافتی میدان میں بھی پیش رفت فرماتے رہے خواہ وہ استاذ زمن کی سرپرستی میں نکلنے والے رسائل ہوں یا ''الرضا'' ہو یا ''یادگار رضا'' ہو یا پھر ماہنامہ اعلیٰ حضرت ہو۔ مرکز اہل سنت کا صحافتی میدان میں جو کردار رہا ہے یہ بھی ریسرچ وتحقیق کا ایک عنوان ہے۔ جس پر کسی فاضل محقق کو کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ماہنامہ اعلیٰ حضرت اور حضرت صاحب سجادہ کو سلامت رکھے۔

خلفائے اعلیٰ حضرت کی بے مثال خدمات

از۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، پاکستان

فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز (م۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کو اپنے دور میں جو ہمہ گیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی غالبًا معاصرین علما وصوفیہ میں کسی کو حاصل نہ ہوسکی۔ آپ کے خلفاء کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ایک طرف صوبہ مدراس، صوبہ بنگال اور صوبہ بہار میں آپ کے خلفاء پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان اور تیسری طرف صوبہ سندھ (پاکستان) اور صوبہ راجستھان میں، صوبہ سی۔ پی اور یو۔ پی تو گویا آپ کے زیر نگیں تھے۔ دائرہ خلفاء کی یہ ہمہ گیری شاید معاصرین صوفیہ میں کسی کو حاصل نہ ہوسکی۔ آپ کے خلفاء پاک و ہند کے مختلف شہروں میں موجود تھے۔ مثلاً بنگلور، مدراس، کلکتہ، عظیم آباد، جبل پور، آرہ، محمود آباد، میرٹھ، مرادآباد، بجنور، نگینہ، باندہ، اعظم گڑھ، کچھوچھہ، پیلی بھیت، الور، پرتاب گڑھ، کوٹلی لوہاراں، کراچی، کھروٹہ، سیالکوٹ، لاہور، آگرہ، مگدھ وغیرہ وغیرہ۔ پھر نہ صرف پاک و ہند بلکہ بلاد عرب، افریقہ، اور انڈونیشیا وغیرہ میں بھی آپ کے خلفاء موجود تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ، طرابلس، فابلس وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان خلفاء نے مجموعی طور پر حضرت فاضل بریلوی کے پیغام کو کہاں کہاں پہنچایا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں آپ کے معتقد اور جاں نثار موجود نہ ہوں۔

آپ کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ (مزار مبارک مدینہ منورہ) اور حضرت علامہ مفتی ضیاء الدین احمد مدنی علیہ الرحمہ (مزار مبارک مدینہ منورہ) کے مریدین و معتقدین تو تقریبا تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خصوصا ان ممالک میں بکثرت ہیں: ترکی، شام، مصر، عراق، یمن، لیبیا، الجزائر، سوڈان، افریقہ اور انگلستان۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت فاضل بریلوی کی شہرت ومقبولیت میں ان کے محیر العقول علم وفضل اور روحانیت کے علاوہ ان کے خلفاء کی مساعی کا بھی پورا پورا دخل ہے۔ ایک بات اور قابل توجہ ہیں، اکثر بزرگوں کے خلفاء میں چند ہی چمکتے ہیں، سب کے سب نہیں چمکتے، لیکن فاضل بریلوی کے بیشتر خلفاء علم وعمل کے درخشاں آفتاب نظر آتے ہیں، اس سے خود فاضل بریلوی کی عظیم شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عظیم انسان ہی عظیم تاثیر رکھتے ہیں۔

(1)

حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت بڑی متحرک اور فعال (dynamic) تھی، اس بلا کی حرکت اور جہد وعمل کی قوت

معاصرین میں نظر نہیں آتی۔آپ نے یہی جذبہ عمل اپنے خلفاء میں منتقل کیا، چنانچہ اکثر خلفاء علم وعمل کا روشن مینارہ نظر آتے ہیں۔انہوں نے پاک وہند اور بیرونی دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کا پیغام پہنچایا اور مسلک اہل سنت و جماعت کی اشاعت کی اور ملت اسلامیہ کو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا سچا فدائی و پرستار بنایا۔انہوں نے اس مقصد کے لیے تبلیغی دورے کیے۔ تعلیمی اور فلاحی ادارے قائم کیے،اخبارات و رسائل جاری کیے۔جن خلفاء نے تعلیمی اور فلاحی ادارے قائم کیے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

(1) حضرت مولانا میر مومن علی مومن جنیدی علیہ الرحمہ

آپ نے ناگپور میں علی گڑھ کے توڑ پر "مدرسۃ العلوم مسلمانان" قائم کیا جو غالباسی۔پی میں پہلا دینی مدرسہ تھا۔

(2) قاضی عبدالرحیم عظیم آبادی علیہ الرحمہ (1336ھ/1908ء)

آپ نے عظیم آباد (بہار) میں ''مدرسہ حنفیہ'' قائم کیا۔ اسی مدرسے کے پہلے سالانہ اجلاس میں حضرت فاضل بریلوی نے شرکت فرمائی، حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی علیہ الرحمہ نے اس اجلاس میں حضرت فاضل بریلوی کو ''مجدد مائۃ حاضرۃ'' کے لقب سے پہلے پہل یاد کیا جس پر بعد میں علمائے حرمین شریفین نے صاد کیا، مثلاً یہ علماء:۔

* شیخ موسیٰ علی شامی * شیخ حسن بن عبدالقادر * سید اسماعیل بن خلیل وغیرہ

(3) مولانا رحیم بخش آروی علیہ الرحمہ (م۔4۔1343ھ/1925ء)

آپ نے آرہ بہار میں ''مدرسہ فیض الغرباء'' قائم کیا، مشہور ومعروف مورخ وادیب سید سلیمان ندوی آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔

(4) مولانا سید دیدار علی شاہ الوری علیہ الرحمہ (م۔1354ھ/1935ء)

آپ نے الور (راجستھان) میں 1907ء ''مدرسہ قوت الاسلام'' قائم کیا، پھر ایک عرصے بعد 1924ء میں لاہور (پنجاب) میں ''دارالعلوم حزب الاحناف'' کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا جس نے پاک وہند میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور دے رہا ہے۔ آپ کے بعد آپکے صاحبزادے پاکستان کے جلیل القدر عالم مفتی حضرت مولانا سید احمد ابوالبرکات علیہ الرحمہ (جو خود حضرت فاضل بریلوی کے خلیفہ تھے) اس ادارہ کے نگراں اور ناظم اعلی رہے، اب ان کے صاحبزادے مولانا مفتی محمود احمد رضوی صاحب اس کام کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے ہیں۔(رحمہ اللہ تعالی علیہ)

(5) مولانا شاہ احمد مختار صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ (م 1357ھ/1938ء)

آپ نے میرٹھ اور ڈربن میں یتیم خانے قائم کیے اور برما میں

ایک اسکول قائم کیا، اس کے علاوہ مانڈو میں ایک دینی درسگاہ قائم کی۔

(6) مولانا محمد حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ (م 1363ھ/ 1944ء)

آپ نے 1924ء میں پیلی بھیت میں ''آشیانہ شیریہ'' کے نام سے ایک عربی مدرسہ قائم کیا۔

(7) مولانا شاہ محمد حبیب اللہ میرٹھی علیہ الرحمہ (م 1367ھ/ 1948ء)

آپ نے میرٹھ میں ''مسلم دارالیتامی والمساکین'' قائم کیا۔

(8) مولانا محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ (م 1367ھ/ 1948ء)

آپ نے بریلی شریف میں ''مدرسہ منظر اسلام'' کے قیام میں پوری کوشش کی۔

آپ ہی کے صاحبزادے علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری (ممبر قومی اسمبلی، پاکستان) نے کراچی میں ''دارالعلوم امجدیہ'' کے نام سے ایک عظیم الشان دینی مدرسہ قائم کیا جو نہایت اہتمام سے چل رہا ہے اور ملک کے ممتاز دینی مدرسوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

(9) مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ (م۔1367ھ/ 1948ء)

آپ نے 1928ء میں مرادآباد میں ''مدرسہ انجمن اہلسنت و جماعت'' کی بنیاد رکھی۔ 1352ھ میں یہ مدرسہ ''جامعہ نعیمیہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس ادارے نے قابل ذکر خدمات انجام دیں، اسی ادارہ کے تربیت یافتہ پاکستان میں پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد 1948ء میں آپ نے ''جامعہ نعیمیہ'' کے نام سے لاہور میں ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی جو آج پاکستان کے معروف دینی اداروں میں شمار کیا جاتا ہے اور بعد میں اس کے مہتمم و نگراں حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی صاحب (ممبر اسلامی نظریاتی کونسل) ہوئے۔ (مفتی محمد حسین نعیمی صاحب 2002ء میں وصال فرما گئے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر سرفراز نعیمی صاحب اس ادارہ کے مہتمم ہیں)۔

(10) مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ (م 1374ھ/ 1954ء)

آپ نے تقسیم ملک کے بعد کراچی میں ایک علمی و تبلیغی ادارہ قائم کیا، آپ کے فرزند ارجمند علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ نے اس کو فروغ دیا، ''انٹرنیشنل اسلامک مشنریز گلڈ'' اور ''ورلڈ اسلامک مشن'' کی بنیاد رکھی۔ اول الذکر کا صدر دفتر کراچی میں ہے اور موخرالذکر کا بریڈفورڈ (انگلستان) میں اور شاخیں پاکستان اور دنیا کے دوسرے ممالک میں ہیں۔ حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کے فرزند نسبتی ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری علیہ الرحمہ (ڈاکٹر صاحب مرحوم نے انگریزی میں ایک بے نظیر و بے مثال کتاب لکھی ہے عنوان یہ ہے:

The Quranic foundation and structure of Muslim society,Karachi 1974.

اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی فرماتے ہیں:

One of the finest contribution that had ever made to the understanding of Islam.

اس تبصرے سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(م۔1395ھ/1957ء) نے ''جامعہ علیمیہ'' کے نام سے کراچی میں ایک دینی ادارہ قائم کیا جو اپنی نوعیت کا واحد دینی ادارہ ہے۔ مرحوم نے ایک ادارہ ''ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشن'' کے نام سے بھی کراچی میں قائم کیا تھا۔

مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں کے خلیفہ اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے مرید مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی زید مجدہ نے موریشس (افریقہ) کے شہر پورٹ لوئس میں سنی رضوی سوسائٹی (جس کی شاخیں انگلینڈ، افریقہ اور پاکستان کے مختلف شہروں میں قائم ہیں) اور ''رضا اکیڈمی'' کے نام سے علمی ادارے قائم کیے ہیں۔

الغرض حضرت فاضل بریلوی کے خلفاء اور ان کی اولاد و تلامذہ و خلفاء نے تبلیغ و اشاعت دین کے لیے انتھک کوشش وجد و جہد کی۔ اس وقت فاضل بریلوی کے خلفاء و تلامذہ اور پھر ان کے خلفاء و تلامذہ پاک و ہند خصوصاً پنجاب و سندھ میں بڑا اہم کام انجام دے رہے ہیں۔

* کراچی میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری (ابن مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ)

* کراچی ہی میں علامہ شاہ احمد نورانی (ابن مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ)

*لاہور میں علامہ سید محمود احمد رضوی (ابن علامہ ابوالبرکات سید احمد علیہ الرحمہ)

* کوٹلی لوہاراں میں مولانا ابوالنور محمد بشیر سیالکوٹی (ابن علامہ محمد شریف کوٹلوی علیہ الرحمہ)

*راولپنڈی میں مولانا شاہ محمد عارف اللہ میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (ابن مولانا شاہ محمد حبیب اللہ میرٹھی علیہ الرحمہ) یہ علماء اہلسنت و جماعت، تبلیغ و اشاعت میں ہر سطح پر اہم کردار ادا کرتے رہے۔

(2)

پاکستان کے بیشتر مدارس عربیہ ایسے ہیں جنہیں حضرت فاضل بریلوی کے فیض یافتہ علماء چلا رہے ہیں۔ بخوف طوالت یہاں صرف چند مدارس کا ذکر کیا جاتا ہے:

صوبہ پنجاب

مدرسہ حزب الاحناف، لاہور

دارالعلوم جامعہ نظامیہ، لاہور

دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور
دارالعلوم رضویہ حنفیہ، عارف والا
دارالعلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور
جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد
جامعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد
مدرسہ انوار العلوم، ملتان
مدرسہ اسلامیہ خیر المعاد، ملتان
مدرسہ مظہر العلوم، ملتان
جامعہ محمدیہ، محمدی شریف
دارالعلوم حنفیہ، سیالکوٹ
مدرسہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور
جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی
مدرسہ اشرف المدارس، اوکاڑہ
مدرسہ مظہریہ امدادیہ، بندیال
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
جامعہ حنفیہ قادریہ، محبوب آباد

صوبہ سندھ

دارالعلوم امجدیہ، کراچی
دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
جامعہ تعلیمات اسلامیہ، کراچی
دارالعلوم حامدیہ رضویہ، کراچی
جامعہ رضویہ علیمیہ، کراچی
جامعہ نوریہ رضویہ، کراچی
شمس العلوم جامعہ رضویہ، کراچی
جامعہ فریدیہ رضویہ، کراچی
دارالعلوم سبحانیہ قادریہ، کراچی
جامعہ رضا، کراچی
جامعہ مجددیہ نعیمیہ، کراچی
رکن الاسلام جامعہ مجددیہ، حیدرآبا
دارالعلوم احسن البرکات، حیدراباد
جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر
جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ

صوبہ سرحد

دارالعلوم قادریہ، مردان
جامعہ غوثیہ، پشاور
مدرسہ غوثیہ محمودیہ، مدین

صوبہ بلوچستان

مدرسہ اویسیہ رضویہ، کوئٹہ
دارالعلوم قادریہ قاسمیہ، خضدار
دارالعلوم قاسمیہ، سبی
دارالعلوم غوثیہ رضویہ، خضدار

آزاد کشمیر

مدرسہ جامعہ حنفیہ، بھیرہ

سنی حنفی دار العلوم، عباسپور

محمد یہ نظامیہ، میرپور

یہ تو صرف پاکستان کے معدودے چند مدارس عربیہ کی فہرست ہے۔ اگر اس فہرست میں پاکستان کے تمام سنی دینی مدارس اور ہندوستان و دیگر ممالک کے سنی ادارے شامل کر لیے جائیں تو یہ فہرست ایک قاموس کی شکل اختیار کر جائے گی۔ ضرورت ہے کہ کوئی فاضل اس طرف متوجہ ہوں اور حضرت فاضل بریلوی کے زیر اثر جن مدارس میں تشکیل پائی ہے، ان کی ایک جامع اور مستند تاریخ مرتب کریں۔

(3)

علمی اور تدریسی میدان کے علاوہ فاضل بریلوی کے خلفاء نے صحافتی میدان میں قابل ذکر خدمات انجام دیں، خود فاضل بریلوی کی ادارت میں ماہنامہ ''الرضا'' بریلی سے جاری ہوا، جس کے متعلق مولانا محمد شبلی نعمانی (مصنف ''سیرت النبی'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھتے ہیں:

''مولانا صاحب کی زیر سرپرستی ایک ماہوار رسالہ ''الرضا'' بریلی سے نکلتا ہے جس کی چند قسطیں بغور وخوض دیکھی ہیں، اس میں بلند پایہ کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔۔(الندوہ اکتوبر 1914ء ص 17 بحوالہ انوار الصوفیہ (قصور) جنوری فروری 1976ء ص 33)

خلفاء میں جن حضرات نے میدان صحافت میں قدم رکھا، ان میں سے چند کی تفصیل یہ ہے:

(1) قاضی عبد الوحید عظیم آبادی نے 1315ھ میں ''مخزن تحقیق'' جاری کیا جو بعد میں ''تحفہ حنفیہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔

(2) مولانا شاہ احمد مختار میرٹھی نے افریقہ سے ایک گجراتی اخبار ''الاسلام'' کے نام سے جاری کیا۔

(3) مولانا احمد حسین امروہی (م۔1361ھ/1942) نے 1894ء میں امروہہ میں پہلا پریس قائم کیا اور ایک رسالہ ''گلدستہ نسیم چمن'' جاری کیا۔

(4) مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے مراد آباد سے'' السواد الاعظم'' جاری کیا، جس نے ملک کی سیاسی اور دینی فضا پر بہت اچھا اثر مرتب کیا۔ موصوف ہی کے تلمیذ رشید مفتی محمد حسین نعیمی لاہور سے ماہنامہ ''عرفات'' نکال رہے ہیں اور دوسرے شاگرد رشید علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب بھیرہ سے ماہنامہ ''ضیائے حرم'' نکال رہے ہیں۔ کراچی کا ماہنامہ ''ترجمان اہل سنت'' پہلے پہل غالباً علامہ مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ کی کوشش سے جاری ہوا تھا۔

(5) مولانا محمد شریف کوٹلوی علیہ الرحمہ 1351 3(م۔1370ھ/1951ء) نے امرتسر سے ہفت روزہ ''الفقیہ'' جاری کیا، آپ ہی کے صاحبزادے مولانا ابوالنور محمد

بشیر سیالکوٹی نے کوٹلی لوہاران سے ماہ نامہ "ماہ طیبہ" جاری کیا جو غالباً بند ہوگیا۔اب یہ رسالہ علامہ ضیاء اللہ قادری صاحب کے زیرادارت شائع ہورہا ہے۔

(6)علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمہ نے لاہور سے ماہنامہ ''رضوان'' جاری کیا۔

(7)مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے علامہ شاہ احمد نورانی نے کراچی سے ''اخبارالمدینۃ'' جاری کیا،موصوف ایک انگریزی ماہنامہ ''The message international'' بھی جاری کیااور آپ ہی کی کوشش سے بریڈفورڈ (انگلینڈ) میں ''ورلڈ اسلامک مشن'' کا صدر دفتر قائم ہوا، جہاں سے ''الدعوۃ الاسلامیہ'' نکل رہا ہے۔

مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ کے فرزند نسبتی ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری نے ''جامعہ علیمیہ'' سے ماہنامہ ''The Minart'' جاری کیا۔

مندرجہ بالا اخبارات و رسائل کے علاوہ پاکستان کے مختلف شہروں سے بہت سے رسائل نکل رہے ہیں جو فاضل بریلوی کے خلفاء اور تلامذہ کے زیراثر ہیں،مثلاً:۔

ماہنامہ الحسن، پشاور

ماہنامہ تاج، کراچی

ماہنامہ نوراسلام، شرقپور

ماہنامہ فیض رضا، فیصل آباد

ماہنامہ سلسبیل، لاہور

ہفت روزہ مبصر، فیصل آباد

ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ

پندرہ روزہ السوادالاعظم، لاہور

ماہنامہ انوارالصوفیہ، قصور

ہفت روزہ الہام، بہاولپور

ماہنامہ مہروماہ، لاہور

ماہنامہ نعمت، لاہور

ماہنامہ سلطان العارفین، گکھڑ (گوجرانوالہ)

ہندوستان اور انگلستان میں بھی اہل سنت کے اخبارات ورسائل نکل رہے ہیں، ان میں چند ایک یہ ہیں:

ماہنامہ استقامت، کانپور

ماہنامہ نوری کرن، بریلی

ماہنامہ پاسبان، الہ آباد

ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی

ماہنامہ المیز ان ممبئی،(2۔مارچ 1976 میں ماہنامہ "المیز ان" کا امام احمد رضا نمبر 632 صفحات پر نہایت آب وتاب سے شائع ہوا ہے)

ماہنامہ مولوی، دہلی

ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پوراعظم گڑھ

ماہنامہ سلطان الہند، اجمیر شریف

پندرہ روزہ حنفی، شری نگر کشمیر
ماہنامہ سنی دنیا، بریلی
ماہنامہ حجاز جدید، نئی دہلی
ماہنامہ حجاز، لندن
ماہنامہ اسلام ٹائمز، اسٹاک پورٹ
ماہنامہ قاری، دہلی
ماہنامہ فیض الرسول، براؤں شریف

مدارس عربیہ کے قیام اور اخبارات ورسائل کے اجراء کے علاوہ فاضل بریلوی کے خلفاء نے تصنیفی میدان میں بھی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ ''خلفائے اعلی حضرت'' (مصنفہ محمد صادق قصوری) میں تقریباً 168 تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں بیشتر تصانیف وہ ہیں جو انجمن ترقی اردو (کراچی) کی ''قاموس الکتب'' میں شامل نہیں، اس لیے یہ تفصیلات قاموس کے لیے ایک اہم ذخیرہ ہیں۔ مزید تلاش وجستجو کی جائے تو یہ تعداد ہزار سے بھی متجاوز ہوسکتی ہے۔

(4)

حضرت فاضل بریلوی کے خلفاء نے تبلیغی، تدریسی، صحافتی اور تصنیفی میدانوں کے علاوہ سیاسی میدان میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ چنانچہ تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک شدھی، تحریک پاکستان وغیرہ میں آپ کے صاحبزادگان اور خلفاء نے جو خدمات انجام دی ہیں، ناقابل فراموش ہیں۔ ان حضرات میں یہ قابل ذکر ہیں:۔ (خلفاء میں سے بیشتر حضرات راقم کے والد ماجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی قدس سرہ العزیز سے عقیدت رکھتے تھے اور دہلی تشریف لاتے تھے، راقم نے بھی زیارت کی ہے، بالخصوص حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی، حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، حضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی اور حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد علیہم الرحمہ کی زیارت اور محبت سے مستفیض ہوا ہوں۔ مسعود)

حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی
حضرت مولانا محمد حامد رضا خاں
حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان
پروفیسر سید سلیمان اشرف
مولانا شاہ احمد مختار صدیقی
مولانا محمد عبد العلیم صدیقی
مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی (آپ نے 1930ء میں ہندو و مسلم اکثریت کی بنیاد پر ہندوستان کی تقسیم کی تجویز پیش کی (السواد الاعظم، مرادآباد شمارہ 1350ھ/1930ء)
مولانا محمد امجد علی اعظمی
مولانا عبد السلام باندوی
مفتی غلام جان ہزاروی
مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری

سید فتح علی شاہ
مفتی محمد برہان الحق جبل پوری
مولانا عبدالحامد بدایونی
مولانا تقدس علی خاں
مولانا عارف اللہ شاہ میرٹھی
مولانا عبدالغفور ہزاروی **علیھم الرحمہ**۔

مولانا برہان الحق نے مسلم لیگ اور پاکستان کے لئے جو خدمات انجام دیں۔اس کا کچھ اندازہ ''مکاتیب بہادر یار جنگ'' سے ہوتا ہے۔نواب بہادر یار جنگ (م۔ 1363ھ/ 1944ء) اپنے مکتوب (محررہ 12 / مارچ 1943ء) میں مفتی برہان الحق کو لکھتے ہیں:۔

''یہ سن کر خوشی ہوئی کے آپ حضرات نے آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کے اجلاس کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر لے لی ہے۔ میں اس عنایت کے لیے سب کا ممنون ہوں۔

(مکاتیب بہادر یار جنگ، مطبوعہ کراچی 1974ء، ص 540)

فاضل بریلوی کے خلفاء نے تحریک کے پاکستان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے اس کا آغاز خود فاضل بریلوی نے کیا تھا، چنانچہ 1895ء میں عظیم آباد (پٹنہ) میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں آپ نے برطانوی اور ہندو سامراج کے خلاف مسلمانوں کو اتحاد اسلامی پر منظّم ہونے کی ہدایت فرمائی اور دوقومی نظریہ کی وضاحت کی۔ پھر 1920ء میں ایک محققانہ رسالہ ''**المحجة المؤتمنه**''لکھ کر مزید وضاحت کی۔

(رئیس احمد جعفری، اوراق غم گشتہ، مطبوعہ لاہور 1968ء ص 305-227)

نوٹ: راقم نے اسی رسالے کو سامنے رکھ کر ایک مقالہ ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' قلمبند کیا تھا جو 1971ء میں لاہور سے مرکزی مجلس رضا نے شائع کیا تھا پھر اس کے تقریباً سات ایڈیشن شائع ہوئے---مسعود)

حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی وفات کے تقریباً پانچ برس بعد 1925ء میں ان کے خلیفہ مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی مساعی سے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا چار روزہ اجلاس (17، 18، 19، 20 / مارچ) مراد آباد (یو۔پی۔ بھارت) میں منعقد ہوا۔

(آل انڈیا سنی کانفرنس کی تفصیلی رپورٹ ماہنامہ اشرفی (ص 13 تا 21) بابت شوال المکرّم 1343ھ بمطابق مئی 1925ء میں شائع ہوئی تھی۔محترم مولانا محمد جلال الدین قادری زید مجدہ کی عنایت سے اس کی فوٹوا سٹیٹ کاپیاں میسر آ گئی ہیں۔اس کانفرنس میں پاک و ہند کے تقریباً 300 رعلماء شریک ہوئے---مسعود)

اجلاس کی صدارت حضرت سید شاہ علی حسین کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے فرمائی۔(حضرت سید شاہ علی حسین محدث

کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا خطبہ صدارت ''**الخطبة الاشرفيه**'' کے عنوان سے ماہنامہ اشرفی بابت مئی 1925ء میں شائع ہوگیا تھا۔۔۔مسعود)

کانفرنس کے مستقل صدر کے فرائض حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری علیہ الرحمہ نے انجام دیئے۔

(حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمہ کا خطبہ صدارت ''ملفوظات امیر ملت'' مرتبہ منور حسین، مطبوعہ لاہور 1976ء ص 171 تا 203 میں شائع کر دیا گیا ہے)۔

اور مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت فاضل بریلوی کے شہزادے اور خلیفہ، حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ مقرر ہوئے، جس سیاسی و مذہبی اور معاشرتی پس منظر میں اور جن مقاصد کے تحت یہ اجلاس منعقد کیا گیا۔ مندرجہ بالا حضرات کے صدارتی خطبوں کے مطالعہ سے ان کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ بالخصوص حضرت مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمہ کا خطبہ نہایت ہی اہم ہے۔

(یہ خطبہ ''خطبہ صدارت جمیعت عالیہ'' کے نام 1921ء بریلی سے شائع ہوا۔ اس کے ایک ناقص الآخر نسخہ کی نقل محترم مولانا محمد جلال الدین قادری زید مجدہ نے سرائے عالمگیر، گجرات سے ارسال فرمائی۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء**۔مسعود)

اس کانفرنس کے تاریخی پس منظر اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالنے کے بعد ہم اس خطبہ کے مندرجات سے چند نکات اور اقتباسات پیش کرتے ہیں جو آج بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنے آج سے 52/سال پہلے تھے۔

حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے خطبہ میں ملت اسلامیہ کے مذہبی، سیاسی، تمدنی اور معاشرتی پہلوؤں پر بصیرت افروز خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ خطبہ اتنا طویل ہے کہ دو نشستوں میں تمام ہوا۔ اس خطبے میں آپ نے مندرجہ ذیل مقاصد کو سامنے رکھا ہے اور پھر ہر مقصد کے تحت اظہار خیال فرمایا:

(۱) تبلیغ

(۲) مذہبی تعلیم

(۳) حفظ وامن

(۴) اصلاح معاشرت

یہ افتتاحیہ تفصیل کا متحمل نہیں، اس لیے ہم مندرجہ بالا مقاصد میں موخر الذکر دو مقاصد کے بارے میں عرض کریں گے، کیوں کہ ان کا تعلق ایک عالم دین سے زیادہ ماہر سیاست و معاشیات سے ہے، شاید ان لوگوں کے لیے یہ اچنبھے کی باعث ہو جو علماء کو کاروبار جہاں کے لائق نہیں سمجھتے، لیکن ان کو نہیں معلوم۔

کاروبار جہاں سنورتے ہیں
ہوش جب بے خودی سے ملتا ہے

اول الذکر دو مقاصد کے بارے میں مختصراً عرض کر کے پھر آخر

الذکر دو مقاصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

(۱) تبلیغ دین کے سلسلے میں حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ نے ''انجمن اہل سنت و جماعت''، مراد آباد کی طرف سے ''مــدرسة التبــليـــغ '' کی تجویز پیش کی، اس کے قواعد و ضوابط، طریقہ کار پر روشنی ڈالی اور نصاب کے بارے میں اظہار خیال فرمایا ہے۔

(۲) مذہبی تعلیم کے لئے انہوں نے بہت سی تجاویز پیش کیں، مثلاً:

☆ قصبات میں محلّہ وار مدارس کا قیام۔

☆ انگریزی مدارس کے طلبہ کے لئے ''مدرسة الليل کا قیام''۔

☆ ضلع میں ایک بڑے مدرسے کی تجویز اور

☆ صوبے میں ایک مدرسہ عالیہ کا قیام جو چھوٹے مدارس کا نگران ہو اور جملہ مدارس، جمعیت عالیہ کے ماتحت ہوں،

☆ ہر کامل النصاب مدرسے میں دارالافتاء اور محکمہ تصنیف و تالیف کا قیام وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اس لیے حفظ و امن کے سلسلے میں انہوں نے مسلمانوں کو یہ ہدایت دیں:

(ا) جس طرح بھی ہو امن کی زندگی بسر کرنا چاہیے، جھگڑے اور نزاع کا جس راہ میں خطرہ اور اندیشہ ہو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(حامد رضا خاں، خطبہ صدارت، مطبوعہ بریلی، 1925ء ص29)

(ب) اس وقت جنگ میں مصروف ہو جانا ہماری قومی اور مذہبی زندگی کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ (ایضاً ص31)

مگر یہ صلح جوئی دین و مذہب کی قیمت پر ہرگز نہ تھی، چنانچہ اس صلح کوشی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی فرماتے ہیں:

''تم ہرگز کبھی ایسی جماعت پر اعتبار و اعتماد نہ کرو جو تم کو اسلام کی کوئی خصوصیت، کوئی امتیاز، کوئی ادنیٰ رسم یا تمہارا کوئی جائز شرعی، عرفی، قانونی حق چھوڑنے کے لیے اشارہ بھی کرے کہ الحذر الحذر!'' (ایضاً ص33)

(ج) ہم سوراج کو مسلمانوں کے حق میں ایک تباہ کن مصیبت سمجھتے ہیں۔ (ایضاً 34)

اقتصادی اور معاشی لحاظ سے ہندوستان کے مسلمان بہت کمزور تھے اور یہ بات عام مسلمان سیاست دانوں نے کم محسوس کی کہ سیاسی استحکام کے لئے، معاشی استحکام نہایت ضروری ہے بلکہ دور جدید میں معاشی استحکام کے بغیر سیاسی استحکام ناممکن نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ نے اس حقیقت کو شدت سے محسوس کیا اور اس سلسلے میں بہت سی تجاویز اور تدابیر پیش کیں۔ حتی کہ طالب علموں کے لیے یہ ضروری قرار دیا کے زمانہ طالب علمی میں والدین پر بوجھ نہ بنیں بلکہ سوسائٹی کا ایک مفید فرد بنیں۔ ان کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

(1) دستکاری اور پیشہ ور ہنر سے تعلق پیدا کرنا چاہیے، یہ دولت وہ ہے جو نہ دشمن چھین سکتا ہے نہ کہیں رہن و مکفول ہو سکتی ہے۔

بے منت روزی کا ذریعہ ہے۔(ایضاً ص36)

(2)برادران اسلام! تمہارے بزرگ تجارت کرتے تھے، تجارت عیب نہ سمجھی جاتی تھی، تم تجارت کرو۔

(حامد رضا خان، خطبہ صدارت، ص31)

3)برادرانِ ملت! نوکری اور ملازمت کا خیال چھوڑ کر تجارت پر ٹوٹ پڑو تو دیکھو تھوڑے عرصے میں تم کیا ہو جاتے ہو۔(ایضاً ص39)

(4)نکمے اور بے کار لوگوں کے لیے بھی مشغلے سوچے جائیں۔

(ایضاً ص38)

(5)اگر وہ تعلیم پاتا ہے، تب بھی اس کے لئے ایسا ٹھیکایا تجارت تجویز کریں جس میں وقت کم صرف ہو مگر آمدنی پیدا ہو سکے، تاکہ بچے اس عمر سے تجارت یا حرفت اور کسب مال کے خوگر و عادی ہو جائیں۔(ایضاً ص39)

ہمارے اکثر طلبہ اب بھی بے کار رہتے ہیں۔مفت خوری کی عادت بہت سے مسائل پیدا کر دیتی ہے، اس لیے طلب علم کے دوران ہی کسب معاش کی فکر لازم ہے، جو قومیں بیدار ہیں ان کے طلبہ بھی بے کار نہیں رہتے۔ کچھ نہ کچھ کما ہی لیتے ہیں۔

کفایت شعاری، سودی قرضوں سے نجات اور بیت المال کے قیام کے لیے یہ ہدایات فرماتے ہیں:

(6)ہمیں اپنے مصارف شب و روز کم کرنے کی فکر کرنا چاہیے۔(ایضاً ص40)

(7)سود لینے اور سودی قرض لینے سے بچیں اور سچی توبہ کریں کہ آئندہ خواہ کچھ ہی حال ہو مگر سودی قرض نہیں لیں گے۔

(ایضاً ص43)

(8)اللہ تعالیٰ میسر کرے اور ایک ایسا بیت المال بن جائے تو اس سے مقروض مسلمانوں کے قرض ادا کرنے کے علاوہ نادار غریب مسلمانوں کو زراعت یا تجارتی ضرورت کے لئے روپیہ قرض بھی دیا جاسکتا ہے تاکہ وہ ساہوکاروں کے دام حرص سے محفوظ رہیں۔(ایضاً ص48)

حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ نے اس سلسلے میں ''ذخیرۂ قرض حسن'' کے نام سے چھوٹے بیت المال کے قیام پھر ہر گاؤں میں ''انجمن قرض حسن'' کی تشکیل کا بھی ذکر کیا ہے اور اس مسئلے پر ایک ماہر معاشیات کی طرح اظہار خیال فرمایا ہے۔

جس زمانے میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی وہ داخلی اور خارجی طور پر بڑے انتشار و اختلال کا زمانہ تھا۔خارجہ طور پر حالات یہ تھے کہ ترکوں کو شکست ہوئی۔خلیفہ اسلام ممالک مغربیہ کے تحت بے اثر ہو کر رہ گیا۔مصطفیٰ کمال نے ''اناطولیہ'' میں ایک خود مختار ''ترکی حکومت'' قائم کی اور دوسرا خلیفہ منتخب کیا، مگر 1924ء میں اس کو معزول کر کے ملک بدر کر دیا اور اس طرح خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا جس نے ساری دنیا کے مسلمانوں خصوصاً پاک و ہند کے مسلمانوں کو نفسیاتی طور پر بے

حد متاثر کیا۔

حرمین شریفین میں ابن سعود کے گستاخانہ عمل اور مقامات مقدسہ کے انہدام کی کارروائی سے مسلمانان پاک وہند کے جذبات مشتعل تھے،لیکن اس زمانے میں بعض ایسے بھی مسلمان تھے جنہوں نے بے حرمتی کی،اس کارروائی پر ابن سعود کو مبارکباد کے تار بھی بھیجے اور فدائی مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی۔

داخلی طور پر حالات یہ تھے کہ ''لالہ منشی رام''متعصب آریہ سماجی نے آگرے میں ایک مرکز قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو مذہب اسلام سے برگشتہ کیا جائے،پھر فروری 1925ء میں ''آریامت'' کے بانی ''سوامی دیانند'' کی سوسالہ تقریب کے موقع پر مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف کرنے کے لئے مختلف کمیٹیاں بنائی گئیں۔اس زمانے میں اخبار ''تنظیم'' امرتسر،''زمیندار''لاہور اور''ملاپ'' لاہور وغیرہ میں ''لالہ ہردیال''ایم اے کا مضمون شائع ہوا جس سے ہندو ذہنیت کھل کر سامنے آگئی۔اس مضمون کا یہ اقتباس قابل توجہ ہے:

''اہل ہنود کا اسلام سے ہرگز اتفاق نہیں ہوسکتا۔اس لئے تمام مسلمانوں کو ہر جائز وناجائز کوشش سے ہندو بنا کر اہل ہنود کے کسی نہ کسی فرقے میں داخل کرلو اور اس طرح ''سوراجیہ'' حاصل کرلو اور بھارت ورش کو تمام غیر ہندوؤں سے پاک اور شدھ کرلو،اور ہندو ریاست قائم کر کے رعب،جاہ وحشم کی تخفیف اور زر کی لالچ سے تمام مسلمانوں کو گمراہ کر کے ہندو بنالو۔

(سید منور حسین ملفوظات امیر ملت،مطبوعہ لاہور 1976ء ص184)

[نوٹ: فتنہ ارتداد کے اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے ''جماعت رضائے مصطفیٰ''، بریلی شریف اور ''انجمن خدام الصوفیہ''،علی پور سیداں سیالکوٹ نے جو خدمات انجام دیں،وہ خطبۂ صدارت کے مندرجات سے بخوبی واضح ہیں۔(ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص182-183)

اس فتنے سے تقریباً دو سال قبل ہندوؤں کو بالجبر مسلمان کیا ہے تو نومبر 1922ء میں ''جمعیۃ العلماء'' کا ایک اجلاس ہوا۔جس میں ''موپلوں'' سے مسلمانان ہند کی بے تعلقی کا ریزولیشن پاس کیا گیا،لیکن بقول پیر سید جماعت علی شاہ صاحب ''اس فتنۂ ارتداد کے وقت یہ لوگ خاموش رہے اور کوئی ریزولیشن ہندوؤں کے خلاف پاس نہیں کیا''حضرت پیر صاحب نے جب حکیم اجمل خاں سے اس کی شکایت کی تو وہ لاجواب ہو کر خاموش ہوگئے''۔ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص185]

خود مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ ان میں بہت سے باطل فرقے پیدا ہوگئے تھے اور ملت اسلامیہ ایک عظیم سیاسی اور فکری انتشار کا شکار ہوگئی تھی۔اس زمانے میں مسلمانوں کے ایک طبقے نے ہندوؤں اور ہندو لیڈروں کو بادشاہی مسجد کے منبر پر بٹھایا،ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دیا اور ان کی دلجوئی کی خاطر گائے کے ذبیحے پر پابندی لگائی اور اس طرح خود شعائر

اسلام کو مٹایا۔الغرض وہ کچھ کیا جو ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا اور اخلاقی حالت اس سے بدتر تھی، گویا ترقی کا کوئی امکان نہ تھا۔

اس داخلی اور خارجہ انتشار کی حالت میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' منعقد کی گئی جس کے اعظم مقاصد یہ تھے:

(1) جو عادات و رسوم اسلام کے منافی ہیں ان کو ختم کرنا۔

(2) مروجہ علوم کی تعلیم اور سرکاری ملازمتوں کے حصول کے لیے مسلمانوں کی ہمت افزائی کرنا۔

(3) مسلمانوں کے دلوں میں صحیح اسلامی تصورات قائم کرنا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا سچا غلام بنانا۔

(4) قرآن پاک کی مقدس تعلیم عام کر کے سلف صالحین کا پیرو بنانا۔

(5) باطل فرقے جو اہل سنت و جماعت سے علیحدہ ہو کر ٹکڑوں میں بٹ گئے ہیں، تعلیم و تفہیم کے ذریعے ان کو عقائد باطلہ سے الگ کر کے اپنا بنانا اور مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنا۔

(6) سیاسی اور مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کی انفرادیت اور عظمت کو قائم کرنا اور ان کو ہندوؤں کی غلامی سے نجات دلا کر باوقار بنانا۔ نیز ہندوؤں کے اوچھے ارادوں سے باخبر کرنا۔

ان اغراض و مقاصد کو سامنے رکھ کر یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہل سنت و جماعت اور فاضل بریلوی کے خلفاء و معتقدین نے 1925ء ہی سے اپنی کوششیں تیز کر دی تھیں اور وہ پاکستان کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے، اس سے قبل فاضل بریلوی سے جو کچھ ہوسکا انہوں نے کیا، خصوصاً دو قومی نظریہ کی طرف توجہ دلا کر کر ایک نیا جوش و ولولہ پیدا کیا۔

پھر جب 1940ء میں اقبال پارک لاہور میں ''قرارداد پاکستان'' پیش کی گئی تو علماء اہل سنت و جماعت کے قائد مولانا محمد عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (۔1390ھ/ 1970ء) نے اس کی پر زور تائید کرتے ہوئے بڑی مؤثر تقریر فرمائی۔تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔1946ء میں بنارس میں سہ روزہ آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی۔اس میں پانچ ہزار سے زیادہ علماء و مشائخ اہل سنت و جماعت نے شرکت کی اور حاضرین کی تعداد تو لاکھوں سے متجاوز تھی۔اس عظیم اور بے مثال کانفرنس کے بانی اور معاونین حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ اور دوسرے بہت سے خلفاء جن کا ذکر پیچھے کر دیا گیا ہے اور ان کے علاوہ مندرجہ ذیل علمائے اہلسنت قابل ذکر ہیں:۔

(۱) حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ، م1951ء (محمد صادق قصوری: اکابر تحریک پاکستان، مطبوعہ لاہور 1976ء ص60 نیز ملاحظہ فرمائیں ''سیرت امیر ملت'')

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف رحمۃ اللہ علیہ، م1960ء (ایضاً ص 115 نیز ملاحظہ فرمائیں تذکرہ اکابر اہلسنت مطبوعہ لاہور 1976ء، ص218)

(۳) امین الحسنات حضرت پیر مانکی شریف رحمۃ اللہ علیہ،

م1960ء(ایضاً ص53،)

(۴)حضرت مولانا محمد ابراہیم علی چشتی رحمۃ اللہ علیہ،م1968ء (ایضاً ص38)

(۵)حضرت مولانا محمد عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، م1970ء(ایضاً ص105،حضرت مولانا محمد عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمہ پرمزید تحقیق کی ضرورت ہے۔مسعود)

(۶)حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (ایضاً ص200،حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی مدظلہ العالی پر بھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔مسعود)

(۷)حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ،م1966ء(عبدالحکیم شرف قادری،علامہ:تذکرہ اکابر اہلسنت،مطبوعہ لاہور،1976ء ص94۔495نیز ملاحظہ فرمائیں،''تحریک آزادی ھند اور ماہنامہ السواد الاعظم''مؤلف محمد مسعود احمد،مطبوعہ لاہور1988ء)

(۸)حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ،م1970ء (محمد صادق قصوری:اکابر تحریک پاکستان،ص146)

(۹)ابوالحسنات حضرت مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ،م1961ء (ایضاً ص46)

(۱۰)حضرت مولانا شاہ محمد عارف اللہ میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ،م1961ء(ایضاً ص102)

(۱۱)حضرت مولانا قاری محمد احمد رحمتہ اللہ علیہ نائب امام مسجد جامع فتح پور،دہلی،م1971ء(محمد مسعود احمد،تذکرہ مظہر مسعود،کراچی1969ء،ص376-380)

الغرض''آل انڈیا سنی کانفرنس'' نے 1925ء میں جس شاندار طریقے سے اپنی کوشش کا آغاز کیا۔1946ء میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا''اجلاس بنارس''اس کا نقطہ ثابت ہوا۔

افسوس!اس کانفرنس(بنارس) کی کارکردگی کی تفصیلی رپورٹ مرتب نہیں کی گئی۔

حضرت فاضل بریلوی اور آپ کے خلفاء کی سیاسی خدمات کی تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل مآخذ سے رجوع کریں:

(الف)احمد رضا خان:المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة(1339ھ/1920ء)مطبوعہ دہلی

(ب)رئیس احمد جعفری:اوراق گم گشتہ،مطبوعہ لاہور1968ء

(ج)محمد مسعود احمد: فاضل بریلوی اور ترک موالات،مطبوعہ لاہور1971ء

(د)Muhammad Masood Ahmad: neglected genius of the east 1976.

(و)Anwar Ali quaid-e-Azam and karachi,1976.

(ن)محمد صادق قصوری،اکابر تحریک پاکستان،مطبوعہ لاہور 1976ء

(م)محمد مرید احمد چشتی،مولانا:حیات صدرالافاضل،مطبوعہ لاہور

(ط) محمد منور حسین، سید: ملفوظات امیر ملت، مطبوعہ لاہور 1976ء

(ی) غلام معین الدین، مولانا: حیات صدر الافاضل مطبوعہ لاہور

(ک) محمد جلال الدین قادری، مولانا: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ لاہور)

وگرنہ عالمی مؤرخوں کے سامنے پاکستان کا حقیقی پس منظر آتا۔ بات اتنی پرانی ہوگئی کہ اب جو حقائق وانکشاف کیے جاتے ہیں تو بعض حلقے اس عمل کو تاریخ گڑھنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ بے شک لاعلمی کی بنا پر کہتے ہیں، اگر ان کو پوری طرح حقائق کا علم ہو جائے تو ہرگز ایسی باتیں نہ کہیں۔

مرکزی مجلس رضا، لاہور کے صدر جناب حکیم موسیٰ امرتسری (حکیم محمد موسیٰ امرتسری 17/نومبر 1999ء میں وصال فرما گئے۔) کے ایما پر مولانا جلال الدین قادری زیدمجدہ آل انڈیا سنی کانفرنس پر ایک تحقیقی مقالہ قلم بند فرما رہے ہیں، مولیٰ تعالی ان کی مدد فرمائے۔ بلاشبہ وہ لائق صد تحسین ہیں کہ وہ کام کر رہے ہیں کہ جو ہمارے مؤرخوں کو کرنا تھا، ان کا بار گناہ ہلکا کر رہے ہیں۔ ع

کرم کردی الٰہی زندہ باشی!

حضرت فاضل بریلوی کے خلفاء میں بعض تو ایسے بھاری بھرکم ہیں کہ ان کے حالات وخدمات کا جائزہ لیا جائے تو ضخیم کتابیں تیار ہو جائیں۔ افسوس! ابھی کما حقہ کام نہیں کیا گیا ورنہ دنیا دیکھتی کہ ہندوستان کے علم ودانش سے طلوع ہونے والا آفتاب اپنے دامن میں کتنے چاند سمیٹے ہوئے تھا۔ ان خلفاء پر سیر حاصل لکھنے کی ضرورت ہے لیکن راہ میں بہت سے کٹھن مرحلے ہیں، ان کو طے کرنا آسان نہیں۔

(ماخوذ خلفائے محدث بریلوی علیہ الرحمہ، ص ۳۰ تا ۵۱ مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، اشاعت دوم ۲۰۰۵ء)

سراپا پرتَوِ غوث الوریٰ احمد رضا تم ہو

از۔ مفتی محمد افروز عالم نوری، استاذ ومفتی منظر اسلام بریلی شریف

جہانِ سنیت کے پیشوا احمد رضا تم ہو
چراغ علم وحکمت کی ضیاء احمد رضا تم ہو

سمجھ پائے کوئی کیسے جلالت علم وعرفاں کی
شہِ کون و مکاں کا معجزہ احمد رضا تم ہو

بجھا سکتے نہیں جس کو کروڑوں آندھی وطوفاں
وہ ایسا دین کا روشن دیا احمد رضا تم ہو

وہابیت مٹا دینے چلی تھی خانقاہوں کو
بچایا جس نے ایسے پیشوا احمد رضا تم ہو

شریعت میں طریقت میں یقیناً عشق وایماں میں
ہر اک رخ سے ہمارے مقتدا احمد رضا تم ہو

ہو فقہ میں مظہر نعماں، تصوف میں غزالی بھی
سراپا پَرتَوِ غوث الوریٰ احمد رضا تم ہو

رہے کیوں فکر محشر ثابتؔ نوری کو ہر لمحہ
مدد کے واسطے جس کی صدا احمد رضا تم ہو

سرزمین بریلی شریف سے رضویات کے میدان میں ایک اہم پیش رفت رضویات کا مکمل سیٹ (160) جلدوں میں منظر عام پر۔ ملک کی اہم لائبریریوں تک مکمل سیٹ پہنچانے کے لیے

اہل خیر سے اپیل

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف سے سیدنا اعلیٰ حضرت اور آپ کے دونوں شہزادگان حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم کی تمام کتابوں کا سیٹ اور آپ کی سیرت وسوانح پر انسائیکلو پیڈیا، یہ تمام کتابیں (160) جلدوں میں اسی ہزار (80000) صفحات پر جدید انداز میں کمپوزنگ اور خوبصورت جلدوں کے ساتھ پہلی بار چھپ کر تیار ہوگئی ہیں۔ امسال صد سالہ عرس رضوی میں حضور صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی کے دست مبارک سے ان کا رسم اجرا عمل میں آئے گا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ دین کے نام پر غیر ضروری اور غیر مناسب مدوں میں مال و دولت خرچ کرنے سے اجتناب کریں اور اپنے بزرگوں خاص کر اعلیٰ حضرت کی کتابوں کی اشاعت، ان کی تقسیم اور عوام وخواص تک خاص کر یونیورسٹیز کے اساتذہ اور طلبہ تک اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو زیادہ سے زیادہ پہنچانے میں اس مال کو خرچ کریں تاکہ ثواب بھی ملے اور مسلک و مرکز خاص کر اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات کی ترویج وترسیل بھی ہوتی رہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ کچھ اہل خیر حضرات ان کتابوں کا پورا سیٹ خرید کر یونیورسٹیوں کی لائبریریوں میں جمع کرا دیں تاکہ اعلیٰ حضرت کا نام اور آپ کا دینی وملی کام ان لوگوں تک بھی پہنچ جائے جو کبھی اعلیٰ حضرت کی کتابیں نہیں خریدتے ہیں۔ ساتھ ہی ان ریسرچ اسکالروں کے لیے بھی آسانی ہو جائے گی جو اعلیٰ حضرت پر پی۔ایچ۔ڈی کرنا چاہتے ہیں اور رضویات پر معلومات حاصل کرنے کے لیے پریشان رہتے ہیں۔ یا پھر اعلیٰ حضرت کا یونیورسٹی سطح پر وہاں کے اساتذہ کے درمیان کوئی تعارف ہی نہیں ہوتا ہے تو پی۔ایچ۔ڈی کا رجسٹریشن ہی نہیں ہو پاتا۔ اس سلسلہ میں علماء، ائمہ اور ان خطباء سے بھی گزارش ہے کہ جن کا براہِ راست اہل خیر حضرات سے رابطہ رہتا ہے کہ وہ ایسے مخیّر اور دین و مذہب کا درد رکھنے والے اہل خیر کو اس جانب راغب کریں اور انہیں اس کام کی ترغیب دلائیں۔

اس پورے سیٹ کی عام قیمت: (80,800) ہے اور خاص رعایت کے بعد: (30,200) ہے۔ لیکن اگر کوئی صاحب اپنی طرف سے مکمل سیٹ لائیبریریوں کو دینا چاہیں تو پھر امام احمد رضا اکیڈمی مزید خاص رعایت کے بعد (29,000) میں ہی پورا سیٹ دیدے گی اور ان کے نام کا اسٹیکر چھاپ کر کتابوں پر چسپاں کر دے گی اور پھر جہاں بھجوانا چاہیں گے ٹرانسپورٹ کے ذریعہ وہاں بھیج دیا جائے گا۔ لہٰذا قارئین حضرات اس طرف خاص توجہ فرمائیں اور قوم وملت کے مخیّر حضرات کی اس طرف توجہ مبذول کرائیں تاکہ مسلک اعلیٰ حضرت کا ایک پائیدار کام ہو جائے۔

عرض گزار

محمد سلیم بریلوی

استاذ منظر اسلام، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کی جانب سے عظیم پیش کش، جشن صد سالہ عرس رضوی ۱۴۴۰ھ کے موقع پر

رضویات کا مکمل سیٹ

یعنی سیدنا اعلیٰ حضرت، حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم کی تصانیف اور ان حضرات کرام
کی سیرت وسوانح اور علمی ودینی کارناموں پر مشتمل کتابیں
ایک سو ساٹھ (160) جلدوں میں تقریباً اسی ہزار (80000) صفحات پر پھیلا ہوا علم وعرفان کا خزانہ
خوبصورت جلدوں میں جدید ترتیب کے ساتھ پہلی بار منظر عام پر

کتاب	تفصیل	ہدیہ
فتاویٰ رضویہ کامل ۲۲؍جلدیں رنگین، فور کلر	(جدید ترتیب اور تخریج کے ساتھ)	عام:(17000) رعایتی:(6500)
فتاویٰ رضویہ کامل ۲۲؍جلدیں سادہ	(جدید ترتیب اور تخریج کے ساتھ)	عام:(15000) رعایتی:(5500)
رسائل رضویہ ۵۰؍جلدیں رنگین دو کلر	(اعلیٰ حضرت کے ڈھائی سو رسائل کا مجموعہ)	عام:(15000) رعایتی:(5500)
جوہر الایقان المعروف بہ (تفسیر رضوی) ۴؍جلدیں	(کنز الایمان پر تفسیر، مصنفہ مولانا حشمت علی بریلوی)	عام:(2500) رعایتی:(1000)
جامع الاحادیث مکمل ۱۰؍جلدیں	(تصانیف اعلیٰ حضرت سے ۱۴۵۰۰ احادیث کا انتخاب)	عام:(5000) رعایتی:(1800)
جہان امام احمد رضا ۲۰؍جلدیں	(اعلیٰ حضرت کی سیرت وسوانح اور کارناموں پر انسائیکلوپیڈیا)	عام:(15000) رعایتی:(5500)
حواشی امام احمد رضا ۱۶؍جلدیں	(اعلیٰ حضرت کے عربی حواشی ۲۵؍کتابوں پر)	عام:(12000) رعایتی:(4000)
تلخیص فتاویٰ رضویہ ۷؍جلدیں	(فتاویٰ رضویہ سے ماخوذ عقائد وکلام اور فقہی مسائل کا مجموعہ)	عام:(4200) رعایتی:(1600)
الدولۃ المکیۃ مع حواشی (عربی اردو) ۳؍جلدیں	(جدید ترتیب، تخریج اور ترجمہ)	عام:(1800) رعایتی:(700)
اعلیٰ حضرت کی مختصر سوانح اور کارنامے ۱۲؍جلدیں	(حیات اعلیٰ حضرت وغیرہ دیگر کتب)	عام:(2000) رعایتی:(800)
فتاویٰ حجۃ الاسلام ایک جلد	(حجۃ الاسلام کے اہم فتاویٰ کا مجموعہ)	عام:(400) رعایتی:(150)
جہان حجۃ الاسلام، تذکرۂ جمیل ۲؍جلدیں	(حجۃ الاسلام کی سوانح اور کارنامے)	عام:(700) رعایتی:(250)
حجۃ الاسلام نمبر ایک جلد	(حجۃ الاسلام پر مختلف مقالات کا مجموعہ)	عام:(400) رعایتی:(150)
فتاویٰ مفتی اعظم ۷؍جلدیں	(حضور مفتی اعظم کے فتاویٰ کا مجموعہ)	عام:(3500) رعایتی:(1400)
رسائل مفتی اعظم ۴؍جلدیں	(حضور مفتی اعظم کے ۲۴؍رسائل کا مجموعہ)	عام:(1100) رعایتی:(400)
جہان مفتی اعظم ایک جلد	(حضور مفتی اعظم ہند کی سوانح اور کارنامے)	عام:(1100) رعایتی:(400)
فتاویٰ رضویہ رنگین سیٹ کے ساتھ تمام کتابوں کا ہدیہ		عام:(81700) رعایتی:(30150)
فتاویٰ رضویہ سادہ سیٹ کے ساتھ تمام کتابوں کا ہدیہ		عام:(79700) رعایتی:(29150)

نوٹ: واضح رہے کہ مجموعی رعایتی ہدیہ پورا سیٹ لینے پر ہے، جو حضرات مختلف کتابیں لیں گے ان کے لیے رعایتی ہدیہ ہر کتاب کے سامنے لکھ دیا گیا ہے۔

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر رامپور روڈ بریلی شریف، پن نمبر:243502
MOB, W NO : 9634401427, محمد اویس قرنی 9760381629 ۔حافظ ضمیر 9259476608 ۔قمر الزماں

منظوم خراج عقیدت بموقع صد سالہ عرس رضوی

نتیجۂ فکر: الحاج علامہ محمد سلیم اختر بلاآلی، پرنسپل مدرسہ اسلامیہ امانیہ لوآم، دربھنگہ

احسان و کرم ہے آقا کا اور خاص ہے فضل رحمانی
فیضان رضا سے ہم سب کے ہاتھوں میں ہے کنز ایمانی

ہر سنی ہوا جن پہ شیدا وہ نام ہے اعلیٰ حضرت کا
تحریر سے جن کی کھلتے ہیں اسرارِ علوم ربانی

افلاک کا روشن تارہ ہیں محبوبِ خدا کا پیارا ہے
تصنیف ہے جن کی قرآنی، تعلیم ہے جن کی روحانی

ہم جشن منائیں صد سالہ ہر بزم میں ہو اُن کا چرچا
واللہ ملے گی محشر میں ہم سب کو رضائے یزدانی

بو بکر کی شانِ عزیمت ہے اور لہجہ عمر فاروق کا ہے
تصنیف رضا کی دیکھو تو بے مثل ہے اس کی جولانی

ایک سیل رواں ہے کلک رضا تھکتا ہی نہیں، رکتا ہی نہیں
کیا ہیبت و شوکت ہے اس کی باطل ہے یہاں پانی پانی

ہر عاشق صادق کا سینہ معمور ہے ان کے نغموں سے
مقبول ہے سارے عالم میں ان کا یہ سلامِ لاثانی

اے شہر بریلی ناز کرو! ہیں کیسے لعل و گہر تجھ میں
پہلوئے رضا میں آسودہ ہے حامد و نوری رحمانی

تو عشق و وفا کا محور ہے تو مرکز اہل سنت ہے
ہر صبح تمہاری عرفانی ہر شام تمہاری نورانی

یہ باغ رضا ہے اے لوگو! ہر پھول شگفتہ ہے جس کا
نگراں ہیں ابھی اس گلشن کے سبحاں رضا خاں سبحانی

اس باغ رضا کو رہنا ہے شاداب و شگفتہ حشر تلک
رکھتے ہیں نگاہِ لطف و کرم جب غوث اعظم جیلانی

کیا خوف و خطر ہو باطل کا تحریر ہو یا تقریر میری
حاصل ہے بلاآلی کو ہر دم جب فکرِ رضا کی تابانی